تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلعطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ

فتاوی رضویہ

تصنیف لطیف اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

[illegible] الفقہ والدین [illegible]

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمۂ عربی عبارات

جلد شانزدہم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ——— ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ——— ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن ۔ جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۔ پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون نمبر ۷۶۵۷۲۳۳

نام کتاب ——— فتاوٰی رضویہ جلد شانزدہم ۱۶

تصنیف ——— شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

فیضانِ کرامت ——— مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

سرپرستی ——— مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی ناظم اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

اہتمام ——— مولانا صاحبزادہ قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشر و اشاعت " " " " " "

ترجمہ عربی عبارات ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ——— " " " " " " " " " " "

ترتیب فہرست ——— " " " " " " " " " " "

تخریج و تصحیح ——— مولانا نذیر احمد سعیدی و مولانا محمد اکرام اللہ بٹ

کتابت ——— محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)

پیسٹنگ ——— مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

صفحات ——— ۶۳۲

اشاعت ——— جمادی الاولٰی ۱۴۲۰ھ / ستمبر ۱۹۹۹ء

مطبع ———

ناشر ——— رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ———

ملنے کے پتے:

- رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور۔
  ۰۳۲۰/۹۳۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۵۰۰۲
- مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور۔
- ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
- شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر پہنچانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی ترجمہ وتخریج کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً نو سال کے مختصر عرصہ میں یہ سولھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر اور کتاب السیر پر مشتمل پندرہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد نمبر	عنوانات	جوابات مسائل	تعداد رسائل	سنین اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ — مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	"	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ — نومبر ۱۹۹۱	۷۱۰
۳	" "	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ — فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	"	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ — جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۲۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴ — ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	"	۲۵۷	۴	ربیع الاول ۱۴۱۵ — اگست ۱۹۹۴	۷۴۹
۷	"	۲۹۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ — دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	"	۳۳۰	۹	محرم الحرام ۱۴۱۶ — جون ۱۹۹۵	۶۶۳
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ — اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب الزکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۹	ربیع الاول ۱۴۱۷ — اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۹	محرم الحرام ۱۴۱۸ — مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب النکاح، طلاق	[illegible]	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ — نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب الطلاق، ایمان، حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ — مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۲۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ — ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	" (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ — اپریل ۱۹۹۹	۷۴۲

سولھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے صفحہ ۲۲۰ سے آخر تک ۳۴۲ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ نئے شامل کردہ رسائل کے علاوہ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشرکۃ اور کتاب الوقف کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر

تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں :

(۱) جوال العلو لتبیین الخلو (۱۳۳۶ھ)

خلو کی تعریف اور اس کے شرعی حکم کا بیان

(۲) التحریر الجید فی حق المسجد (۱۳۱۵ھ)

اشیاءِ مسجد کو فروخت کرنے اور انھیں اپنے تصرف میں لانے کا حکم

(۳) ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری (۱۳۳۱ھ)

مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوی اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے اس مسجد کے بارے میں فیصلے کا رد بلیغ۔

رسائل مذکورہ میں سے اول الذکر رسالہ تو پہلے سے ہی فتاوی رضویہ قدیم جلد ششم کتاب الوقف میں موجود تھا جبکہ باقی دونوں رسالے اس سے قبل فتاوی رضویہ میں شامل نہ تھے موضوع کی مناسبت سے ان کو جلد ہذا میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے نیز رسالہ التحریر الجید کے بعد مسئلہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸ فتاوی افریقہ سے ماخوذ ہیں۔ یاد رہے کہ پندرھویں جلد میں کتاب السیر مکمل ہو چکی ہے اس کے بعد فتاوی رضویہ قدیم جلد ششم میں کتاب المفقود تھی جس کو کتاب الطلاق کے ساتھ منسلک کرکے تیرھویں جلد (جدید) میں شامل کیا جاچکا ہے لہذا پیشِ نظر جلد (شانزدہم) کا آغاز کتاب الشرکۃ سے ہو رہا ہے۔

حافظ محمد عبد الستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ
ستمبر ۱۹۹۹ء

رموز

محقق : علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح : علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش : علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب رد المحتار

ط : علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدر المختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر : الدر المختار ، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر : الدرر شرح الغرر ، ملا خسرو علامہ محمد بن فراموز

بحر : البحر الرائق ، علامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ : فتاوی عالمگیری ، جماعت علمائے احناف

نہر : النہر الفائق ، سراج الدین عمر بن نجیم

فتح : فتح القدیر ، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ : غنیۃ المستملی ، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ : حلیۃ المحلی ، ابن امیر الحاج

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

حمدِ باری تعالیٰ

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ
بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلٰوتُهٗ دَوْمًا عَلٰی
خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ

حضرت رضا بریلوی

اُس خدائے یکتا کی حمد و ثنا
جو اپنے جلال میں یکتا و یگانہ ہے
تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ انسان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
پر خدا کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ نازل ہوتی رہے!

فہرست مضامین مفصل

کتاب الشرکۃ

کتاب الوقف

باب المسجد

اور خود بھی نہ کرے مسجد کا بدخواہ ہے۔ ۴۳۰

مسجد میں درخت لگانا ممنوع، اور دوسروں کے بوئے ہوئے ہوں تو ان کو اس کی اجازت کے بغیر کاٹنا جائز نہیں۔ ۴۳۱

مسجد کی اشیاء پر مالکانہ قبضہ حرام ہے۔ ۴۳۱

خانۂ مسجد میں لگے ہوئے وضو کے پائپ کو بلا وجہ شرعی اکھڑوانا شرعاً ممنوع ہے۔ ۴۳۱

پائپ میں مسجد میں قبل تمام مسجدیت لگا ہو تو اکھڑوانا منع اور تمام مسجدیت کے بعد لگا تو اکھڑوانا واجب ہے۔ ۴۳۱

مسجد میں مٹی کا تیل جلانا مسجد کی بے حرمتی اور حرام ہے۔ ۴۳۱

جو منتظم مسجد کی چٹائی کو حجرے میں بچھا دے اور اپنی چٹائی بچھا کر نماز پڑھے تو وہ ظالم ہے ۴۳۱

مسجد پر قبضہ غاصبانہ کر لینے والے اور مذکورہ بالا صفات کے مالک شخص کی امامت کا حکم۔ ۴۳۱

دستور اور عرف کے مطابق مال وقف سے مسجد میں روشنی کی جائے۔ ۴۳۱

تمام حالت میں نصف شب تک روشنی ہو۔ ۴۳۱

محراب اور دیوار قبلہ میں نقش و نگار مال وقف سے مکروہ ہے، ہاں واقف نے ایسا ہی کیا ہو تو بعد میں ویسا ہی کیا جائے اور نیت تعظیم مسجد ہو ۴۳۱

قبل تمام مسجدیت مسجد کے نیچے تہ خانہ بنا اور امام کے لئے بالا خانہ بنانا جائز ہے، اور تمام مسجدیت کے بعد ناجائز۔ ۴۳۲

بوقت ضرورت مسجد میں راستہ کو شامل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حصہ بالکلیہ مسجد کر لیا جائے ۴۳۳

لیکن ضرورۃً مسجد کو راہ بنانے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو راستہ میں شامل کر لیا جائے بلکہ یہ مطلب ہے کہ بالضرورت مسجد کے ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے سے گزر سکتے ہیں۔ ۴۳۳

معتکف کے علاوہ کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں ۴۳۴

مسجد میں ناسمجھ بچوں کو لے جانے کی ممانعت۔ ۴۳۴

جو شخص اجرت لے کر طلبہ کو پڑھائے اس کو مسجد میں تعلیم دینا سخت ناجائز ہے۔ ۴۳۴

مسجد کی تعمیر کے لئے بانی کا شریف النسب ہونا ضروری نہیں ۴۳۵

کسی مال کا حرام ہونا جب تک معلوم نہ ہو وہم کر کے چل دینا منع ہے ۴۳۵

مسجد کی تشکیل پر عمارت بنا کر نماز پڑھنے والوں کو اجازت دے دی مسجد ہو گئی، اور یہ کہنا کہ بانی نے وقف نہیں کیا قابل قبول نہیں ۴۳۶

اگر بانی دل سے ثابت ہو کہ مسجد بنا کر بانی نے کہا میں اس کو صرف اپنے لئے بناتا ہوں یا مسجد کا راستہ اپنی ملک سے الگ نہ کیا تو مسجد نہ ہوئی۔ ۴۳۶

دیگر املاک جو مسجد سے متصل ہوں بے ثبوت شرعی وقف نہیں قرار دئے جا سکتے۔ ۴۳۷

مقبرہ کی عمارت زمین قبرستان کے لئے وقف کرنے کے بعد بنی تو یہ عمارت ہی ناجائز ہے۔ ۵۳۳

عام مقابر میں تعمیر و تصرف کی اجازت نہیں۔ ۵۳۳

قبریں اگر مملوکہ زمین میں ہیں تو کسی قسم کے تعمیر و تصرف کے لئے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ ۵۳۴

قبریں خود اس کی زمین میں ہوں تو اس طرح تعمیر کر سکتا ہے کہ ستون اور بنیاد میں قبر پر نہ ہو۔ ۵۳۴

قبریں اگر غصباً ہی ہوں تو زمین کا مالک چاہے تو زمین خالی کر کے تعمیر کرے یا انتظار کرے تا آنکہ میت بالکل راکھ ہو جائے تب اس پر تعمیر کرے ۵۳۴

جو زمین ہندو راجا نے مسلمانوں کو قبرستان کے لئے دی اور انھوں نے اس کو قبرستان کیلئے وقف لیا اس میں کسی بھی ہندو یا مسلمان زمیندار کا حق ملکیت قائم کرنے یا تصرف کرنے کا حق نہیں۔ ۵۳۵

قبرستان میں کسی نے درخت بویا، درخت بونے والے کی ملک ہے۔ ۵۳۶

قبرستان میں جو گھاس اگی ہے جب تک سبز ہے اس کے کاٹنے کا حکم نہیں، سوکھ جائے تو کاٹ سکتے ہیں۔ ۵۳۷

قبرستان میں جانور چرانا جائز نہیں۔ ۵۳۷

ناجائز معاہدہ خود ہی باطل ہے۔ ۵۳۷

قبر کے لئے زمین وقف کرنے سے پہلے اس میں جو مسجد بنائی وہ ابد الآباد کے لئے مسجد ہوگئی، اس میں کسی قسم کا غلط تصرف ناجائز ہے اور ویران ہو جائے تو آبادی لازم ہے، اور مقبرہ قرار دینے کے بعد بنائی تو وہ مسجد ہی نہیں لیکن ذاتی مکان بنانا یا زراعت اس میں اب بھی ناجائز ہے۔ ۵۳۸

مسجد قبرستان کی مالک نہیں ہو سکتی۔ ۵۳۹

میت دفن کرنے والے اگر کچھ رقم دفن کرتے وقت دیتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ یہ مسجد میں صرف ہوتی ہے، اسی طرح قبرستان کے وہ درخت جن کا لگانے والا معلوم نہ ہو سوکھ جائے تو وہ لکڑی مسجد میں صرف ہو سکتی ہے۔ ۵۳۹

موقوفہ قبرستان میں کوئی دوسرا کام مثلاً بازار لگانا، کھیت بنانا حرام ہے۔ ۵۳۹

مسلمانوں کی قبر کھودنا شدید جرم ہے۔ ۵۴۰

جان بوجھ کر ظالم کی مدد کرنا اسلام کی رسی گلے سے نکالنا ہے۔ ۵۴۰

گورنمنٹ نے قبرستان کے جز حصہ پر قبضہ کر کے معاوضہ دیا تو اس سے ویسی ہی جائداد خرید کر قبرستان میں شامل کی جائے۔ ۵۴۱

آباد وقف کے بدلنے کی حیب، صورتوں کا بیان۔ ۵۴۱

وقف کی مصلحت شرط و قف کے خلاف میں ہو تو واقف اس میں مصلحت وقف کے موافق تغیر کر سکتا ہے۔ ۵۴۲

واقف نے وقف نامہ میں شرط لگائی اور شرائط

* * *

فہرست ضمنی مسائل

نماز

جماعت

امامت

افتاء ورسم المفتی

فوائد فقہیہ

یمین

نذر و فتوح

بیوع

مداینات

ہبہ

میراث

وصیت

وقف

اجارہ

وکالت

کفالہ

رہن

عاریت

غصب

شہادت

دعویٰ

شرکت

ضمان

عقائد و کلام

حظر و اباحت

حیل

سیر

ترغیب و ترہیب

حدود و تعزیر

فضائل ومناقب

مناظرہ

سیاست

تاریخ و تذکرہ

اسماء الرجال

تصوف و طریقت

جرح و تعدیل

امانت

متفرقات

* * *

کتاب الشرکۃ

(احکام شرکت کا بیان)

مسئلہ

۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے دیار میں دستور ہے کہ پاٹ سن کی ڈھیر وغیرہ پانی میں بھگوتے ہیں، امسال کنوار کے مہینہ میں بہت سخت طوفان اور بارش کے سبب سے سب کے ڈھیر کو اکٹھا کر ڈالا، بعدہٗ اکثر نے نہیں لیا بعض نے اس مال کو قبض کیا اور انتظام دے کر لیا، کیا اب قبض کرنے والے بعض ان اکثر کو کہتے ہیں تمہارا جتنا ہو لے لو، وہ لوگ کہتے ہیں جب ہمارا مال کا کوئی شناخت نہیں ہم نہیں لیتے، اب قبض کرنے والے لوگ خود خرچ کریں یا فقراء اور مساکین کو تقسیم کردیں اور قبض کرنے والے پر حلال ہو تو فقراء اور غنا ہونے میں برابر ہے یا تفاوت ہے؟

الجواب

جب وہ لوگ نہیں لیتے تو قابضین صرف اپنا حصہ لے لیں باقی فقراء پر تصدق کردیں، ان میں اگر کوئی فقیر ہے تو اسے بھی دے سکتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ از کوہ نینی تال ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمد بیگ وعبدالغفور بیگ دو بھائیوں کی دکان کوہ نینی تال پر تھی، دونوں نے مال واسباب، دکان اپنے باپ کے ترکہ سے پایا اور دونوں یکجا کارکن رہے اور یکجا ان کا

خورد و نوش تھا۔ کوئی غیریت کسی بات میں نہ تھی۔ محمود بیگ مع اپنی والدہ ولایتی بیگم کے آمدنی دکان سے چھ سو روپے لے کر گیا اور سب سامان دکان عبدالغفور بیگ کے سپرد کر گیا، بعد اُن کی واپسی کے پھر عبدالغفور بیگ اسی آمدنی سے تین سو روپے لے کر حج کو گیا اور اپنی زوجہ امراؤ بیگم اور ایک لڑکا یعنی عبدالشکور اپنی والدہ اور بھائی کے پاس چھوڑ گیا راستہ میں مقام احمد آباد میں اس کی طبیعت بگڑی۔ کل اسباب اسٹیشن پولیس میں داخل کرکے محمود بیگ کو تار دیا، وہ فوراً روانہ ہوا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ عبدالغفور بیگ نے انتقال کیا وہ روپیہ اور اسباب جو اسٹیشن میں تھا محمود بیگ نے واپس دیا، اس صورت میں اس روپے کی نسبت کیا حکم ہے، آیا صرف محمود بیگ کو ملے گا یا وارثان عبدالغفور بیگ بھی اس سے حصہ پائیں گے اور کیونکر پائیں گے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کیجئے اجر پایئے۔ ت)

الجواب

جبکہ وہ تین سو روپیہ اسی دکان مشترک کی آمدنی تھا جس کے دونوں بھائی بحصہ مساوی مالک تھے تو وہ روپیہ بھی نصف نصف ان دونوں کی ملک تھا، سائل مظہر کہ روپیہ عبدالغفور بیگ اپنے بھائی کی اجازت سے لے گیا تھا اب یہ اجازت قرض تھی خواہ ہبہ خواہ اباحت، بہرحال کل یا بعض جس قدر باقی تھا جسے محمود بیگ احمد آباد سے لے آیا اس کے مقدار نصف میں محمود بیگ کا حق ہے اور نصف عبدالغفور بیگ کا ترکہ، بعد ادائے دیون و اجرائے وصایا و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین بعد تقدیم ما یقدم چوبیس سہام ہو کر اس کے وارثوں پر یوں تقسیم ہوگا:

امراؤ بیگم ــــ ۳

ولایتی بیگم ــــ ۴

عبدالشکور ــــ ۱۷

بحالت قرض تو ظاہر کہ نصف مضمون تھا تو باقی کا مطالبہ محمود بیگ کا ترکہ عبدالغفور پر رہا خواہ اسی روپے سے ادا کیا یا اس کے غیر سے لان الدیون تقضی بامثالھا (چونکہ قرض اپنی مثل سے ادا کیا جاتا ہے۔ ت) اور بحالت اباحت بھی ظاہر کہ اباحت بعد موت باطل ہو جاتی ہے،

ولانھا لیست تملیکا حتی تجری فیھا الارث بل تحلیل تصرف لما حولہ وقد مات او مات المبیح بطلت اما فی الثانی فلا نتقال الملک عنہ وبہ فی الخیریۃ واما فی الاول فعدم الملک لینتقل کما اشرنا الیہ۔

کیونکہ یہ تملیک نہیں ہے تاکہ اس میں وراثت جاری ہو بلکہ اس کے لئے ایک مباح چیز میں تصرف کو حلال قرار دینا ہے تو جب وہ یا مباح کرنے والا فوت ہو جائے گا تو باطل ہوگی، لیکن ثانی میں تو ملکیت کے انتقال کی وجہ سے جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں اس کو وجہ بتایا ہے مگر پہلی میں ملکیت نہیں تاکہ منتقل کیا جائے جیسا کہ ہم نے اس کا اشارہ دیا ہے۔ (ت)

اور بحالت ہبہ تین سو میں سے ڈیڑھ سو کا ہبہ قابلِ قسمت میں ہبہ مشاع ہے کہ نص علیہ عامۃ الکتب (جیسا کہ اس پر ہمارے علماء نے متعدد کتب میں نص فرمائی ہے۔ت) اور ایسا ہبہ مذہب صحیح پر محض بے اثر کہ بعد قبض بھی مورثِ ملک نہیں ہوتا جب تک جدا کرکے واہب کی طرف سے تسلیم نہ واقع ہو کما حققہ فی الخیریۃ والعقود الدریۃ وردالمحتار وغیرھا (جیسا کہ خیریہ، عقود دریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت) تو وہ ڈیڑھ سو بدستور ملک محمود بیگ پر رہے۔ ان دونوں صورتوں میں بعینہٖ انھیں روپوں کا نصف محمود بیگ کو ملنا چاہئے۔ غرض باقی کی نصف مقدار میں ہر طرح محمود بیگ کا استحقاق ثابت، ہاں جس قدر عبدالغفور بیگ صرف کرچکا تھا اس کا نصف بھی محمود بیگ کو ملے یا نہیں، یہ محلِ نظر ہے۔ اگر ثابت ہو کہ وہ روپے اس نے قرضاً یا ہبۃً دئے تھے تو بیشک ملنا چاہئے لضمان القرض وبطلان الھبۃ فانقلبت مضمونۃ بالاستھلاک (قرض کے ضمان اور ہبہ کے بطلان کے سبب ہلاک کرنے پر ضمان ہوگا۔ت) اور اگر اباحۃً دئے تھے یعنی مجرا لینا منظور نہ تھا نہ ان ڈیڑھ سو کا عبدالغفور بیگ کو مالک کیا تھا بلکہ جیسے بحالتِ اتحاد و یکجہتی ایک مال دوسرے کے خرچ میں آجاتا ہے اور اس کا معاوضہ مقصود نہیں ہوتا یونہی دئے تھے تو جو صرف ہوگئے ہوگئے ان کا بدل محمود بیگ کو نہیں مل سکتا لان الاباحۃ تتم فی الشائع ولا تضمن (کیونکہ اباحت مشاع والی چیز میں مکمل ہوتی ہے اور اس پر ضمان نہیں آتا۔ت) اور بیشک عرفِ ہند کے لحاظ سے یہاں ظاہر یہی صورت ہے اور ظاہر پر عمل واجب جب تک دلیل سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو، کہ عرف اعظم دلائل شرعیہ سے ہے۔ خیریہ میں ہے:

ان کان العرف قاضیا بانھم یدفعونہ علی وجہ البدل یلزم الوفاء بہ، وان کان العرف بخلاف ذلک بان کانوا لاینتظرون فی ذلک الاعطاء البدل فلا رجوع فیہ بعد الھلاک والاستھلاک والاصل فیہ ان المعروف عرفا کالمشروط شرعا اھ ملخصا۔[1]

اگر عرف یہ ہے کہ لوگ اس کو بدلہ کے طور پر دیتے ہیں تو پھر بدلہ پورا کرنا لازم ہے، اور اگر عرف اس کے خلاف ہو کہ لوگ اس میں عوض کے منتظر نہیں ہوتے تو پھر ہلاک کرنے یا ہلاک ہوجانے پر رجوع نہیں کیا جائے گا، اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ عرف میں مشہور معاملہ شرعاً مشروط کی طرح ہوتا ہے اھ ملخصاً (ت)

ظہیریہ میں امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول:

التعویل علی العرف حتی یوجد وجہ یستدل بہ علی عدمہ قیاسا۔[2]

عرف پر اعتماد ہوگا اگر موجود ہو تو یہ قابلِ استدلال وجہ بن سکے گا، جیسا کہ بہت دفعہ ہم ذکر کرچکے ہیں (ت)

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۰۱
[2] فتاوٰی ظہیریۃ

ولہٰذا یا آنکہ اگر زید عمرو کو کچھ روپے دے کہ خرچ کرے، یا اپنی حاجتوں میں اُٹھا، یا ان سے راہِ خدا میں جہاد کر تو قرض ٹھہرتا ہے اگر شوہر عورت کو دے کہ کپڑے بنا کر میرے پاس پہن ہبہ ٹھہرے گا، یونہی طالبِ علم کو لکڑیاں وغیرہ دیں کہ اپنی کتابوں میں صرف کیجئے ہبہ قرار پائے گا کہ یہاں عرف قاضی تملیک ہے۔ عقود الدریہ میں ہے:

دفع الیه دراهم فقال له انفقها ففعل فهو قرض کما لو قال اصرفها الی حوائجك[1]

ایک نے دوسرے کو کچھ دراہم دے کر خرچ کرو تو اس نے ان کو خرچ کر لئے تو یہ قرض قرار پائے گا جیسے کوئی یوں کہے کہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف کرو۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال لآخر خذ هذا المال واغز فی سبیل الله عزّوجلّ فهو قرض کذا فی الظهیریة[2]

اگر یوں کہا یہ مال لو اور فی سبیل اللہ جہاد کرو، تو یہ قرض شمار ہوگا۔ ظہیریہ میں یونہی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اعطی لزوجته دنانیر لتتخذ بها ثیابا وتلبسها عنده فدفعتها معاملة فهی لها قنیة[3]

خاوند نے بیوی کو کچھ دینار دے کر وہ کپڑے سے کر گھر میں پاس کے طور پہنے تو بیوی نے وہ دینار آگے معاملہ پر کو دے دئے تو بیوی کو اختیار ہے، قنیہ (ت)

ہندیہ میں ہے:

قال لمتفقه اصرف هذه الخشبة الی کتبك فهو هبة واصرف الی الکتب مشورة کذا فی القنیة[4]

کسی نے طالبِ علم کو کہا کہ یہ لکڑی لے جا کر اپنی کتب کے لئے استعمال کرو، تو یہ ہبہ ہوگا، اور کتب کے لئے استعمال صرف مشورہ ہوگا، جیسا کہ قنیہ میں ہے (ت)

اسی طرح اگر کسی کو مثلاً قاب پلاؤ یا اور کوئی عاریت کا نام کر کے دیا تو قرض ٹھہرے گا لان عاریة ما لا ینتفع به الا بالاستهلاك قرض (کیونکہ ایسی چیز کو عاریةً دینا جس کو صرف کر کے ہی نفع پایا جا سکتا ہے تو وہ قرض ہوتا ہے۔ ت) اور ان میں باہم دوستی و اتحاد ہے تو اباحت لمکان العرف (اباحت ہے کیونکہ یہی عرف ہے۔ ت) درمختار

---

[1] العقود الدریة تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الهبة تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۱

[2] الفتاوی الهندیة ابواب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

[3] رد المحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

[4] الفتاوی الهندیة کتاب الهبة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۶

میں ہے:

لو اعارہ قصعۃ ثرید فقرض ولو بینہما مباسطۃ فاباحۃ۔[1] اگر ثرید کا پیالہ عاریۃً دیا تو قرض ہوگا اور لینے دینے والوں میں بے تکلفی ہو تو یہ اباحت ہے۔ (ت)

بالجملہ مدار عرف پر ہے اور یہاں عرف قاضی اباحت ہے کہ جو بھائی باہم یکجا رہتے اور اتفاق رکھتے اور خور و نوش وغیرہ مصارف میں غیریت نہیں برتتے ان کی سب آمدنی یکجا رہتی ہے اور جسے جو حاجت پڑے بے تکلف خرچ کرتا اور دوسرا اس پر راضی ہوتا اور واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا، نہ وہ آپس میں یہ حساب کرتے ہیں کہ اس دفعہ تیرے خرچ میں زائد آیا اتنا مجرا دے، نہ صرف کے وقت ایک دوسرے سے کہتا ہے میں نے اس روپے سے اپنے حصے کا تجھے مالک کردیا بلکہ یہی خیال کرتے ہیں کہ باہم ہمارا ایک معاملہ ہے جس کا مال جس کے خرچ میں آجائے کچھ پروا نہیں، اور یہ یقیناً معنی اباحت و تحلیل ہے تو جب تک اس کا خلاف دلیل سے ثابت نہ ہوگا اباحت ہی قرار دیں گے، اور زر صرف شدہ کا نصف محمود بیگ کو نہ ملے گا، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۳: از ریاست رامپور بجاسپورہ روانہ و بلا شہزادہ میاں معرفت حضرت مولوی سید خواجہ احمد صاحب ۱۴ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی تعدادی بیگھے پختہ کے چند اشخاص بذریعہ میراث بطور اشتراک مالک تھے اور اسی طرح چند روز تک مالک رہے، منجملہ اراضی مذکورہ کے للعہ بیگھے پختہ اراضی پر منجانب سرکار قبضہ ۱۳۰۳ھ میں ہوگیا، یہ مقبوضہ اراضی سرکار وہ ہے کہ جس میں اشخاص مذکورہ بالا کے مورث نے بازار پینٹھ لگایا تھا، بعد ازاں اراضی مذکورہ مع اس اراضی پینٹھ والے کے ۱۳۱۴ فصلی میں باہم تقسیم ہوگئی اور عملدرآمد سرکاری بھی اسی تقسیم کا ہوگیا اور حصص ہر ایک کے مشخص و ممتاز ہوگئے مثلاً زید کے حصہ میں یہ اراضی مقبوضہ سرکار پینٹھ والی مع کچھ دیگر اراضی کے بجائے علاوہ پختہ آئی اور سب شرکاء بجائے اپنی تقسیم کے ہوگئے اور ایک بیسوہ اراضی دیگر شرکاء سے منجملہ بیگھہ پختہ کے خرید بھی لی بعد ان معاملات کے زید نے سرکار میں چارہ جوئی کی اور چاہا کہ سرکار اپنا قبضہ اراضی پینٹھ مذکور پر سے اٹھالے، سرکار نے قبضہ تو نہیں اٹھایا لیکن معاوضہ میں بجائے قبضہ اٹھانے کے دیگر اراضی دے دینے کا حکم دے دیا اور سرکار کے قبضہ کو اس اراضی پر ۱۷ سال ہوئے، سترہ سال کے منافع کے بابت اندازہ ظاہر کرکے صرف مبلغ للعہ نقد دے دینے کا بھی حکم صادر فرمادیا۔ اب دیگر شرکاء زید جو اس کے سابق میں شریک تھے وہ چاہتے ہیں کہ اس زر نقد سرکار کے عطیہ سے ہم کو بھی ملنا چاہئے، جس حاکم کے قبضہ میں وہ روپیہ ہے ان کی رائے ہے کہ روپیہ مذکورہ سترہ سال پر

---

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۹

بانٹا جائے جب سے کہ تقسیم ہوگئی ہے یعنی ۱۳۱۲ لغایت ۱۳۱۵ فصلی تو زید کو تنہا دیا جائے، اور جتنے زمانہ تک مدد فی شرکت
یعنی از ابتدا لغایت ۱۳۱۲ فصلی بلحاظ حصص شرکا روپیہ تقسیم کیا جائے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اراضی سینڈ والی
اب سرکار میں خالص حق وملک زید کی قرار پائی ہے اور زید ہی نے کوشش کرکے معاوضہ کا حکم کرایا، اور سرکار سے
روپیہ بھی تنہا زید ہی کو دے دینے کا حکم ہوا، ایسی صورت میں کیا زمانہ اشتراک کا عذر کرکے دیگر شرکا بھی رقم مذکورہ میں
لینے کے مستحق ہیں یا کیا؟ امید کہ جواب صاف صاف بلا رعایت تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حق کے سوا کسی کی رو رعایت خادمانِ شرع کا کام نہیں، اگر وہاں کچھ قومی قوانین اس کے خلاف بھی ہوں
تو سب کو ان پر قیاس نہ کیا جائے، خود زمین اگر سب شرکا کی طرف سے مدد لا استقلال تھی اور ریاست کو اس کا علم تھا
کما فی رد المحتار عن الخیر الرملی (جیسا کہ ردالمحتار میں خیر الدین رملی سے منقول ہے۔ت) یا اس کا ایسا ہونا عام طور
پر معروف تھا کما فی رد المحتار ویؤیدہ مسألۃ الطحان والحمام فی الاشباہ والدر (جیسا کہ ردالمحتار
میں ہے جس کی تائید طحان اور حمام والا مسئلہ کر رہا ہے جو اشباہ اور درمختار میں مذکور ہے۔ت) تو بلا شبہہ
یہ معاوضہ تا زمانہ شرکت حسب حصص سب شرکاء کا ہے،

لان الاعداد قائم مقام الایجاب والاخذ مقام القبول فکانوا کلہم عاقدین فوجب الاجر لہم جمیعا۔

کیونکہ تیار کرنا ایجاب اور لینا قبول کے قائم مقام ہوتا ہے، تو وہ تمام لوگ عقد کرنے والے قرار پائیں گے تو سب کے لئے معاوضہ واجب ہوگا۔ (ت)

اس میں سے یہ صورت کہ متصرف زید تھا اور وہ سب شرکاء کا کارکن اور اس نے سب کے لئے اعداد کیا،

فانہ اذن منہم جمیعا فحکم الاذن ولو فی ضمن العموم۔

کیونکہ وہاں سب کی طرف سے اجازت ہوگی اگرچہ اذن عموم کے ضمن میں پایا گیا۔ (ت)

اور اگر اعداد سب کی طرف سے نہ تھا زید نے تنہا اپنے لئے کیا اور اس حالت میں ریاست نے اسے دیا اور اب یہ
معاوضہ دیا تو اس کا مالک تنہا زید ہے،

لانہ ھو العاقد والمنافع لاتتقوم الا بالعقد فلا تکون الا لہ کما فی الہندیۃ والخیریۃ والعقود الدریۃ۔

کیونکہ وہ اکیلا ہی عاقد ہے جبکہ منافع صرف عقد سے قیمتی بنتے ہیں لہٰذا یہ صرف اسی کے لئے ہونگے جیسا کہ ہندیہ، خیریہ اور درر میں ہے (ت)

مگر تا زمانہ شرکت بقدر حصص شرکاء زید کے لئے ملک خبیث ہے لتصرفہ فی ملک غیرہ (غیر کی ملکیت میں تصرف
کی وجہ سے) اس پر لازم ہے کہ اس قدر تصدق کرے یا شرکاء کو دے اور یہی اولٰی ہے کما فی الخیریۃ

وغیرھا (جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ ت) اور ان کے لئے طیب ہوگا لانہ نماء ملکھم (کیونکہ یہ ان کی ملکیت میں صادر ہوا ہے۔ ت) اور اگر محض لاستغلال نہ تھی تو کسی شریک کے لئے کوئی معاوضہ ریاست کے دستے۔ یہ نص مراد الاجارۃ صراحۃ ولا دلالۃ (اس نے کرایہ پر نہ صراحۃً دیا نہ دلالۃً۔ ت) جو کچھ دیا وہ محض ہبہ عطیہ ہے جیسے دیا تنہا اسی کا کام ہے اور تمام وکمال اسی کے لئے طیب وحلال ہے،

لانہ لیس عوضا من مشترک حتی یحتمل اشتراک الشرکاء فیہ۔

یہ مشترک چیز کا معاوضہ نہیں تاکہ اس میں شرکاء حضرات کی شرکت کا احتمال ہو۔ (ت)

مگر یہ کہ شرکاء میں کوئی یتیم ہو تو البتہ اس کے حصے کے مقابل بعد اعتبار ریاست تا انتہائے شرکت جتنے دنوں وہ نابالغ رہا ہو اس قدر کا حصہ اس یتیم کو دینا واجب ہے،

لان منافع مالہ کمنافع الوقف مضمونۃ بالاستہلاک بلا شرط الاعداد کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر۔

کیونکہ یتیم کے مال کے منافع وقف کے منافع کی طرح ہلاک کرنے پر مضمون ہوجاتے ہیں اگرچہ یہ شرط نہ کی گئی ہو جیسا کہ درمختار وغیرہ مشہور کتب میں ہے (ت)

یہ استثناء صورت ثانیہ میں بھی جاری ہوگا وہ قدر حصہ یتیم میں رد وتصدق کا اختیار نہ رکھے گا بلکہ یتیم ہی کو دینا واجب، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳ تا ۱۰ از بنارس محلہ چوک کندہ مرسلہ محمد سلیمان ومحمد صاحبان ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس میں کہ خالد کے پانچ پسر زید، بکر، عمرو، حامد، جعفر، اور تین دختر ہیں۔ خالد نے مکان مسکونہ بنوایا۔ زید، بکر، عمرو جن کی شادی ہوگئی تھی اور بالغ تھے کچھ روپے سے اس کی تعمیر میں حصہ لے کے شریک ہوئے۔ چند سال بعد خالد نے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ، مکانات واسباب دکانداری وغیرہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کیا اور یہ مکان مسکونہ بھی اس ہبہ نامہ میں درج ہوا۔ ہبہ نامہ کی تحریر کے بعد تین سال تک خالد زندہ رہا مگر جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر جس کو وہ ہندہ کے نام ہبہ کرچکا تھا خود قابض رہا۔ خالد کی حیات میں زید، بکر، عمرو، حامد واسطے خورد ونوش کے فی کس پانچ روپے دیتا تھا اور سبھوں کا کھانا یکجائی پکتا، جعفر صغیر سن تھا اسی وجہ سے شریک نہ تھا۔ ہر پسر اپنی اپنی آمدنی علیحدہ اپنے پاس رکھتا تھا اور امور خانگی میں خود خرچ کرتا تھا، صرف کھانا یکجائی تھا۔ بعد انتقال خالد ہندہ کے زمانہ میں بھی خورد ونوش کا ایسا ہی انتظام رہا، اور دکان بعد فوت اسباب عمرو کے سپرد ہوئی اس شرط پر کہ وہ ایک آنہ فی روپیہ دستوری لے لیا کرے جب مال فروخت ہو، اور وہ حساب کتاب بھی رکھتا رہے۔

تھوڑے دنوں تک عمرو نے حساب کتاب رکھا مگر پھر خود ہی بند کردیا۔ بعدہ وفات خالد ہندہ کے حیات میں

مکان مسکونہ میں تعمیر مزید کی ضرورت ہوئی اور حامد نے کام شروع ہونے میں روپیہ دیا روپے کی عمرو پوری کرتا تھا جن کے
تعلق دکان بھی اور اپنی انگریزی پسری بھی بھرتا تھا مگر آمدنی دونوں کی یکجا رکھتا تھا اس اثناء میں خاص پنا روپیہ لگا کر زید نے
پختہ بنگلہ اس مکان مسکونہ میں اپنے روپے سے بنوایا جو اب تک قائم ہے ہندہ کے انتقال کے بعد حامد نے
ایک بنگلہ اپنے واسطے اس مکان مسکونہ میں اپنے روپے سے بنوایا علاوہ بریں اس روپے کے علاوہ ہے جو کہ حامد نے
تعمیر مزید کے شروع کرنے میں دیا تھا۔ دیگر یہ کہ زید کی وفات کے بعد اس کی بیوہ کو دو آنہ فی یوم اب تک دکان سے جو قرض کے
متعلق ہے ملتا ہے۔ اور عمرو کا بیان ہے کہ دکان کے ذمہ قرض بھی ہے مگر خالد و ہندہ نے کوئی قرضہ نہیں یہ تھا اب
وارثان خالد و ہندہ میں نزاع درپیش ہے مکان مسکونہ کس طور پر تقسیم ہوگا؟

(۱) آیا زید و بکر و عمرو کا روپیہ جو حیات خالد و ہندہ میں لگا ہے مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۲) حامد کا روپیہ اور زید کا بنگلہ جس کا وقوع بعد انتقال خالد مگر ہندہ کی حیات میں ہوا ہے مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۳) حامد کا بنگلہ جو بعد وفات خالد و ہندہ کے تعمیر ہوا مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۴) دختروں کو مکان مسکونہ میں کس قدر حصہ پہنچ سکتا ہے صرف اسی قدر مکان میں جو خالد کے انتقال کے وقت تھا
یا نئی تعمیر کے کر؟

(۵) عمرو کی دکان کا حساب سمجھنے پر کوئی الزام اس پر آسکتا ہے یا نہیں؟

(۶) زید کے بیوہ کو دو آنہ فی یوم جو دکان سے ملتا ہے واپس ہوگا یا نہیں؟

(۷) عمرو کو جو قرضہ دکان مجرا ہوگا یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب

جواب سوال اول: ان مسائل میں اصل کلی یہ ہے کہ جو شخص اپنے مال سے کسی کو کچھ دے اگر دیتے وقت تصریح
ہو کہ یہ دینا فلاں وجہ پر ہے مثلاً ہبہ یا قرض یا ادائی دین ہے جب تو آپ ہی وہی وجہ متعین ہوگی اور اگر یہ کچھ ظاہر
نہ کیا جائے تو دینے والے کا قول معتبر ہے کہ وہ اپنی نیت سے خوب آگاہ ہے اگر اپنی طرف نیت بتائے گا مثلاً کہے
میں نے قرضاً دیا قرض میں دیا ہبہ مقصود نہ تھا تو اس کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور جو اس کے خلاف
کا مدعی ہو وہ محتاج اقامت بیّنہ ہوگا مگر جبکہ قرائن و دلائل عرف سے اس کا یہ قول خلاف ظاہر ہو تو نہ مانیں گے
اور اسی کو اقامت بیّنہ کی تکلیف دیں گے بکثرت مسائل اسی اصل پر متفرع ہیں، مداینات العقود الدریۃ میں
بزازیہ سے ہے:

(ت) القول قول الدافع لانہ اعلم بجہۃ الدفع۔ دینے والے کی بات معتبر ہوگی کیونکہ دینے کی وجہ کو وہ بہتر جانتا ہے

ؐ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب المداینات القول قول الدافع ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۲۲۳

فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح میں ہے:

دفع الی غیرہ دراھم فانفقھا وقال صاحب الدراھم اقرضتکھا وقال القابض لابل وھبتنی کان القول قول صاحب الدراھم[1]

ایک نے دوسرے کو کچھ درہم دیے تو اس نے اسے خرچ کرلیے، دراہم دینے والے نے کہا میں نے تجھے قرض دیے تھے، اور لینے والا کہتا ہے نہیں بلکہ تُو نے مجھے ہبہ دیا ہے، تو دینے والے کی بات معتبر ہوگی (ت)

جامع الفصولین فصل رابع وثلثین میں ہے:

صدق الدافع بیمینہ لانہ مملک[2]

دینے والے کی بات قسم کے ساتھ مصدق قرار پائے گی کیونکہ وہ دینے والا ہے (ت)

اسی میں ہے:

دفع الی ابنہ مالا فاراد اخذہ صدق انہ دفعہ قرضا لانہ مملک[3]

بیٹے کو کچھ مال دیا اب واپس لینا چاہتا ہے تو قرض کے طور پر دینا مانا جائے گا کیونکہ وہ دینے والا ہے (ت)

اسی میں ہے:

یصدق المملک لانہ اعرف فقول العالم اولٰی بان یقبل من قول الجاھل الا فیما یکذبہ عرف[4]

مالک بنانے والے کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ وہ بہتر جانتا ہے تو جاننے والے کی بات کو ماننا اولٰی ہے بجائے اس کے کہ جاہل کی بات مانی جائے الّا یہ کہ عرف اس کو جھوٹا قرار دے (ت)

ہدایہ میں ہے:

(ومن بعث الی امرأتہ شیئا فقالت ھو ھدیۃ وقال الزوج ھو من المھر فالقول قولہ) لانہ ھو المملک فکان اعرف بجھۃ التملیک کیف وان الظاھر انہ

جس نے بیوی کو کوئی چیز بھیجی تو بیوی نے کہا یہ ہدیہ ہے اور خاوند نے کہا یہ مہر میں شمار ہے، تو خاوند کی بات معتبر ہے کیونکہ وہ مالک بنانے والا ہے تو وہی تملیک کی وجہ کو بہتر جانتا ہے اس کے خلاف کیسے

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح فصل فی حبس المرأۃ نفسہا بالمہر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۸

[2] و [3] و [4] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۷

یسعی فی اسقاط الواجب (الا فی الطعام الذی یؤکل) فان القول قولها والمراد منه ما یکون مهیأ للاکل لانه یتعارف هدیة اھ[1]

ہوسکتا ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ خاوند اپنے ذمہ واجب کی ادائیگی میں کوشاں ہے ہاں کھائی جانیوالی چیز میں یہ بات ظاہر نہیں کیونکہ اس میں بیوی کی بات معتبر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز کھانے کے لئے تیار کی گئی ہو کیونکہ عرفاً ایسی چیز ہدیہ قرار پاتی ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

والذی یجب اعتبارہ فی دیارنا ان جمیع ما ذکر من الحنطة واللوز والدقیق والسکر والشاة الحیة وباقیها یکون القول فیه قول المرأة لان المتعارف فی ذلك کله ارساله هدیة فالظاهر مع المرأة لامعه ولا یکون القول له الا فی نحو الثیاب والجاریة۔[2]

ہمارے دیار میں گندم، بادام، آٹا، شکر، زندہ بکری اس کا گوشت وغیرہ مذکورہ تمام اشیاء میں بیوی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ عرف میں ان تمام چیزوں کو ہدیہ کے طور پر ارسال کیا جاتا ہے اس لئے ظاہر عورت کی تائید کرتا ہے نہ کہ مرد کی، خاوند کی بات صرف کپڑوں اور لونڈی وغیرہ جیسی چیزوں میں معتبر ہوتی ہے (ت)

نہر الفائق میں ہے:

وینبغی ان لایقبل قوله ایضا فی الثیاب المحمولة مع السکر ونحوہ للعرف۔[3]

مناسب ہے کہ خاوند کی بات شکر وغیرہ کے ساتھ ارسال کئے گئے کپڑوں میں معتبر نہ ہو کیونکہ عرف یہی ہے۔ (ت)

حاشیہ ابی السعود الازہری علی الکنز میں ہے:

ینبغی ان یکون القول لها فی غیر النقود للعرف المستمر۔[4]

مناسب ہے کہ نقود کے غیر میں بیوی کی بات معتبر ہو کیونکہ عرف میں یہی جاری ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

کذا ما یعطیها من ذلك او من دراهم

یونہی شب زفاف کی صبح کو جو درہم یا دینار دئے جاتے ہیں

---

[1] الہدایۃ کتاب النکاح باب المہر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۱۴
[2] فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۵۶
[3] رد المحتار بحوالہ النہر الفائق کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۲
[4] فتح المعین علی شرح الکنز لملا مسکین " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۷

او جنا بر صبیحۃ لیلۃ العرس ولیس فی العرف صبیحۃ فان کل ذلک تعورف فی زماننا کونہ ھدیۃ[1]

ان کو عرف میں صبحہ کہا جاتا ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ ہدیہ ہونے پر عرف بن چکا ہے۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر صراحۃً ثابت ہے کہ زید و عمرو و بکر نے یہ روپیہ اپنے باپ کو قرضاً دیا تھا تو ضرور واپس ہوگا، یا صراحۃً ثابت ہو کہ بطور حسن سلوک و خدمت پدر ہبۃً دیا تھا تو ہرگز واپس نہیں ہوسکتا لتحقق موانع عدیدۃ للرجوع (رجوع کرنے میں متعدد موانع پائے جانے کی وجہ سے۔ت) یا ان کے یہاں معمول قدیم رہا ہو کہ جب کبھی ایسے صرف کی باپ کو ضرورت ہوئی ہے بیٹے اس کے شریک ہوئے ہیں اور وہ شرکت ہمیشہ بے قصد واپسی رہی ہے تو قول بقیہ ورثہ کا معتبر ہوگا کہ یہ دینا بھی اسی طرح تھا قرض نہ تھا، دینے والے اگر مدعی ہوں کہ اس بار ہم نے قرضاً دیا تھا تو ازانجا کہ ان کا وہ عرف سابق اس دعوے کے خلاف ہے بار ثبوت ان کے ذمہ ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قد قال العلامۃ فی الاشباہ امر رجلا بان یعمل لہ عملا ولم ینطقا بشیئ من الاجر وعدمہ ان کان العامل من قبل ممن یعمل لہ او للناس مثل ھذا العمل بغیر اجر کان متبرعا[2]

علامہ نے اشباہ میں فرمایا ایک شخص نے دوسرے کو کوئی کام کرنے کو کہا اور اس پر انھوں نے معاوضہ ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر نہ کیا تو اگر کام کرنے والا قبل ازیں اس شخص کا کام بغیر اجرت کرتا رہتا ہے یا دوسرے لوگوں کا کام بلا اجرت کرتا رہتا ہے تو مفت شمار ہوگا (ت)

اور اگر سبب کچھ نہ ہو تو عمرو بکر خود اور زید کے وارثوں کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ یہ دینا بطور ہبہ نہ تھا مگر عمرو و بکر کہ زندہ ہیں قطعی قسم کھائیں گے اور وارثانِ زید اپنے علم پر یعنی واللہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے مورث زید نے یہ روپیہ اپنے باپ خالد کو ہبۃً دیا تھا،

کما عرف من الحکم فی الیمین علی فعل الغیر انھا تکون علی العلم لا علی البتات۔

جیسا کہ کسی دوسرے شخص کے کام کرنے کے متعلق قسم میں معلوم ہوچکا ہے کہ وہ حکم علم پر مبنی ہوتا ہے مطلقاً قطعی نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۳

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الاجارہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۴۳

جامع الفصولین میں ہے:

الوارث یصدق ان الاب اعطاہ بجھة الدین لقیامه مقام مورثه فیصدق فی جھة التملیك[1]

وارث کی یہ بات تسلیم کرلی جائے گی کہ والد نے فلاں کو چیز بطور قرض دی تھی کیونکہ وارث اپنے مورث کے قائم مقام ہوجاتا ہے اس لئے تملیک کی وجہ میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔(ت)

اس صورت میں اگر بقیہ ورثہ خالد مدعی ہبہ ہوں گواہ دیں واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

جواب سوال دوم: تقریر سوال سے ظاہر کہ وہ تعمیر مزید سب شرکاء کی رائے سے سب کے لئے ہوئی تو حامد اپنا حصہ نکال کر باقی روپے کا مطالبہ مطلقاً کرسکتا ہے کہ اگر یہ دینا قرضاً تھا جب تو ظاہر، اور اگر بطور ہبہ ہی تھا تاہم دو طرح کا شیوع رکھتا ہے:

اوّلاً چند شخصوں کو روپے ہبہ کرنا۔

ثانیاً اپنے حصے کے ماورا کا ہبہ کرنا کہ اگر بالفرض سب شرکاء نہیں ایک ہی شریک کو باقیوں کے لئے ہبہ کرنا ہوتا جب بھی اپنا حصہ ہبہ سے جُدا رہنے کے باعث محل قسمت میں مشاع تھا اور اس قسم کا شیوع صدقہ میں بھی جائز نہیں اگرچہ قسم اول یعنی چند شخصوں پر تصدق جائز ہے بخلاف ہبہ کہ اس میں دونوں قسم کا مشاع مفسدٌ مبطل ہے جبکہ وہ شیئ صالح تقسیم ہو۔ درمختار میں ہے:

تصدق بعشرۃ دراھم او وھبھا لفقیرین صح لان الھبة للفقیر صدقة والصدقة یراد بھا وجه اللہ تعالٰی وھو واحد فلا شیوع لا لغنیین لان الصدقة علی الغنی ھبة فلا تصح للشیوع ای لاتملك حتی لو قسمھا وسلمھا صح[2]

دو فقیروں کو دس درہم بطور صدقہ یا ہبہ کئے تو دیے تو صحیح ہے کیونکہ فقیر کو ہبہ بھی صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ میں اللہ تعالٰی کی رضا مقصود ہوتی ہے اور وہ واحد ہے اس لئے اس میں شیوع یعنی قابل تقسیم ہونا نہ پایا گیا، لیکن یہ صورت دو غنی حضرات کو صدقہ کرنے میں صحیح نہیں کیونکہ غنی کے لئے صدقہ بھی ہبہ ہوتا ہے جبکہ ہبہ میں شیوع درست نہیں یعنی دونوں غنیوں میں سے کوئی بھی غیر منقسم کا تقسیم اور قبضہ سے قبل مالک نہ بنےگا۔(ت)

تنویر میں ہے:

الصدقة کالھبة لاتصح غیر مقبوضة

صدقہ ہبہ کی طرح ہے لہٰذا بغیر قبضہ اور غیر منقسم کو

---

[1] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

[2] درمختار باب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ولا فی مشاع یقسم[1] — تقسیم کے بغیر درست نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان قلت قدمر ان الصدقۃ لفقیرین جائزۃ فیما یحتمل القسمۃ بقولہ وصح تصدق عشرۃ لفقیرین قلت المراد ھنا من المشاع ان یھب بعضہ لواحد فقط[عہ] فحینئذ ھو مشاع یحتمل القسمۃ بخلاف الفقیرین فانہ لاشیوع کما تقدم بحر[2] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اگر تیرا اعتراض ہو کہ قبل ازیں کہا ہے کہ دو فقیروں کو تقسیم سے قبل قابل تقسیم چیز کا صدقہ جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں کے معاملہ میں مشاع سے مراد یہ ہے کہ فقط اس کا کچھ ایک کو دیا ہو تو یہ مشاع (غیر منقسم جو قابل تقسیم تھا) ہو، بخلاف فقیروں کے کیونکہ ان میں شیوع نہ پایا گیا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ بحر، اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال سوم وبقیہ دوم: زید وحامد نے زمین مکان مشترک میں جو بنگلے اپنے لئے اپنے روپے سے بنائے وہ خاص انہیں کے ہیں، دیگر شرکاء کا ان میں کوئی حق نہیں، اگر باقی شرکاء اب قائم رہنا نہیں چاہتے تو مکان زمین موروث مشترک کی تقسیم کرلیں، اگر بنگلے کی کل زمین بنگلے ہی کے حصّہ میں آکر پڑی جب تو نزاع ہی قطع ہوئی ورنہ اگر وہ کل زمین یا اس کا بعض کسی دوسرے شریک کے حصّہ میں پڑے تو باہمی رضامندی سے زمین والا اپنی زمین بنگلے والے کے ہاتھ بیع کردے یا بنگلے والا اپنا بنگلہ کل یا بعض زمین والے کے ہاتھ۔ اور کسی طرح تراضی نہ ہو تو زمین والے کو اختیار ہوگا کہ بنگلہ کل یا بعض جس قدر اس کی زمین میں واقع ہوا اکھڑوا دے اور اس کے سبب اگر زمین کو کچھ نقصان قلیل پہنچے اس کا تاوان بنگلہ والے سے لے لے اور اگر نقصان سخت کثیر پہنچے کہ زمین کو خراب وبیکار کردے تو اسے اختیار ہے کہ اس قدر عمارت بنگلہ جو اس کی زمین میں ہے اپنی ملک ٹھہرالے اگرچہ صاحب بنگلہ راضی نہ ہو اور اسے

عہ: قولہ فقط ناظر الی بعضہ لا الی واحد حتی لو وھب بعضہ فقط لجماعۃ لم یجز ایضا ولو وھب کلہ لفقیر واحد جاز فی الصدقۃ کما لایخفی ۱۲ منہ (م)

قولہ فقط، کا تعلق لفظ "بعض" سے ہے نہ کہ "واحد" سے حتی کہ بعض حصہ اگر پوری جماعت کو بھی دیا تو جائز نہ ہوگا اور اگر سارا مستحق کو دے دیا تو صدقہ میں جائز ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الہبہ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] ردالمحتار " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۲۲

اس تعمیر کی وہ قیمت دے جو روز واپسی زمین ایسی عمارت کا اس حال میں نرخ ہو جبکہ اس کے گرادینے کا حکم ہو لیا ہو، اور اس کی صورت کا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ عمارت گرادی جائے تو جس قدر ملبہ ٹوٹ پھوٹ کر بعد گرانے کے نکلے اس کا بھاؤ روز واپسی کیا ہوگا اور گروانے میں کیا مزدوری جائے گی یہ مزدوری اس ملبہ کے بھاؤ سے گھٹا کر جو بچے وہ اس دن اس عمارت کی قیمت ہے جس کے گرانے کا حکم ہو لیا۔ درمختار کتاب القسمۃ میں ہے:

بنی احد الشریکین بغیر اذن الآخر (وکذا لو باذنه لنفسه لانه مستعیر لحصة الاخر وللمعیر الرجوع متی شاء رملی علی الاشباه) فی عقار مشترک بینهما فطلب شریکه رفع بنائه قسم العقار فان وقع البناء فی نصیب الباني فبها ونعمت والا هدم البناء (او ارضاه بدفع قیمة ط عن الهندیة، وحکم الغرس کذلک بزازیة) اھ مختصرا من الشامی۔

مشترکہ جگہ پر ایک شریک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر تعمیر کی دوسرے نے وہاں سے عمارت ہٹانے کا مطالبہ کیا تو زمین کو تقسیم کیا جائے، اگر عمارت بنانے والے کے حصہ میں وہ عمارت آگئی تو بہتر ورنہ عمارت کو گرایا جائے گا (اس پر علامہ شامی نے یہ اضافہ فرمایا یوں ہی اگر شریک کی اجازت سے اپنی ذات کے لئے بنائی تو حکم یہی ہے کیونکہ اس نے گویا وہ زمین عاریۃً عمارت کے لئے اپنے شریک سے حاصل کی اور عاریت دینے والے کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے واپس لے لے، رملی علی الاشباہ۔ اور طحطاوی میں ہندیہ سے یوں ہے یا شریک کو قیمت دے کر راضی کرلے) ——— اور پودے لگانے کا حکم بھی یہی ہے، بزازیہ، اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اقول وفی فتاوی قاری الهدایة وان وقع البناء فی نصیب الشریک قلع وضمن ما نقصت الارض بذلک اھ وقد تقدم فی کتاب الغصب ان من بنی او غرس فی ارض غیره امر بالقلع وللمالک ان یضمن له قیمة بناء او غرس امر بقلعه ان نقصت الارض به

میں کہتا ہوں اور فتاوی قاری الہدایہ میں ہے اور اگر عمارت شریک کے حصہ میں بنائی تو ہٹائے اور ہٹانے والے سے زمین کے نقصان کا ضمان لے اھ، اور کتاب الغصب میں پہلے گزر چکا ہے کہ جس نے عمارت یا پودے غیر کی زمین میں لگائے تو اسے ہٹانے کا حکم دیا جائے گا اور مالک کو اختیار ہوگا کہ اگر عمارت گرنے یا پودے اکھاڑنے سے زمین کا جو نقصان ہوا ہو تو اس کا

۱؎ درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۲۱
۲؎ ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۶۰

والظاہر جریان التفصیل ھنا کذلک[1] تامل۔ اقول وکذلک تقدم فی کتاب العاریۃ متنا وشرحا حیث قال لو اعار ارضا للبناء والغرس صح ولہ ان یرجع متی شاء ویکلفہ قلعہما الا اذا کانت فیہ مضرۃ بالارض فیترکان بالقیمۃ مقلوعین لئلا تتلف ارضہ[2] اھ وھذا اعم من بناء احد الشریکین لا یخلو عن احدھما اذ لو بنی بغیر اذن شریکہ کان غاصبا او بہ لنفسہ کان مستعیرا فلا شک فی جریان الحکم المذکور فیہما ھنا ثم ما ذکر قدوری ھدایۃ محلہ ما اذا کان النقصان قلیلا غیر بالغ حد افساد الارض والتملک محمول علی النقصان الفاحش کما یفیدہ تعلیل الدر بقولہ لئلا تتلف ارضہ وقد نقل المحشی عن السائحانی عن المقدسی فی الغصب تحت قول الدر من بنی او غرس فی ارض غیرہ بغیر اذنہ امر بالقلع

ضمان لے گا اور ظاہر ہے کہ یہاں وہی تفصیل ہوگی غور کرو۔ اقول (میں کہتا ہوں) اور یونہی متن اور شرح کی کتاب العاریۃ میں گزرا ہے جہاں فرمایا کہ اگر زمین عمارت یا پودے لگانے کے لئے عاریۃً دی تو جائز ہے اور اس کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے واپس لے لے اور بنانے والے کو ہٹانے پر مجبور کرے، ہاں اگر عمارت گرانے اور پودے اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو دونوں چیزوں کو ان کی اکھاڑی ہوئی صورت کی قیمت کے بدلے یہاں رکھا جائے تاکہ مالک کی زمین تلف نہ ہو اھ، اور شریکین میں سے ایک کا تعمیر کرنا دو حال سے خالی نہیں کہ بغیر اجازت تعمیر کرے گا تو غاصب ہوگا یا اجازت سے اپنی ذات کے لئے تعمیر کرے گا تو عاریۃً حاصل کرنے والا قرار پائے گا تو جب دونوں صورتوں میں وہاں مذکور حکم ہی جاری ہوگا، پھر قدوری ہدایہ نے جو ذکر فرمایا تو اس کا محل وہ صورت ہے جب اکھاڑنے میں نقصان کم ہو جس سے زمین میں فساد پیدا نہ ہو، اور قیمت دے کر مالک بننے کی صورت وہ ہے جب زمین کا نقصان زیادہ ہو جیسا کہ درمختار کا یہ علت بیان کرنا "تاکہ زمین تلف نہ ہو" سے بطور فائدہ معلوم ہو رہا ہے، در غصب کے باب میں محشی نے سائحانی اس نے مقدسی سے درمختار کے قول "جس نے غیر کی زمین میں بغیر اجازت عمارت بنائی یا پودے لگائے تو اسے وہاں سے اکھاڑنے

---

[1] ردالمحتار کتاب القسمۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۶۰
[2] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۲

والا فللمالک ان یضمن لہ قیمۃ بناء او شجر امر بقلعہ ای مستحق القلع ان نقصت الارض بہ[1] ھو ما نصہ ای نقصانا فاحشا بحیث یفسدھا اما لو نقصھا قلیلا فیاخذ ارضہ ویقلع الاشجار ویضمن النقصان[2] قہستانی اھ وبھذا التوفیق یتضح المراد وتزول الاوھام والحمد للہ ولی الانعام۔

اور زمین واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا، اور مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ اکھاڑے ہوئے مکان یا درختوں کی قیمت کا ضامن بن جائے اگر زمین کو نقصان کا خطرہ ہو یعنی اگر نقصان ہو تو اکھاڑنے کا مستحق ہوگا اھ محشی کی عبارت یہ ہے یعنی ایسا فحش نقصان جو زمین کے فساد کا باعث ہو، لیکن اگر نقصان قلیل ہو تو مالک اپنی زمین واپس لے اور درخت وغیرہ اکھاڑ دے اور نقصان کا ضامن ہے اھ تو اس بیان سے مذکورہ عبارات میں موافقت ہوگئی، مقصود واضح ہوگیا اور اوہام ختم ہوگئے اور بزرگی نعمت کے مالک کے لئے ہے۔ (ت)

نیز شامی میں ہے:

ای قیمۃ بناء او شجر امر بقلعہ اقل من قیمتہ مقلوعا مقدار اجرۃ القلع فان کانت قیمۃ المقلوع عشرۃ واجرۃ القلع درھم بقیت تسعۃ[3] (ملخصا)

یعنی مکان یا درخت جن کو اکھاڑنے کا حق ہے ان اکھاڑے ہوئے کی قیمت سے اکھاڑنے کی مزدوری برابر منہا کرکے بقیہ قیمت دی جائے، مثلاً اگر اکھاڑے گئے کی قیمت دس درہم ہو اور مزدوری ایک درہم ہو تو نو درہم قیمت دے گا (ملخصاً)۔ (ت)

خیریہ میں ہے:

ان وقع بعضہ فی حصتہ وبعضہ فی حصۃ الاخر فما وقع فی حصتہ فامرہ الیہ وما وقع فی حصۃ الاخر فلہ ان یکلفہ قلعہ[4]

اگر مکان کا کچھ حصہ اپنی زمین اور کچھ حصہ دوسرے کی زمین میں ہو تو اپنی زمین والا حصہ اس کی صوابدید پر ہے، اور جو حصہ دوسرے کی زمین پر واقع ہے تو دوسرے کا حق ہے کہ وہ اسے گرانے پر مجبور کرے (ت)

---

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۶
[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۲۴
[3] " " " "
[4] الفتاوی الخیریۃ کتاب القسمۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۶۱

یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ مکان صالح تقسیم اور شرکاء تقسیم پر راضی ہوں ورنہ اگر بقیہ شرکاء اس عمارت کو رکھنا چاہیں تو ڈھا دینے سے چارہ نہیں۔ خیریہ میں ہے :

لایخفی انہ اذا لم یمکن القسمۃ او لم یرضیا بھا تعین الھدم۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ مخفی نہیں کہ جب زمین قابلِ تقسیم نہ ہو یا فریقین تقسیم پر راضی نہ ہوں تو گرائے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال چہارم : دختریں مکان قدیم سے کہ وقتِ مرگ خالد موجود تھا ترکہ پدری پائیں گی کہ ہبہ جو خالد نے ہندہ کے نام کیا تھا بوجہ قبضہ نہ دینے کے موت خالد سے باطل ہوگیا اور ترکہ خالد ہی ٹھہرا اور اس میں سے جو حصہ ہندہ نے پایا اور نیز تعمیر مزید سے کہ زمانہ ہندہ میں سب شرکاء کے لئے ہوئی جس قدر حق ہندہ تھا ان دونوں میں سے ترکہ مادری لیں گی اور اگر زید کے ورثہ میں بہنوں کا کوئی حاجب مثلاً بیٹا یا پوتا نہیں تو جو کچھ زید کو ترکہ پدری و ہر دو ترکہ مادری سے پہنچا اور اس کا اپنا خاص جنگل ان تینوں میں سے میراث برادری کی مستحق ہوں گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال پنجم : حساب دکان لکھنا عمرو پر واجب نہ تھا اگر نہ لکھا اس پر کوئی الزام نہ ہوا،

فی العقود الدریۃ عن البحر نوع من تصرفات ناظر یجوز الاخذ علی نفس الکتابۃ ولا یجوز الاخذ علی نفس المحاسبۃ لان الحساب واجب علیہ[2] اھ فافادان الکتابۃ لاتجب علیہ حتی جاز لہ اخذ الاجرۃ علیھا فعلم ان الامین فی معاملۃ لایجب علیہ کتابۃ حسابہ وان کان نفس الحساب واجبا علیہ۔

عقود دریہ میں بحر الرائق سے منقول ہے کہ قیمتی تصرفات میں لکھائی پر معاوضہ لینا جائز ہے اور محض حساب پر معاوضہ لینا جائز نہیں کیونکہ حساب اس پر واجب ہے، اھ، اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وہاں لکھائی واجب ہوگی جہاں اُجرت لینا جائز ہوگا تو اس سے معلوم ہوا کسی معاملہ میں منتظم پر حساب کی لکھائی واجب نہیں اگرچہ نفس حساب اس پر واجب ہے۔ (ت)

بلکہ یہ قرار داد ہی کہ عمرو و بقیہ شرکاء میں ہو کہ عمرو مال بیچے حساب لکھے اور اکنی روپیہ دستوری لے محض ناجائز و حرام ہے کما لایخفی علی الفقیہ (جیسا کہ فقہ جاننے والے پر مخفی نہیں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب القسمۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۰
[2] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۰۵

جواب سوال ششم: خاص ہندہ کے لئے اس کے بیوہ ہونے پر شریکوں کا روپیہ مقرر کرنا ظاہراً بہ نیت ثواب بطور مواسات بیوہ برادر ہے اگر ایسا ہی ہے تو ہرگز واپس نہیں ہو سکتا کہ وہ اس حال میں تصدق ہے اور تصدق میں اصلاً رجوع نہیں، درمختار میں ہے:

لا رجوع فیھا ولو علی غنی لان المقصود فیھا الثواب لا العوض[1]

اس میں رجوع نہیں اگرچہ غنی پر کیا ہو کیونکہ اس سے مقصود ثواب ہے معاوضہ نہیں ہے (ت)

اور اگر دکان میں جو اس کا استحقاق بذریعہ ترکہ شوہری ہے اس کے حق میں کچھ کر دیتے ہیں تو اگر اس کا حق اسی قدر یا اس سے زائد ہے جب بھی رجوع کے کوئی معنی نہیں اور اگر ظاہر ہو کہ حق سے زائد پہنچا تو البتہ بقدر زیادت واپس لیا جائے گا،

فی شرکۃ العقود الدریۃ سئل فیما اذا کانت لکل من زید وعمرو عقار جار فی ملکہ بمفردہ توافقا علی ان ما یحصل من ریع العقارین بینھما نصفین واستمرا علی ذلک مدۃ سنوات، والحال ان ریع عقار زید اکثر من ریع عقار عمرو ویطالبہ زید بالفضل الزائد الذی دفعہ لعمرو بناء علی انہ واجب علیہ بسبب الشرکۃ المزبورۃ فھل یسوغ لزید ذلک (الجواب) الشرکۃ المزبورۃ غیر معتبرۃ فحیث کان ریع عقار زید اکثر تبین ان ما دفعہ لعمرو من ذلک بناء علی ظن انہ واجب علیہ ومن دفع شیئا لیس بواجب علیہ فلہ استردادہ الا اذا دفعہ علی وجہ الھبۃ واستھلکہ القابض کما فی شرح النظم الوھبانی وغیرہ من المعتبرات[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

عقود دریہ کی کتاب الشرکۃ میں ہے کہ زید اور عمرو ہر ایک انفرادی طور پر اپنی زمین کا مالک ہے تو دونوں نے باتفاق طے کیا کہ دونوں زمینوں سے جو پیداوار حاصل ہو وہ دونوں میں نصف نصف ہوگی، اسی معاہدہ پر کئی سال عمل ہوتا رہا حالانکہ زید کی زمین زیادہ تھی، اب زید اپنے زائد حصہ کا عمرو سے مطالبہ کرنا چاہتا ہے اس بنا پر کہ عمرو کو ادا شدہ حصہ معاہدہ مذکورہ کی وجہ سے واجب تھا تو کیا زید کو اس زائد ادا شدہ کو واپس لینے کا اختیار ہے؟ (الجواب) مذکورہ شراکت معتبر نہیں تو جب زید کی زمین کا رقبہ زیادہ ہے تو پیداوار کا زیادہ ہونا واضح ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اس نے عمرو کو جو زائد مقدار دی وہ اس خیال سے دی کہ اس کی ادائیگی واجب تھی جبکہ کوئی شخص غیر واجب چیز کو ادا کرے تو اس کی واپسی مطالبہ کا حق ہوتا ہے، ہاں اگر ہبہ کے طور پر دیا اور قابض نے اس کو ہلاک کر دیا ہو تو واپسی کا حق نہیں جب کہ

[1] درمختار کتاب الہبہ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۴

[2] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الشرکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۹۰

استقر وسیاتی کی شرح وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال ہفتم: یہ قرضہ کہ عمرو دکان کے ذمے بتاتا ہے اگر یوں ہے کہ اس نے حسب عادت تجار کچھ مال قرضوں مول لیا اور ہنوز زرِ ثمن ادا نہ کیا یا دکان میں خسارہ واقع ہونے کے سبب ادا نہ ہوسکا تو یہ قرض سب شرکاء کے ذمے حصہ رسد ہوگا اور عمرو کا قول اس بارے میں قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر یوں ہے کہ عمرو نے سرمایہ دکان بڑھانے کے لئے کچھ روپیہ قرض لے کر مال خریدا تو یہ قرض خاص ذمہ عمرو ہوگا باقی کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

تحقیق مسئلہ یہ ہے کہ یہ طریقہ جو اکثر دیار میں معمول ہوتا ہے کہ مورث مرگیا اس کے اموال دیہات دکانات یونہی شرکت پر بلاتقسیم رہتے ہیں اور منجملہ ورثہ بعض وارث باقیوں کی اجازت و رضامندی سے ان میں تصرف کرتے ہیں شرکت عقد نہیں شرکت ملک ہی ہے،

كما حققه في العقود الدرية، وقال في رد المحتار هي شركة ملك كما حررته في تنقيح الحامدية ثم رأيت التصريح به بعينه في فتاوى الحانوتي۔[1]

جیسا کہ عقود الدریۃ میں اس کی تحقیق کی ہے اور ردالمحتار میں فرمایا یہ شرکت ملک ہے جیسا کہ میں نے تنقیح الحامدیہ میں اس کو واضح کیا ہے اور پھر میں نے فتاوٰی حانوتی میں اس کی تصریح دیکھی (ت)

اور شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے اجنبی ہوتا ہے،

كما صرحوا به قاطبة، وفي الدر المختار وكل من شركاء الملك اجنبي في مال صاحبه لعدم تضمنها الوكالة۔[2]

جیسا کہ اس کا جواب مکمل طور پر گزرا، اور درمختار میں ہے کہ شرکت ملک کے تمام فریق دوسرے کے مال سے اجنبی ہوتے ہیں کیونکہ یہ شرکت وکالت کو متضمن نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر یہاں کہ تصرف باجازت و رضائے باقی شرکاء ہے یہ تصرف کرنے والا اپنے حصے میں اصیل اور باقیوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے،

قال في رد المحتار يقع كثيرا في الفلاحين ونحوهم ان احدهم يموت فتقوم اولاده على تركته بلا قسمة

ردالمحتار میں فرمایا کاشتکار لوگوں میں جیسے یہ معاملہ عام ہے کہ جب ان شرکاء میں سے کوئی فوت ہوجائے تو اس کی اولاد تقسیم کے بغیر ہی اپنے والد کے ترکہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

[2] درمختار ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

ویعملون فیها من حرث وزراعة وبیع وشراء واستدانة ونحو ذلك وتارة یکون کبیرهم هو الذی یتولی مهمّتهم ویعملون عنده بامره وکل ذلك علی وجه الاطلاق والتفویض[1] اھ فلا شك فی تحقق معنی التوکیل۔

پر قائم مقام بن جاتی ہے اور کھیتی باڑی اور خرید و فروخت اور لین دین جیسے امور سرانجام دیتی رہتی ہے اور کبھی ان میں بڑا ان کی ضروری امور کا متولی بن جاتا ہے اور چھوٹے اس کے کہنے پر عمل کرتے رہتے ہیں جبکہ یہ تمام کاروائی بطور اجازت اور تفویض ہوتی ہے الخ تو اس میں وکالت کے معنی پائے جانے میں شک نہیں ہے (ت)

خصوصاً صورت مستفسرہ میں تو صراحۃً بقیہ شرکاء کی طرف سے عمرو کو تفویض دکان واجازت اعمال تجارت ہوئی یہی معنی وکالت ہیں اور اس میں یہ شرط قرار پانا کہ جیسا بکے عمرو ایک روپیہ دستوری لے اگرچہ شرط فاسد ہے کہ شریک کا مال مشترک میں تصرف کرنے کے لئے اجیر کرنا اصلاً جائز نہیں،

وهذا باجماع من ائمتنا خلافا للامام الشافعی رضی الله تعالی عنهم ثم هل هو باطل ام فاسد ذکرته فیما علقته علی رد المحتار قال فی الدر المختار لو استأجره لحمل طعام مشترك بینهما فلا اجر له لانه لا یعمل شیئا لشریکه الا ویقع بعضه لنفسه فلا یستحق الاجر[2] اھ وقال الامام الاتقانی فی غایة البیان قال الکرخی قال محمد وکل شیئ استأجر احدهما من صاحبه مما یکون عملا فانه لا یجوز وان عمله فلا اجر له وکل شیئ لیس یکون عملا استأجره احدهما من صاحبه فهو جائز وقال شمس الائمة البیهقی

اس پر ہمارے ائمہ کرام کا اجماع ہے بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر یہ بحث کہ کیا وہ باطل ہے یا فاسد ہے تو میں نے اس کو رد المحتار پر اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے، درمختار میں فرمایا کہ اگر ایک شریک مشترکہ سامان کو اٹھانے کے لئے اجیر بنا تو اس کو اجرت نہ ملے گی کیونکہ جو کچھ اس نے اٹھایا اس میں شریک کے ساتھ اس کا اپنا حصہ بھی تھا لہذا اس اشتراک کی بنا پر وہ اجرت کا مستحق نہ ہوا اھ اور امام اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا کہ امام کرخی نے کہا کہ امام محمد نے فرمایا کہ شریکین میں سے اگر ایک مشترکہ چیز کے کسی عمل میں اجیر بنا تو یہ جائز نہیں، اگر اس نے ایسا کیا تو کوئی اجرت نہ پائے گا، اور ایسی مشترکہ چیز جو عمل نہ بنے اس کو اگر شریک اجرت پر لیتا ہے تو جائز ہے اور شمس الائمہ بیہقی

---

[1] رد المحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳۸

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۹

فی الکفایۃ والاصل ان فی کل موضع لایستحق الاجیر الا بایقاع عمل فی العین المشترک لایجوز لانہ لایمکن کما فی نقل الطعام المشترک بنفسہ او دابتہ او غلامہ وکل مایستحق بدون ایقاع عمل فی المشترک یجوز فانہ تجب الاجرۃ بوضع العین فی الدار والسفینۃ والرحی لا بایقاع عمل اھ۔[1]

نے کفایہ میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ ایسا مقام جہاں صرف عمل کرنے پر ہی اُجرت کا مستحق بنے تو وہاں کسی شریک کا اجیر بننا جائز نہیں کیونکہ مشترکہ چیز میں یہ ممکن نہیں جیسا کہ مشترکہ طعام کو خود شریک یا اس کا چوپایہ یا اس کا غلام منتقل کرنے کا اجیر بنے تو ناجائز ہے، اور ایسا مقام جہاں مشترکہ چیز میں بغیر عمل اجرت کا مستحق بنے وہاں جائز ہے کیونکہ عین چیز کو گھر میں یا کشتی یا چکی کے مکان میں کرایہ پر رکھ چھوڑنے پر اُجرت واجب ہوتی ہے عمل پر واجب نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر وکالت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی، بزازیہ میں ہے:

الوکالۃ لاتبطل بالشروط الفاسدۃ ای شرط کان۔[2]

وکالت فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتی جو بھی شرط ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

مایصح ولایبطل بالشرط الفاسد الوکالۃ۔[3]

جو چیز صحیح قرار پائے اور فاسد شرطوں سے فاسد نہ ہو وہ وکالت ہے۔ (ت)

تو وہ شرط ہی فاسد و باطل قرار پائی اور وکالت صحیحہ تام رہی، عالمگیریہ میں ہے:

لوقال اشتر جاریۃ بالف درہم لك علی شرائہا درہم فحینئذ یصیر وکیلا ویکون للوکیل اجر مثلہ ولایزاد علی درہم۔[4]

اگر کہا کہ ہزار درہم سے لونڈی خرید لاؤ اور خریداری پر تجھے ایک درہم دوں گا تو ایسی صورت میں وہ شخص وکیل قرار پائے گا اور وکیل عمل پر اُجرت مثل کا مستحق ہوگا جو ایک درہم سے زائد نہ ہوگی۔ (ت)

اور وکیل بالشراء قرضوں خرید سکتا ہے،

کما نصوا علیہ فی غیرما مسئلۃ، و

جیسا کہ بہت سے مسائل میں فقہاء کرام نے نص

---

[1] عنایۃ البیان للاتقانی

[2] الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوکالۃ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۶۱

[3] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۲ و ۵۳

[4] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوکالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۶۶

فی خانیۃ الوکیل بالشراء اذا اشتری بالنسیئۃ فمات الوکیل حل علیہ الثمن ویبقی الاجل فی حق الموکل۔[1]

فرمائی ہے، اور خانیہ میں ہے کہ خریداری کے وکیل نے اگر ادھار خریدی ہو تو وکیل کے فوت ہونے کی صورت میں موکل پر رقم کی ادائیگی آئے گی اور مدتِ ادھار اس کے حق میں منتقل ہوجائے گی۔ (ت)

بلکہ وکیل تجارت کو موافق معمول تجار قرضوں بیچنے کا بھی اختیار،

فی الدر المختار صح بالنسیئۃ ان التوکیل بالبیع للتجارۃ وان کان للحاجۃ لا یجوز۔[2]

درمختار میں ہے اگر تجارت کے طور پر ادھار فروخت کرے تو جائز ہے اگر اپنی حاجت کی وجہ سے ادھار کیا تو ناجائز ہے۔ (ت)

مگر وکیل کو روپیہ قرض لینے کا اختیار نہیں، نہ قرض لینے پر توکیل روا، اگر لے گا خود وکیل ہی پر قرض ہوگا،

فی جامع الفصولین التوکیل بالاقراض جائز لا بالاستقراض الخ۔[3]

جامع الفصولین میں ہے قرض دینے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اور قرض حاصل کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں الخ (ت)

وفی رد المحتار قالوا انما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانہ توکیل بالتکدی وھو لا یصح الخ۔[4]

اور ردالمحتار میں ہے کہ فقہائے کرام نے فرمایا: قرض لینے کے لئے وکیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ یہ گداگری پر وکیل ہے جو صحیح نہیں ہے الخ (ت)

ہاں اگر صورت یہ ہوتی کہ بقیہ شرکاء عمرو سے کہتے ہم سب شریکوں کے لئے اتنا روپیہ قرض لے کر سرمایۂ تجارت بڑھاؤ، اور عمرو قرض دینے والے سے کہتا کہ ہم شرکاء کو قرض دے تو البتہ وہ قرض سب پر ہوتا اور اگر کہتا کہ مجھے ہم سب شرکاء کے لئے قرض دے تو اب بھی خاص عمرو ہی پر ہوتا،

الرسالۃ بالاستقراض تجوز ولو اخرج وکیل الاستقراض کلامہ مخرج الرسالۃ یقع القرض للآمر ولو مخرج الولایۃ

قرض لینے کے لئے قاصد بنانا جائز ہے اور اگر قرض لینے کے لئے بنائے وکیل نے قاصد ہونے کا اظہار کرتے ہوئے قرض لیا تو یہ قرض وکیل بنانے پر ہوگا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوکالۃ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۵۰۶

[2] درمختار کتاب الشہادات باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۴

[3] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدۃ الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۴

[4] ردالمحتار فصل فی شرکۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۳

بان اضافۃ الی نفسہ یقع للوکیل[1] واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اور اگر وکیل نے وکالت کا اظہار کرتے ہوئے قرض لیا کر اپنی طرف منسوب کیا تو قرض وکیل کے ذمّہ آئے گا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰

کتاب الوقف
(احکامِ وقف کا بیان)

مسئلہ از مقام کول مانک چوک مسئولہ زوجہ عبدالرشید خاں ۲۲ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کسبی تائبہ کو کچھ جائداد پاک بعوض دین مہر کے ملی ہے یہ اس کے تئیں وقف کیا چاہتی ہے، اور متولی خود اپنی حیات میں آپ ہونا چاہتی ہے اور بعد کو دوسرے کو کیا چاہتی ہے آیا یہ وقف کرسکتی ہے یا نہیں، مگر اس جائداد میں ایک قید لگی ہے کہ حین حیات اس نے پائی ہے بعد کو جس سے ملی ہے اسی پر عود کرے گی تو اس صورت سے وقف دوامی کرسکتی ہے یا نہیں، اور دوامی نہ کرسکے تو حین حیات اپنی وقف کرسکتی ہے یا نہیں، اور حین حیات وقف کرکے کسی دوسرے کو متولی کرسکتی ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ ت)۔

الجواب

جائداد مہر میں دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے، اور بعد وفات شرط واپسی شرط فاسد ہے، اور بیع شروط فاسدہ سے فاسد وحرام ہوجاتی ہے اس کا فسخ کرنا بائع ومشتری دونوں پر فرض ہوتا ہے، اور ان میں کسی کے مرنے سے یہ حکم فسخ زائل نہیں ہوتا۔ اگر نہ فسخ کریں تو گنہگار رہتے ہیں۔ اور عقد فاسد سے جو جائداد خریدی جائے مشتری اگرچہ بعد قبضہ اس کا مالک ہوجاتا ہے مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس کا ازالہ واجب ہوتا ہے۔ علماء کو اختلاف ہے کہ اس حالت پر اگر مشتری اُسے وقف کرے تو وقف صحیح ولازم ہوجائے گا صرف واقف کے ذمہ اس عقد فاسد کو فسخ نہ کرنے کا گناہ رہے گا جو بے توبہ نہ جائے گا، یا وقف ہی مسلّم نہ ہوگا بلکہ توڑ دیا جائے گا اور وہ شیئ بائع یا اس کے ورثہ کو واپس دی جائے گی جب تک وقف نے اس میں تعمیر وغیرہ

زیادت سے حق فسخ کو زائل نہ کردیا ہو۔ درمختار و ردالمحتار و منح الغفار وغیرہا میں قولِ اول اختیار کیا اور صحیح اور ظاہر الروایۃ قولِ ثانی ہے،

کما حققنا کل ذٰلک فیما علقنا علی ردالمحتار من اوّل کتاب الوقف فراجعہ فانہ مھم۔

جیسا کہ ردالمحتار کی کتاب الوقف کے ابتداء میں حاشیہ پر ہم نے اس کی تحقیق کی ہے، اسے دیکھا جائے کیونکہ ضروری بحث ہے (ت)

بہرحال اس وقف میں عورت کے لئے تخیر نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ عقد یعنی معاوضہ مہر میں جائداد کا دینا فسخ کرے اور از سرِ نو وارثانِ شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے اگر ادا کریں فبہا ورنہ اس جائداد سے وصول کرے، اور اگر کچھ کوئی نہ دے گا اور مقدار مہر قیمت جائداد سے زائد یا مساوی ہوں تو مذہب مفتی بہ پر بطور خود اس جائداد کو اپنے مہر میں لے لے

وھی مسئلۃ الظفر بخلاف جنس الحق وقد حققناھا فی ردالمحتار وان الفتوی الاٰن علی جواز الاخذ۔

یہ کسی کے پاس اپنے حق کے برخلاف جنس کے ذریعہ کامیابی کی بحث ہے، اس کی تحقیق ردالمحتار میں کی ہے، اور موجودہ دور میں جبرًا لے لینے کے جواز پر فتوٰی ہے (ت)

یونہی مالک ہو کر وقف تام ابدی کرے وقف کسی وقت خاص تک مقید نہیں ہوسکتا لان من شرطہ التابید (کیونکہ اس کی شرطوں میں سے دائمی قرار دینا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضور میاں صاحب قبلہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

زید اپنی جائداد مقبوضہ مملوکہ کو وقف کیا چاہتا ہے مگر جائداد پر قرضہ ہے تو بغیر ادائے قرضہ وقف ہوسکتی ہے یا نہیں، اور اگر وقف میں یہ قید لگادیں کہ وقف بالفعل صحیح ہوجائے اور نفاذ اس کا بعد ادائے قرض کے سمجھا جائے تو صحیح ہوجائے گا یا بعد ادائے قرضہ ہی صحیح ہوگا۔

الجواب

عرف عوام میں جائداد پر قرضہ کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جائداد رہن ہو مرتہن کے قبضہ میں دے دی گئی ہو، دوسرے جسے وہ مکفول و مستغرق کہتے ہیں کہ جائداد قبضہ مالک ہی میں رہے مگر وہ دائن کو لکھ دے کہ یہ تیرے دین میں مکفول ہے تا ادائے دین کہیں بیع ہبہ وغیرہ انتقالات نہ کئے جائیں گے، یہ صورت ثانیہ تو شرعًا محض باطل و بے اثر ہے کہ مال کو کسی کے حق میں اس کے استیفا کے لئے محبوس کردینا رہن ہے اور رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا قال اللہ تعالٰی، فرھٰن مقبوضۃ[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو گروی قبضہ میں دیا ہوا۔ ت) اگر

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

یہی صورت ہے جب تو وقف بلاشبہہ صحیح و تمام نافذ ہے اگرچہ قصدادا نہ کرے نہ آئندہ ادائے قرض کے لئے اس کے پاس کچھ مال بچے اگرچہ اس نے وقف میں یہ نیت بھی رکھی ہو کہ ان کا دین مارا جائے اگرچہ وہ اس نیت بد سے سخت گنہگار ہوگا مگر وقف میں کچھ خلل نہیں کہ جب وہ جائداد رہن نہیں تو قرض اس کی ذات پر ہے نہ کہ جائداد پر، جائداد میں اس کے تصرفات مالکانہ بلامانع نافذ ہیں۔ اور اگر صورت اولٰی ہے یعنی جائداد قبضہ مرتہن میں سپرد کردی تو اب دو صورتیں ہیں اگر اس کے پاس اور مال قابل ادائے قرض موجود ہے تو اب بھی وقف قبل ادائے قرض صحیح و تمام نافذ ہے حاکم اس پر جبر کرے گا کہ اپنے دوسرے مال سے قرض ادا کرے مگر وقف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، اور اگر مال نہیں تو اس صورت میں البتہ وہ وقف برقرار نہ رہے گا حاکم اسے باطل کرکے جائداد قرض میں بیع کردے گا، یونہی اگر مدیون مذکور مرجائے تو انہیں دونوں صورتوں پر لحاظ ہوگا، اور جائداد موجود ہے تو اس سے ادائے قرض کریں گے اور وقف صحیح رہے گا ورنہ توڑ دیا جائے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الاسعاف وغیرہ لو وقف المرھون بعد تسلیمہ صح واجبرہ القاضی علی دفع ما علیہ ان کان موسرا وان کان معسرا ابطل الوقف وباعہ فیما علیہ ولو افتکہ او مات عن وفاء عاد الی الجھۃ والا یبیع ویبطل الوقف کما فی الفتح بخلاف وقف مدیون صحیح فانہ یصح ولو قصد بہ المماطلۃ لانہ صادف ملکہ کما فی انفع الوسائل عن الذخیرۃ قال فی الفتح وھو لازم لا ینقضہ ارباب الدیون اھ[1] ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔

اسعاف وغیرہ میں ہے مرہون چیز کو قبضہ دے دینے کے بعد اگر وقف کیا جائے تو صحیح ہے جبکہ اس کو رہن کے بدلے قرض کو ادا کرنے کے لئے قاضی مجبور کریگا بشرطیکہ مالدار ہو، ورنہ تنگ دست ہونے کی صورت میں قاضی وقف کو باطل کرکے اس کے ذمہ قرض کی ادائیگی میں فروخت کردے گا اھ، اور یونہی اگر رہن کو وقف کرنے پر فوت ہوجائے تو اگر قرض کی ادائیگی کے لئے مال ترکہ چھوڑا ہو تو وقف معینہ جہت پر برقرار رہے گا ورنہ فروخت کردیا جائے گا اور وقف باطل قرار پائیگا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اس کے برخلاف مقروض شخص کا وقف کردہ ہر صورت صحیح ہے بشرطیکہ وہ تندرست ہو اگرچہ وہ ادائیگی میں تاخیر کے لئے ایسا کرے کیونکہ یہ کاروائی اس کی اپنی ملکیت میں ہوئی ہے جیسا کہ انفع الوسائل میں ذخیرہ سے منقول ہے، فتح القدیر میں کہا ہے کہ مقروض کا یہ وقف لازم ہوگا قرض خواہ حضرات اس کو باطل نہیں کرسکیں گے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی وقف الراہن الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۵

مسئلہ ۳: از قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد محلہ چھجو پور مرسلہ حافظ یار محمد صاحب ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک زمانہ گزرا کہ زید نے ایک عالیشان پختہ مسجد چوک کے بیچ میں تیار کرائی اور گرد اس کے چو طرفہ دکانیں بنوائیں اور دکانوں کے محاصل کو ہمیشہ اپنے ذاتی تصرف میں رکھا، بعد انتقال زید کے یہ دکانیں بھی مثل اور جائداد کے ارثاً اس کے اولاد کو ملیں اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قبضہ کا اُس کے خاندان میں جاری رہا یعنی دکانوں کی آمدنی اور کرایہ سے خاندان زید کی اوقات بسر ہوتی رہی اور مسجد کے متعلق وہ آمدنی نہ تھی بعد ایک مدت دراز کے اُن دکانوں کا وارث یعنی خالد نے بسبب افلاس کے اُن دکانوں کو عمرو وبکر کے ہاتھ فروخت کر ڈالا اب عمرو وبکر چاہتے ہیں کہ ان دکانوں کو واسطے اجرائے مدرسہ اسلامی کے مسلمانوں کے نام وقف کردیں کہ دینی مدرسہ جاری ہو اور مسجد کی ترمیم وقتاً فوقتاً ہوتی رہی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ وقف جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے اور اُن دکانوں کا وقف مسجد ہونا ثابت نہیں بلکہ ملک و میراث زید ہونا ثابت ہے تو عمرو وبکر کہ وارث شرعی سے بروجہ شرعی مشتری ہوئے اگر مسجد و مدرسہ دینیہ اسلام کے نام انہیں وقف کریں گے جس میں تعلیم دینِ متین مطابق مذہب اہلسنت و جماعت ہو اور اسی کے مدرسین و اراکین رہا کریں، یا دو نفس یا غیر مقلد نیچری وغیرہم ضالین نہ ہوں) تو اُن کے لئے اجر عظیم وصدقہ جاریہ ہے سالہا سال گزر گئے ہوں قبر میں اُن کی ہڈیاں بھی نہ رہی ہوں، اُن کو بعونہ تعالٰی تا بقائے مسجد ومدرسہ وجائداد برابر ثواب پہنچتا رہے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔[1] رواہ مسلم فی صحیحہ والبخاری فی الادب المفرد وابو داؤد والترمذی والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وفی الباب احادیث کثیرۃ شہیرۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

جب انسان فوت ہوجائے تو اس کے عمل منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین وجہ سے جاری رہتے ہیں، صدقہ جاریہ، نافع علم یا صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے، اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور بخاری نے ادب مفرد میں اور ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اس باب میں کثیر احادیث مشہورہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الوصیۃ باب ما یلحق الانسان من الثواب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱

مسئلہ ۱۴: مسئولہ احمد حسن طالب علم بنگالی بروز دوشنبہ ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے برائے منفعت عوام ایک تالاب بنوایا اور اسے وقف کردیا اور اس کے زمانہ حیات میں لوگ عام طور سے تاریخ معین پر شکار کرتے اور ہمیشہ غسل وغیرہ کرتے جیسا کہ تمام تالابوں سے نفع حاصل کیا کرتے ہیں بعد اس کی موت کے بھی عرصہ تک یہی طریقہ جاری رہا پھر ایک مدت کے بعد ایک غیر شخص نے جو اس کے خاندان سے بھی نہیں ہے اپنے زمیندار کے بندوبست میں اپنی جانب منسوب کرلیا اب اس نے اپنے واسطے اس تالاب کو مخصوص کرلیا اب دوسرا شخص کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اس بارہ میں کیا حکم ہے آیا اس کا قبضہ صحیح ہے یا نہیں اور کیا ہونا چاہئے؟

الجواب

اگر حالت یہ ہے جو سوال میں مذکور ہوئی تو اس کا قبضہ باطل ہے، شکار کرنا کوئی قربت نہیں نہ تفریح کا نہانا، تو اس تالاب کے وقف ہونے میں کلام ہے بخلاف حوض مساجد کہ وضو کے لئے وقف ہے، ظاہر وہ وارثان بانی کی ملک ہے جیسا وہ ہونا چاہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵: مسئولہ حاجی [illegible] احمد صاحب از [illegible] متصل [illegible] مہتمم مدرسہ [illegible] ۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب! آپ نے جو جواب روانہ فرمایا بندہ کو بتاریخ ۲۵ مئی بروز جمعرات کو ملا بہت خوب ہے، مگر دریافت طلب یہ ہے کہ مسجد کی آمدنی سے جو ملکیت خرید کی گئی ہو وہ بھی وقف ہوگئی یا نہیں اور جب وہ وقف ہوگئی ہو تو اس کے بیع کرنے کو حاکم کی منظوری کی ضرورت ہے کہ نہیں کیونکہ جو خریدنے والا ہوگا وہ یہ جانتا ہے کہ یہ وقف شدہ ملکیت کی آمدنی سے خرید کرکے وقف کی ہوئی ہے لہذا جو حاکم کی منظوری ہو تو کسی طرح کا خوف نہ رہے نہ خریدنے والے کو نہ بیچنے والے کو اور نہ بعض وقف کا کوئی اندیشہ باقی رہے اور بعد میں کوئی معترض کسی طرح کا کوئی الزام نہ دے سکے اور کوئی راستہ لے تو بالکل خراب ہوتا ہے وہ تو مسجد کے روپوں سے مدرسہ کھولنا جائز بتاتے ہیں اور روپے کے خیال سے ان کو بھی اہل دول کے راستہ پر سب فتوٰی دیتے ہیں۔

الجواب الملفوظ

متولی نے زرِ وقف سے جو زمین یا جائداد وقف کے لئے خریدی وہ وقف نہیں ہوجاتی اس کی بیع جائز ہے کتابوں میں جزئیہ کی تصریح ہے ہاں بیع کے لئے ایسا ذریعہ اطمینان ضرور ہے جس میں کسی کے تغلب کا احتمال نہ رہے قاضی شرع تو یہاں کوئی نہیں بلکہ محلہ وعالم دیندار ومسلمانان متدین کی دینداری سے یہ کام ہو، درمختار میں ہے:

اشتری المتولی بمال الوقف دارا للوقف لاتلحق بالمنازل الموقوفة و

متولی نے وقف کے مال سے کوئی مکان وقف کے طور پر خرید تو یہ مکان وقف شدہ جائداد شمار نہ ہوگا اصح قول میں

یجوز بیعھا فی الاصح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم   اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹: بحضور عظیم البرکت اعلیٰحضرت مدظلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج غریب النفس صاحب تشریف لائے ہیں فرماتے ہیں کہ مسماۃ نبی طوائف جس کی عمر اس وقت تخمیناً ۵۰ برس کی ہے ۱۶ برس ہوئے میاں ناصر صاحب کی مرید ہوکر تائب ہوئی، کرایہ دکانات سے گزر کرتی ہے۔ خواہش اس کی یہ ہے کہ جائداد تیس چالیس روپیہ ماہانہ کے وقف کرنا چاہتی ہے اور حج کو جانا چاہتی ہے، جس جائداد کا تاحیات خود اور بعد کو مدرسہ مالک ہے اس میں حضور کیا فرماتے ہیں؟ محمد یسین قادری علی گڑھ مدرسہ ۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

الجواب

وہ جائداد اگر اسی کی کسبِ حرام کمائی کی ہے تو اس کا طریقہ صرف یہی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی محتاج پر تصدق کرے اور وہ محتاج بعد قبضہ اپنی طرف سے یوں وقف کرے کہ تاحیات مسماۃ اس سے مستفید ہو اس کے بعد مدرسہ، اور اس کے لئے دفع اعتراض مخالفین کے واسطے ضرور ہے کہ پہلے وہ ایک ہبہ نامہ اس محتاج کے نام تصدیق کرائے جس کا یہ مضمون ہو کہ یہ جائداد وجہ حرام سے ہے اور اب میں نے توبہ کی ہے اور شرع مطہر اس کے تصدق کا حکم فرماتی ہے لہذا میں نے فلاں کو بطور تصدق اس کا مالک مستقل کیا اور قبضہ اسے دے دیا اس کے بعد وہ محتاج وقف نامہ تصدیق کرائے کہ مسماۃ فلاں نے احتمالِ حرمت جاننے کے لئے یہ جائداد بطور تصدق میری ملک کردی اور میں نے قبضہ کرلیا اور اب یہ مال شرعاً طیب ہوگیا، میں چاہتا ہوں کہ اسے کار خیر میں صرف کرکے ثواب حاصل کروں اور مسماۃ کو بھی فائدہ پہنچاؤں لہذا میں نے اسے تاحیات مسماۃ اس پر اور اس کے بعد مسجد مدرسہ پر وقف صحیح شرعی کی، باقی عبارتیں کاغذ میں حسب دستور ہوں۔

مسئلہ ۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کو اپنی کل جائداد جس پر بار کفالت بھی تھا باعبارت لت وقف علی اللہ کی اور وقف نامہ تحریر کرکے اس میں متولی اپنی زوجہ کو لکھا، بعدہٗ ۳۰ جنوری ۱۹۱۷ء کو ایک تحریر متعلق وقف نامہ مذکور لکھی اس لئے کہ رجسٹری جو وقف نامہ میں وقف تھی اس کی رجسٹری کے لئے درخواست گزار دوسرا شریک ہو کیونکہ عورت بوجہ قانون انگریزی منتظم مرد کے رجسٹری نہیں ہوسکتی ہے تحریر مذکور لکھا اور اس میں عبارت حسب ذیل درج کی،

چونکہ میں نے بذریعہ دستاویز وقف نامہ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کو اپنی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ دس بارہ روپیہ کو وقف کرکے تکمیل دستاویز مذکور کے بذریعہ تحریر رجسٹری کے کردی ہے اس دستاویز میں سہواً بجائے

---

[1] درمختار   کتاب الوقف   مطبع مجتبائی دہلی   ۱/ ۳۸۹

سے کسی سبب یہ بات لکھنے سے باقی رہ گئی ہے کہ تمام جائداد مندرجہ وقف نامہ متذکرہ بالا کی بابت میں شرائط کی پابندی ڈسن میں درج ہے اُس کا عمل درآمد اور پابندی شرائط میرے مرنے کے بعد عمل پذیر ہوگی جب تک میں مقر بقید حیات زندہ ہوں اس وقت تک میں مقر مالکانہ قابض اور متصرف رہوں گا مع تتمہ دستاویز وقف نامہ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کی بابت لکھ دیا کہ سند ہو، علیحدہ ۱۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ایک تتمہ دوسرا اور لکھا اور اس میں حسب ذیل عبارت تحریر کی کہ تتمہ دستاویز مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء جو بابت دستاویز مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کے لکھا گیا تھا، اس تتمہ دستاویز کے سطر ۶ کے آخر میں مقام مقر کے بعد بوجہ سہو کتابت کے عبارت ذیل تحریر ہونے سے رہ گئی ہے وہ عبارت ذیل مذکورہ تتمہ مذکور یعنی دستاویز تتمہ مذکور مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء مذکور کا جزو متصور ہو کر پڑھی جاوے:

"واقف منتظم بشرائط مندرجہ وقف نامہ بحیثیت متولی ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء"

لہذا یہ تتمہ بطور دستاویز تتمہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء متصور ہو۔ اس کے بعد پسر واقف نے کل جائداد واقف ۱۹۱۹ء میں قبضہ متولی سابق کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ وقف نامہ جائز ہے یا نہیں، وہ وقف اگر جائز ہے تو وہ ۱۹۱۹ء کے تتمہ سے مانا جائے گا یا ۱۹۱۷ء کے وقف نامہ سے اور تتموں سے تو کوئی اثر وقف پر نہیں پڑتا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ درمیانی امور کے بابت واقف بحیثیت متولی مانا جائے گا یا مالک کی حیثیت اس کی ہوگی تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقف کرنے اور متولی کو قبضہ دے دے اور خود ہی واقف اپنا قبضہ رکھے تو اس حالت میں کیا وقف نامہ جائز ہے یا جائز؟

الجواب

وقف صحیح ہوگیا اور پہلا تتمہ جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف کا عملدرآمد اس کے مرنے کے بعد ہوگی زندگی بھر وہ مالکانہ قابض رہے مردود ہے وقف صحیح ہو جانے کے بعد اس میں کسی تبدیلی کا اصلاً اختیار نہیں اور دوسرا تتمہ جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف نامہ میں جسے متولی کیا تھا اس کی جگہ خود متولی رہنا چاہتا ہے یہ اس کے اختیار کی بات ہے اُسے معزول کرکے آپ متولی ہو سکتا ہے۔ درمختار میں ہے،

للواقف عزل الناظر مطلقا به یفتی[1] ‏ — مطلقاً واقف کو یہ جائز ہے کہ وہ نگران کو معزول کردے، اسی پر فتوٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے،

ای سواء کان بجنحۃ اولا وسواء کان ‏ — یعنی نگران کا جرم ہو یا نہ ہو اور معزولی کی شرط

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹

مشروطا له العزل ولا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بچ گیا نہ جو برابر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ از مقام چندوسی ضلع مرادآباد محلہ سنبھل دروازہ مسئولہ عبداللہ لوہار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک منزل دکان واقع چندوسی پرگنہ ... میں ۱۹۰۳ء میں فی سبیل اللہ وقف کی اور یہ وقف نامہ رجسٹری شدہ تحریر کردیا ہے اس کے دو ماہ بعد ایک وصیت نامہ زید نے اور تحریر کردیا کہ میرا ارادہ بیت اللہ شریف جانے کا ہے اگر میں زندہ واپس آگیا تو میں مالک ہوں اور بعد انتقال میرے کے میری عورت مسماۃ ہندیا اور میرا پوتا علی حسین مالک ہے۔ زید کا انتقال بیت اللہ شریف جاتے وقت راستہ میں ہوگیا اور اس کے بعد پوتا علی حسین بھی مرگیا تو اس کی بیوی ہندی باقی رہی اس نے یہ جائداد کفالت کری۔ کفالت کے ایک سال بعد ہندی عورت کا بھی انتقال ہوگیا تو اس کے پوتے علی حسین کے والد عمرو نے یہ جائداد بیع کردی اور اس کا روپیہ اسی نے صرف کرلیا، اور چودھری محلہ نے انھوں نے بیع نامہ پر دستخط کردئے اور اس کے بعد خریدار نے اس کو تعمیر کرلیا۔ خریدار کو وقت بیع اور وقت تعمیر کے یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ جائداد وقف فی سبیل اللہ ہے۔ اہل محلہ کو جب معلوم ہوا کہ اس میں کا ایک شخص کہ جس کی وقف نامہ پر گواہی نہیں ملا اور اسی نے کہا کہ تو کوشش کرکے عدالت سے اس کی نقل لیں حاصل کر بیٹھے تو معلوم ہوگا اور مالک خریدار کا یہ بیان ہے کہ میرا روپیہ بیع و تعمیر کا دلوا دیا جائے تو میں قبضہ چھوڑ دوں گا۔ اور اب عمرو نے جو فروخت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں مالک تھا فروخت کردیا۔ اب ہماری شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

جب وہ دکان وقف ہوچکی تھی تو اس کی نسبت زید کو وصیت کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ نہ عورت کو کفالت کرنے کا نہ عمرو کو اس کے بیچنے کا، یہ سب باطل محض۔ مشتری پر فرض ہے کہ اسے فوراً چھوڑ دے اپنا روپیہ عمرو سے لے لے روپیہ ملنے تک قبضہ رکھنے کا مشتری کو کوئی اختیار نہیں، ایک منٹ کے لئے قابض رہنا اس پر حرام ہے اس نے جو تعمیر کی ہے تو اسے اکھیڑ لے، اور اگر مسلمان اسے عملے کی قیمت ادا کرکے عملہ وقف کے لئے کرلیں تو بہتر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۹ از بریلی موضع بلیا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص موضع بلیا میں امام باڑے کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ میرا مکان ہے، اور اس میں بیل باندھنے لگا، اور زمیندار خود کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنا

ل ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۱۲

تیار کرو، لیکن ان لوگوں نے زمیندار کو ۵۰ روپیہ دے کر اس کو اپنے بس میں کر لیا اور وہ کہتے ہیں کہ ہم دینداری کے شریک نہیں۔ ان کا کیا انتظام کیا جائے؟

الجواب

امام باڑہ وقف نہیں ہوسکتا وہ جس نے بنایا اُسی کی ملک ہے اُسے اختیار ہے اُس میں جو چاہے کرے وہ نہ رہا تو اُس کے وارثوں کی ملک ہے انھیں اختیار ہے، اور تعزیہ داری کو اگر کسی نے دینداری کہا اور اس نے اس کی شرکت سے انکار کیا تو کچھ بیجا نہ کیا کہ تعزیہ داری ناجائز ہے اس میں شرکت جائز نہیں یہی اس سوال سے ظاہر ہے اور وہ معنی کہ ہیں اسلام کے شریک نہیں مسلمان ہرگز مراد نہ لے گا ہاں اگر ثابت ہوجائے کہ کسی کلمہ گو نے اسلام کی شرکت سے انکار کیا تو وہ ضرور کافر ہوجائے گا مگر یہ معنی یہاں سے مفہوم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲: مسئولہ عزیز الحسن قادری رضوی از قصبہ پھپھوند ضلع اٹاوہ محلہ اونچا ٹیلہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ہندہ سنی حنفی پابند صوم وصلوٰۃ جو پندرہ بیس برس ہوئے کہ اپنے نادری پیشہ کسب سے توبہ کرچکی، اپنی مقبوضہ کل جائداد و املاک جو اس کی ماں اور نانی کی متروکہ اور ان کو ان کے آشناؤں کی ہبہ کی ہوئی ہے مدرسہ دینیہ کی تعلیم میں یا اس کے یتیم و مفلس طلبہ کی خورد و نوش کی صرف میں لانے کی غرض سے وقف کرنا چاہتی ہے، پس سوال حضرات مفتیان شرع شریف سے یہ ہے کہ منتظمین مدرسہ کو یہ جائداد اپنے قبضہ میں لاکر اس کے محاصل کو ہندہ کی خواہش کے مطابق صرف میں لانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو روپیہ بعوض زنا وغنا حاصل کیا مثل غصب حرام مطلق ہے کہ کسی طرح اس کی ملک نہیں ہوسکتا اور وہ جائدادیں جو آشناؤں نے زانیات کو ہبہ کیں وہ ہبہ بھی محض باطل ہے وہ اصل دینے والوں کی ملک پر رہیں ان کی ملک میں نہیں آسکتیں، قنیہ و درمختار میں ہے:

مایدفعه المتعاشقان فهو رشوة[1] عشق بازی کرنیوالے ایک دوسرے کو جو دیں وہ رشوت ہے۔

ہاں جو جائداد زانیہ نے خریدی ہو اور اس کے شرا میں عقد و نقد دونوں زرِ حرام پر جمع نہ ہوئے ہوں مثلاً روپیہ پیشگی دے کر کہا کہ اس روپے کے عوض جائداد دے دے بائع نے اس کے عوض بیع کردی یہ تو حرام پر عقد ہوا اور وہی روپیہ زرِ ثمن میں دیا گیا یہ حرام کا نقد ہوا دونوں جمع ہوگئے اس صورت میں بھی وہ جائداد اُن کی ملک نہ ہوگی ہاں اگر زرِ حرام پر عقد و نقد دونوں جمع نہ ہوئے ہوں مثلاً جائداد خریدی اس وقت ثمن کی تعیین خاص مال حرام سے نہ کی اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ القنیہ کتاب الہبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات ۴/ ۴۰۳

دکھایا گیا نہ پیشگی دیا گیا مطلق روپے کے بدلے خریدی تو یہ جائداد اس خریدنے والے کی ملک صحیح و حلال ہوجائے گی اب زرِ ثمن اس حرام مال سے ادا کیا گیا تو یہ گناہ ہوا اور بائع کو اس کا لینا حرام تھا مگر جائداد اس کی ملک میں آگئی۔ یونہی جو کچھ ان کو اجرت و رشوت کے علاوہ ناچ گانے میں بطورِ انعام دیا جاتا ہے جسے بیل کہتے ہیں وہ ان پر حرام نہیں کما نص علیه فی الھندیة (جیسا کہ فتاوٰی ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) غرض جن صورتوں میں جائداد اس کی ملک ہے اسے وقف کرسکتی ہے اور متولیانِ مدرسہ اُسے لے سکتے ہیں اور جس صورت میں جائداد اس کی ملک نہیں وہ اسے وقف نہیں کرسکتی۔ اس کے وقف کے وقت ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جائداد کسی فقیر محتاج مسلمان کو ہبہ کرکے قبضہ کرادے اگرچہ اپنے کسی عزیز قریب مثل ماں بہن وغیرہ کو، اور وہ وقف کردے یا یہ اس سے خرید کر اگرچہ ایک پیسے کو یا اس سے اپنے نام ہبہ کرا کے قبضہ میں کرکے تو وقف کرے اب یہ وقف صحیح ہوگا اور مدرسہ میں اس کا صرف حلال۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱: از نگینہ ضلع بجنور متصل مسجد مجوروالی مکان حکیم مبارک حسین صاحب مرسلہ صوفی حاجی محمد ابراہیم صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

جنازہ کے اوپر جو چادر نئی ڈالی جاتی ہے اگر پرانی ڈالی جائے تو جائز ہے یا نہیں، اگر کل برادری کے مُردوں کے اوپر ایک ہی چادر بناکر ڈالتے رہا کریں روا ہے یا نہیں، اس کی قیمت مُردہ کے گھر سے یعنی قلیل قیمت لے کر مقبرہ قبرستان یا مدرسہ میں لگائی جائز ہے یا نہیں، اور چادر مذکور اونی یا سوتی بیش قیمت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نئی ہو یا پرانی یکساں ہے، ہاں مساکین پر تصدّق کی نیت ہو تو نئی اَولٰی، اور اگر ایک ہی چادر معین رکھیں کہ ہر جنازے پر وہی ڈالی جائے پھر رکھ چھوڑی جائے اس میں بھی حرج نہیں بلکہ اس کے لئے کپڑا وقف کرسکتے ہیں، درمختار میں ہے:

صح وقف قدر و جنازۃ و ثیابھا[1] — ہنڈیا، جنازہ اور اس کے کپڑے کا وقف صحیح ہے۔ (ت)

طحطاوی و ردالمحتار میں ہے:

جنازۃ بالکسر النعش وثیابھا ما یغطی به المیت وھو فی النعش[2] — جنازہ کسرہ کے ساتھ چارپائی اور اس کے کپڑے جن سے میت کو ڈھانپا جائے۔ (ت)

---

[1] درمختار — کتاب الوقف — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۳۸۰

[2] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۳/ ۳۷۵

اور بیش قیمت بنظر زینت مکروہ ہے کہ میت محل تزئین نہیں اور خالص بہ نیت تصدق میں حرج نہیں کجلال الھدی (جیسے کہ ہدی (قربانی) کے جانور کے جُھل۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۱ مسئولہ آفتاب الدین از مدرسہ منظر اسلام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو زمیندار اپنی زمین مسجد کے لئے وقف کرے تو یہ وقف ہماری شریعت میں معتبر ہے یا نہیں، اور اس مسجد میں نماز جمعہ اور نماز پنجگانہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسجد کے لئے ہندو کا وقف باطل ہے لانہ لیس قربۃ فی دینہ الباطل (کیونکہ اس کے باطل دین میں کوئی قربت نہیں۔ ت) اگر یونہی مسجد بنالیں گے اس میں نماز ہوجائے گی اور جمعہ بھی ہوجائے گا اگر شہر یا فنائے شہر میں ہو اور لایشترط لھا المسجد (کیونکہ نمازوں کے لئے مسجد شرط نہیں۔ ت) مگر مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۳ از موضع ڈیلاہی ڈاک خانہ لہریا سرائے ضلع دربھنگہ مرسلہ محمد عبدالجلیل خاں صاحب ۱۳ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی کچھ زمین موروثہ کو وقف کرنا چاہتا ہے اس زمین کی آمدنی دو قسم کی ہے کچھ نقدی تحصیل ہے اور زیادہ حصہ آمدنی کا بذریعہ تاڑ و کھجور ہے یعنی جس قدر تاڑ و کھجور اس زمین میں ہیں سال بسال رعایا کے ساتھ بندوبست کئے جاتے ہیں رعایا مدت معینہ تک فائدہ اس سے اٹھاتے ہیں اور اس مدت تک کے لئے مالک نے جو کچھ زر مقرر کیا ہے اس کو ادا کرتے ہیں، اب یہ امر طلب یہ امر ہے کہ زمین مذکورہ موصوفہ بصفت مسطورہ کو زید وقف شرعًا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

زمین وقف کرسکتا ہے کہ اس میں کوئی معصیت نہیں اور تاڑ و کھجور تاڑی اور سیندھی نکالنے کے لئے اجارہ پر دینا حرام و باطل ہے وہ نہ بعد وقف جائز ہو نہ اب جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۴ تا ۲۲۸ از علی گڑھ بازار موتی مسجد مرسلہ علی الدین سوداگر پارچہ ۲۹ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اگر کوئی قطعہ کسی خاص شخص یا قوم کی پرورش کے لئے وقف خاص ہو لیکن اس میں کچھ آمدنی ہو اور اس پر صدہا برس سے عام اہل اسلام اپنے مُردے دفن کرتے ہوں جن کی ہزارہا قبور و بکثرت حظیرہ و مقبرہ و متعدد مساجد و چاہات موجود ہوں اور ہنوز یہ عمل جاری ہو تو وہ اراضی وقف عام ہوجائے گی یا نہیں۔

(۲) کیا اراضی موقوفہ مذکورہ کے کسی متولی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مسلمان کو مردہ دفن کرنے و مسجد و چاہ و حظیرہ

جماعت سے روک دے۔

(۳) اگر منجملہ تین متولیوں کے جو کسی موقوفہ قبرستان کے ہوں دو مرد متولی زید کو مردہ دفن کرنے و مسجد و چاہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دیں اور وہ اس پر عمل کر کے مردہ دفن کرا دے اور مسجد و چاہ بھی تعمیر کر دی مگر تیسری عورت متولیہ اس پر رضامند نہ ہو تو کیا دو مرد متولیوں کی اجازت کافی مانی جائے گی،

(۴) کیا تیسری متولیہ کو جو اجازت میں شامل نہیں ہے شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ متذکرہ مسجد و چاہ تعمیر شدہ کو تڑوا دے۔

(۵) کیا موقوفہ قبرستان میں کوئی شخص با اجازت متولیوں کے منجملہ تین کے مردہ دفن کرنے و مسجد و چاہ تعمیر کرنے کے لئے کوئی خاص حصہ مخصوص کر سکتا ہے اور تیسری متولیہ جو اجازت میں شامل نہیں ہے وہ مخصوص کرنے کی مانع ہو سکتی ہے؟

الجواب

جبکہ صدہا سال سے عام مسلمان بلا نکیر اس زمین میں مساجد و چاہ و قبور بناتے آئے ہیں تو وہ ضرور وقف عام ہے کس دلیل سے کہا جاتا ہے کہ کسی قوم خاص پر وقف تھی ایسی حالت میں کسی متولی کو اختیار نہیں کہ کسی مسلمان کو اس میں دفن کرنے یا مسجد یا کنواں بنانے سے روکے خواہ یہ روکنے والا مرد ہو یا عورت ہو اور اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو کہ حقیقۃً وہ زمین کسی قوم خاص پر وقف ہے اور عام لوگوں نے صدہا سال سے اس میں غاصبانہ تصرفات کر رکھے ہیں جس کی امید ہرگز کسی طرح نہیں تو البتہ ہر متولی اس میں خلاف اغراض وقف تصرف کرنے سے ہر شخص کو روک سکتا ہے اگرچہ یہ متولی عورت ہو اگر دو مرد متولی اس کی اجازت دے چکے ہوں کہ خلاف اغراض وقف اجازت باطل ہے اور اجازت دینے والا عاصی ہے جسے معزول کرنا لازم

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۱۹ تا ۲۲۱ از اودے پور میواڑ راجپوتانہ مرسلہ سید احمد علی صاحب مہتمم مدرسہ نظامیہ عزیزیہ اسلامیہ
۹ شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ایسی صورت میں کہ خالد نے ایک مدرسہ عربیہ دینیہ قائم کیا چندہ سے۔ اور شہر کے لوگوں سے خالد کا چندہ بھی زائد ہے اور نقل بیعنامہ جو منسلک ہذا ہے، جس میں خالد نے علاوہ اپنے چند نام دیگر اراکین مدرسہ درج کرائے یعنی خالد، مولوی شمس الدین صاحب، حافظ رحیم بخش صاحب، حاجی محمد فضل صاحب، رسالدار حسین خاں صاحب، جماعت علی خاں صاحب، اللہ بخش صاحب۔ منجملہ ان کے رسالدار حسین خاں صاحب اور حاجی محمد فاضل صاحب مر چکے، محمد فاضل صاحب کا جزوی روپیہ تھا

ور رسالدار حسن خاں صاحب اور مہاوت موتی خاں صاحب کا چندہ کچھ نہیں صرف احتیاطاً نام درج سطور اطمینان
کردئے گئے کہ کوئی مدرسہ کو ذاتی ملکیت نہ بنالیوے۔ الٰہ بخش جی کا بھی تھوڑا روپیہ تھا وہ اور رحیم بخش جی اور
فاضل جی کا تعلیم میں صرف ہوگیا زمین جو برائے مدرسہ لی گئی وہ سب باہر کے چندہ آوردہ خالد اور خالد کے [illegible]
چندہ سے خرید کی گئی، نیز عمارت مدرسہ اس وقت موجود ہے وہ باہر کے چندہ آوردہ حضرت الٰہداد و احباب خالد
سے تعمیر ہوئی ہے تو خالد کا حق دوسروں کے مقابلہ میں اس مدرسہ پر کس قدر ہے فتوی عطا ہو۔

(۲) صورت مسطورہ بالا میں واقف کل کون ہوا اور اگر وقف مشترکہ مانا جاوے تو واقف اعظم کون ہو
صاف حکم فرمایا جائے، خالد حدیث شریف الدال علی الخیر کفاعلہ[1] (نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے
کی مانند ہے۔ ت) سے بھی فائدہ پائے گا یا نہیں؟

(۳) ایسے چندہ مسطورہ بالا سے جو ہر سال آمد ہو کر تعمیر اور تعلیم میں صرف ہوتا رہا کیا وقف ہوسکتا ہے
جو کل آمد سالانہ ہو وہ صرف ہوجائے یعنی مدرسہ وقف مانا جائے گا یا کیا۔

(۴) اگر خالد وقف نہیں کرنا چاہے تو وقف مانا جائے یا کوئی صورت عارض ہوگی حالانکہ خالد نے
چندہ شہر اور باہر سے صدا واسطے مانگ کر لایا اور لگایا اور اپنا وقت سفر اور حضر بلا معاوضہ صرف کیا خالد جو
کہ اول سے بانی اور متولی مدرسہ ہے علاوہ بریں گروہ تمام محلہ نے چندہ دیا یا نہ دیا ہو الگ کرسکتے ہیں
ذاتی عداوت سے۔

(۵) سواد اعظم میں گروہ جہال مانے جائیں گے یا پڑھے لکھے پابند اسلام؟

نقل بیعنامہ

تحریر از طرف پٹھان حسن خاں و حاجی محمد خاں پسران خواجہ خاں ساکن شہر بنام جملہ کنجن والان مسمی رحیم بخش جی
چڑوہ رنگریز، مولوی سید شمس الدین جی، مہاوت موتی خاں جی، الٰہ بخش جی، رسالدار حسن خاں جی، قاضی
احمد علی، حاجی محمد فاضل جی شہر والوں کے روپیہ (۱۹۲۲) اور دے پوری دینا جس کے بدلہ میرے باپ کی جگہ
نیم سیم بیت مع چبوترہ و جملہ حقوق بخشش کردے اور قابض و متصرف بھی کرادیا روپیہ اس طرح پر سے
لئے [illegible] تو پٹھان عمر خاں یار محمد خاں کو رہن سے آپ نے چکائے و تحریرات رہن آپ نے لے لی اور مبلغ
[illegible] چودری گرمحمد علی کو بابت دعوی دیوانی کے آپ چکانا کر دو یا زیادہ اور مبلغ (۱۹۱) ہم نے نقد آپ سے
وصول کرلئے غرضکہ (۱۹۲۲) کل میرے پاس نقشہ و رجسٹری وغیرہ سب آپ کے در ہے اس جگہ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعلہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۹۱

بابت ہمارے بھائی گوایہ وغیرہ کوئی دعوی جھگڑا کریں گے نہیں اگر کریں گے تو ان کا مُنھ میں مناوں گا لہذا یہ تحریر بیعنامہ سند لکھ دی کہ وقت ضرورت کام دے۔ دستخط حسن خاں وحاجی محمد خاں مع گواہان

محکر یہ کہ زمین زیادہ قیمت کی تھی مگر مسطورہ بالا روپیہ میں آپ کو فروخت کرکے بخشش کردی کہ پھر کوئی دعویدار نہ ہوسکے سمت ۱۹۶۳ بکرمی کے جیسا کہ بیع۔

الجواب

ہبہ بالعوض بیع ہے جتنے اشخاص کے نام ہوئی سب مالک ہوئے اگرچہ روپیہ ایک ہی نے دیا وہ اوروں کے حصے کا زرثمن ادا کردینے میں متبرع ہے جبکہ ان سے واپسی قرار نہ پائی ہو جیسا یہاں ہے، ہم نے اپنے فتاوی کتاب الوقف میں ثابت کیا ہے کہ زرِ چندہ چندہ دہندوں کی ملک پر رہتا ہے اور محصل کا ان کے اذن عرفی سے خلط کرلینا اسے مالک نہ کردے گا اور جبکہ انھوں نے مدرسہ بنانے کے لئے خالد کو چندہ دیا تو اسے شرائے زمین و تعمیر کا اذن کیا اور ان کا روپیہ ان کے اذن سے اس نے شراء وتعمیر میں صرف کیا تو وہ زمین وعمارت تمام مشتریوں اور چندہ دہندوں کی ہوئی جس کا ایک پیسہ چندہ ہو اور جس کا ہزار روپے سب شریک ہیں، اور جبکہ دینی مدرسہ نفع عام مسلمین کے لئے بنانا مقصود تھا اس میں کسی کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ میں کسی جز کا مالک رہوں اور اس سے انتفاع ایک مدت محدود تک ہو پھر میری ملک میں واپس آئے بلکہ اپنی ملک سے خارج کرکے ہمیشہ کے لئے نفع مسلمین کے واسطے کردینا مقصود ہوتا ہے اور یہی حاصل وقف ہے تو اگرچہ نصاً وہ سب لفظ وقف نہیں کہتے عرفاً دلالۃً وقف کرتے اور وقف ہی سمجھتے ہیں، ذخیرہ وخانیہ وعالمگیریہ میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فیها امر قوما ان یصلوا فیها بجماعة فان امرهم بالصلٰوة فیها ابدا نصا بان قال صلوا فیها ابدا او امرهم بالصلٰوة مطلقا ونوی الابد صارت الساحة مسجدا وان وقت بالشهر او السنة لا تصیر مسجدا۔؎۱

ایک شخص نے اپنے خالی میدان میں لوگوں کو باجماعت نماز پڑھنے کی صراحۃً ابدی اجازت دی یا مطلقاً کہدیا کہ اس میں نماز پڑھو اور نیت ابدی کرلی تو وہ میدان مسجد قرار پائے گا، اور اگر مہینے یا سال کے لئے نماز پڑھنے کو کہا تو وہ مسجد نہ قرار پائے گا۔ (ت)

تو وہ ایک مکان ہے جس کی زمین وعمارت سب ان سب کی ملک مشترک ہوکر ان سب کی طرف سے وقف ہوئی اور حق کہ واقف کو وقف پر ہوتا ہے سب کو بروجہ کمال یکساں حاصل ہوا اس میں کمی وبیشی چندہ پر لحاظ نہ ہوگا کہ یہ حق متجزی نہیں اور حق غیر متجزی ہر شریک کے لئے کاملاً حاصل ہوتا ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے

؎۱ الفتاوی الہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۵

ما ثبت لجماعة فهو بينهم على سبيل الاشتراك الا فی مسائل الاولی ولایة الانکاح للصغیر والصغیرة ثابتة للاولیاء علی سبیل الکمال لکل (الی ان قال) والضابط ان الحق اذا کان مما لایتجزی فانه یثبت لکل علی الکمال فالاستخدام فی المملوک مما لایتجزی۔[1]

جو چیز پوری جماعت کے نام ہو تو وہ ان سب میں مشترک ہوگی ماسوائے چند مسائل کے جن میں سے ایک نکاح دینے کی ولایت جو تمام اولیاء کو نابالغ لڑکے اور لڑکی پر حاصل ہے اور یہ ہر ایک کو مستقل حاصل ہے (آگے یہاں تک فرمایا) اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر حق غیر متجزی ہو تو یہ ہر ایک کو مستقل ہوگا تو مشترکہ غلام سے خدمت لینا ہر ایک کا مستقل حق ہے کیونکہ یہ بھی غیر متجزی ہے۔(ت)

خالد بشرط حسن نیت وقبول حضرت عزت الدال علی الخیر کفاعلہ[2] (نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔ت) کا فائدہ روز جزا پائے گا تاہم اب اُسے جدید وقف کرکے واقف کل نہیں بن سکتا وقف دوبارہ وقف نہیں ہوسکتا نہ خالد مالک کل ہے اور وقف کی شرط ملک ہے۔ خالد کو مدرسہ سے جدا کرنے کی اگر کوئی وجہ شرعی نہ ہو تو جہال ہوں یا علماء بلاوجہ محض نفسانیت سے جدا کریں مسموع نہیں ہوسکتا جبکہ خود حاکم قاضی کو کسی صاحب وظیفہ تک کا بے گناہ معزول کرنا نہیں پہنچتا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

استفید من عدم صحة عزل الناظر بلاجنحة عدمها لصاحب وظیفة فی وقف بغیر جنحة وعدم اهلیة۔[3]

بغیر جرم متولی کی معزولی کی عدم صحت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وقف کا کوئی نگران یا وظیفہ ہو تو بھی بغیر جرم اور نااہلیت کے بغیر معزول نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

اور اگر وجہ شرعی ہو تو بلاشبہہ معزول کیا جائے گا اگرچہ خالد اپنی تنہا ملک سے وقف کیا ہوتا۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا بزازیة لو الواقف درر فغیره بالاولی غیر مامون او عاجزا او ظهر به فسق کشرب الخمر ونحوه فتح۔[4]

لازمی طور پر معزول کیا جائے، بزازیہ۔ اگرچہ واقف ہی کیوں نہ ہو، درر۔ تو غیر بطریق اولٰی جبکہ ناقابل اعتماد، نااہل یا اس کا فسق ظاہر ہوچکا ہو مثلاً شرابی ہونا وغیرہ، فتح۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب النکاح ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۲۴۳-۲۴۴
[2] جامع الترمذی باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعلہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۹۱
[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۲۷
[4] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

سوادِ اعظم اہلسنت ہیں فرعیات میں حکم شرع کے خلاف کثرت وقلت جماعت پر نظر نہیں امور انتظامی جن میں شرع مطہر کی جانب سے کوئی تحدید نہ ہو ان میں کثرت رائے کا لحاظ ہوتا ہے اس میں ہر ذی رائے مسلمان سنی کی رائے ملحوظ ہوگی اگرچہ عالم نہ ہو کہ معاملہ شرعیات سے نہیں بلکہ بارہا تجربہ کار کم علموں کی رائے کسی انتظامی امر میں غیر تجربہ کار ذی علم کی رائے سے صائب تر ہوسکتی ہے انتم اعلم بامور دنیاکم[۱] (تم اپنے دنیاوی امور کو بہتر جانتے ہو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴: مسئولہ مولوی ظہور حسین صاحب ساکن بریلی محلہ گنگش ٹولہ ۲۲ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی حیات میں ایک جزو زمینداری معہ ایک قطعہ مکان موسوم امام باڑہ بغرض امورات مذہبی بشرائط ذیل بنام خدائے برتر وقف کرکے وقف نامہ مصدقہ رجسٹری لکھ دیا اور قبضہ اور دخل جزو وکل اپنا خارج کرکے خدا کی ملک میں دے دیا اور کوئی تعلق اپنا کسی قسم کا نہ رکھا اور دو متولی مقرر کرکے عمل درآمد باضابطہ کرادیا، اغراض وقف کے شرائط مجوزہ ہندہ واقفہ یہ ہیں:

اوّل یہ کہ جو منافع خالص رہے اس میں سے محفل میلاد شریف حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ ونذر ونیاز وفاتحہ سید الشہداء امام حسن وامام حسین علیہما السلام وحاجت ضروری امورات ومرمت شکست وریخت امام باڑہ باہتمام متولیان ہو۔

دوسرے یہ کہ اگر متولیان مذکور یا کسی کو متولی یا قائم مقام اپنا کئے فوت ہوجائیں تو اولاد ذکور ولی متولیان ہندہ سے متولی ہوں گی کوئی شخص مستحق تولیت کا نہ ہوگا بلکہ یہ سلسلہ خاندانی تا قیام زمانہ نسلاً قائم رہے گا کوئی کمیٹی وانجمن جائداد موقوفہ میں دست انداز نہیں ہوسکتی کیونکہ محاصل اس وقف کا بنا بر اجرائے کار خیر ونذر ونیاز رکھا گیا ہے تاکہ نام میرا دنیا وآخرت میں ہمیشہ رہے اور ثواب ملتا رہے۔ ایسا وقف اور یہ مصارف اوقاف شرعی یعنی بموجب شرع محمدی کے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ وہ جائداد اور یہ مکان اس وقف کرنے کے وقت ہندہ کی ملک تھی اور اب اس نے مصارف خیر مذکورہ کے لئے وقف کردئے وقف جائز وصحیح ولازم ہوگیا اور مصارف مذکورہ شرعاً جائز ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

ووقف المشاع جائز[۲] قال فی الدرر — غیر منقسم جائداد کا وقف جائز ہے۔ درر میں ہے کہ

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب امتثال ما قالہ شرعاً الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۴

[۲] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۱۸

وبه یفتی۱؎ ۔ اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

اور وقتِ وقف اس کا مالک ہونا ضروری ہے، شامی ج ۳ ص ۵۵۵ میں ہے:

شرطه شرط سائر التبرعات افادان الواقف لابد ان یکون مالکا له وقت الوقف ملکا تاما۲؎۔

اس کی شرط وہی ہے جو تمام تبرعات کی شرط ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ واقف کا بوقتِ وقف کامل مالک ہونا ضروری ہے (ت)

وقف کے لئے کتابت ضروری نہیں زبانی الفاظ کافی ہیں، خیریہ میں ہے:

اما اشتراط کونه یکتب فی حجة ویقید فی سجلات فلیس بلازم شرعا ومخالفته للموضوع الشرعی من اللفظ بانفرادہ کاف فی صحة ذلک شرعا والزیادة لا یحتاج الیه۳؎ ملتقطا۔

یہ کہ حجت وقف لکھی جائے اور دفتری کتب میں لکھائی تو یہ شرط شرعاً لازم نہیں بلکہ شرعی طریقہ کے مخالف ہے کیونکہ صرف لفظی طور پر کہہ دینا کافی ہے اور اس سے زائد شرعاً کوئی ضروری نہیں اھ (ت)

اور ولایت کو اپنے خاندان میں شرط کردینا بھی صحیح ہے اور وہ اس کا متولی رہے گا جب تک کہ اس کی خیانت یا عجز یا فسق ظاہر نہ ہو ورنہ اس سے ولایت لے لی جائے گی اگرچہ متولی خود واقف ہی ہو، درمختار صفحہ ۳۸۳ میں ہے:

وینزع وجوبا لو کان المتولی غیر مامون او عاجزا او ظهر به فسق وان شرط عدم نزعه او ان لا ینزعه قاض ولا سلطان لمخالفته لحکم الشرع فیبطل کالوصی۴؎ اھ ملخصا مختصرا۔

اور متولی غیر محفوظ ہو یا نالائق ہو یا جس کا فسق ظاہر ہوچکا ہو تو اس کو معزول کرنا ضروری ہے اگرچہ معزول نہ کرنے کی شرط کی ہو یا یہ کہ قاضی اور سلطان بھی نہ معزول کرے گا تو شرع کے مخالف ہونے کی وجہ سے یہ شرط باطل ہے جیسا کہ وصی کے متعلق حکم ہے اھ ملخصاً مختصراً (ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

۱؎ الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الوقف مطبعہ احمد کامل الکائنہ ۲/ ۱۳۲

۲؎ ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۹

۳؎ فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۶

۴؎ درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۳۳ از سورت حیدرآباد دکن منزل خانقاہ حیدریہ مرسلہ حضرت سید علی بن زید بن حسن حیدروس سجادہ نشین خانقاہ مذکورہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے اوقاف جو ثواب کی نیت سے بترغیب حکم رب العالمین وقف کئے جاتے ہیں وہ اوقاف کل کے کل مذہبی ہیں یا مذہب کے غیر یا بعض مذہبی اور غیر مذہبی؟ بینوا توجروا

الجواب

اوقاف جائزہ مطلقاً اگرچہ بے نیت ثواب کئے جائیں اگرچہ وقف کرنیوالے مسلمان بھی نہ ہوں خواہ ہمارے مذہبی تعلیم اعمال عبادات کے لئے ہوں یا غریبوں کی مدد، تعلیم طبی امداد وغیرہا کے لئے علی العموم سب مذہبی ہیں اور ان میں وسعت، امدادی مذہبی وسعت امدادی، نیت وعدم نیت یا اسلام وکفر واقف سے یہ فرق پڑتا ہے کہ وقف اگر مسلمان ہو اور ثواب کی نیت سے کرے (جیسا کہ عام اوقاف میں مسلمانوں کی یہی نیت ہوتی ہے) تو وہ اس کے لئے قربت وعمل صالح وباعث ثواب وقرب رب الارباب بلکہ اطلاق عام میں عبادت الٰہی ہے اور ایسا نہ ہو تو واقف کو ثواب نہ ملے گا مگر وقف فی نفسہ ضرور ہمارا دینی مذہبی کام ہی رہے گا و نیز اس میں دو شرطیں مطلقاً لازم ہیں،

ایک یہ کہ وہ کام جس کے لئے یہ وقف ابتداءً ہو یا آخر میں اس کے لئے قرار پائے گا واقف کے نزدیک کار ثواب ہو وہ اس ثواب کی نیت کرے یا نہ کرے یہ اس کا فعل ہے کام مذہبی حیثیت سے ثواب کا ہونا چاہئے، جیسے غرباء کی امداد اگرچہ وہ ہنود وغیرہ سے ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ کام خود ہمارے مذہب اسلام کی رو سے کار ثواب ہو اگرچہ وقف کرنے والا مسلمان نہ ہو۔

(۱) اسی لئے اگر اغنیا کے چائے پانی کے لئے ہوٹل بنا کر وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ کوئی ثواب کا کام نہیں۔

(۲) کافر نے مسجد کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ اس کے خیال میں کار ثواب نہیں

(۳) کافر نے ایک مندر یا شوالے کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ واقع میں کار ثواب نہیں

(۴) کافر نے ایک شوالے پر وقف کیا اس شرط پر کہ جب تک یہ باقی ہے وقف کی آمدنی اس میں خرچ ہو اور جب شوالہ ٹوٹ کر ویران ہوجائے تو اس کے بعد یہ آمدنی محتاجوں پر صرف ہو کرے وقف صحیح ہوجائے گا کہ اس کا آخر ایک ایسے کام کے لئے رکھا جو کار ثواب ہے یعنی امداد مساکین، اور آج ہی سے اس کی ساری آمدنی

امداد مساکین میں صرف ہوگی شوالک ایک پیسہ نہ دیا جائے گا، اور اس قسم کے بکثرت مسائل کتب معتمدہ میں مذکور ہیں، تو ثابت ہوا کہ وقف جائز کیسا ہی ہو کسی نے کیا ہو کسی طرح کیا ہو مطلقاً ہم مسلمانوں کا دینی مذہبی ہے، کام دو ہی قسم ہیں، دینی یا دنیوی ہر شخص جانتا ہے کہ دنیوی کام میں ان دونوں شرطوں سے کوئی شرط نہیں، نہ یہی ضرور کہ فاعل کے نزدیک وہ کار ثواب ہو، نہ یہی لازم کہ مذہب اسلام نے اُسے کار ثواب مانا ہو اور وقف میں مطلقاً یہ دونوں شرطیں لازم ہیں، تو ظاہر ہوا کہ وہ ہرگز دنیوی کام نہیں بلکہ خاص دینی و مذہبی ہے، اور یہی ہمیں ثابت کرنا تھا، اور اس پر ایک صریح دلیل یہ بھی ہے کہ مسلمان اگر کیسا ہی وقف کسی غرض کا کرے اور پھر معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے تو فوراً اس کا ہر وقف باطل ہو جاتا ہے وہ اس کے وارثوں پر مالکانہ تقسیم کر دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ اگر مرتد ہو کر پھر اسلام لے آئے وقف عود نہ کرے گا جب تک بعد اسلام پھر از سر نو وقف نہ کرے اور یہ حکم عام ہے جس میں کسی وقف کی تخصیص نہیں تو کوئی وقف اگر ایسا بھی ہوتا جو مذہبی نہ ہو تو مذہب بدل جانے سے وہ کیوں باطل ہو جاتا، تو معلوم ہوا کہ وقف کیسا ہی ہو مطلقاً مذہبی ہے۔ اب ان تمام مسائل پر عبارات کتب ملاحظہ کیجئے:

ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ جلد دوم ص ۳۲۳:

العتق والوقف والاضحیۃ عبادات[1]

وقف، عتق اور قربانی بھی عبادات ہیں۔ (ت)

ہدایہ مع فتح القدیر مطبع مصر جلد پنجم ص ۴۰:

الوقف ازالۃ الملک الی اللہ تعالٰی علی وجہ القربۃ[2]

اپنی ملکیت کو عبادت کے طور پر زائل کرنا اللہ تعالٰی کے لئے اس کو وقف کہتے ہیں۔ (ت)

فتح القدیر جلد مذکور ص ۳۷:

محاسن الوقف ظاہرۃ لمافیہ من ادامۃ العمل الصالح کما فی الحدیث المعروف اذا مات ابن ادم انقطع عملہ الامن ثلث صدقۃ جاریۃ[3] الحدیث

وقف کے محاسن ظاہر ہیں کہ اس میں نیک عمل کا دوام ہے جیسا کہ معروف حدیث میں ہے کہ انسان کے فوت ہونے پر اس کے عمل تین کے ماسوا سب منقطع ہو جاتے ہیں، ان میں ایک صدقہ جاریہ ہے، الحدیث (ت)

درمختار مع شامی مطبع استنبول جلد سوم ص ۵۵۳:

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۵۰

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۶۲۳

[3] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۱۶

سببه ارادة محبوب النفس فی الدنیا من الاحباب وفی الاٰخرة بالثواب یعنی بالنیة من اهلها لانه مباح بدلیل صحته من الکافر[۱]

دنیا میں احباب سے بھلائی اور آخرت میں ثواب کیلئے نفس کو خوش کرنا اس کا سبب ہے، یعنی ثواب کی نیت اہلِ نیت سے ورنہ مباح ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ وقف کرنا کافر کو بھی جائز ہے (ت)

ایضاً صفحہ ۳۵۶:

شرطه ان یکون قربة فی ذاته۔[۲]

شرط یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں قربت ہو۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری مطبع احمدی جلد سوم ص ۱۱۴:

بیان شرائط وقف منها ان یکون قربة فی ذاته وعند المتصرف[۳]

وقف کے شرائط کا بیان ایک شرط یہ ہے کہ فی نفسہٖ قربت ہو اور تصرف کرنے والے کے ہاں بھی قربت ہو (ت)

ردالمحتار جلد سوم ص ۵۵۲:

فی النهر عن المحیط لو وقف علی الاغنیاء وحدهم لم یجز لانه لیس بقربة اما لو جعل اٰخره للفقراء فانه یکون قربة فی الجملة[۴]

نہر میں محیط سے منقول ہے اگر صرف اغنیاء کے لئے وقف ہو تو صحیح نہیں کیونکہ یہ قربت نہیں، اگر آخر میں فقراء کے لئے کر دیا تو فی الجملہ قربت ہو جائے گا۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ جلد سوم ص ۱۱۵:

لو جعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین ثم مات یصیر میراثا لورثته وهذا قول الکل کذا فی جواهر الاخلاطی ولو جعل ذمی دارہ بیعة او کنیسة او بیت نار فی صحته ثم مات یصیر میراثا

اگر ذمی نے اپنے گھر کو مسلمانوں کیلئے مسجد بنایا پھر فوت ہو گیا تو وہ اس کے وارثوں کے لئے میراث ہوگی اور یہ سب کا قول ہے یونہی جواہر اخلاطی میں ہے، اور اگر ذمی نے اپنا گھر بیعہ یا کنیسہ، یا آتشکدہ اپنی تندرستی میں بنا دیا پھر فوت ہوا تو میراث قرار پائے گا،

۱؎ و ۲؎ درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۷
۳؎ فتاوٰی ہندیہ الباب الاوّل نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۳۵۳
۴؎ ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۵۶

ھٰکذا ذکر الخصاف فی وقفه وھٰکذا ذکر محمد من الزیادات کذا فی المحیط[1] (ملتقطاً)۔

یُوں خصاف نے اپنے وقف میں اور امام محمد نے زیادات میں بیان کیا، محیط میں ایسے ہی ہے۔ (ملتقطاً) (ت)

فتح القدیر جلد پنجم ص ۴۳۰ و ردالمحتار جلد سوم ص ۵۵۰ ؛

لو وقف الذمی علی بیعۃ مثلاً فاذا خربت یکون للفقراء کان للفقراء ابتداءً ولو لم یجعل اٰخرہ للفقراء کان میراثاً عنہ، نص علیہ الخصاف فی وقفه ولم یحك خلافاً[2]۔

اگر ذمی نے بیعہ (یہودی عبادت گاہ) کے لئے وقف کیا مثلاً خراب ہوجانے پر فقراء کے لئے کہا تو وہ ابتداء سے فقراء کے لئے ہوگا، اور اگر آخر میں (خراب کے وقت) فقراء کے لئے نہ کہا تو پھر ورثاء کے لئے میراث بن جاتا، اس کو خصاف نے اپنے اوقاف میں بیان کیا اور اس میں خلاف قول ذکر نہ کیا۔ (ت)

عالمگیری جلد سوم ص ۱۱۳ و اسعاف ص ۱۱۹ ؛

لوقال تجری غلتہا علی بیعۃ کذا فان خربت ھٰذہ البیعۃ کانت الغلۃ للفقراء والمساکین فانہ تجری غلتہا علی الفقراء والمساکین ولاینفق علی البیعۃ شیئ کذا فی المحیط[3]۔

اگر ذمی نے کہا کہ اس زمین کی آمدن فلاں بیعہ پر وقف ہے اور جب یہ بیعہ خراب ہوجائے تو زمین کی آمدن فقراء ومساکین کے لئے جاری رہے گی تو یہ آمدن شروع سے ہی فقراء ومساکین پر صرف ہوگی اور بیعہ پر کچھ بھی صرف نہ ہوگا، محیط میں یونہی ہے (ت)

درمختار صفحہ ۵۵۰ ؛

ارتد المسلم بطل وقفہ[4] (وقف کنندہ مسلمان مرتد ہوجائے تو اس کا وقف باطل ہوجائیگا۔ ت)

ردالمحتار صفحہ مذکورہ ؛

ویصیر میراثاً سواء قتل علی ردتہ او مات اوعاد الی الاسلام الا ان اعاد الوقف بعد عودہ الی الاسلام[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم

اور وہ وقف میراث قرار پائے گا خواہ ارتداد پر قتل ہوجائے یا طبعی موت مرجائے، یا دوبارہ مسلمان ہوجائے، مگر دوبارہ اسلام کی صورت میں اس وقف کو دوبارہ وقف کرے تو وقف رہے گا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۳

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[5] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

مسئلہ ۳۲: از بنارس محلہ پتری باغ مرسلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب خلف منشی نخل محمد تاجر پارچہ بنارسی ۴ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

وقول علماء ورثۃ الانبیاء رحمہم اللہ تعالٰی الی یوم الجزاء اس مسئلہ میں کہ یہاں رواج ہے کہ ماہ ربیع الاول میں لوگوں سے محض بغرض ایصالِ ثواب روحِ پُرفتوح حضرت نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چندہ لیا جاتا ہے لوگ حسبِ استطاعت دیتے ہیں اس کا کھانا وغیرہ پکا کر مساکین وفقراء کو کھلایا جاتا ہے، اب اس چندہ سے کچھ روپیہ کھانے وغیرہ کے خرچ سے فاضل بچ گیا تو فقراء ومنتظمین کی صلاح ہوتی ہے کہ اس روپے فاضل سے دیگ آجانا چاہئے کیونکہ ہر سال ۱۲ تاریخ ربیع الاول کو ضرورت پڑتی ہے اور بڑی تردد سے ملتی ہے کبھی مستعار کبھی کرائے پر، وہ اس روپے سے آجائے گی تو ہمیشہ کے واسطے آرام ہوگا، بعضا یہ رائے بھی ہے کہ جس کو ضرورت دیگ کی پڑے گی اس کو کرائے پر دی جائے گی اور وہ کرایہ کی آمدنی مدرسہ میں طالب علم کی خاطر میں صرف کی جائے لیکن افسران مختلف ہیں جواز وعدم جواز میں، لہذا علماء سے مستفسر ہیں کہ اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسے چندوں سے جو روپیہ فاضل بچے وہ چندہ دہندگان کا ہے انھیں کی طرف رجوع لازم ہے وہ دیگ وغیرہ جس امر کی اجازت دیں وہی کیا جائے، ان میں جو مر گیا ہے اس کے عاقل بالغ وارثوں کی طرف رجوع کی جائے اگر ان میں کوئی مجنون یا نابالغ ہے، تو باقیوں کی اجازت صرف اپنے حصے کے قدر میں معتبر ہوگی صبی ومجنون کا حصہ بہر حال واپس دینا ہوگا، اور اگر وارث بھی نہ معلوم ہوں تو جس کام کے لئے چندہ دہندوں نے دیا تھا اسی میں صرف کریں، وہ بھی نہ بن پڑے تو فقراء پر تصدق کردیں، غرض بے اجازت مالکان دیگ لینے کی اجازت نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان لم یکن بیت مال معمورا او منتظما فعلی المسلمین تکفینہ فان لم یقدروا سألوا الناس لہ ثوبا فان فضل شیئ رد للمتصدق ان علم والا کفن بہ مثلہ والا تصدق بہ مجتبٰی[1]

اگر بیت المال میں مال نہ ہو یا کوئی منتظم نہ ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو کفن پہنائیں اور اگر کوئی قادر نہ ہو تو لوگوں سے چندہ لیا جائے اور کفن کے چندہ سے کچھ بچ جائے تو یہ چندہ دینے والا معلوم ہو تو اسے لوٹا دیا جائے ورنہ اس سے ایسے ہی کسی فقیر کو کفن پہنا دیا جائے، یہ بھی نہ ہو سکے تو کسی فقیر کو صدقہ کردیا جائے، مجتبٰی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

(قولہ والا کفن بہ مثلہ) ھذا لم یذکرہ

ماتن کا قول کہ اسی جیسے فقیر کو کفن پہنا دیا جائے، یہ

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲

فی المجتبی بل زادہ علیه فی البحر عن التجنیس والواقعات قلت وفی مختارات النوازل لصاحب الهدایة فقیر مات فجمع من الناس الدراهم وکفنوه وفضل شیئ ان عرف صاحبه یرد علیه والا یصرف الی کفن فقیر اٰخر او یتصدق به۔[1]

عبارت مجتبٰی میں مذکور نہیں بلکہ یہ زائد بحر میں تجنیس اور واقعات کے حوالے سے مذکور ہے میں کہتا ہوں اور صاحب ہدایہ کی کتاب مختارات النوازل میں ہے کہ فقیر فوت ہوا تو لوگوں نے چندہ جمع کرکے اس کو کفن دیا اور چندہ بچ گیا اگر اس زائد چندہ والا شخص معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے ورنہ اس کو کسی دوسرے فقیر کے کفن میں خرچ کیا جائے یا پھر صدقہ کردیا جائے (ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے۔

قلت وشارحی رد المحتار نقل عبارة المختارات الی انه لم یذکر الترتیب بین التکفین والتصدق علی ما فی الشرح **اقول** لکن فی الخانیة ثم الهندیة ان عرف صاحب الفضل یرده علیه وان لم یعرف کفن به محتاج اٰخر وان لم یقدر علی صرفه الی الکفن یتصدق به علی الفقراء[2] اھ فهذا نص فی الترتیب ولا شك ان باختیاره یخرج عن العهدة بیقین ثم هذا وان لم یکن وقفا فهو شبیه به ولا شك ان مراعاة غرض المالك اهم واحکم فلذا عولنا علیه، واللّٰه تعالٰی اعلم.

قلت (میں کہتا ہوں) ردالمحتار میں مختارات کی عبارت نقل کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ کسی فقیر کو کفن پہنانے یا صدقہ کرنے میں ترتیب مذکور نہیں ہے جیسا کہ شرح میں ہے۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) لیکن خانیہ پھر ہندیہ میں ہے کہ اگر زائد چندے والا معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے اور اگر معلوم نہ ہو تو پھر کسی دوسرے محتاج کو کفن دیا جائے، اور اگر کسی کفن میں صرف کرنا مقدور نہ ہو تو پھر فقراء پر صدقہ کیا جائے اھ، تو یہ عبارت ترتیب کے لئے نص ہے، اس میں شک نہیں کہ اس ترتیب کو اپنانے سے یقینًا عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ پھر یہ اگرچہ وقف نہیں تو اس کے مشابہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ چندہ دینے والے مالک کی غرض کو پورا کرنا زیادہ محکم ہے اسی لئے ہم نے اس ترتیب کو قابلِ اعتماد قرار دیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنازہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۱

مسئلہ ۳۲ از بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ محمد علی جان خاں صاحب ۸ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسمی کرامت علی ونیاز علی واقع تکیہ کوکو کے خادم تھے جنھوں نے کچھ اراضی مسمی قادر بخش کے پاس بمیعاد تیس سال کے بیع بالوفا کردی جو بعد انقضائے میعاد مذکورہ بالا کے شیخ مذکور کے قبضہ میں اُس بیعنامہ کے ذریعہ سے آگئی، چنانچہ شیخ مذکور کی قبر اور اُن کے بزرگان کی قبریں بھی اُسی میں ہیں۔ بعدہٗ تخمیناً عرصہ سینتالیس سال کا ہوا کہ از جانب سرکار انگریزی تکیہ ہذا میں مُردوں کے دفن کرنے کی ممانعت ہوگئی اب وہ اراضی بیکار پڑی ہے اور اس کی حفاظت کا کچھ انتظام نہ تھا اس واسطے جملہ مسلمانانِ محلہ نے شیخ یاد علی وارث قادر بخش سے اُس اراضی کا بیعنامہ مسجد کے نام جو اُسی کے محاذ میں واقع ہے صرف سڑک انگریزی درمیان میں واقع ہے لکھا لیا اور بعد لکھانے بیعنامہ کے باجازت سرکار انگریزی اُس اراضی کو پختہ منڈیروں سے محدود کرکے اُس کے اوپر کرایہ دار کو بٹھا دیا اور اُس سے جو کرایہ حاصل ہوا اُس کو مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کیا اور وقت محدود کرنے اراضی کے اُس کو ہموار کردیا تھا اب اُس کے محاصل کا مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر وہ زمین اُن تکیہ داروں کی ملک نہ تھی بلکہ قبرستان عام مسلمین کی وقفی زمین تھی تو وہ بیعیں سب ناجائز ہوئیں اور بذریعہ بیع یہ صورت جو اُسے متعلق مسجد کرلیجئے یہ بھی ناجائز ہوئی، قبریں جو موجود تھیں اُنھیں منہدم وہموار کرکے اُن پر چلنا پھرنا سب ناجائز۔ البتہ جو زمین اُس میں قبور سے جدا تھی وہ اور اتنی کہ اب وہاں دفن ممکن نہ رہا ملک اصل واقف کی طرف عود کرگئی، اس کے ورثہ کو اختیار ہے اُن کی اجازت سے اُس قدر کو متعلق مسجد کرسکتے ہیں اور واقف نہ معلوم ہو یا ورثہ کا پتا نہیں تو مسلمانوں کا یہ فعل باستثنائے مواضع قبور ممنوع نہیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۳ مسئولہ حافظ قاضی محمد حسن خاں عرف میراں اللہ شاہ اشرفی امام ومدرس مسجد مولوی نُولا شہر کہنہ ۵ شوال ۱۳۲۲ھ

ایک شخص کے پاس دو سو روپے امانت مسجد کا تھا کہ جس کو بلا اجازت متولی اُس نے عدالت سے وصول کرلیا تھا اور بوجہ اُس کے سرآوردہ ہونے کے متولی نے طلب اُس سے نہیں کیا اور جب طلب کیا تو جواب دیا کہ جس کام میں میری رائے ہوگی صرف کردوں گا، چنانچہ اب اُس شخص نے متصل اُسی مسجد کے حجرہ کے اراضی افتادہ میں اپنا ذاتی ایک چبوترہ تعمیر کرلیا اور یہ خیال کیا کہ اس چبوترہ کی آڑ دیوار حجرہ سے ہے اور اس چبوترہ کے آگے بھی اراضی افتادہ ہے جس میں تین پرنالے مسجد کے قدیم سے جاری ہیں اس اراضی کی بھی آڑ مسجد سے ہو جائے پس یک بالکل فصیل مسجد پر بنانے کا ارادہ کیا چونکہ وہ تعمیر بلا ضرورت دیوار مسجد پر تھی لہذا یہ ظاہر کیا کہ مرمت مسجد کی جاوے ،

چنانچہ اسی مرمت میں یہ تجویز خود کیا کہ پیش حجرہ میں ڈالا جاوے جس کے واسطے پاکھوں کی ضرورت ہے چنانچہ دونوں طرف حجروں کے فصیل پر پاکھے جڑوائے گئے اور اُن کو بغرض حفاظت اراضی افتادہ بند کرنا چاہا تاکہ کوئی وضو فصیل پر نہ کرسکے جس سے مسلمان حارج ہوئے مگر کچھ نہ مانا ایک بہت اونچی جگہ پر کسی قدر اُن پاکھوں کو کھولا اور ٹین پیش ہر دو حجرہ ڈلوایا اور دو سو روپیہ اُس تعمیر میں صرف کر دئے۔ مسلمانوں کی رائے تھی کہ اور کچھ چندہ فراہم کر کے ایک مکان تعمیر ہو جاتا کہ جس کی آمدنی خرچ و صرف مسجد کو کافی ہوتی یہ رقم دو سو پچاس کی تھی جس میں اب صرف پچاس روپیہ انھیں کی تحویل میں باقی ہے ہیں لہٰذا تعمیر مکان اب دشوار ہو گئی۔

(۱) ایسی حالت میں یہ روپیہ بجا صرف ہوا یا بے جا؟

(۲) اور مواخذہ دار اس کا عند اللہ وہ رہا یا نہیں؟

(۳) اور متولی مسجد سے رسید اس روپے کی طلب کرتا ہے تو رسید دینا چاہئے یا نہیں جبکہ بلا مشورہ و رائے یہ روپیہ صرف ہو، مرمت مسجد میں۔ اگر صرف با انتظام ہوتا تو صرف ۲۵ سے زائد نہ صرف ہوتا۔ اب ڈیڑھ سو روپیہ صرف دونوں طرف کے پاکھے اور ٹین اور فضولیات میں صرف ہو گیا جس کی اس وقت مسجد کو کوئی ضرورت نہ تھی اور ۸ سال تک یہ روپیہ اُس نے اپنے قبضہ میں رکھا۔

(۴) اور دونوں جانب کے در فصیل کھلوا دینے چاہئیں یا نہیں کیونکہ ہوا بالکل مسدود ہے اور آرام نمازیوں اور وضو کا جاتا رہا، جو حکم شرع ہو وہ کیا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) شخص مذکور کے یہ تصرفات محض ناجائز و باطل ہیں۔

(۲) روپے کا تاوان اس پر لازم ہے۔

(۳) متولی مسجد کو حرام ہے کہ اسے رسید دے۔

(۴) دونوں طرف کے در بدستور کھول دئے جائیں کہ ہوا اور وضو کا آرام ہو۔

فی الدر المختار والبحر الرائق والاشباہ والنظائر وغیرہا التصریح بان المتولی مقدم علی القاضی وان کان منصوبہ فکیف بالاجنبی فکیف فی اضاعۃ المال وسد المرافق[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار، بحرالرائق، الاشباہ والنظائر وغیرہا میں تصریح ہے کہ متولی قاضی پر مقدم ہے اگرچہ متولی اسی قاضی کا بنایا ہوا ہو تو اجنبی کا کیا مقام ہے تو مال کا ضیاع اور مفادات پر پابندی کا کیا سوال ہے، واللہ تعالٰی علم (ت)۔

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۳۵

مسئلہ ۲۴۲: کریم الدین واقف نے بحیثیت متولی کام نہیں کیا بلکہ مالکانہ جب سے وقف کیا جس کو عرصہ پندرہ سال کا ہُوا کرتے رہے ہیں اس میں کی منفعت بجنسہ زمین خود کاشت میں رکھی جو داخل درج کی ہے اور کبھی اس کا لگان درج نہیں ہوا، اخراجات جو لکھے ہیں چندنشان میں کبھی نہیں کہ متولی بدلنے کی کہیں شرط نہیں، جس صورت میں خود واقف جو متولی ہُوا وہ حسب شرائط کاربند ہوا، کچھ وقف کب ہُوا، مگر یہ کہ اس نے اندراج وقف کا کاغذات پٹواری میں نہیں کرایا یہ ایک شرط اس نے اپنے ذمہ لازم رکھی تھی۔

الجواب

وقف میں کریم الدین کے لفظ صاف و بے تقیید مطلق ہیں کہ وقف دائمی کیا میں نے اور خود اپنے آپ کو متولی کیا وقف صحیح و تام و لازم ہوگیا جس کی تبدیل ناممکن ہے بعد کو اگر اس نے قبضہ مالکانہ کیا ہو اور جتنی باتیں سائل نے ظاہر کیں سب سچ ہوں بلکہ بالفرض اس نے صراحۃً دعوٰی وانکار کردیا ہو کہ میں مالک ہوں یہ وقف نہیں ہے جب بھی وقف کو آنچ نہیں پہنچ سکتی بلکہ خود اس کی خیانت ظاہر ہوتی اور واجب ہوتا کہ وقف اس سے نکال کر دوسرے کے سپرد کیا جائے نہ یہ کہ اس سے وقف باطل ہوجائے یہ نری جہالت وضلالت ہے درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا بزازیۃ لوالواقف درر فغیرہ بالاولٰی غیر مامون[1]

جبراً معزول کرنا واجب ہے، بزازیہ۔ اگرچہ واقف ہی ہو، درر۔ تو غیر شخص جو قابلِ اعتماد نہ ہو اس کو بطریقِ اولٰی معزول کیا جائے گا۔ (ت)

شرائط کی پابندی اس پر لازم تھی کہ اگر نہ کی گنہگار ہوا نہ کہ وقف ہی جاتا رہا، وقف کے بعد واقف صرف ایک متولی کی حیثیت میں رہتا ہے نہ کہ مالک یا ابطال وقف پر قادر۔ کیا متولی اگر خلاف شرائط کرے تو شئی وقف سے نکل جائے گی، ایسا خیال نرے احمق بے ادراک کا خیال ہے۔ دربارہ متولی واقف کو ایسی صورت میں ضرور تبدیل کا اختیار ہوتا ہے اگرچہ وقت وقف یا وقف نامہ میں بدلنے کی کوئی شرط نہ کی ہو۔ بحرالرائق میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ عن حکم سائر الشرائط لان لہ فیہا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط[2]

متولی بنانا واقف کی تمام شرائط سے الگ معاملہ ہے کیونکہ واقف جب چاہے بغیر شرط بیان کے بھی متولی کو تبدیل کرسکتا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] بحرالرائق ؍ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

تو ہندہ کا جو اقرار نامہ اس نے دربارہ تولیت لکھا اسی پر عمل درآمد واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۴ از بہار شریف ضلع پٹنہ ڈاکخانہ سوہ سرائے محلہ مغل کنواں مکان شیخ بہادر معتوم رسول مولوی امیر حسن صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی وفات سے تیرہ برس پہلے اپنی جائداد کو وقف کرکے بشہادت معززین شہر ایک وثیقہ لکھوا کر حاکم وقت کی کچہری میں باضابطہ تکمیل کر دیا، بعد تیرہ سال کے مرض موت میں دوسرا وثیقہ مخالف شروط وثیقہ اول کے لکھوایا اور دو چار پہر کے بعد قضا کر گئی چونکہ ہندہ سنیہ حنفیہ تھی لہٰذا فقہ حنفیہ کی معتبر و مشہور کتابوں سے قول مفتی بہ و صحیح کے ساتھ ترتیب سوالات مفصلہ ذیل کا جواب مرحمت ہو۔

(۱) وثیقہ اول کی ترمیم و شروط بدلنے کا ہندہ کو اختیار تھا یا نہیں؟

(۲) مرض موت کے وقف کا کیا حکم ہے؟

(۳) وثیقہ ثانی صحیح ہے یا باطل؟ بینوا توجروا۔ المستفتی عبداللہ

الجواب

عامہ[1] شرائط معتبرہ[2] کا اختیار شرع مطہر نے واقف کو صرف انشائے وقف کے وقت دیا ہے مثلاً جسے چاہے اس کا مصرف بنائے جسے چاہے نہ بنائے جسے جتنا چاہے دینا ٹھہرائے، جس وقت یا حالت یا صفت کے ساتھ چاہے مقید کر دے، جو ترتیب چاہے مقرر کرے، جب تک اس انشاء میں ہے مختار ہے، وقف تمام ہوتے ہی وہ تمام شروط مثل وقف لازم ہو جاتی ہیں کہ جس طرح وقف سے پھرنے یا اس کے بدلنے کا اسے اختیار نہیں رہتا یونہی ان میں سے کسی شرط سے رجوع یا اس کی تبدیل یا اس میں کمی بیشی نہیں کر سکتا ہاں اگر انشاء ہی کے وقت شرط لگا دی تھی کہ مجھے ان تمام شروط یا خاص فلاں شرط میں تبدیل کا اختیار رہے گا تو جس شرط کے لئے بالتصریح یہ شرط کر لی تھی

عــه[1] انما قال عامة لان التولیة خارجة عن ھذا الحکم فلہ التغییر فیھا کلما شاء ولو لم یشترط شیئا کما فی البحر وقد تقدم فی فتاوٰنا غیر مرۃ ۱۲ منہ (م)۔

"عامہ" کا لفظ اس لئے کہا کیونکہ تولیت کا معاملہ اس حکم سے خارج ہے لہٰذا واقف کو جب چاہے متولی میں تبدیلی کا حق ہے اگرچہ اس کی شرط نہ لگائی ہو جیسا کہ بحر میں ہے اور متعدد بار ہمارے فتاوٰی میں گزر چکا ہے ۱۲ منہ (ت)۔

عــه[2] قید بمعتبرۃ لان الشرط الباطل باطل مطلقا لا تفصیل حین الانشاء ولا بعدہ ۱۲ منہ۔

معتبر شرائط سے کہا، کیونکہ باطل شرط ہو تو مطلقاً باطل ہے وقف کرتے وقت لگائی تھی ہو یا بعد میں لگائی گئی ہو ۱۲ منہ (ت)۔

اُسی کو بدل سکے گا پھر اُسے بھی ایک ہی بار بدل سکتا ہے، جب تبدیل ہولی اب دوبارہ تغیّر کا اختیار نہ ہوگا کہ اُسی قدر شرط کا مفاد تھا وہ پورا ہوگیا اب دوبارہ تبدیل شرط سے زائد ہے لہذا مقبول نہ ہوگی البتہ اگر کسی شرط پر انشائے وقف میں یہ شرط لگادی کہ میں اسے جب کبھی چاہوں ہر بار بدل سکوں گا تو اس شرط کی نسبت اختیار مستمر رہے گا کہ اب اس کا استمرار ہی مقتضائے شرط ہے غرض واقف خود اُس کا قطعی پابند ہوتا ہے جو اُن شرطوں میں وقف کرتے وقت زبان یا قلم سے نکال چکا اُس سے باہر اُن میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ امام طرابلسی اسعاف میں فرماتے ہیں:

لا یجوز له ان یفعل الا ما شرط وقت العقد۔[1]

یعنی واقف کو اُسی قدر کرنے کی اجازت ہے جتنا وقف کرتے وقت شرط کرچکا تھا۔

اُسی میں ہے:

ولو شرط فی وقفه ان یزید فی وظیفة من یری زیادته او ینقص من وظیفة من یری نقصانه او یدخل معهم من یری ادخاله او یخرج من یری اخراجه جاز ثم اذا فعل ذلک لیس له ان یغیره لان شرطه وقع علی فعل یراه فاذا راٰه وامضاه فقد انتهی ما راٰه۔[2]

یعنی اگر واقف نے وقف میں شرط کرلی کہ میری رائے میں جس کا وظیفہ بڑھانا مناسب ہوگا بڑھادوں گا یا جس کا کم کرنا مناسب ہوگا کردوں گا جسے داخل کرنا آئے گا داخل کروں گا جسے خارج کردینا منظور ہوگا خارج کردوں گا، تو یہ شرط جائز ہے پھر جب ایک بار کرچکا اب اسے نہیں بدل سکتا کہ شرط جتنی تھی ختم ہوچکی۔

علامہ سید احمد حموی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

الوقف اذا لزم لزم ما فی ضمنه من الشروط۔[3]

وقف جہاں لازم ہوا ساتھ ہی اس کے ضمن میں جتنی شرطیں ہیں سب لازم ہوجاتی ہیں۔

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

وقف ضیعة فی صحته علی الفقراء واخرجها من یده الی المتولی ثم قال لوصیه عند الموت اعط من غلتها فلانا کذا وفلانا کذا

یعنی ایک جائداد اپنی صحت میں فقیروں پر وقف کرکے متولی کو سپرد کردی پھر مرتے وقت وصی سے کہا اس کی آمدنی سے اتنا فلاں کو دینا اتنا فلاں کو تو اس کا

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۳۱/۴

[2] ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ؍ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳۰۹/۱

فعملہ لاولئک باطل لانہا صارت للفقراء اولا فلا یملک ابطال حقہم الا اذا شرط فی الوقف ان یصرف غلتہا الی من شاء[1]

یہ کہنا باطل ہے کہ وقف ابتداءً فقراء کے لئے ہوچکا تو ان کا حق شانے کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ وقف ہی میں شرط کرلی ہو کہ اس کی آمدنی سے جسے چاہوں گا دوں گا۔

درمختار میں ہے:

جاز شرط الاستبدال به ثم لایستبدلها ثانیة لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولٰی لاالثانیة اھ[2] مختصرا۔

یعنی تبدیل وقف کی شرط جائز ہے پھر جب ایک بار تبدیل کرچکا دوبارہ نہیں کرسکتا کہ یہ اجازت تو اس شرط لگانے سے حاصل ہوئی تھی اور شرط پہلی میں پائی گئی نہ کہ دوسری میں اھ مختصراً۔

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

الا ان یذکر عبارۃ تفید له ذٰلک دائما[3]۔

یعنی ہاں اگر ہمیشہ اختیار تبدیل کی شرط کرلی تو ہمیشہ مختار رہے گا۔

اس تقریر سے سوال اول و سوم کا جواب واضح ہوگیا کہ شرط مذکور کی تحریر کا بندہ کو کوئی اختیار نہ تھا اور وہ دوسرا وثیقہ جہاں تک ان کی تبدیل کرتا ہو محض لغو و مہمل کہ وقف اس کی ملک سے خارج ہوچکا اور شرائط لازم ہولیں اب ان کے متعلق نیا وثیقہ ایسا ہے جیسا ایک اجنبی راہ چلتا کچھ لکھ جائے۔ سوال دوم کو اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور اس کا جواب یہ کہ مرض الموت میں وقف مثل وصیت بے اجازت ورثہ صرف ثلث مال میں نافذ ہوتا ہے کما فی التنویر وغیرہ عامۃ کتب المذہب (جیسا کہ تنویر وغیرہ عام کتب المذہب میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷ تا ۱۴۸: از بدایوں مرسلہ جناب نبی بخش صاحب مہتمم مدرسہ محمدیہ ۲ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جائداد مسجد و مدرسہ دینی پر وقف ہے آیا متولی کو اختیار ہے کہ اس کا کوئی جزو بیع کردے یا کسی کی حاجت و کام کے لئے وہ جائداد یا جزو جائداد دے دے کہ وہ اپنے تصرف میں لائے اور اس کے عوض اس سے دوسری جائداد ویسی ہی یا اس سے بہتر بدل لے یا اسی جائداد کا کوئی ہمیشہ کے لئے کسی کو اجارہ دے دے یا چالیس سال کا پٹہ لکھ دے حالانکہ وقف آباد ہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۱۵

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

ہو اسے حاجت نہیں، نہ واقف نے وقفنامہ میں اس کی اجازت دی بلکہ صرف اتنا لکھا ہے کہ ضرورت تعمیر و درستی صورت وقوع خرابی مسجد و مدرسہ انجمن یا جارہ دینے جزو جائداد کا چند روز عارضی تا ادا اسے قرضہ ہوگا۔ بینوا توجروا۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ وہ جائداد جسے لوگ اپنی ضرورت کے لئے مانگتے ہیں باغ ہے وہ اس کے پیڑ کاٹ کر عمارت بنانا چاہتے ہیں فقط۔

الجواب

یہ چاروں صورتیں حرام قطعی ہیں متولی خواہ غیر کسی کو اصلاً ان کا اختیار نہیں متولی اگر ان میں سے کوئی صورت کرے گا تو خائن ہوگا اور واجب ہوگا کہ فوراً نکال دیا جائے اور وقف اس کے قبضہ سے نکال کر کسی متدین خدا ترس کو حسب شرائط واقف سپرد کیا جائے دوسرے جو اس باغ کو لے کر اس کے پیڑ کاٹ کر کوئی عمارت بنائیں گے وقف کے غاصب ہوں گے فرض ہوگا کہ فوراً وقف ان کے قبضہ ظالمانہ سے خلاص کیا جائے اور ان کی عمارت مسمار کردی جائے اور اُن سے پیڑوں کا تاوان بھی تمام بلارعایت وصول کرلیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس لعرق ظالم حق۔[1] ظالم کے دخل کا حق نہیں۔ (ت)

پہلی صورت کی حرمت تو ظاہر۔ شخص ما ملک ما۔

الوقف لایملک لایباع ولا یورث۔ وقف ملکیت نہیں بن سکتا، نہ فروخت ہو اور نہ وراثت بن سکتا ہے۔ (ت)

دوسری صورت یوں حرام ہے کہ واقف نے استبدال کی اجازت نہ دی بلکہ صراحۃً کہہ دیا کہ کسی متولی خواہ مہتمم خواہ صاحب انجمن اسلامیہ کو اختیار استقلال واپسی جائداد کا نہ ہوگا اور وقف جب تک کچھ بھی انتفاع کے قابل رہے حاکم اسلام کو بھی اس کی تبدیل حرام و باطل و مردود محض ہے، درمختار میں ہے:

شرط فی البحر خروجہ عن الانتفاع بالکلیۃ وکون البدل عقارا والمستبدل قاضی الجنۃ المفسر بذی العلم والعمل۔[2]

بحر میں شرط ہے کہ وہ وقف کلیۃً انتفاع کے قابل نہ رہے اور اس کا بدل زمین ہو اور بدلنے والا قاضی محکمانہ ہو جس کا مطلب ہے کہ عالم باعمل ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ما ذکر فی احیاء الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۰۳

يجوز للقاضي بشرط ان يخرج عن الانتفاع بالكلية وان لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به[1] الخ۔

قاضی کو تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ وقف کلیۃً ناقابل انتفاع ہوجائے اور وقف کو آباد کرنے کے لئے آمدن بھی نہ ہو الخ (ت)

اور بدلے کی چیز کا اس سے بہتر ہونا وجہ جواز نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف على ما كان دون زيادة اخرى ولانه لا موجب لتجويزه لان الموجب في الاول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا اذ لا تجب الزيادة فيه بل تبقيه كما كان[2]۔

وقف کو اپنی اصل حالت میں بحال رکھنا ضروری ہے اس میں کوئی زیادتی نہ کی جائے کیونکہ اس کے جواز کا کوئی موجب نہیں ہے موجب اول میں شرط ہے اور ثانی میں ضرورت ہے جبکہ یہاں کوئی ضرورت نہیں اس لئے اس میں زیادتی ضروری نہیں بلکہ جیسے تھا ویسے باقی رکھے۔ (ت)

شرح الاشباہ محقق البیری میں یہ کلام فتح سے نقل کرکے فرمایا:

ما قاله هذا المحقق هو الحق والصواب[3]۔

جو اس محقق نے فرمایا وہ حق وصواب ہے (ت)

تیسری صورت کی حرمت یہ کہ ہمیشہ کے لئے دے دینا یا کسی مالک سے کہ ابھی [illegible] نہیں، کہ وقف، ظاہر ہے کہ ہمیشگی کسی شی کی نہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ جب تک باقی ہے اور مدت بقا مجہول ہے اور جہالت مدت سے اجارہ فاسد ہوتا ہے اور عقد فاسد حرام ہے، لہٰذا علماء نے تصریح فرمائی کہ جب تک مدت معین نہ کی جائے اجارہ جائز نہیں کہ تعیین مدت سے مقدار منفعت معلوم ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ ہمیشہ کے لئے کہنا نہ کوئی تعیین مدت ہے نہ اس سے مقدار منفعت معلوم ہوسکے۔ ہدایہ میں ہے:

المنافع تارة تصير معلومة بالمدة كاستيجار الدور للسكنى والارضين للزراعة فيصح العقد على مدة معلومة اي مدة كانت لان المدة اذا كانت معلومة

کبھی منافع کا تعیین مدت کے تعین سے ہوتا ہے جیسے مکانات اور زرعی زمینوں کا اجارہ، تو معینہ مدت جو بھی ہو اس کے مطابق عقد اجارہ جائز ہے کیونکہ مدت معلوم ہوجانے سے منافع معلوم

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۸۸

[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۴۰

[3] شرح الاشباہ للعلامۃ البیری

كان قدر المنفعة فيها معلوما اذا كانت المنفعة لا تتفاوت[1]

ہوجاتے ہیں جب منافع میں تفاوت نہ ہو (ت)

عنایہ میں ہے:

الظن عدم البقاء الى تلك المدة والظن مثل اليقين فى حق الاحكام فصارت الاجارة مؤبدة معنى والتابيد يبطلها[2]

اس مدت تک باقی نہ رہنے کا ظن ہے جبکہ احکام میں ظن مثل یقین ہے تو معناً یہ اجارہ دائمی ہوگا اور دائمی اجارہ عقد کو باطل کردیتا ہے (ت)

چوتھی یوں حرام ہے کہ جب نہ واقف نے اجازت دی ہو نہ وقف کی اپنی کوئی ضرورت و مجبوری ہو تو زمین موقوف کو تین برس سے زیادہ پر اجارہ دینا جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

فى الاوقاف لاتجوز الاجارة الطويلة كى لايدعى المستاجر ملكها وهى مازاد على ثلث سنين هو المختار[3]

اوقاف کا طویل اجارہ جائز نہیں تاکہ مستاجر کو دعوی ملکیت کے لئے گنجائش پیدا نہ ہو، اور طویل مدت تین سال سے زائد کا نام ہے اور یہی مختار ہے (ت)

درمختار میں ہے:

فلو اجرها المتولى اكثر لم تصح الاجارة وتفسخ فى كل المدة لان العقد اذا فسد فى بعضه فسد فى كله فتاوى قارئ الهداية[4]

اگر متولی نے وقفی چیز کو زیادہ مدت کیلئے اجارہ پر دیا تو صحیح نہیں، اور یوں تمام مدت میں اسے فسخ قرار دیا جائیگا کیونکہ جب عقد کا بعض حصہ فاسد ہوا تو تمام مدت فسخ ہوجائیگا، فتاوی قاری الہدایۃ (ت)

پھر یہ حکم تو اجارہ کے تھے اور وہ جس کے لئے اس باغ کو طلب کررہے ہیں اجارہ نہیں اغارہ ہوگا یعنی وقف کا غارت کرنا، وقفی پیڑ کاٹ ڈالنے کی اجازت کیونکر ہوگی تو یہ اجارہ تین برس درکنار ایک گھڑی کے لئے حلال نہیں ہوسکتا۔

---

[1] الہدایۃ — کتاب الاجارات — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/ ۲۹۱

[2] العنایۃ مع فتح القدیر — " — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ۸/ ۳

[3] الہدایۃ — " — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/ ۲۹۱

[4] درمختار — " — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/ ۱۹۸

مسئلہ ۲۹: از ریاست رامپور مرسلہ حاجی محمد علی خاں صاحب جج ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

زید کی طرف سے وکیل نے جو خادم درگاہ غریب نواز سے ہے کمیٹی درگاہ شریف سے اجازت حاصل کرکے زید کے لئے احاطہ درگاہ معلی میں مسجد شاہجہانی کے جانب جنوب ایک حجرہ مع دو دالان کے اپنے صرف سے تیار کرائے بعد تیاری زید نے اُس تعمیر پر قبضہ کرنے یا اس کے مصارف وکیل کو ادا کرنے سے قطعی انکار کیا اس پر عمرو نے وہ لاگت تعمیر دے کر حجرہ اور ہر دو دالان پر قبضہ کرلیا اور ایک حجرہ اور زمین وکیل خادم درگاہ کی معرفت اپنے ذاتی مصارف سے تیار کروا کر کل لاگت خادم موصوف کو باخذ رسید دے دیا اور بعد تیاری ان دو حجروں اور ہر دو دالان کو اس نیت سے وقف کردیا کہ جب کبھی بزمانہ عرس شریف یا غیر اوقات میں عمرو یا اس کی اولاد یا متعلقین یا احباب فروکش ہوا کریں تو ان میں قیام کیا کریں باقی زمانہ اور اوقات میں زائران صادر و وارد یا فقراء میں سے جو چاہے مقیم ہوکر شرف سعادت حاصل کیا کریں چنانچہ عمرو نے اپنی تعمیر کا کتبہ تاریخی پتھر پر پیشانی حجرہ میں نصب کردیا اور سالہا سال یوم تعمیر سے آج تک عمرو اور اس کے متعلقین وغیرہ زمانہ عرس شریف وغیرہ میں وہاں قیام کیا کرتے ہیں اگر کوئی فقیر وغیرہ اُن میں رہتا ہے تو اُن کے آنے پر وہ فوراً خالی کردیتا ہے اب وہی خادم درگاہ عمرو کے ان حجروں میں مقیم ہونے کے مانع ہیں اس عذر پر کہ یہ مال وقف ہے عمرو کی ملکیت نہیں فقیر جو ان حجروں میں رہتے ہیں اُن سے یہ حجرے خالی نہیں ہوسکتے، عمرو یا اس کے متعلقین یہاں ٹھہر سکتے نہیں ہیں لہذا حسب دستیاب شرع متین سے دریافت کیا جاتا ہے کہ عمرو کا ایسا وقف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور عمرو یا اس کے متعلقین بصورت متذکرہ بالا ان حجروں میں مقیم ہوسکتے ہیں یا نہیں اور منع کرنے والے کو خواہ وہ خدام درگاہ شریف میں سے ہو یا اور کوئی فقیر یا دیگر شخص جس نے حجرے میں سکونت اختیار کی ہو اُس کو حق ممانعت حاصل ہے یا نہیں اور شخص مانع ان حجروں میں متصرف اور قابض رہ سکتا ہے یا نہیں اور وہ اس کے متعلق معاملات میں دخیل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

زمین احاطہ درگاہ معلّٰی عامہ زائرین وواردین صادرین کے لئے وقف یا ارصاد کا وقف بہرحال محکوم باحکام الوقف ہے کما حققہ المحقق الشامی فی ردالمحتار (جیسا کہ محقق شامی نے ردالمحتار میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) عمرو نے جو حجرہ اپنے زر خاص سے تعمیر کرایا اور جو حجرہ ودالان وکیل سے خریدے اور اُن کو اسی مقصد کے لئے وقف کیا یہ وقف صحیح ہوا خادم بانی اس عمارت سے بے تعلق ہوگیا، نہ اُس کو ان معاملات میں مداخلت کا کوئی حق خاص رہا،

فی الدرالمختار بنی علی ارض ثم وقف البناء قصدا بدونہا ان الارض

درمختار میں ہے کسی نے زمین پر عمارت بنائی پھر صرف عمارت بغیر اراضی وقف کردی اگر یہ زمین

مملوکۃ لا یصح وان موقوفۃ علی ما عین البناء له جاز تبعا اجماعا وان الارض لجهۃ اخری فمختلف فیه والصحیح الصحۃ کما فی المنظومۃ المحبیۃ[3]

مملوکہ ہے تو وقف صحیح نہیں، اگر زمین عمارت کے مقاصد کے لئے وقف ہو تو عمارت بھی تبعًا وقف ہو جائیگی اور اگر زمین کسی اور مقصد کیلئے وقف ہو تو پھر مختلف فیہ ہے اور صحیح یہی ہے کہ درست ہے جیسا کہ آئندہ منظوم میں ہے۔ (ت)

مگر وہ اس کے متعلقین بھی ضرور ایام حاضری بارگاہ عالی میں ان میں مقیم ہو سکتے ہیں کوئی شخص ان کو بلا وجہ شرعی اس سے منع نہیں کرسکتا کہ یہ از قبیل مسجد و مقبرہ و رباط و قنطرہ و حوض و سقایہ ہے جن سے غنی و فقیر و واقف وغیرہ سب حسب شرط وقف متمتع ہو سکتے ہیں۔ ہندیہ میں ہے:

لا فرق فی الانتفاع فی مثل هذه الاشیاء بین الغنی والفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان والرباط والشرب من السقایۃ والدفن فی المقبرۃ کذا فی التبیین[2]

ان چیزوں سے انتفاع میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں، لہذا سرائے، رباط، سقایہ (سبیل)، تدفین (مقبرہ) میں ہر ایک کا مساوی حق ہے۔

اسی میں ہے:

ولا باس بان یشرب (ای الواقف) من البئر والحوض ویسقی دابته وبعیره ویتوضأ منه کذا فی الظهیریۃ[3]

بطور وقف تعمیر کرنیوالے کو کنویں، حوض سے پانی پینے، اپنے جانوروں کو پلانے، وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔ (ت)

ہاں ان کو مسکن و موطن دوام بنانے کا نہ فرد کو اختیار ہے نہ کسی فقیر وغیرہ کو کہ یہ زمین و عمارت دونوں کے مقصد کے خلاف ہے اور خدام درگاہ کو تو ان میں اقامت چند روزہ کی بھی گنجائش نہیں کہ وہ باہر سے حاضر ہونے والوں کے لئے بنے ہیں نہ کہ مجاوروں کے لئے۔ ہندیہ میں ہے:

قال الخصاف فی وقفه اذا جعل داره

امام خصاف نے وقف کے بیان میں فرمایا

---

[1] در مختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۶۶
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۶۵

سکنی للحاج فلیس للمجاورین ان یسکنوھا کذا فی الظہیریۃ۔[1]

جب کسی نے اپنا گھر حجاج کی رہائش کیلئے وقف کیا تو اس میں مجاورین کو رہائش کا حق نہیں، ظہیریہ میں یونہی ہے۔ (ت)

سوالات سائل کا جواب تو ہوگیا مگر یہاں ایک ضروری امر غور طلب باقی رہا جس سے اگرچہ سائل نے تعرض سوال نہ کیا مگر بیان صورت میں اُس سے تعرض موجود اور اس کی حاجت ضرور ہے وہ یہ کہ جس طرح غیر عمرو کو ممانعت عمرو متعلقین عمرو کا اختیار نہیں اسی طرح آیا عمرو کو بھی مدرسہ کے ممانعت کا اختیار ہے یا نہیں جبکہ وہ دوسرے بطور سکونت بلکہ حسب شرط معلوم ایام موسم خواہ ان کے غیر میں پہلے سے مقیم ہوں اب عمرو یا اس کے متعلقین آجائیں تو آیا وہ ہی عمارت اس سے خالی کراسکتے ہیں یا نہیں، ظاہراً اس کا جواب نفی ہے۔ عمرو نے اگر شرط وقف میں نہ لگائی ہو جب تو ظاہر، مجرد نیت نہ مفید شرط ہے نہ اس کا دعوٰی مسلّم۔ درمختار میں ہے:

لو قال عنیت کذا لم یصدق تاتارخانیہ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ اھ۔[2]

اگر کہے میں نے یہ نیت کی تھی تو اس کی تصدیق نہ ہوگی تاتارخانیہ، جب وقف میں یہ معاملہ ہے تو غیر واقف میں کیسے تصدیق نہ ہوگی اھ (ت)

اور اگر شرط لگائی ہو اور شرط واقف واجب الاتباع ہے اور اس کے خلاف تصرف ناجائز، اور جب تاحیات صرف اپنے نفس پر وقف جائز ہے تو اوقات خاصہ میں اپنی تقدیم کی شرط بدرجہ اولٰی، مگر یہ جب اُس صورت میں ہوتا کہ زمین بھی ملک عمرو ہوتی، یہاں کہ زمین اول سے عام پر وقف ہے اسے کسی وقت اپنے نفس کے لئے خاص کرلینے کا اختیار نہیں عمارت اس نے وقف کی اسے اپنے لئے خاص کرسکتا اگرچہ خصوص عمارت ہی تک محدود رہتا مگر ایسا نہیں بلکہ زمین بھی اُن اوقات میں اس کے لئے محصور اور عام اہل حق سے ممنوع و مہجور رہے گی بلکہ زمین ہی قیام میں اصل ہے اور عمارت تابع، اور زمین پر کسی کو اپنی تقدیم و ترجیح کا کوئی حق نہیں، نہ دواماً نہ کسی وقت خاص کے لئے، مثلاً موقف عرفات میں کوئی شخص ایک حجرہ بناسکے کہ جس سال یہ حج کو جائے دوسرا اس وقت نہ رکھ سکے اس کی ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی۔ امام طحاوی شرح معانی الآثار پھر علامہ اتقانی غایۃ البیان شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

المسجد الحرام لایجوز لاحد ان یبتنی فیہ بناء ولا ان یحتجر منہ موضعا و

مسجد حرام میں کسی کو اپنے لئے تعمیر کی اجازت نہ ہی اپنے لئے جگہ مخصوص کرنے کا حق ہے، اور یہی حکم ان تمام

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۶۶

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۹

كذلك حكم جميع المواضع التي لا يقع لاحد فيها ملك وجميع الناس فيها سواء الا ترى ان عرفات لو اراد رجل ان يبني في المكان الذي يقف فيه الناس بناء لم يكن له ذلك وكذلك منى لو اراد ان يبني فيها دارا كان من ذلك ممنوعا وكذلك جاء الاثر عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وحدث باسناده الى عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قلت يا رسول الله الا نتخذ لك بمنى شيئا تستظل فيه فقال يا عائشة انها مناخ لمن سبق فهذا حكم المواضع التي الناس فيها سواء ولا ملك لاحد فيها۔[1]

مواضع کا ہے جن میں کسی کو ملکیت کا حق نہیں اور ان میں تمام لوگ مساوی حق رکھتے ہیں کیا آپ دیکھتے نہیں کہ عرفات میں کوئی شخص مکان بنانا چاہے جو کہ لوگوں کے ٹھہرنے کے لئے ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے، اور یونہی منٰی میں کوئی مکان حویلی بنانا چاہے تو ممنوع ہے، یہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ماثور ہے جس کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لئے منٰی میں کوئی سایہ دار جگہ بنادیں تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! منٰی تمام لوگوں کے لئے ڈیرہ ہے جو بھی پہلے وہاں اترجائے تو یہ ان مواضع کا حکم ہے جس میں تمام لوگوں کو برابر حق ہے اور کسی کی ملکیت نہیں ہے (ت)

اور یہ شرط خلاف شرع ہوئی، اور واقف کی وہی شرطیں جو شرع مطہر کے ماتحت ہوں معتبر ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع۔[2] جب شرع کے مخالف نہ ہو تو وقف کی شرائط معتبر ہیں (ت)

اور یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ ایسی زمینیں اس کے لئے ہیں جس کا قبضہ پہلے ہوجائے اور یہاں عمرو کا قبضہ سابق ہے کہ اس کی عمارت موجود ہے جیسے کوئی شخص مسجد میں آیا ایک جگہ بیٹھا پھر وضو کے لئے گیا اور اپنا کپڑا وہاں چھوڑ گیا دوسرا شخص اس کپڑے کو ہٹا کر وہاں نہ بیٹھے کہ کپڑے والے کا قبضہ سابق ہولیا ہے، یہاں اس کا محصل نہیں، جب عمارت وقف ہوچکی عمارت کا ہونا اس کا قبضہ سابقہ نہیں ٹھہرسکتا کہ نفس عمارت میں بھی یہ اور سب مسلمان برابر ہوگئے، معہذا ایسا قبضہ تھوڑی دیر کے لئے مسلّم ہوتا ہے جیسا کپڑا رکھ کر وضو کو جانے میں، نہ یہ کہ مسجد میں یونہی کوئی چیز رکھ دیجئے اور وہ جگہ ہمیشہ آپ کے لئے مخصوص ہوجائے کہ جب آئیے دوسروں پر تقدیم پائیے، یہ ہرگز نہ جائز نہ معقول۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب البیوع باب بیع ارض مکۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۳۶
[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب شرائط الواقف معتبرۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

فی الدر المختار فی ما یمنع فی المسجد تخصیص مکان لنفسه ولیس له ازعاج غیرہ منه ولو مدرسا[۱]

درمختار، مسجد میں ممنوعات کے بیان میں ہے کہ اپنے لئے جگہ کو مخصوص کرنا اور وہاں سے کسی دوسرے کو ہٹانا اگرچہ مدرس ہو منع ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی القنیة له فی المسجد موضع معین یواظب علیه وقد شغله غیرہ قال الاوزاعی له ان یزعجه ولیس له ذلک عندنا اھ ای لان المسجد لیس ملکا لاحد بحر عن النهایة قلت وینبغی تقییدہ بما اذا لم یقم عنه علی نیة العود بلا مهلة کما لو قام للوضوء مثلا ولاسیما اذا وضع فیه ثوبه لتحقق سبق یدہ تأمل وفی شرح السیر الکبیر للسرخسی وکذا کل مایکون المسلمون فیه سواء کالنزول فی الرباطات والجلوس فی المساجد للصلوۃ والنزول بمنی وعرفات للحج حتی لو ضرب فسطاطه فی مکان کان ینزل فیه غیرہ فهو احق ولیس للاٰخر ان یحوله الخ[۲]

قنیہ میں ہے کہ مسجد میں کسی کی مخصوص جگہ جہاں وہ روزانہ بیٹھتا ہو وہاں کوئی دوسرا شخص مشغول ہوجائے تو امام اوزاعی نے فرمایا اگر وہ اس کو وہاں سے ہٹانا چاہے تو جائز ہے اور اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے ہمارے نزدیک اھ یعنی کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں، بحر میں نہایہ سے منقول۔ قلت (میں کہتا ہوں) اس بیان کو اس بات سے مقید کرنا مناسب ہے کہ جب پہلا شخص وہاں پر فوراً واپسی کی نیت سے نہ اٹھا ہو جیسا کہ کوئی وضو کے لئے مثلاً، خصوصاً جب وہاں اپنا کپڑا رکھ جائے یہ اس لئے کہ وہ پہلے قبضہ کرچکا ہے، غور کرو۔ اور امام سرخسی کی سیر کبیر میں ہے اور ایسے ہی ہر وہ مقام جس میں تمام مسلمان مساوی حق رکھتے ہوں، جیسے کہ سراؤں میں ٹھہرنا، نماز کے لئے مساجد میں بیٹھنا اور منٰی اور عرفات میں حج کے لئے اترنا، حتی کہ اگر کسی نے ایک جگہ وہاں خیمہ لگایا اور دوسرا شخص وہاں پہلے ٹھہر گیا تو پہلے کو یہ حق نہیں کہ اسے وہاں سے منتقل کرے الخ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ جس نے سبقت کی اور وضو کے لئے اپنی حاجت جائزہ کے وقت خالی نہیں کرتا اس پر یہ اعتراض بھی نہیں ہوسکتا کہ حق غیر میں تصرف کر رہا ہے یعنی عام حق تو زمین میں تھا اور یہ حجروں دالانوں میں ٹھہر کر عمارت کو بھی اپنے تصرف میں لایا اور وہ عمارت اصل مالک نے اُس کے لئے جو تجویز کی تھی جو خود اس کی حاجت کے سوا دوسرے وقت میں آئے اس کا جواب وہی ہے کہ عمارت اس کی ملک نہ رہی

[۱] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[۲] ردالمحتار ؍؍ مطلب فیمن سبقت یدہ الی مباح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۵

وہ شرط کہ اس نے کی تھی خلاف شرع ہو کر نامعتبر ہوئی تو اب جس کا بائع سبقت کرے وہی مقدم ہے ھذا ما ظہر لی والعلم بالحق عند ربی (مجھے یہ معلوم ہوا جبکہ حقیقی علم میرے رب کے پاس ہے) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۰ از نجیب آباد ضلع بجنور متصل تحصیل مرسلہ جناب محمد ظفر اللہ صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مال وقف مسجد رنجی کے نام سے موسوم ہے شرعاً کسی کا دعوٰی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کوئی شخص یا چند شخص مل کر اپنے آپ کو ولی قرار دیتے ہوں تو وہ مالک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مال وقف پر دعوٰی ملک تو کسی کا نہیں ہو سکتا، ہاں دعوٰی تصرف متولی کو ہے، اگر متولی نہ ہو تو اہل محلہ کو اختیار ہے، اگر انھوں نے اس شخص یا اشخاص کو متولی کر دیا ہے تو اس کو اختیار مل سکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۱ از مقام خاص مرزا پور محلہ چیت گنج مرسلہ حکیم احمد علی صاحب یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ایک قطعہ زمین سرکاری جو کہ جنازہ مسلمانان کے لئے وقف ہے اس میں باجازت تکیہ دار کے ایک مکان ایک دوسرے فقیر نے بنایا اور اسی میں بود و باش اختیار کرنے کے بعد چند سے اس مکان کو براہ خدا وقف کر دیا وہ وقف شدہ مکان بقیمت مبلغ بیس روپیہ کو وارث تکیہ نے خرید کیا مکان وقف شدہ کا روپیہ ایک مسجد جو کہ مکان سے علیحدہ اسی زمین میں تعمیر کی گئی ہے وہ روپیہ اسی مسجد میں خرچ کیا گیا اب وہ مکان تکیہ دار کے قبضہ میں ہے پھر دوبارہ وہی فقیر جس نے مکان تعمیر کیا تھا خریدنا چاہتا ہے شرع شریف سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ تکیہ وقف ہے جیسا کہ سائل بیان کرتا ہے تو نہ اس میں اس فقیر کو اپنا مکان سکونت بنانے کی اجازت تھی نہ اس میں مسجد بنانا جائز ہے لان الوقف لا یوقف (کیونکہ وقف شدہ دوبارہ وقف نہیں ہوتا) نہ اس مکان کی زمین کا بیچنا صحیح تھا نہ اب اس کے یا کسی اور کے ہاتھ بیع ہو سکتی ہے لان الوقف لا یملك (کیونکہ وقف کسی کا مملوک نہیں ہو سکتا) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۲، ۵۳ بتاریخ یکم صفر روز پنجشنبہ ۱۳۳۲ھ

(۱) قبرستان میں مدرسہ یا کوئی مکان یا مسجد بنانا جائز ہے یا نہ؟

(۲) ایک بزرگ نے ایک جگہ چند بزرگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا وہاں ایک چبوترہ بطور مسجد بنایا اور ایک مدت تک وہاں نماز پڑھی گئی اب ایک عرصہ سے وہ جگہ خراب پڑی ہے، وقف کی یا نہیں کی اس کا کچھ حال معلوم نہیں

اب وُہ جگہ کسی کو دے دی جائے کہ مکان بنائے یا مسجد بنا دی جائے۔

الجواب

(۱) قبرستان وقف میں کوئی تصرف خلافِ وقف جائز نہیں، مدرسہ ہو خواہ مسجد یا کچھ اور۔ اور اگر کسی کی ملک ہے تو قبور سے الگ وُہ جو چاہے بنا سکتا ہے۔

(۲) اگر تصریحاً یا دلالۃً کسی طرح وقف کرنا ثابت نہیں تو وُہ زمین مالک یا اس کے ورثہ کی ملک ہے وہ جو چاہیں کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از ضلع سیتاپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی ابو محمد محمد یوسف حسن صاحب طالب علم مدرسہ مذکور ۲ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ان مسائل کے جواب میں کہ زید نے اپنی اور اپنے شریک وار کے کہ جس کی جانب سے وہ کارکن اور خود بھی حصہ دار تھا اپنے مقبوضہ مواضعات معافی کی نسبت انگریزی ہونے پر محکمہ بندوبست میں درخواست دی کہ ہمارے مواضعات حسب عمل درآمد قدیم اب بھی معاف رہیں اور اس میں حسب ذیل الفاظ سے اقرار کیا،

یہ مواضعات صدہا سال سے و سے بعہد مجلس سید شاہ فلاں و ... مقام فلاں و مصارف واردین و صادرین و مزار و مساکین و مجالس محرم سلاطین ماضیہ نے بطور وقف مقرر و معاف و مرفوع القلم کیا ہے۔ دُوسرے مقام پر اپنی درخواست میں یہ الفاظ تحریر کیے ہیں امیدوار ہوں کہ دیہات معافی بدستور بصیغہ وقف معاف و مرفوع القلم رہیں، اور اسی مقدمہ میں اجلاس پر حاکم کے روبرو بسوال حاکم بدیں الفاظ جواب تحریر کردیا۔

سوال حاکم: تمہاری معافی بعہد نواب سعادت علی خاں والی لکھنؤ کے کس سبب سے ضبط ہوئی؟

جواب: یہ معافی وقف اس واسطے ضبط نہیں ہوئی اور اسی مقدمہ تحقیقات معافی میں ایک حساب داخل کیا جس میں عبارت مسلم وقف حسب ذیل ہے، اس میں مصارف میرے اور میرے عزیزوں کے متعلقوت اُن کا بھی یہی ہے اور یہ سب لوگ خدمت گزار درگاہ ہیں اور یہ معافی وقف ہے اس کارروائی پر حاکم ضلع نے مصارف کی تحقیقات کرکے سفارش معافی کی کردی اور اُس سفارش پر حاکم اعلٰی صاحب کمشنر نے یہ الفاظ تحریر کیے کہ قابض اور ان کے مورثان سب مشہور لوگ ہیں اور مزار پیشتر بہت مشہور تھا یہ مجھ کو مذہبی وقف معلوم ہوتا ہے قبضہ صدہا سال سے ہے۔ مسجد و امام بارہ و خانقاہ و مسافر خانہ سب بمقام فلاں ہے اس کو سرکار سے سند معافی عطا ہوئی جس میں لفظ وقف کا نہیں تحریر ہے اور سند مطبوعہ حسب نمونہ مقررہ ہے اور تمام ایسی معافیات میں اسی طور کے اسناد اس زمانہ میں سرکار نے دیے ہیں اس کے بعد بندوبست پختہ ہیں

حسب قاعدہ مقررہ سرکار دعویٰ حقیت اعلیٰ مواضعات مذکور کا زید ہی نے دائر کیا اور اس درخواست میں بربنائے قبضہ سابقہ
ڈگری چاہی مگر اس مقدمہ کے بیان میں بعدہ درخواست مذکور مالک کا لفظ استعمال کیا اور ڈگری میں بھی لفظ مالکانہ تحریر
ہوگیا اس کے بعد بندوبست حصہ داری و تعیین حصص ہر شریک دار میں پھر یہ ظاہر کیا کہ یہ جائداد بسلسلہ مصارف درگاہ ہے کسی حصہ دار
کو اختیار منتقل کسی قسم کا نہیں یہ مصارف عرس و فواتح و واردین و صادرین کے خرچ آتا ہے بحصہ مساوی تقسیم ہوجاتا ہے اور
آئندہ ہم لوگوں نے اقرار کنندگان کے ورثا پر اسی طور پر ہمارے حصہ سے تقسیم ہوتا رہے گا بعدہ واجب العرض میں بھی جو بعد
کاروائی حصہ داری کے مرتب ہوئی اس میں یہ تحریر کردیا کہ یہ موضع وقف ہے ان حالات پر ازروئے شرع شریف اس جائداد
پر اطلاق وقف کا ہوگا یا نہیں، اور زید کے وارثوں کو اختیار انتقال اس جائداد کا ہے یا نہیں، واضح رہے مقدمہ
تعیین حصہ داری و دیگر کاغذات سرکاری میں کل حصہ داران شریک آمدنی نے اس کو وقف تسلیم کیا ہے اور یہ اقرار کیا ہے
کہ کسی کو اختیار انتقال حاصل نہیں ہے صرف درمیانی کارروائی ڈگری حقیت اعلیٰ میں لفظ مالک کا استعمال ہوا ہے
اس سے قبل و بعد کی کل کارروائیوں میں اقرار عدم اختیار انتقال وقف کا سب کی جانب سے ہے اور یہ خاندان
اولاد حضرت پیران پیر دستگیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے اپنے کو منسوب کرتا ہے اور ایسے ہی
بعض ملفوظات خاندانی و شجرہ جات خاندانی سے مانا گیا ہے اس خاندان کے لوگ بلحاظ مستطیع و غیر مستطیع حسب قرارداد
بندوبست جو باتفاق وہ تعیین حصص [illegible] پر ازروئے قرائن ازروئے
تعیین گزارہ کا حق رکھتے ہیں اگر مستطیع کو استحقاق گزارہ بوجہ اس کی استطاعت نہ ہو تو کسی وقت بحالت نہ رہنے استطاعت
کے پھر کسی سبب سے گزارہ پاسکتے ہیں اور استطاعت کا معیار کیا ہے اور کسی اولاد پر بالخصوص سادات کے کسی خاندان
پر جو وقف ہو اس میں جب لوگ مستطیع ہوتے جائیں گے وہ خارج از گزارہ ہوتے جائیں گے اور پھر جب غیر مستطیع ہوجائیں گے
داخل ہوتے جائیں گے، اور اس کا سلسلہ کس طور سے جاری رہے گا تعیین گزارہ کی نسبت کیا ہوا کرے گا۔ امید
کہ جملہ امور کا جواب ازروئے فقہ حنفیہ مرحمت فرمایا جائے اور یہ اراضی عشری ہیں اور عشر ان پر واجب ہے یا نہیں
اور فی الحال یہ مواضعات کاشتکاروں کے پاس نقدی پر ہیں، جن مصارف کا ذکر اوپر تحریر کیا گیا ہے جیسے
فواتح و اعراس و میلاد شریف و محرم و خرچ واردین و صادرین تو جہاں تک مجالس و اعراس و فواتح کو ذکر و تذکرہ
قرآن خوانی و تقسیم طعام وغیرہ سے تعلق ہے وہ تو ظاہر ہی ہے صرف تعین تاریخ کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے
ایک رواجی مقامی طریقہ ہے تو اسی قدر صرف ناجائز کے شمول سے نفس وقف پر کیا اثر ہے اور یہ فعل قابل ترک
ہے اسی طور سے اعراس میں ایک صورت بعض وقت سماع کی ہے جو سب طریقہ موسیقی و راگ و مزامیر ہو وہ باتفاق
حرام ہیں۔ اور یہی سواد اعظم ہے البتہ محض قصیدہ خوانی یا صفت خوش الحانی سے سننا اور سنانے والے کو کچھ دینا جیسا کہ
حضور انور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک حضرت حسان کو مرحمت فرمائی تھی اس کی بات

کیا حکم ہے یہ بھی قابلِ ترک ایسے اوقاف سے ہے یا نہیں؟

الجواب

ارصاداتِ سلاطین حکمِ وقف میں ہیں، نہ وہ موروث ہوں نہ کسی کو ان کے بیع و انتقال کا کوئی حق ہو کما حققہ فی ردالمحتار بما لامزید علیہ (جیسا کہ اس کی تحقیق ردالمحتار میں کی ہے جس پر مزید اضافہ نہیں ہوسکتا۔ ت) سند معافی میں لفظ وقف نہ ہونا کچھ مضر نہیں، نہ کسی مقدمہ میں اپنے آپ کو مالک تعبیر کرنا، یا گورنمنٹی ڈگری میں لفظ مالکانہ لکھا جانا کچھ اثر رکھتا ہے کہ متولی کی طرف نسبتِ ملک بوجہ ملکِ تصرف و اختیار شائع ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو ادعی المحدود لنفسہ ثم ادعی انہ وقف الصحیح فی الجواب انہ ان کانت دعوی الوقفیۃ بسبب التولیۃ یحتمل التوفیق لان فی العادۃ یضاف الیہ باعتبار ولایۃ التصرف والخصومۃ۔[1]

اگر محدود اراضی کو اپنے لئے قرار دیا پھر یہ دعوٰی کیا کہ وقف ہے تو جواب صحیح یہ ہے اگر وقف ہونے کا دعوٰی تولیت کی وجہ سے ہو تو دونوں باتوں میں موافقت ممکن ہے کیونکہ وقف کو متولی متصرف اور فریقِ بحث ہونے کے اعتبار سے عادتاً اپنی طرف منسوب کرلیتا ہے۔ (ت)

موقوف علیہ کا فقیر یا غیر ہاشمی ہونا ضرور نہیں اغنیاء و سادات بھی اوقافِ عامہ رفاہِ عام میں داخل ہوسکتے ہیں جیسے مسجد، مقبرہ، حوض، کنواں، سقایہ، سرائے، پُل وغیرہ۔۔۔ اور وقفِ خاص میں بشرطِ واقف مثل استثناء فی المصرف بھی شامل ہوسکتے ہیں جس طرح خود اپنا نفس اور اپنی اولاد، ہاں بالجملہ وقف کا قربت موبدہ کے لئے ہونا ضرور ہے مگر تمام آمدنی قربت ہی کے لئے معین ہونا ضرور نہیں استثنائے بعض علی الدوام و استثنائے کل الی زمان مستقبل دونوں کی گنجائش ہے اور اس کا اختیار واقف کو ہے جیسی شرط کرے گا اتباع کی جائے گی تحت قول درمختار والتصدق بالمنفعۃ ولو فی الجملۃ[2] (منفعت کو صدقہ قرار دینا اگرچہ کسی طرح ہو۔ ت) ردالمحتار میں ہے، فرمایا:

فیدخل فیہ الوقف علی نفسہ ثم علی الفقراء وکذا الوقف علی الاغنیاء ثم الفقراء لما فی النہر عن المحیط لو وقف علی الاغنیاء وحدھم لم یجز لانہ لیس بقربۃ، اما لو جعل آخرہ للفقراء فانہ یکون

اس میں اپنی ذات کے لئے وقف اور بعد میں فقراء کیلئے داخل ہوگا۔ اسی طرح اغنیاء کیلئے پھر فقراء کیلئے وقف کی صورت بھی داخل رہے گی جیسا کہ نہر میں محیط سے منقول ہے کہ اگر صرف اغنیاء کے لئے وقف ہو تو ناجائز ہوگا کیونکہ یہ قربت نہیں ہے لیکن اگر آخر میں فقراء

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۲۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

قربۃ فی الجملۃ اھ[1]

کیلئے وقف کیا تو جائز ہوجائیگا کیونکہ یہ قربت ہے اگرچہ فی الجملہ ہے اھ (ت)

اُسی میں ہے:

اذا جعل اولہ علی معینین صار کانہ استثنٰی ذٰلک من الصرف الی الفقراء کما صرحوا بہ (الٰی ان قال) فعلم انہ صدقۃ ابتداء ولا یخرجہ عن ذٰلک شرط صرفہ لمعین[2]۔

جب اول کو معین شخصوں کے لئے کیا تو گویا یہ فقراء کو دینے سے استثناء ہوجائے گا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ان کا یہ بیان یہاں تک کہ فرمایا) تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ابتداءً صدقہ ہے تو معین کے لئے صرف کرنے کی شرط اس کو اس سے خارج نہ کرے گی (ت)

اُسی میں فتاوٰی امام قاضی خاں سے ہے:

لو قال ارضی صدقۃ موقوفۃ علی من یحدث لی من الولد ولیس لہ ولد یصح لان قولہ صدقۃ موقوفۃ وقف علی الفقراء وذکر الولد الحادث للاستثناء فکانہ قال الا ان حدث لی ولد فغلتہا لہ ما بقی[3]۔

اگر یوں کہا میری زمین بعد میں پیدا ہونے والے میرے بچے کیلئے صدقہ ہے جبکہ اس کی اولاد نہ ہو تو وقف صحیح ہوگا کیونکہ وقف صدقہ کہنے سے فقراء کیلئے وقف ہوگی اور بیٹے کے ذکر سے استثناء ہوئی، تو یوں کہا یہ صدقہ ہے مگر اگر میرا بچہ پیدا ہو تو اس کی موجودگی تک اسی کے لئے وقف کرتا ہوں۔ (ت)

سلطان واقف کی شرط اگر معلوم ہے کہ بعد مصارف خیر مذکورہ جو بچے اولاد شیخ فلاں تقسیم کرلیں تو ان کے فقراء و غنی سب اسے بحصہ مساوی لیں گے اور اگر شرط کردی ہے کہ باقی نسل شیخ پر حسب فرائض تقسیم ہو تو حسب فرائض ہی تقسیم ہوگی اقرب ابعد کو مجحوب کرے گا اور لڑکا لڑکی سے دوچند پائے گا، اور اگر شرط یہ کی کہ باقی مذکور خاندان شیخ کے فقراء پر تقسیم ہو تو جب ان کے اغنیاء کو کچھ نہ ملے گا اور جو غنی فقیر ہوجائے اب سے وہ بھی مستحق ہوگا سنین ماضیہ کا حصہ نہ طلب کرے گا اور جو فقیر غنی ہوجائے اب سے وہ مستحق نہ رہے گا اور سالہائے گزشتہ کا لیا ہوا واپس نہ دے گا لان العبرۃ للحال دون الماضی والاستقبال (کیونکہ اعتبار حال کا ہے ماضی یا مستقبل کا نہیں۔ ت) اور اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۸-۳۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

خرچ تو محل واقف پر اطلاع نہ ہو تو عملدرآمد قدیم پر نظر ہوگی زید نے جو واجب العرض میں لکھا اگر اس کے مطابق ہے فبہا ورنہ اس پر اصلاً لحاظ نہ ہوگا اور قدیم پر عمل رہے گا لانہ لیس بواقف ولا الیہ تغییرہ (کیونکہ وہ نہ واقف ہے نہ اس کو تبدیلی کا حق ہے۔ ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذا علم حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف یعملون فیہ والی من یصرفونہ فیبنی علی ذلک، لان الظاھر انھم کانوا یفعلون ذلک علی موافقۃ شرط الواقف وھو المظنون بحال المسلمین فیعمل علی ذلک، وفی الفصول ذکر فی الذخیرۃ قال سئل شیخ الاسلام عن وقف مشہور اشتبھت مصارفہ وقدر ما یصرف الی مستحقیہ قال ینظر الی المعہود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف یعملون۔؎

جب ماضی میں اس کا حال معلوم ہے کہ منتظم اس میں کیا کرتے رہے اور کن میں خرچ کرتے ہیں تو اسی حال کو وقف کی بنیاد قرار دیا جائے گا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ منتظم یہ عمل واقف کی شرط کے مطابق کرتے رہے ہیں مسلمانوں کے متعلق یہی گمان کیا جاسکتا ہے تو اسی عمل کو جاری رکھا جائے گا، الفصول میں ذکر ہے کہ ذخیرہ میں ہے کہ شیخ الاسلام سے ایک مشہور وقف جس کے مصارف اور مقدار کے متعلق اشتباہ ہے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ گزشتہ زمانہ کا معلوم کیا جائے کہ اس کے منتظم کیسے عمل کرتے رہے ہیں۔ (ت)

استطاعت کی معیار ملک نصاب نامی فارغ از حاجت اصلیہ ہے تعزیہ و مزامیر دونوں معصیت ہیں اور معصیت میں مال وقف کا صرف دوہرا حرام ہے بلکہ تین حراموں کا مجموعہ، ایک وہ معصیت دوسرے مال وقف پر تعدی تیسرے مستحق کی محرومی مگر ان امور حادثہ سے نفس وقف پر کوئی ضرر نہیں، جو متولی ان میں صرف کرے گا اس قدر کا تاوان اس پر لازم ہوگا لانہ امین وکل امین بالتعدی ضمین (کیونکہ وہ امین ہے اور ہر امین کا ناجائز تصرف پر ضامن بنتا ہے۔ ت) بلکہ اگر خود سلطان واقف منجملہ مصارف مذکورہ تصریحاً تعزیہ و مزامیر کو بھی ایک مصرف مقرر کرتا کہ وقف پر سب بھی ضرر نہ تھا یہ مصرف باطل و ردو ساقط کرکے وہ حصہ بھی مصارف خیر ہی کی طرف مصروف ہوتا، فتح القدیر پھر ردالمحتار میں ہے:

لو وقف الذمی علی بیعۃ فاذا خربت یکون للفقراء کانت للفقراء

اگر ذمی نے مثلاً یہود یا عیسائی عبادت گاہ کیلئے وقف کیا اور کہا جب یہ خراب ہوجائے تو یہ فقراء کیلئے ہی

؎ فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶

امت اھ ۱؎ واللہ تعالٰی اعلم۔ | ہوگا تو ابتداءً ہی یہ فقراء کے لئے وقف قرار پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۶: از قصبہ گوپامئو ضلع ہردوئی اودھ محلہ قنوجی مسئولہ یاور حسین صاحب یوم سہ شنبہ ۹ صفر المظفر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاجی نواب ناظر حسین خاں صاحب رئیس قصبہ گوپامئو نے تقریباً دس بارہ سال سے ایک مسجد کے متعلق جو کہ اُن کے مکان کے قریب محلہ قنوجی میں واقع ہے یہ انتظام کیا کہ زیر مسجد کی دکانیں جن کو مسجد کے متولیوں نے رہن بھی کرلیا تھا اور جو رہن سے بچی ہوئی تھیں وہ بالکل مسمار ہوگئی تھیں، غرضکہ وہ دکانات مسجد مذکور جو کہ ایک دینی مدرسہ عربی کی حیثیت وقف شامل تھیں اُن کو فک رہن کرالیا اور مسمار شدہ کی تعمیر کرادی۔ ایک مدرسہ اسلامیہ کی آمدنی سے جس کے وہ صدر انجمن ہیں سب ادا کردیا دکانوں کو تعمیر کرایا پھر رفتہ رفتہ انھیں دکانوں کی آمدنی سے وہ کل روپیہ بھی ادا کردیا جب انجمن کا روپیہ ادا ہوگیا تو ان دکانوں کو بتحویل اتفاقی اپنے چھوٹے بھائی کو جو کہ اسی مسجد میں طلبہ کو عربی پڑھاتے ہیں بطور انتظام جائداد وقف کے حوالہ کردیا حتی کہ اس آمدنی سے وقتاً فوقتاً مسجد کی درستی ہوتی رہتی ہے، اور اسی احاطہ مسجد میں بیرونی طلبہ کے لئے حجرے بھی حسب ضرورت تیار ہوتے رہے، سال گزشتہ میں ایک مولوی صاحب کو باہر سے واسطے تعلیم کے بلایا گیا تھا اُن کی نصف تنخواہ چندہ سے اور نصف اسی آمدنی مسجد سے سال بھر تک دی جاتی رہی، اب چونکہ درس وتدریس کے لئے سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ نہ تھی اور جو کتابیں طلباء کو حسب دستور دی جاتی ہیں اُن کے رکھنے کے لئے بھی مکان کی ضرورت ہوئی تو ایک مکان جانب مسجد میں اسی سال بھی تعمیر کرایا گیا جو ان شاء اللہ مختصر مدرسہ وکتب خانہ دونوں کا کام دے گا علاوہ ازیں دکان کے کچھ خام سے رعایا خالی کراکے اس کی زمین مسجد کو وقف کردی اور دو ایک دکانیں جدید بھی بنوادیں ایک دکان منشی بجاء اللہ صاحب وکیل مرحوم نے میراں سے بھی وقف کیا۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ علاوہ حیثیت کے غلہ برآمد حسب مذکورہ بالا رہا ہے تو آیا اس آمدنی سے مسجد اور طلباء کے لئے حجرے نیز مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) یہ کہ انھیں نواب صاحب موصوف نے جو اپنی ذاتی دکان اور کچھ خام سے رعایا کو علیحدہ کرکے باز مسجد کی ضرورت سے برابر کراکے نیز گرد وپیش کے اپنی افتادہ زمین کو اسی مد میں مدت سے وقف کردیا ہے چنانچہ گھاس، بھوسہ، لکڑی، کنڈا اور دیگر پیداواروں سے جو اس زمین کا محصول آتا ہے وہ بھی برابر مسجد میں ایک بکس کے ذریعہ یکمشت جمع ہوتا رہتا ہے اور جو بمد مذکور میں صرف ہوتا ہے اس کے متعلق (ایک ہندو جس کا نام لالہ شمبھوناتھ

۱؎ ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۱

ہے اور وہ گویا مُفت قریب ایک موضع محروان میں رہتے ہیں) کا یہ بیان سُنا جاتا ہے کہ چُونگی قبضہ میں ہمارے ہے لہٰذا یہ متفرق آمدنی ہماری ہے اس کو ہم لیں گے حالانکہ وہ اس بازار میں کسی جزءِ اراضی کے بھی مالک نہیں ہیں اور چُونگی ان کی ہونا قاعدہ کے بھی بالکل خلاف ہے کیونکہ چُونگی حق گورنمنٹ ہے کاغذات سرکاری میں بھی چُونگی کا کوئی وجود نہیں، دوسرے مالک زمین یعنی واقف کی طرف سے یہ زمین دراصل مسجد کی ہے۔ ایسی حالت میں آیا ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہم واسطے درستی قبضہ، تحفظ حقوق مسجد مدافعانہ حیثیت سے ان کی اس ناجائز دست برد سے اگر وہ کریں اس کو بچائیں یا نہیں؟ نیز اس معاملہ میں جو شدائد ہمیں درپیش ہوں گے جیسے حفظ جائداد وقف عنداللہ ہمیں اس کا اجر ملے گا یا نہیں؟ اور اگر مسلمان کثرت رائے سے اس کی کل یا جزو آمدنی بطور فیصلہ باہمی کے ان صاحب کو دینا منظور کریں تو آیا ان کا یہ فعل شرعاً صحیح اور قابل تسلیم ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) اوقاف میں شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہوتی ہے اور اس میں بلا شرط واقف یا اجازت خاصہ شرعیہ کوئی تغیر تبدیل جائز نہیں، مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض ادا نہیں کیا جاسکتا جو ادا کرے گا تاوان اس پر ہے مسجد کے مال سے نہیں لے سکتا مسجد پر جو جائداد واقف نے وقف کی اگر اس سے بنائے مدرسہ و مصارف مدرسہ کی اجازت دی تھی تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

(۲) صورت مذکورہ میں ضرور مسلمانوں پر فرض ہے کہ حتی المقدور ہر جائز کوشش حفظ مال وقف و دفع ظلم ظالم میں صرف کریں اور اس میں جتنا وقت یا مال ان کا خرچ ہوگا یا جو کچھ محنت کریں گے مستحق اجر ہوں گے قال تعالٰی، لا یصیبھم نصب ولا مخمصۃ (الٰی قولہ تعالٰی) الاکتب لھم بہ عمل صالح[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم

ان کو مشقت اور مشکل نہ پہنچے گی (الٰی قولہ تعالٰی) مگر ان کے لئے نیک عمل لکھے جائیں گے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ از ضلع گیا موضع پردہ چک ڈاکخانہ شمشیر نگر، مسئولہ ابوالبرکات یوم شنبہ ۱۰ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت لگائے تو اس کی ملک ہے یا نہیں؟ دوسروں کو بدون اجازت استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

قبرستان اگرچہ وقف ہو مگر درخت جو اس میں لگائے جائیں اگر لگانے والا تصریح یہ کہہ بھی دے کہ میں نے

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۰

ان کو قبرستان پر وقف کیا جب بھی وقف نہ ہوں گے اور لگانے والے ہی کی ملک رہیں گے اُس کی اجازت کے بغیر دوسروں کو ان میں تصرف جائز نہیں، اور اُس کو اختیار ہے کہ اُس کی لکڑی کاٹے یا جو چاہے کرے بلکہ اگر اُن کے سبب مقابر پر زمین تنگ کرے تو اُسے مجبور کیا جائے گا کہ درخت کاٹ کر زمین خالی کر دے والمسئلۃ فی الھندیۃ وغیرھا (فتاوی ہندیہ وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ ت) وھو تعالٰی اعلم

مسئلہ از ضلع سیتاپور قصبہ لہرپور مدرسہ اسلامیہ قاضی ابو محمد یوسف حسین صاحب بروز چہارشنبہ ۱۲ صفر ۱۳۳۳ھ

وقف والے استفتاء میں ایک لفظ "ارصادات" کا تحریر ہے جس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے، اگر آپ کو معلوم ہوں تحریر فرمائیے، غیاث میں "رصد" کے معنی نگاہ رکھنا نکلے اور لفظ "ارصادات" نہیں نکلا، "رصد" کی اگر جمع "رصدات" لے جائیں تو بھی اس موقع پر کام نہیں دیتے شاید لفظ تحریرات سلطانی میں کسی قسم کی تحریر کا نام ہو جیسے "سجل" یا "فرمان" وغیرہ اگر ایسا ہے تو یہ تحریر فرمائیے کہ یہ لفظ کس قسم کے اسناد کے واسطے مستعمل ہوتا ہے اصل موقع اس لفظ کا شاید آپ کے خیال میں نہ باقی ہو اس لئے میں ابتدائے مضمون استفتاء کا نقل کئے دیتا ہوں ارصادات سلاطین کا حکم وقف میں ہے [illegible] کسی کو حق ہو۔

الجواب

مولٰنا اکرمکم اللہ تعالٰی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، "ارصاد" کے معنی نگہداشتن ہی ہیں یعنی محفوظ کر دینا، سلاطین اسلام جو اراضی سلطنت سے جو دیہات مصارفِ خیر کے لئے وقف کرتے ہیں انھیں ارصاد کہتے ہیں یعنی سلطان نے انھیں محفوظ و ممنوع التملیک کر دیا، اُن کا حکم بعینہٖ مثل وقف ہے،

وانما سمیت ارصادات لان الوقف شرطہ الملک والسلاطین لا یملکون ما فی ولایتھم ان الملک الا للہ واللہ تعالٰی اعلم

ان کو ارصادات اس لئے کہتے ہیں کہ وقف کی شرط ہے کہ پہلے کسی کی ملک میں ہو جبکہ سلاطین اپنی ولایت کے مالک نہیں ہوتے، ملک تو صرف اللہ تعالٰی کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۹ از کانپور محلہ کٹھیا بازار متصل مدرسہ فیض عام مسئولہ شمس الدین محمد عرف میاں ۲۲ صفر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقت وفات اپنے چند قطعات زمین وقف کئے اپنی ملکیت و متروکہ سے چھوڑے سند وقف میں یہ تحریر ہے کہ خرچ مساکین و مسافرین و مسجد کے واسطے یہ وقف کیا جاتا ہے پس صورتِ متولی جو حسبِ حال جائداد موقوفہ بھی ہیں،

(۱) اگر منجملہ قطعاتِ زمین مذکورہ صدر کے کوئی جز بوجہ خراب و بیکار پڑا ہو اور اس سے کسی قسم کی آمدنی بھی نہ ہو

مسجد میں شامل کردیں۔

(۲) یا کسی جز قطعات مذکورہ بالا میں کچھ عمارت اس غرض سے تعمیر کردیں کہ اس کی آمدنی واسطے ضروریات مسجد کے کام آئے یا کسی خاص کام متعلق مسجد کے مثلاً فرش و فروش وغیرہ متعلقہ و مملوکہ مسجد کے رکھنے یا پیش امام و مؤذن وغیرہ کسی خادم مسجد کی سکونت کے بکار ہو تو جائز ہے یا نہیں، اور متولی پر کوئی مواخذہ شرعی تو نہ ہوگا؟

الجواب

اگر مسجد تنگ ہو جماعت کی دقت ہوتی ہے جگہ کی حاجت ہے تو یہ زمین مسجد میں شامل کردی جائے ورنہ نہیں کہ وہ مسجد کے لئے وقف ہے نہ کہ مسجد کرلینے کے لئے۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ[1] — وقف کی ہیئت کو بدلنا جائز نہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الفتح ضاق المسجد وبجنبہ ارض وقف علیہ او حانوت جاز ان یؤخذ ویدخل فیہ[2] — فتح میں ہے کہ مسجد تنگ ہوجائے اور اس کے پہلو میں وقف شدہ زمین یا دکان ہے جو اسی مسجد کے نام وقف ہے تو اس کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے (ت)

صورت ثانیہ حسب پابندی شرائط وقف جائز ہے جبکہ اسی کی آمدنی مسجد میں صرف کرنے کے لئے وقف کی ہو تو اس غرض کے لئے اس میں عمارت بنانی جائز اور سکونت امام وغیرہ کے لئے ناجائز لان شرط الواقف کنص الشارع (کیونکہ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱: از خیرآباد ضلع سیتاپور اودھ محلہ میاں سرائے درگاہ حضرت حاجی حافظ سید محمد علی صاحب
۲۲ صفر المظفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند مواضعات کہ شاہان دہلی نے واسطے مصارف امور مذہبی و مدد معاش ایک خاندان کے معاف کیا تا زمان سلطنت انگلشیہ مطابق نیت عطا کنندہ اس پر عملدرآمد رہا، عہد سلطنت انگلشیہ زمانہ بندوبست اول میں اس معافی کی نسبت تحقیقات ہو کر معافی قدیم ثابت ہوئی اس تحقیقات میں ورثا معافی دار اول نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ مواضع قدیم سے وقف ہے لیکن اب بھی وقف نامہ یا ایسی تحریر یا حکم شاہان دہلی عطا کنندہ معافی کا کہ جس سے واقف کا نام یا مضمون وقف اس

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۹۰
[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۸۳

ثابت ہو سکے پیش نہیں ہوا بلکہ جو کچھ ثبوت تحریری زبانی پیش ہوا اس سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضع شاہان دہلی نے بغرض مذکور بلا معافی عطا کئے تھے۔ اسی بنیاد پر جو سند سرکار انگلشیہ سے عطا ہوئی وہ معافی مشروط کی عطا ہوئی از منجملہ شرائط سند عطائے سرکار انگلشیہ ایک یہ بھی شرط ہے کہ در صورت عدم پابندی شرائط سندیہ معافی ضبط کرلی جائیگی در مواضع مذکورہ کے متعلق سرکار انگلشیہ سے ڈگری حق اعلیٰ بمقابلہ سرکار بحق معافی داران صادر ہوچکی ہے اور سرکار انگلشیہ اپنے حقوق مثل رقم سوائی وفیس سڑکانہ وشفاخانہ وغیرہ مثل دیگر زمینداران کے سالانہ معافی داروں سے لیتی ہے اس کے بعد سے تا حال ورثاء معافی داران شرائط سندیہ عطیہ سرکار انگلشیہ پابند رہ کر بطور مالک حسب اغراض معافی میں محاصل مواضع میں سے خرچ کرکے بقیہ محاصل کو اپنے مد معاش میں صرف کرتے رہے بندوبست اول سے اس خاندان معافی داران میں حصص قائم ہوئے اور برابر دواشت جاری رہے اور ہر معافی دار کا نام کیوٹ و کاغذات میں بطور مالک درج ہوتا رہا۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا کہ شرکاء معافی میں سے چند شرکاء نے حسب ذیل انتقالات کئے ایک معافی دار نے منجملہ اپنے حصہ کے ایک جزو کا وقف نامہ بنام اللہ میاں رجسٹری شدہ تحریر کیا، ایک حصہ دار نے اپنا حصہ اپنے حقیقی بھائی کے نام ہبہ کردیا، ایک نے وقف علی الاولاد کیا۔ اس کے بعد واقف علی الاولاد نے عدالت مجاز میں ایک دعویٰ دائر کیا کہ یہ مواضع موقوفہ ہیں ان میں کارروائی منتقلات جائز نہیں ہے اور اپنے عرضی دعویٰ میں اپنے انتقال وقف علی الاولاد کو پوشیدہ رکھا [illegible] لہٰذا استفسار ہے کہ مواضع عطیہ شاہی وسرکار انگلشیہ وقف سمجھے جائیں گے یا از قبیل عطیات ومعافیات وارصادات وغیرہ متصور ہوں گے اور کارروائی انتقالات مذکورہ بالا باطل وکالعدم سمجھی جائیں گی یا جائز متصور ہوکر آئندہ کے لئے ایسی کارروائیاں جائز رہیں گی اور اس بیان معافیداران سے جو بندوبست میں نسبت وقف ہونے جائداد کے ہوا ہے جائداد مذکورہ وقف ہوگئے یا ان کا بیان بمقابلہ نیت عطا کنندہ کے باطل و ہیچ ہے اور ہبہ جائداد بصورت عطیہ ومعافی دارصدہ کے قائم رہیں گے اور عطیہ و ارصاد کے کیا معنی ہیں اور ان پر کیا کیا احکام جاری ہوسکتے ہیں اور کیا کیا احکام جاری نہیں ہوسکتے ہیں فقط۔

الجواب

ارصادات وعطایا سلاطین میں زمین وآسمان کا فرق ہے جو مواضع سلاطین اپنی رعیت میں سے کسی کو جاگیر بخش دیں اُسے اُس کا مالک کردیں وہ عطایا ہے عربی میں اُسے اقطاع کہتے ہیں اور ہماری زبان میں معافی وجاگیر اور جو مواضع سلاطین اسلام مصارف خیر کے لئے تعیین کردیں وہ ارصاد ہیں ان کا حکم بعینہٖ حکم وقف ہے اور بعد مصارف جو کچھ بچے اُس میں سے کسی قوم یا کسی شیخ کی اولاد یا کسی مزار کے خدام کی مد معاش کرنا منافیٔ وقف وارصاد نہیں اوقاف قدیمہ کے لئے واقف کا نام معلوم ہونا ضرور نہ کوئی سند پیش کرنا لازم، ورنہ لاکھوں وقف خصوصاً مساجد باطل ہوجائیں، خود سائل کا بیان ہے کہ یہ مواضع سلاطین دہلی نے مصارف امور مذہبی اور ایک خاندان کی مد معاش کے لئے

معاف کئے اور یہ کہ تا زمانِ سلطنتِ انگلشیہ موافق نیتِ معافی کنندہ اس پر عملدرآمد رہا اور یہ کہ اس کے بعد سے تا حال ورثاء
معافی داران بغرضِ معافی میں محاصل برابر اسی میں سے خرچ کرکے بقیہ محاصل کو اپنی مدد معاش میں صرف کرتے رہے۔ یہ
شان وقف ہی کی ہوتی ہے اور اگر کسی خاص شخص کو جاگیر دی ہوتی ہے تو مصارفِ خیر کی قید نہ لگائی جاتی، نہ یہ کہ ان سے
جو بچے وہ مدد معاش میں صرف ہو، نہ اس کے موافق قدیم سے اب تک عملدرآمد رہتا ہے تو ضرور یہ موضع وقف ہی ہیں اور
بندوبست حال میں اسمائے متولیان بلحاظ ملکیت رکھنا وقفِ ثابت کو زائل نہ کرے گا، اور یہ انتقالات جو ان بعض
متولیوں نے کیے اگر اس سے مقصود وہ محاصل ہیں جو بعد مصارفِ خیر ان کے حصہ میں آئیں جب تو ظاہر ہے کہ
اس سے اصل وقف پر کوئی حملہ نہ ہوا اگرچہ محاصل کا وقف یا قبل وصول ہبہ کرنا باطل ہے، اور اگر ان سے نفس رقبہ
جائداد کا انتقال مقصود تھا تو غایت یہ کہ ان کا عمل باطل و مردود تھا، اس سے وقف پر کیوں حرف آنے لگا، گورنمنٹ کا
رقوم سوائی وغیرہ لینا بھی منافی وقف نہیں، یونہی بندوبست اول سے اجرائے وراثت اگر محاصل میں ہے کیا بیجا ہے
اور رقبہ میں ہے تو متولیوں کا ظلم ہے بلکہ بیانِ سائل کہ اب تک بعد مصارفِ خیر جو بچتا ہے تقسیم کرتے ہیں رقبہ میں
اجرائے وراثت کی خود نفی کر رہا ہے، اور نہ بھی سہی تو ان کے مورثوں کا سب سے پہلا بیان کہ یہ جائداد وقف ہے، ان کے
ان تصرفات کے ابطال کو کافی ہے، جائداد ملک ہو کر وقف ہو سکتی ہے مگر وقف ٹھہر کر کبھی ملک نہیں ہو سکتی۔ اور ان کے
اس بیانِ اول میں نیتِ معافی دہندہ کا پتہ دینا بس ہے جس میں وقف سے انکار پر مہر ہو، بالجملہ شک نہیں کہ موضع
مذکورہ وقف ہیں اور ان میں کسی کو تصرفات مالکانہ یا انتقالات کا کچھ حق نہیں، واتقوا اللّٰہ الذی الیہ تحشرون[1]
(اور ڈرو اللہ تعالٰی سے جس کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۲: از ضلع بجنور موضع چاندپور مسئولہ محمد قطب الدین ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

مخدوم مکرم معظم دام فضلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آبادی قصبہ چاندپور میں موازی ۱ بسوا ۲ بسوانسی یعنی
قطعہ کل اراضی نمبری خسرہ ۲۲۸۳ واقع محلہ کوتانہ موقوفہ تھی اس پر ایک دکان بنی ہوئی تھی اس کی آمدنی صرف
مسجد میں آتی تھی چنانچہ بندوبست دوم یعنی ۱۸۷۰ء یا ۱۲۷۳ف میں دکان مذکورہ بخانہ مالک زمین و مالک مکان (وقف)
تحریر ہے اسی کیفیت میں (دکان متعلق مسجد) تحریر ہے اس کے منتظم مولوی مجتبیٰ حسن صاحب دیوبندی ساکن
چاندپور تھے دکان منہدم ہوگئی اس پر ایک سہ دری بنائی گئی جو قیام مسافران اور درس گاہ کے کام آتی رہی اور مہتمم
بدستور مولوی صاحب موصوف رہے اب اس سال سے مولوی صاحب مذکور نے اس کے اوپر ایک بالاخانہ
تعمیر کرلیا اس کو زنانہ مکان کرلیا نیچے کا سابقہ حصہ یعنی سہ دری اپنی نشست گاہ خاص بنالی، اللہ اللہ خیر صلا۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/۹۶

مولوی صاحب کہتے ہیں ہم مکان کے مالک ہیں ہمارا تعمیر کردہ ہے تمادی بارہ سال عارضی ہے وغیرہ وغیرہ، اور سب چیزیں خدا کی ملکیت میں اور ہم اُس کے بندے ہیں، رضامندی سے وہ چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوتے۔ مجبوراً عدالتہ کارروائی کرنا ہوگی چونکہ مولوی صاحب موصوف اور اُن کے بھائی مولوی مرتضیٰ حسن صاحب سب مولوی ہیں (مولوی عالم فاضل ہیں) سب لوگ ان کا ادب کرتے ہیں بچتے ہیں کوئی دعوٰی کرنے یا مدعی بننے پر رضامند نہیں ہوتا، یہاں ہم صرف دو آدمی حق کی حمایت کرسکتے ہیں، البتہ واقعات کے بابت شہادت دے سکتے ہیں، اگر ان کو مدعی بنا لیا جائے تو گواہ کون رہے سوائے اس کے نالش ہونے پر لوگوں سے توقع ہوسکتی ہے بالفعل یہ خیال ہے کہ مولوی پر ہاتھ ڈالنا گناہ کبیرہ ہے۔ حتی کہ مولوی عبدالواسع صاحب وغیر سجاد حسین صاحب وکلا بجنور وکیل بننے سے گریز کرتے ہیں اس قحط الرجال میں آپ پر نظر دوڑتی ہے اور گزارش کیا جاتا ہے کہ ہم کو کیا کارروائی کرنا چاہئے اور اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور اگر آپ کا نام نامی بھی زمرۂ مدعیان میں شامل کردیا جائے تو مناسب تو نہیں ہے؟ یا کسی اور شخص کا لکھا جائے؟ جیسی رائے عالی ہو کیا جائے، جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو۔ فقط۔

الجواب

بحمداللہ تعالٰی میں حکم شرعی جانتا ہوں اور وہی بتا سکتا ہوں، قانون سے نہ مجھے واقفیت نہ اس کا مشورہ دے سکتا ہوں، وقف میں تعدی ملکا حرام ہے۔ متولی جب ایسا کرے تو فرض ہے کہ اُسے نکال دیں اگرچہ خود واقف ہو چہ جائے دیگر۔ درمختار میں ہے،

وینزع وجوبا ولو الواقف درر، فغیرہ اولٰی لو غیر مامون بزازیہ[1]	لازماً معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہی ہو، درر۔ تو بطریق اولٰی غیر کو اگر وہ معتمد علیہ نہیں، بزازیہ۔ (ت)

اور وقف کا مدعی ہر مسلمان ہوسکتا ہے اور جو مدعی ہو وہی شاہد ہوسکتا ہے لانہ لایحتاج الی الدعوی (کیونکہ دعوٰی کی ضرورت نہیں۔ ت) وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وقف کو ظلم سے نجات دلائیں۔ دیوبندی عالم دین نہیں ان کے اقوال پر مطلع ہو کر انہیں عالم دین سمجھنا خود کفر ہے۔ علمائے حرمین شریفین نے انہی لوگوں کے لئے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ،

من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر[2]	جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے تو وہ کافر ہوا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

اور بالفرض کوئی عالم بھی ہو تو اس کا ادب اس کا مقتضی نہیں ہو سکتا ہے کہ وقف اس کے دستبرد ظالمانہ میں چھوڑ دیا جائے اگرچہ عالم ہے مگر وقف پر ظالم ہے اور اس کی تخلیص فرض۔ یہ بہت اچھا عذر ہے کہ سب ملک خدا ہے اور ہم اس کے بندہ، کیا ایسا کہنے والا اپنے املاک اور اپنے اہل میں بھی ان کے لئے یہی گمان کرے گا کہ یہ سب ملک خدا ہیں اور وہ خدا کے بندے، یہ خاص اباحیہ کا مذہب ہے، فقیر کمیٹی کی لیاقت نہیں رکھتا اس سے معاف فرمایا جائے اور ہزاروں مسلمان مدد کی ہو سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ مسئولہ مردمان عامہ موضع تاجری تحصیل گوجرانوالہ ضلع دیبالپور بتوسط اللہ بخش درزی سکن تاجری
۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ نے اپنی تمام اشیاء جس میں منجملہ دیگر اشیاء کے ایک سکنی مکان بھی ہے مسجد کے نام پر خدا کے واسطے وقف کر دیا اور سند کے لئے ایک کاغذ پر چند معزز برادران رشتہ کے دستخط کروا کر ایک کاغذ بنا لیا اور یہ کام کر کے وہ عورت ایک دوسرے موضع میں اپنی لڑکی کے گھر پر جا رہی اور اس کے چلے جانے کے بعد میں اس عورت کے قریبی رشتہ والوں نے اس وقف شدہ مکان کی بابت فساد شروع کر دیا کہ ہم یہ مکان مسجد کے نام نہیں دیں گے حالانکہ بیوہ کے کوئی اولاد ذکور میں سے صاحب حق نہیں ہے اور وہ اپنے مال و جائداد کی بلا اشتراک غیرے خاوند کے مرنے کے بعد خود مختار مالک تھی، لہٰذا اب دریافت امر خاص یہ ہے کہ آیا کوئی شخص بیوہ کی مرضی کے خلاف کچھ کارروائی کر سکتا ہے؟ اور اگر کر سکتا ہے تو کس صورت سے، ورنہ ایسے بددیانت اشخاص کی کیا شرعی تعزیر ہے؟ فقط

الجواب

جو شے اللہ عزوجل کے لئے وقف ہو گئی اس میں کسی کو دعوٰی نہیں پہنچتا، یہاں سوال سے ظاہر ہے کہ عورت نے اپنی حالتِ صحت میں یہ وقف کیا تو اب کسی رشتہ دار کا اس میں مزاحمت کرنا محض ظلم و نامسموع ہے اور یہاں کوئی کسی کو تعزیر نہیں دے سکتا، بڑی تعزیر یہ ہے کہ جس سے یہ بات واقع ہو مسلمان اسے چھوڑ دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ از شہر چیت پور محلہ کاشیا وار چھوٹی چوک مسئولہ حاجی امداد احمد صاحب متولی جامع مسجد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کا طریقہ ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے یا فوت ہوتا ہے تو اس کی جانب سے اس کے عزیز ایک یا چند قرآن پاک مسجد میں بھیجتے ہیں، اس نیت سے کہ لوگ پڑھیں تاکہ ہم کو ثواب ملے، اب چونکہ جامع مسجد میں وہ بکثرت جمع ہو گئے اور بیکار رکھے ہیں جن کا انجام سوائے گلنے اور بوسیدہ ہونے کے کچھ نہیں ہے کیونکہ پڑھنے والے چند اور قرآن بکثرت جمع، تو ان کو ہدیہ کر کے وہ پیسہ مسجد کے صرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں، مسجد سے ملحق ایک مدرسہ قرآن ہے اور نیز شہر میں بھی قرآن کے مدرسے ہیں ان میں

ان قرآنوں کو متولی بیچ سکتا ہے یا نہیں نیز اگر اس شہر کے مدارس سے بچ رہیں تو دوسرے شہر کے مدارس میں بھیجے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

اگر اس بھیجنے سے مصحف شریف اُن مسجد پر وقف کرنا مقصود نہیں ہوا جب تو بھیجنے والوں کو اختیار ہے وہ مصاحف ان کی ملک میں باقی ہیں جو وہ چاہیں کریں اور اگر مسجد پر وقف مقصود ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں اُسے دوسری مسجد کو بھیج سکتے ہیں یا نہیں، جب حالت وہ ہو جو سوال مذکور میں ہے اور تقسیم کی ضرورت بھی جانے تو قول جواز پر عمل کر کے دوسری مساجد و مدارس پر تقسیم کر سکتے ہیں اس شہر کی حاجت سے زائد ہو تو دوسرے شہر کو بھی بھیج سکتے ہیں مگر انہیں ہدیہ کر کے ان کی قیمت مسجد میں نہیں صرف کر سکتے۔ درمختار میں ہے:

وقف مصحف علی المسجد جاز ویقرأ فیه ولا یکون محصورا علی هذا المسجد[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسجد کے نام قرآن کا وقف جائز ہے وہاں اس کی تلاوت کی جائے لیکن وہ اس مسجد کے لئے پابند نہیں ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵: مسئولہ عبداللہ رہار مقام چندوسی ضلع مراد آباد محلہ سنبھل دروازہ ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین درین مسئلہ، ایک باغ علاقہ کے دو بھائی مسمیان خواجہ بخش و عظیم بخش مالک تھے اور دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھی، عظیم بخش نے ایک بھتیجا لے لیا تھا مسمی حسین، اور اس نے نصف باغ کا داخل خارج کاغذات سرکاری میں کرا دیا عرصہ تیس سال کا ہوا اور اب تک اُسی کے نام داخل خارج چلا آتا ہے اب دوسرے بھائی خواجہ بخش نے بھی باغ بیت اللہ شریف کے جاتے وقت فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا جبکہ عظیم بخش کا انتقال ہو گیا تھا ایسی صورت میں حصہ بھتیجا حسین کو پہنچ سکتا ہے یا بھائی مالک ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ نصف باغ بلا تقسیم عظیم بخش نے بھتیجے کے نام ہبہ کر دیا تھا اور عظیم بخش نے اپنے انتقال کے بعد بھائی کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑا تو وہ ہبہ جو بھتیجے کے نام تھا عظیم بخش کی موت سے باطل ہو گیا درمختار موانع رجوع میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل[2]

قبضہ دے دینے کے بعد عاقدین میں سے کسی کا فوت ہو جانا، تو اگر قبضہ دینے سے پہلے فوت ہو تو عقد باطل ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۱-۳۸۰

[2] ؍؍ کتاب الہبہ باب الرجوع عن الہبہ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۶۴

تو کل باغ کا مالک خواجہ بخش ہوا جب اُس نے وقف کردیا وقف ہوگیا اب نہ اُس کا ہے نہ بھتیجے کا، خالص ملک الٰہی ہے عزوجل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶: از علیگڑھ محلہ دہلی دروازہ تکیہ بخشی کریم اللہ صاحب مسئولہ عبدالکریم وعبدالعزیز وغیرہ ۱۱ رجب ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک تکیہ اور کچھ اراضی باڑہ کے نام سے کہ جو قدیم الایام سے واسطے فاتحہ حضرت فیض اللہ شاہ صاحب اور حضرت بانام شاہ صاحب کے وقف چلی آتی ہے، اور اس کے متولی اور متصرف ہمارے اجداد سے تھے اور اس کی آمدنی سے فاتحہ اور عرس ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اُن میں سے پیشتر یہ تصرف ہوا کہ اس زمین میں کچھ دکانیں بنوادی گئیں اور پھر تکیہ کی زمین سے کچھ حصہ چند اشخاص کے ہاتھ بیع کردیا گیا اور باڑہ کی زمین میں ایک گنج آباد کرا کے اُس کو رہن کردیا اب استفسار طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ بیع اور رہن اس اراضی موقوفہ کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ تصرف کیا حکم رکھتا ہے؟ اس کا جواب بحوالہ کتب بیان فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

وقف کے رہن وبیع ناجائز ہیں، درمختار میں ہے:

فاذا تم ولزم لایملک ولایملک ولایعار ولایرھن[1]۔ جب وقف تام اور لازم ہوجائے تو کوئی نہ اس کا مالک بنے نہ کسی کو مالک بناسکے، نہ عاریۃً دیا جائے اور نہ رہن رکھا جاسکے گا (ت)

دکانیں اگر تکیہ میں بنائی گئیں تو قطعاً ناجائز ہیں اور باڑے میں متولی نے منفعت وقف کے لئے بنوائیں اور ان میں کوئی مخالفت شرط واقف وتغییر ہیأت وقف نہ تھی تو حرج نہیں ورنہ وہ بھی ناجائز ہیں کما نص علیہ فی فتح القدیر والفتاوی الھندیۃ وغیرھما (جیسا کہ اس پر فتح القدیر اور فتاوی ہندیہ وغیرہما میں تصریح کردی ہے۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷: مرسلہ چودھری محمد رشید الدین صاحب اشرف صاحب تعلقہ دار وآنریری مجسٹریٹ از بیاروضلع بارہ بنکی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قاضی امیر اشرف صاحب مرحوم نے وفات پائی ان کے کاغذات سے ایک تحریر برآمد ہوئی جس کی نقل مطابق اصل شامل استفتاء ہذا ہے جو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے مگر جابجا اس کے حواشی وغیرہ پر عبارت اُن کے قلم کی لکھی ہوئی ہے آیا اس تحریر پر عملدرآمد شرعاً

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

ہو سکتا ہے یا نہیں، یہ وقف سمجھا جائے گا یا وصیت، اور اس کی پابندی ہر وارث سے کسی طریقہ پر ورثاء کے ذمہ لازم ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ نہ وقف ہے نہ وصیت، نہ کوئی شَے، نہ اس کی پابندی اصلاً کسی طرح وارث خواہ غیر پر کچھ لازم، یہ ایک وقفنامہ ناممکل کا خاکہ ہے جو قلم مورث سے ہے نہ دستاویزوں کے عنوان معروف (میں کہ فلاں بن فلاں ہوں) سے اس کی ابتدا نہ اس پر کوئی شہادت، ایسا کاغذ ایک ردی پرچے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، خصوصاً اس کا ختم اس پر ہے کہ لہٰذا وقفنامہ ہذا کو تکمیل ورجسٹری کرانے دیتا ہوں تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے، فقط۔ زیادہ سے زیادہ یہ گمان ہو سکتا ہے کہ مورث نے وقف کا قصد کیا اور کسی شخص سے اس کا مسودہ کر لیا اور اس میں خود ترمیم کی پھر ارادہ نہ ہوئی اور اسے موقوف رکھا لہٰذا تکمیل کی، نہ رجسٹری کرائی۔ یہ اگر ہو بھی تو اس قدر سے کچھ نہیں ہوتا کہ ایک ارادہ تھا جو ہو کر رہ گیا، یہ بھی بفرض تسلیم ہے ورنہ ثابت اس قدر بھی نہیں کہ یہ کاغذ مورث نے لکھوایا یا مورث کی رائے سے لکھا گیا، حواشی پر قلم مورث سے کچھ لکھا معلوم ہوا کوئی دلیل نہیں خط خط کے مشابہ ہوتا ہے، بہرحال وہ ایک مہمل کاغذ ہے جس کا کچھ اثر نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل بمکتوب الوقف الذی علیه خطوط القضاة الماضین[1]

خط پر اعتماد نہ کیا جائے گا، اور وقف نامہ میں جو گزشتہ قاضی حضرات کے اس پر خطوط لکھے ہوئے ہیں ان پر عمل نہ کیا جائے گا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

کتاب الوقف اذا کان علیه خط وهو لایعتمد علیه ولایعمل به کما صرح به کثیر من علمائنا[2]

وقف کی کتاب، وہ ایک کاغذ ہے اس پر خط ہے جو قابلِ اعتماد نہیں اور نہ اس پر عمل جائز ہے، جیسا کہ ہمارے اکثر علماء نے اس پر تصریح کی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان مصدرا معنونا فکالنطق اذا اعترف ان الخط خطه بخلاف ما اذا

جب ابتداء میں عنوان قائم کیا گیا ہو تو پھر زبانی گفتگو کی طرح ہوگا جب یہ اعتراف بھی ہو کہ یہ میرا خط ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف ۱/۱۱۲ و کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار ۲/۲۰

لم یکن مصدرا معنونا وھذا ذکرہ فی الاخرس وذکر فی الکفایۃ اٰخر الکتب عن الشافی ان الصحیح مثل الاخرس فاذا کان مستبینا مرسوما وثبت ذٰلک باقرارہ او ببینۃ فھو کالخطاب ھ والمعنون ما ذکرنا اذا کتب علی وجہ الصکوک یقول من فلان الی فلان[1] الخ ملتقطا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

بخلاف اس کے کہ وہ عنوان سے شروع نہ کیا ہو، اس کو انھوں نے گونگے کے متعلق ذکر کیا ہے، اور کفایہ میں کتاب الوقف کے آخر میں علامہ شافی سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا کہ صحیح بھی گونگے کی طرح ہے کہ جب اس کی تحریر واضح ہو اور معنون لکھی گئی ہو اور اس کا اقرار یا گواہی سے ثابت ہو تو وہ خطاب کی طرح ہے، معنون کسی مخاطب کے نام ہو اور چیک کی لکھائی ہو اور یوں لکھے فلاں جو فلاں سے ہے، الخ ملتقطا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹: از بمبئی مرسلہ قاضی شریف عبداللطیف صاحب قاضی بمبئی ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ حامدا ومصلیا

ما قولکم ایھا العلماء الکرام (اے علماء کرام! آپ کا کیا فرمان ہے کہ ۔ ت) قاضی شریف عبداللطیف صاحب مرحوم مغفور ۱۸۵۵ء میں بمقام شولاپور من جانب حکومت مفتی مقرر کیے گئے ۱۸۵۶ء میں بمقام رتناگری اسی عہدہ پر منتقل ہوگئے اسی عرصہ میں محکمۂ افتاء کے لیے کتابوں کا ذخیرہ جماعت المسلمین کی جانب سے مہیا کردیا گیا من بعد ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ نے عہدۂ مفتی موقوف کرکے صاحب موصوف کی پنشن مقرر کردی جو ان کے حین حیات تک جاری رہی ۱۸۶۶ء میں بمبئی کی جماعت المسلمین کے اہل حل وعقد ورؤسا نے بالاتفاق ان ذات ستودہ صفات کو عہدۂ قضا سپرد کیا، کتبخانہ محکمۂ افتاء رتناگری بھی وہاں کے اکابر واصاغر مسلمین کی اجازت سے بمبئی منتقل ہوگیا بلکہ یہاں کے بزرگان اسلام نے اس کی مزید تکمیل فرمائی، آج تک وہ کتب خانہ عطیہ قوم دار القضا کے متعلق سمجھا جاتا ہے اس صورت سے کہ جو شخص مسند قضا پر متمکن ہوتا ہے اُس کے قبض وتصرف اور نگرانی میں بطور امانت رہتا ہے، قاضی کو اس میں کسی قسم کی کمی کرنے یا کسی کتاب کے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے، البتہ حسب ضرورت قومی پیسے یا محکمۂ قضا کی آمد سے اضافہ کرسکتے بلکہ کرتے رہتے ہیں، قاضی شریف عبداللطیف مرحوم ومغفور کے رحلت فرمانے کے بعد اُن کا تمام ترکہ ورثہ میں تقسیم ہُوا مگر کتب خانہ منجملہ عطایائے قوم مخصوص برائے مسند قضا ناقابل التقسیم قرار دیا گیا قاضی صاحب مرحوم کے بعد اُن کے چھوٹے صاحبزادے جناب شریف محمد صالح صاحب حسب استرضائے ارباب حل وعقد جماعت المسلمین بمبئی قضا پر متمکن ہوئے اور کتب خانہ اُن کی نگرانی میں رہا، ۱۳۲۰ھ میں انھوں نے بھی رحلت

زمانی اور یہ ہے ان کے جناب شریف عبداللطیف صاحب (ان کے فرزند اکبر) کے سپرد محکمۂ قضا اور اس کے متعلق کتب خانہ کیا گیا۔ پس دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ یہ کتب خانہ جو دار القضا کے متعلق ہے اور جملہ قوم وہ بھی مثل دیگر مال متروکہ کے ورثہ میں تقسیم ہو گا یا حسب دستور سابق محفوظ و مامون ان قاضی صاحب کے پاس رہے گا جو فی الحال خدمت قضا انجام دے رہے ہیں۔

الجواب

جبکہ وہ کتابیں جماعت مسلمین نے محکمۂ افتاء یا دار القضا کے لئے جمع کیں قاضی کو ان کا مالک نہ کیا جیسا کہ تعامل مذکور سوال سے واضح ہے تو ورثۂ قاضی کا اُن میں کوئی حق وراثت نہیں اگر جماعت نے وقف کیں تو ظاہر اور نہ کیں تو ملک جماعت ہیں یا نفاذ شراء علی المشتری کی صورت میں ملک مشتری اور وہ زر جماعت کا ضامن ہے بہرحال ملک قاضی نہیں، غیر قاضی نے جو کتابیں جماعت کے لئے خریدیں اُن میں نفاذ علی المشتری کی صورت یہاں نادر ہے ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الوقف میں مبین کیا ہے کہ زر چندہ چندہ دہندوں کی ملک پر رہتا ہے اور ان کی اجازت سے صرف ہوتا ہے خریداری کتب اگر اہل جماعت نے خود نہ کی تو معہود یہ ہے کہ وہ مہتمم ان کے امر سے کرتا ہے ثمن اُن کے روپے سے ادا کیا جاتا ہے جو انھوں نے خریداری کے لئے بھیجے یا بعد خریداری ادا کیا اس صورت میں اس مشتری کے مالک کتب ہونے کے سے یہ صورہ کرد،

اوّلاً جماعت نے اُسے کسی کتاب معین شخص کے شراء کا وکیل نہ کیا ہو یعنی کسی جلد خاص کی نسبت کہ بعینہٖ یہ جلد خرید دے (یہ کہنا کہ ہدایہ یا فلاں مطبع کی ہدایہ یا فلاں دکان سے مصری چھاپے کی ہدایہ شے معین کے لئے توکیل نہیں جبکہ اس دکان پر مصری طبع کے متعدد نسخے ہدایہ ہوں) کہ اس صورت میں وہ غیبت جماعت میں اسے اپنے لئے خرید ہی نہیں سکتا،

حیث لم یکن مخالفا وھو مقرر در مختار[1] وسیأتی المخالفۃ فی البحر، ولان فیہ عزل نفسہ فلا یملکہ علی ما قیل الا بحضور من الموکل ردالمحتار[2] عن الباقانی عن الھدایۃ۔

جب مخالفت نہ ہو، تاکہ دھوکا کا احتمال نہ ہو۔ درمختار، اور مخالفت کو بحر میں بیان کیا، اور اس لئے کہ اس میں اپنے آپ کا معزول ہونا ہے جس کا وہ اپنے موکل کی حاضری کے بغیر مالک نہیں، ردالمحتار نے باقانی سے بحوالہ ہدایہ نقل کیا۔

ثانیاً حصر ایجاب میں جماعت کی طرف مضاف نہ ہو مثلاً اس نے بائع سے کہا یہ کتاب میں نے تجھ سے جماعت

---

[1] درمختار — باب الوکالۃ بالبیع والشراء — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/۱۰۵
[2] ردالمحتار — " " " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۴/۴۰۳

کی طرف سے خریدی اس سے کہا میں نے یہ بیچی یا اس نے کہا میں نے یہ کتاب جماعت کے ہاتھ بیع کی اس نے کہا میں نے خریدی کہ اس صورت میں قطعًا عقد جماعت ہی کے لئے ہوگا اور مشتری پر نافذ نہیں ہوسکتا۔

علی ما حققنا صورۃ شتی فی کتاب البیوع من فتاوٰنا فی تحریر حافل کامل سمیناہ عطیۃ النبی فی الاشتراء للاجنبی بما لا یوجد فی غیرہ وباللہ التوفیق۔

جو ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب البیوع میں اس کی تفصیلی صورتوں کی تحقیق کی ہے وہ جامع کامل تحریر ہے ہم نے اس کا نام "عطیۃ النبی فی الاشتراء للاجنبی" رکھا ہے یہ تحقیق اس کے غیر میں نہیں ملے گی، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے (ت)

ثالثًا عقد کو مال جماعت کی طرف بھی مضاف نہ کرے فقط جماعت کا روپیہ دکھا کر کہا اس روپیہ کی فلاں فلاں کتاب مجھ سے خریدی۔

رابعًا خریداری میں جماعت کے لئے خریدنے کی نیت نہ کرے ورنہ وہ دیانۃً علی الاطلاق جماعت ہی کے لئے ہے۔

خامسًا قیمت میں مال جماعت نہ دے ورنہ وہ جماعت ہی کے لئے ٹھہریں گی اگرچہ اپنے لئے خریداری کی نیت بتائے۔

وتفصیل ذلک فی البحر ولخصناہ فی جد الممتار بقولی وبالجملۃ اذا کان وکیلا بشراء شیئ لا بعینہ فالاضافۃ قاضیۃ فان لم توجد فالنیۃ فان لم توجد فللنقد عند محمد ان سلم الاٰمر ای عدم النیۃ وان قال بل نویت لی حکم النقد کمالو تکاذبا فیہا وعند ابی یوسف یحکم النقد فی الوجہین وھو الراجح قدمہ قاضیخان و حرر دلیلہ فی الہدایۃ فتحصل ان الحکم للاضافۃ فان لم توجد فللنیۃ فان لم توجد او تکاذبا فیہ فللنقد[1] واللہ تعالٰی اعلم

اس کی تفصیل بحر میں ہے، ہم نے جد الممتار میں اپنے اس قول کے ساتھ اس کی تلخیص کی ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی غیر معین چیز کی خریداری کا وکیل ہو تو وہاں نسبت فیصل بنے گی اگر نسبت نہ ہو تو پھر نیت پر فیصلہ ہوگا اگر نیت بھی نہ ہو تو پھر خریداری کی نیت معتبر ہے جب آمر تسلیم کرلے کہ تیرے لئے نیت نہ تھی اور اگر کہے کہ خریدار وکیل نے میرے لئے نیت کرکے خریدا ہے تو صرف ایسی صورت میں امام محمد کے ہاں مروّج سکّے پر فیصلہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے ہاں دونوں صورتوں میں سکّے کو فیصل قرار دیا جائے گا اور یہی راجح ہے، قاضی خان نے اسے پہلے ذکر کیا اور ہدایہ میں اس کی دلیل کو بعد میں ذکر دیا تو حاصل یہ ہوا کہ اضافت پر حکم ہوگا ورنہ نیت پر، اگر نیت نہ ہو۔

---

[1] جد الممتار حاشیہ رد المحتار

دونوں اختلاف کریں تو پھر نقد پر فیصلہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

یہاں اگرچہ نفاذ علی المشتری سے تین مانع اول کثیر الوقوع نہیں مگر خامس ہی غالب ہے اور کتابیں اکثر پر جماعت یا داخل کتبخانہ افتاء وقضاء کرنا رابع پر شاہد۔ یونہی وہ کتابیں کہ قاضی نے قومی پیسے یا آمدنی دارالقضا سے خریدیں یہاں بھی ظاہر عبارت سوال یہ ہے کہ قاضی نے اپنے مال سے نہ خریدیں اگرچہ اس کی تنخواہ بھی اُسی پیسے یا آمدنی سے ہوتی ہو مگر عبارت اس سے ساکت ہے کہ قاضی کا شرا بھی بامر جماعت تھا یا بطور خود۔ اگر صورت اُولٰی ہے کہ قاضی نے اُس مال سے کتابیں بامر جماعت خرید کر داخل کتب خانہ مذکورہ کیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ وقف یا ملک جماعت ہوئیں کہ اب قاضی وہ مشتری ہے جس میں وجہ رابع وخامس مانع تنفذ ہیں، اور اگر صورت ثانیہ ہے تو اب مانع نفاذ صرف وقت ایجاب بیع میں اضافت بجماعت ہونا ہے وبس۔ اگر یہ اضافت نہ ہو تو ایجاب میں مشتری کی طرف اضافت صراحۃً یا دلالۃً سے چارہ نہیں ورنہ بیع ہی نہ ہوگی۔ تجنیس ناصری و ذخیرہ و تاتارخانیہ و ہندیہ میں ہے:

لو قال من فروختم این بندہ بہزار درم تو خریدی فقال مجیبا لہ خریدم تم البیع، اما لو قال من فروختم این بندہ را بہزار درم فقال المشتری خریدم ولم یزد علی هذا لا یکون بیعا لعدم الاضافة[1] اھ اقول ای اذا لم تجر بینهما المساومة والا کفی بها دلالة کقوله هنا تو خریدی فانه ایضا لیس باضافة فی الایجاب انما فیه دلالة علیها وذلك اعنی الاکتفاء بدلالة الاستیام کما فی تجنیس الامام صاحب الهدایة ثم الفتح هو قال لأخر بعد ما جری بینهما مقدمات البیع بعت هذا بالف ولم یقل

اگر کہا میں یہ غلام ہزار درم میں فروخت کرتا ہوں تو خریدیگا تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے خریدا تو بیع تام ہو جائے گی لیکن اگر یوں کہا میں یہ غلام ہزار درم میں فروخت کرتا ہوں تو دوسرے نے کہا میں نے خریدا، اور اس پر کوئی زائد بات نہ کی تو بیع نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں خریدنے کی نسبت اس غلام کی طرف نہ ہوئی اھ اقول (میں کہتا ہوں) یہ اس صورت میں ہے کہ جب پہلے اس غلام کے متعلق سودے کا ذکر نہ ہو، ورنہ یہی نسبت کافی ہے جو دلالۃً موجود ہے جیسا کہ یہاں بھی ایجاب یعنی "تو خریدی" میں بھی نسبت مذکور نہیں اس میں صرف دلالۃً نسبت ہے اور یہی بھاؤ لگانا نسبت کے لئے کافی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ کے تجنیس میں پھر فتح میں ہے کہ ایک نے دوسرے کو کہا میں نے یہ ہزار میں فروخت کیا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵

منك وقال الآخر اشتریت صح و لزم[1]

اور "تجھ سے" نہ کہا، اور دوسرے نے کہا میں نے خریدا، جبکہ دونوں میں پہلے بیع کے مقدمات (بھاؤ وغیرہ) ہوچکے ہوں تو بیع صحیح اور لازم ہوجائے گی۔ (ت)

اور جب ایجاب میں مشتری غیر مامور کی طرف اضافت ہے اگرچہ اسی قدر کہ اول قول اسی نے کیا تو بیع اسی کے حق میں نافذ ہوگی (ان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ (کیونکہ جب خریداری مشتری پر نافذ کرتے پائی جائے تو وہ مشتری پر نافذ ہوجاتی ہے۔ ت) عام ازیں کہ قبول میں بھی اسی مشتری کی طرف اضافت ہو مثلاً بائع کے میں نے تیرے ہاتھ بیچ کہیں یہ کہ میں نے اپنے لئے خریدی یا پہلے یہ کہے پھر وہ خواہ قبول میں کسی طرف اضافت نہ ہو، مثلاً بائع کہے میں نے تیرے ہاتھ بیچی یہ کہے میں نے لیں یا قبول کیں یا کہے میں نے اپنے لئے خریدی، بائع کہے میں نے دیں یا بیچیں خواہ قبول میں جماعت کی طرف اضافت محض قابل تاویل ہو بوجہ عقد کہ جماعت کے حق میں متعین نہ کر دے کہ اس صورت میں بوجہ اختلاف ایجاب وقبول بیع ہی باطل ہوگی جیسے وہ کہے میں نے تیرے ہاتھ بیچیں یہ کہے میں نے جماعت کی طرف سے قبول کیں، خانیہ میں ہے،

لو قال الفضولی اشتریت ھذا لفلان منك وقال البائع بعت منك الصحیح انہ باطل[2]

اگر فضولی نے کہا میں نے فلاں کے لئے خریدا، اور بائع نے کہا میں نے تجھے فروخت کیا، تو صحیح یہ ہے کہ بیع باطل ہوگی

بلکہ صورت یہ ہو کہ مثلاً وہ کہے میں نے تیرے ہاتھ بیچیں یہ اس سے بیچا یا کہا، اب یہ قبول میں کہے میں نے جماعت کے واسطے خریدیں کہ واسطے لحاظ وخاطر وغیرہ بہت معانی کو محتمل ہے۔ عنایہ وفتح میں ہے،

ان قال اشتریت منك ھذا العین لاجل فلان فقال بعت او قال البائع بعت منك ھذا العین لاجل فلان فقال اشتریت لایتوقف علی اجازۃ فلان لانہ وجد نفاذا علی المشتری حیث اضیف الیہ ظاھرا فلا حاجۃ الی الایقاف علی رضا الغیر وقولہ لاجل فلان یحتمل لاجل رضاہ وشفاعتہ وغیر ذلك[3]

اگر فضولی کہے میں نے تجھ سے یہ چیز فلاں کے لئے خریدی اور بائع نے کہا میں نے فروخت کی، یا یوں کہ مالک کہے میں نے یہ چیز تجھے فلاں کے لئے فروخت کی تو یہ جواب میں کہے میں نے خریدی، تو بیع موقوف نہ ہوگی کیونکہ جب صراحتاً خریدار پر بیع کا نفاذ کیا جارہا ہے تو اب اس کی اجازت اور رضا پر موقوف رکھنے کی ضرورت نہیں، اور بیع میں "فلاں کے لئے" کو اس کی سفارش پر محمول کیا جائیگا۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۵۹
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵
[3] العنایۃ مع فتح القدیر " فصل فی بیع الفضولی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۹۱
فتح القدیر " " " ۶/ ۱۹۰

اس مسئلہ کی تحقیق بازغ و تنقیح بالغ ہمارے اسی رسالہ عطیۃ النبی فی الاشتراء للاجنبی[۱۳] میں ہے اس تقدیر پر قاضی کے دل میں وقت شراء جماعت کے لئے خریدنے کی نیت ہوئی یا قیمت مال جماعت سے ادا کی کچھ مانع نفاذ علی المشتری نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لواشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ[۱]

اگر غیر کے لئے خریدی تو اس پر نافذ ہو جائیگی جب بائع نے فروخت کرنے کی غیر کی طرف نسبت نہ کی ہو (ت)

فتاوٰی امام قاضیخاں و خزانۃ المفتین و وجیز امام کردری میں ہے:

یقول المالک بعت ھذا منک بکذا فقال الفضولی قبلت اواشتریت ونوی الشراء لفلان فان الشراء ینفذ علیہ ولا یتوقف[۲]

مالک کہے میں نے تجھے یہ چیز فلاں رقم پر فروخت کی اور جواب میں فضول کہے میں نے قبول کی یا خریدی اور نیت فلاں غیر شخص کے لئے خریداری کی، تو یہ خریداری اس فلاں کیلئے نافذ ہو جائیگی اور موقوف نہ ہوگی (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

ولایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[۳]

والد کے مال سے خریداری ہو تو یہ لازم نہیں کہ خریدی ہوئی چیز والد کی ہوگی (ت)

اس صورت میں اگر کتب خانہ وقف ہے تو قاضی کا کتاب خرید کر اس میں داخل کر دینا وقف کرنا ہی سمجھا جائیگا کہ اس کے لئے دلالت کافی ہے تصریحاً زبان سے لفظ وقف کہنا ضرور نہیں جس طرح لوگ مسجد میں لوٹے چٹائیاں رکھ جاتے ہیں اور اگر وقف نہیں اور یہ کتابیں قاضی نے خرید کر جماعت کو دے دیں تو اب ملک جماعت ہوگئیں کہ یہ دینا نہ عاریۃً تھا نہ بالمعاوضہ، تو ہبہ قرار پائے گا اور بعد قبضہ مفید ملک ہوگا،

قال فی ردالمحتار نفذ علی المشتری فان دفعہ المشتری الیہ واخذ الثمن کان بیعا بالتعاطی بینھما[۴] وکتبت علیہ اقول یعنی اذا

ردالمحتار میں فرمایا خریدار پر بیع نافذ ہو جائے گی تو اگر خریدار نے اس کو دے کر قیمت وصول کی تو یہ دونوں میں بیع بالتعاطی (عملی لین دین) ہوگی اھ اقول (میں

---

[۱] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۰
[۲] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۰
[۳] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹
[۴] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

كان الدفع على جهة البيع كما قيده في الهداية والدر المختار من الوكالة اما اذا دفعه اليه مجانا يكون هبة كمن اشترى ثوبا وقطعه قميصا لتلميذه وسلمه اليه ملكه التلميذ كما سيأتي في الهبة۔[1]

کتا ہوں، یہ جب ہے کہ دینا بیع کے طور پر ہو جیسا کہ اس قید کا ذکر ہدایہ اور درمختار کے وکالت کے باب میں ہے، لیکن اگر یہ دینا بطور مفت ہو تو ہبہ قرار پائے گا جیسا کہ کوئی کپڑا خرید کر شاگرد کے لئے قمیص بنائے اور پھر شاگرد کے ہاتھ سونپ دے تو شاگرد مالک ہوجائیگا جیسا کہ ہبہ کے باب میں آئے گا۔ (ت)

اقول مگر یہ اس وقت ہے کہ قاضی جانے کہ یہ شراء مجھ پر نافذ اور کتاب کا مالک میں ہوا ہوں ورنہ غلط فہمی کی حالت میں اس کا اپنی ملک سے اخراج کا قصد متحقق نہیں ہوسکتا کہ اپنے آپ کو مالک ہی نہ جانتا تھا۔

ولاعبرة بالظن البين خطؤه، اشباه[2]، ومن سلم شيئا ظانا انه عليه ثم بان انه لم يكن عليه يسترده كما افاده في الخيرية والعقود الدرية۔[3]

گمان کا غلط ہونا واضح ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اشباہ، اور کسی نے کوئی چیز اس گمان سے دی کہ اس کے ذمہ ادائیگی ضروری تھی، پھر معلوم ہوا کہ ایسا نہیں تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ خیریہ اور عقود دریہ میں یہ فائدہ بیان کیا۔ (ت)

قنیہ وہندیہ میں ہے:

ينبغي ان يحفظ هذا فقد ابتلى به العامة والخاصة يستعينون بالناس في الاحتطاب والاحتشاش وتثبت الملك للاعوان فيها ولايعلمون ذلك فينفقونها قبل الاستيهاب بطريقه او الاذن فيجب عليهم مثلها او قيمتها وهم لايشعرون[4] اه وعدم الاذن فيما ذكروا ان كان لنا فيه

اس فائدہ کو یاد رکھنا چاہئے۔ لوگ تو عام و خاص اس میں مبتلا ہیں کہ لوگوں سے لکڑی اور گھاس وغیرہ کاٹنے میں مدد لیتے ہیں حالانکہ مدد کرنے والوں کی ان چیزوں میں ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور لوگوں کو علم نہ ہونے کی بنا پر وہ مددگار کی ان چیزوں کا ہبہ اور اجازت حاصل کئے بغیر صرف کرلیتے ہیں تو ان پر ان چیزوں یا ان کی قیمت کا واپس کرنا لازم ہوتا ہے حالانکہ ان کو اس کا علم تک نہیں ہوتا اھ۔ مذکورہ صورت میں اجازت نہ ہونا، اگرچہ ہمیں اس

---

[1] جدالممتار حاشیہ ردالمحتار
[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۹۳
[3] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ۱/۹۱ و کتاب المداینات ۲/۳۲۹
[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴۵۱

كلام بيناه في رسالتنا اعطاء النبي لافاضة احكام ماء الصبي[۲۲۲] لكنه لا يجدي هٰهنا لان الاذن يطلق التصرف ويسقط الضمان لكن لا يسقط ملك المالك وفيه الكلام هٰهنا۔

میں کلام ہے جس کو ہم نے اپنے رسالہ اعطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی میں بیان کیا ہے لیکن یہاں اس کا فائدہ نہیں، کیونکہ اجازت تصرف کو جائز اور ضمان کو ساقط کرتا ہے لیکن مالک کی ملکیت کو ختم نہیں کرتی جبکہ یہاں کلام اسی میں ہے (ت)

اسی طرح اگر قاضی نے جماعت کو نذر دیں بلکہ کتب خانہ خیر وقفی میں آپ داخل کردیں اگرچہ اپنی ملک بھی جانتا ہو جب بھی اس کی ملک سے خارج نہ ہوں گی کہ پرائے مال میں اپنا مال رکھ دینا ملک زائل نہیں کرتا، بالجملہ صرف یہ دو صورتیں ایسی نکلیں گی جن میں بعض کتب خریدہ قاضی ملک قاضی میں رہیں، مگر از انجا کہ ثمن دوسرے کے مال سے دیا ہے کل کا تاوان ذمہ قاضی رہا، جن کتابوں کی نسبت یہ صورت ثابت ہو وارثان قاضی انہیں لیں اور جو قیمت ان کی قاضی نے وقف پیسے یا دارالقضا کی آمد سے ادا کی وہ واپس دیں هذا ما ظهر لي والعلم بالحق عند ربي (مجھے یہ معلوم ہوا ہے جبکہ حقیقی علم میرے رب کے ہاں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

جوال العلو لتبیین الخلو

۱۳۳۶

(مسئلہ خلو کی وضاحت کے لئے بلندی کی گردش)

مسئلہ ۹۹ تا ۱۰۲ از قصبہ لاہرپور ضلع سیتاپور بنگلہ سید شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ وحید الحسن صاحب
۳۰ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) اوقاف میں کسی شخص کو کچھ اراضی بطور خلو جس کا ذکر شامی ج ۴ کتاب البیوع بحث خلو الحوانیت میں ہے زرپیشگی لے کر اس شرط پر دیا کہ وہ اجر مثل سال بسال اپنے زرپیشگی میں محسوب کرتا رہے جائز ہے یا ناجائز، اور واضح رہے کہ اس حصہ اراضی موقوفہ کا لگان سالانہ جس موقوف علیہ کے واسطے مخصوص ہے اُس نے اپنی ضرورت کے واسطے زرپیشگی لیا ہے اور اُسی نے زرپیشگی لینے والے سے معاملت خلو کی ہے اور اُس موقوف علیہ کو اس حصہ موقوفہ پر حق متولیانہ بھی حاصل ہے۔

(۲) صاحب خلو کو یعنی جس کو ایسی اراضی دی گئی جو اراضی کا لگان یعنی اجر مثل ادا کرے جو منافع اس اجر مثل سے زائد ہو لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر صاحب خلو خود اپنی کاشت کرے یا اپنی کوشش سے اجر مثل کی آمدنی سے زائد آمدنی اراضی مذکورہ کے

اپنے معاہدۂ خلو کے زمانہ میں بڑھا دے تو اس اضافہ کا صاحبِ خلو مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) نمبر ۲ و نمبر ۳ کی صورت بظاہر رہن دخلی کی سی ہے اور رہن دخلی کا منافع سود ہے، پس خلو اور رہن دخلی میں کیا فرق ہوا اور جوازِ خلو کی کیا صورت ہے اور نفسِ خلو کون سا معاملہ ہے اور اس کی کیا تعریف ہے؟

(۵) ایک وقف قدیم مشہورہ خاندانی میں اہلِ خاندان موقوف علیہم و متولیان نے ضرورت مصارف ضروریہ وقفی پر آمدنی وقف موجود نہ ہونے کی حالت میں اور مہاجنان سے بوجہ وقف قرضہ نہ ملنے کی وجہ سے اکثر اوقات یہ کیا کہ بعض حصص اراضیات وقف کو زرِ پیشگی لے کر زرِ مذکور دینے والے کے قبضہ میں دے دی اور دستاویز ٹھیکہ نامہ لکھ دی کہ اس قدر سالوں تک اس اراضی کا ٹھیکہ دار اپنے زرِ پیشگی میں مجرا کرتا رہے اور بعد وصول کل زرِ پیشگی مذکور ایک عرصہ میعاد پر وہ اراضی صاحبِ خلو سے واپس ہوکر متولیان و موقوف علیہم کے قبضہ میں آگئی، اس کارروائی سے منکرین وقف عدم وقف کا استدلال کرتے ہیں، یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں اور معاملت ٹھیکہ مذکور معاملت خلو سے کہی جائے گی یا اس کے علاوہ ناجائز کہی جائے گی اور ان واقعات ارتکاب سے وقف کالعدم ہوجائیگا یا باقی رہے گا اور ایسے فعل کا مرتکب قابلِ تولیت رہے گا یا نہیں، اگر کسی کے مورث نے یہ فعل کیا ہو تو اس کا وارث تولیت پائے گا یا نہیں؟

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی لاحد لشیئ من کرمہ والصلوۃ والسلام علی من وقف علی الکون موائد کرمہ وعلی اٰلہ واصحابہ المتولین اجراء حکمہ وحکمہ۔

اوّلاً خلو خود باطل و بے اصل ہے، مذہب حنفی بلکہ دسویں صدی تک مذاہب اربعہ میں کہیں اس کا پتا نہیں، دسویں صدی میں ایک عالم مالکی المذہب امام ناصر الدین لقانی قدس سرہ نے اسے جائز کیا، اسی صدی کے نصف آخر میں صاحبِ اشباہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اُسے برخلاف مذہب اعتبارِ عرفِ خاص پر مبنی قرار دیا، اسی صدی اور اس کے بعد کے محققین مثل شیخ الاسلام علی مقدسی و علامہ حسن شرنبلالی و علامہ محمد آفندی زیرک زادہ و علامہ خیر الملۃ والدین رملی و علامہ سید احمد حموی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسے رد فرمادیا۔ حاشیۃ الرملی علی الاشباہ میں ہے:

قولہ ویصیر الخلو فی الحانوت حقا لہ الخ اقول والفتوی علی خلاف ذلک، مقدسی۔[1]

اس کا قول کہ اور دکانوں میں خلو اس کا حق بن جاتا ہے الخ، اقول (میں کہتا ہوں) فتوٰی اس کے خلاف ہے، مقدسی۔ (ت)

۱؎ نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۴

اسی میں ہے:

قد علمت ان الصحیح خلافه بقوله المذهب عدم اعتبار العرف الخاص۔[1]

تو معلوم ہوگیا کہ صحیح اس کے خلاف ہے اس کے قول سے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ ہونا مذہب ہے۔ (ت)

شرح الاشباہ لبیری زادہ میں ہے:

العرف لایجوز ما کان محظورا فی الشرع واما بیع الخلو اذا لم یکن متصلا بالحانوت فجائز شرعا فانه حق لمالکه واما وضعه فی الحانوت بالاجرة مشروع لکن الحانوت اذا کان ملکا یملکه صاحبه حراجه منه اذا انقضی مدته المعروفة و ان لم تکن له مدة معلومة تکون الاجرة فاسدة وکذا اذا کان الحانوت وقفا قد نص الفقهاء علی انه لا تجوز الاجارة فیه فوق ثلث سنین کما فی الوقایة فلا یعتبر عرف سواء کان خاصا او عاما حین وجد النص فی الشرع علی خلافه وقد مرمنا تحقیقه فتذکر۔[2]

عرف جب شرعاً ممنوع ہو تو معتبر نہیں، لیکن خلو کی بیع اگر دکانوں سے متصل نہ ہو تو شرعاً جائز ہے کیونکہ یہ خلو مالک کا حق ہے لیکن یہ دکانوں کے اجارہ میں مشروع ہے مگر دکان اگر کسی کی ملکیت ہو تو معینہ مدت ختم ہوجانے پر مالک ہی آمدن کا حقدار ہوگا اور اگر مدت معین نہ ہو تو یہ اجارہ فاسد ہوگا اور یونہی اگر دکان وقف ہو تو بھی وہ اجارہ فاسد ہوگا کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وقف کا اجارہ تین سال سے زائد جائز نہیں جیسا کہ وقایہ میں ہے، لہذا جب کوئی عرف شرعی نص کے خلاف ہو خواہ عرف عام ہو یا خاص تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، اس میں ہماری تحقیق گزرچکی ہے، اسے یاد کرو۔ (ت)

اسی میں اس سے ایک ورق قبل ہے:

انما یعتبر العرف والعادة فیما لم یرد نص الشرع علی خلافه وسینقل فی السطر الثالث بعدها ان الودیعة والعین المؤجرة غیر مضمونتین بحال فلا یعتبر فیه العرف بعد النص علی خلافه من الفقهاء۔[3] اھ

وہی عرف اور عادت معتبر ہے جس کے خلاف شرعی نص نہ ہو، اس کے بعد تیسری سطر میں نقل کریں گے کہ امانت اور کرایہ پر دی ہوئی عین چیز کسی حال میں مضمون نہیں ہوتی لہذا اس کے ضمان پر عرف ہو تو اس کے خلاف فقہاء کی نص ہونے کی وجہ سے یہ عرف معتبر نہیں ہوگا اھ

[1] غمز عیون البصائر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی (۱) ۱۵/۲

[2] شرح الاشباہ لبیری زادہ

[3] " " " "

وهذا ما اشار اليه بقوله وقد مرّ منا تحقيقه.

یہ وہ عبارت ہے جس کے متعلق انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اور ہماری تحقیق اس میں گزری ہے۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

(قوله على اعتباره) (اى العرف الخاص) ينبغى اى يفتى بان ما يقع فى بعض اسواق القاهرة من خلو الحوانيت لازمًا ويصير لهو حقا له قيل عليه كيف ينبغى ان يفتى به مع كونه مخالفا لقواعد الشرع الشريفة انتهى وقال شيخنا (يريد العلامة الشرنبلالى رحمه الله تعالى) فى رسالته "مفيدة الحسنى" بعد نقل كلام المصنف رحمه الله تعالى فى قوله ينبغى اى مما لا ينبغى فانه لا مماثلة بين ما اعتبر من المسائل المبنية على العرف الخاص وبين الخلو لان اعتبار العرف الخاص على ما قيل به فى جميع تلك المسائل ضررها الملتزم به فاعلها مختارا لنفسه او مقتصرا فى استيفاء شروط يمنع عنه الضرر واما الوقف فناظره لا يملك اتلافه ولا تعطيله وقد ثبت ان المذهب عدم اعتبار العرف الخاص[1]

قولہ علی اعتبارہ یعنی عرفِ خاص کے اعتبار پر، یہ فتوٰی مناسب ہوگا کہ قاہرہ کے بازاروں میں جو دکانوں کا خلو ہے وہ لازم ہو اور خلو اس کا حق بن جائے اس پر اعتراض ہے کہ یہ فتوٰی کیسے مناسب ہوگا جبکہ یہ شرع شریف کے قواعد کے خلاف ہے اھ، اور ہمارے شیخ (ان سے مراد علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں) نے اپنے رسالہ مفیدۃ الحسنٰی میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا قولہ ینبغی مناسب ہے اھ، یہ غیر مناسب ہے کیونکہ عرف خاص میں معتبر مسائل جو بیان ہوئے ان میں اور خلو میں کوئی مماثلت نہیں ہے کیونکہ عرف خاص والے تمام مسائل میں یہ اعتبار ہے کہ ان میں ضرر والی چیز کو خود فاعل نے اپنے لئے پسند کیا ہے یا ضرر سے مانع شرط کو پورا کرنے میں اختصار کیا ہے لیکن وقف کا ناظر تو اس میں کسی چیز کے تلف یا معطل کرنے کا مالک نہیں ہے اور جبکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ کرنا مذہب ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

قد اشتهر نسبة مسئلة الخلو الى مذهب

مسئلہ خلو کی نسبت عالمِ مدینہ حضرت مالک بن انس

---

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۳۵

عالم المدینۃ مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ والحاصل ان لیس فیہ نص عنہ ولا عن احد من اصحابہ، حتی قال البدر العراقی المالکی، انہ لم یقع فی کلام الفقہاء التعرض بمسئلۃ الخلو فیما اعلم وانما فیہ فتیا للعلامۃ ناصر الدین اللقانی بناھا علی العرف[1] الخ

رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف مشہور ہے حالانکہ ان کی اور ان کے کسی شاگرد کی اس میں تصریح نہیں ہے، بدر العراقی مالکی نے فرمایا ہے کہ میرے علم کے مطابق خلو کا مسئلہ فقہاء کے کلام میں مذکور نہیں، اس میں صرف علامہ ناصر الدین لقانی کا فتوٰی ہے جس کو انھوں نے عرف پر مبنی قرار دیا ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

للعلامۃ الشرنبلالی رسالۃ رد فیہا علی الاشباہ بان الخلو لم یقل بہ الا متأخرو المالکیۃ حتی افتی بصحۃ وقفہ ولزم منہ ان اوقاف المسلمین صارت للکافرین بسبب وقف خلوھا علی کنائسہم ومن ذلک اخراج صاحب الحانوت لصاحب الخلو یلزم منہ حجر الحر المکلف عن ملکہ واتلاف مالہ بل لا یجوز ھذا فی الوقف وفی منعہ الناظر من اخراجہ تفویت نفع الوقف وتعطیل ماشرطہ الواقف اھ ملخصا قلت وما ذکرہ حق خصوصا فی زماننا ھذا۔[2]

علامہ شرنبلالی کا ایک رسالہ ہے جس میں اشباہ کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ خلو کا قول ایک مالکی متاخر عالم کے سوا کسی نے نہیں کیا اس نے یہ فتوٰی تک دے دیا کہ اس کا وقف صحیح ہے حالانکہ اس فتوٰی سے لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کے وقف کافروں کو منتقل ہوجائیں اس سبب سے کہ وہ خلو کو اپنے گرجوں کے لئے وقف کردیں گے اور دکان کا مالک جب خلو والے کو اپنی دکان سے بیدخل کرے گا تو لازم آئے گا کہ آزاد مکلف شخص اپنی ملکیت سے ممنوع ہوجائے اور اس کا مال تلف ہوکر رہ جائے بلکہ یہ سب کچھ وقف میں جائز نہیں ہے اور وقف کے نگران کو خلو والے کی بیدخلی سے منع کرنا وقف کے منافع کو ضائع کرنا اور واقف کی لگائی ہوئی شرط کو معطل کرنا ہے اھ ملخصا۔ اقول (میں کہتا ہوں)، انھوں نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے خصوصا ہمارے زمانے میں۔ (ت)

ثانیاً صورت سوال کو خلو سے بھی کچھ علاقہ نہیں۔ خلو اس تحقیق وتنقیح پر جو بتوفیق اللہ تعالٰی ہم نے اپنی تعلیقات ردالمحتار میں کی یہ ہے کہ مکان یا دکان یا زمین کا مستاجر اپنا اجارہ ہمیشہ باقی رکھنے کو اس میں پنے

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۳۶

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۶

مال سے نہ اپنے لئے بلکہ اُسی شئی مستاجرہ سے الحاق اور اس کی حیثیت بڑھانے اُس کے فوائد کی تکمیل کے واسطے کچھ زیادت کرے خواہ متصل باتصال قرار پایا ہے اس کے جیسے عمارت یا کنواں یا روشنی کا سامان یا پانی کے نل وامثال ذلک، یا خود نہ کرے مستاجر کو اس کے روپے دے جو اُجرت کے علاوہ ہوں اس مال کے مقابل جو اسے ابقائے اجارہ کا حق ملتا ہے اس کا نام خلو ہے۔ رسالہ تحریر العبارۃ لعلامۃ الشامی میں ہے:

قال العلامة الشامی فی رسالته "تحریر العبارة فیمن هو احق بالاجارة" (تنبيه) قد يثبت حق القرار بغير البناء والغرس بان تكون الارض معطلة فيستاجرها من المتكلم عليها ليصلحها للزرعة ويحرثها ويكسبها وهو المسمى بمشد المسكة فلا تنزع من يده مادام يدفع ما عليه من القسم المتعارف كالعشر ونحوه و اذا مات عن ابن توجه لابنه فيقوم مقامه فيها، وقد رأيت بخط شيخ مشائخنا خاتمة الفقهاء الشيخ ابرهيم السائحانی الغزی المسكة عبارة من استحقاق الحراثة فی ارض الغير وذكر فی الحامدية انها لا تورث وانما توجه للابن القادر عليها دون البنت الخ، ثم اطال فی بيان الكردار والمسكة والجدك وانها اعيان قائمة فی الارض الخ انتهى قال وهذا غير

علامہ شامی نے اپنے رسالہ "تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ" میں فرمایا (تنبیہ) کبھی تعمیر اور پودے لگائے بغیر حق استقرار ثابت ہوتا ہے مثلاً یوں کہ کوئی زمین خالی پڑی ہو تو کسی خواہشمند کو اجارہ پر دی جائے تاکہ وہ اس کو زراعت کے لئے تیار کرے اور اس کو کاشت کرکے آباد کرے جس کو مشد المسکہ کہا جاتا ہے تو یہ زمین اس کاشتکار سے اس وقت تک واپس نہ لی جائے گی جب تک وہ اس کا متعارف محصول مثلاً عشر وغیرہ دیتا رہے اور اگر وہ کاشت کار کوئی بیٹا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو یہ کاشتکاری کا حق اس کو منتقل ہو جائے گا اور وہ بیٹا اپنے باپ کے قائم مقام قرار پائے گا، میں نے اپنے شیخ المشائخ خاتم الفقہاء الشیخ ابراہیم السائحانی الغزی کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "مسکہ" غیر کی زمین میں کاشتکاری کے استحقاق کا نام ہے اور حامدیہ میں ذکر کیا ہے کہ اس استحقاق میں وراثت نافذ نہ ہوگی بلکہ صرف کاشت کاری پر قادر بیٹے کو یہ حق منتقل ہوگا اور بیٹی کو استحقاق نہ ہوگا۔ اھ، پھر انہوں نے کرداری، مسکہ اور جدک کی وضاحت میں فرمایا کہ یہ زمین میں باقی رہنے والے امور ہیں، آگے

سه تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۲ - ۱۵۲

الخلو الذی ذکرہ فی الاشباہ فانہ بمنزلۃ مشد المسکۃ المار وھو وصف لا عین قائمۃ فلا یجوز بیعہ ولا یورث وانما ینتقل الی الولد بطریق الاحقیۃ کما مر وما ذکرہ فی الاشباہ من جواز بیع الخلو ردوہ علیہ، وقد الف فی ردہ العلامۃ الشرنبلالی رسالۃ خاصۃ[1] اھ کلام الشامی ملتقطا

یہاں تک فرمایا کہ یہ امور اس خلو کا غیر ہیں جس کا ذکر الاشباہ میں کیا ہے کیونکہ یہ مشد المسکہ کی طرح ہے جس کا بیان پہلے گزرا ہے اور وہ خلو ایک وصف ہے جو باقی رہنے والی عین چیز نہیں ہے تو مشد المسکہ کی بیع ناجائز ہے اور وہ قابل وراثت نہیں ہے اور صرف وہ بیٹے کو حقدار ہونے کی وجہ سے منتقل ہو سکتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور الاشباہ میں خلو کی بیع کا جو جواز مذکور ہوا فقہاء کرام نے اس کو رد کیا ہے اور علامہ شرنبلالی نے ایک خاص رسالہ اس کے رد میں تالیف کیا ہے۔ علامہ شامی کا کلام ملتقطا ختم ہوا۔

اقول ومن الدلیل القاطع علی کون الخلو معنی لا عینا انہ لما استدل محمد بن ھلال الحنفی علی جواز الخلو بما فی جامع الفصولین وغیرہ عن الذخیرۃ والکبری والخانیۃ والخلاصۃ وواقعات الضریری اشتری سکنی وقف فقال المتولی ما اذنت لہ بالسکنی فامرہ بالرفع فلو اشتراہ بشرط القرار فلہ الرجوع علی بائعہ والا فلا یرجع علیہ بثمنہ ولا بنقصانہ[2] اھ ردوہ عن آخرھم واحدۃ انہ لم یفہم معنی السکنی لان المراد بھا عین مرکبۃ

اقول (میں کہتا ہوں) خلو کے ایک معنوی چیز ہونے اور عین شئی نہ ہونے پر قاطع دلیل یہ ہے کہ جب جامع الفصولین وغیرہ میں ذخیرہ، کبری، خانیہ، خلاصہ اور واقعات ضریری سے منقول[2] اس بیان سے، کہ کسی نے وقف سکنی خریدا تو متولی نے کہا کہ میں اس سکنی کی اجازت نہیں دیتا اور وہاں سے سکنی ختم کرنے کا اس نے حکم دیا تو اگر اس خریدار نے وہ سکنی برقرار رہنے کی شرط پر خریدا تھا تو (متولی کے اس اقدام پر) وہ فروخت کرنے والے پر اپنے نقصان میں رجوع کر سکتا ہے ورنہ وہ اپنی لاگت اور نقصان میں بائع پر رجوع نہیں کر سکتا اھ، جب محمد بن ہلال حنفی نے خلو کے جواز پر استدلال کیا، تو سب نے

---

[1] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۵

[2] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲-۲۲۱

ترجمہ اتراہ علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۱-۱۵۰

فی الحانوت وھو غیر الخلو فی الخلاصة اشتری سکنی حانوت فی حانوت رجل مرکبا الخ کما فی رد المحتار عن العلامة الشرنبلالی قال ثم نقل عن عدة کتب ما یدل علی ان السکنی عین قائمة فی الحانوت[۱]

ایک ہی انداز سے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد بن ہلال کو سکنٰی کا معنٰی سمجھ نہیں آیا، کیونکہ سکنٰی سے مراد دکان میں لگائی ہوئی عین موجود چیز ہے اور وہ خلو کا مغایر ہے، تو خلاصہ میں یوں ہے کہ ایک شخص کی دکان میں مرکب سکنٰی حانوت ہو الخ، جیسا کہ ردالمحتار میں علامہ شرنبلالی سے نقل کرتے ہوئے کہا، انھوں نے پھر متعدد کتب سے نقل کیا کہ سکنٰی دکان میں قائم رہنے والی ایک موجود عین چیز ہوتی ہے۔

قلت وقد نقله فی العقود الدریة وفی رسالته المذکورة عن التجنیس ثم نفس العبارة المستدل بھا منادیة بذلك اعلی ندائه کما اوضحه السید الحموی مع غناه عن الایضاح اذ قال بعد نقل کلام العمادی اذا ادعی سکنی دار او حانوت وبین حدوده لایصح لان السکنی نقلی فلا یحدد وذکر رشید الدین فی فتاواه وان کانت السکنی نقلیا لکن لما اتصل بالارض اتصال تابید کان تعریفه بما به تعریف الارض لان السکنی مرکب فی البناء ترکیب قرار فالتحق بما لایمکن نقله اصلا اھ

قلت (میں کہتا ہوں) انھوں نے اس کو عقود دریہ میں اور اپنے مذکورہ رسالہ میں تجنیس سے نقل کیا، پھر استدلال کرنے والے کی نفس عبارت بھی واضح طور پر اس کا اعلان کر رہی ہے جیسا کہ اس کو سید حموی نے واضح کیا ہے، مگر وضاحت کی ضرورت نہ تھی، جہاں انھوں نے عمادی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص گھر یا دکان کا سکنٰی دعوٰی کرکے اس کی حدود کو بیان کرے تو اس کا یہ دعوٰی درست نہ ہوگا کیونکہ سکنٰی ایک منتقل ہونے والی چیز ہے اس لئے اس کی حد بندی نہیں ہوسکتی، رشید الدین نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے کہ اگرچہ سکنٰی منتقل ہونے والی چیز ہے لیکن جب وہ کسی خطہ زمین سے ہمیشہ اتصال کرے تو پھر اس کی تعریف زمین کی طرح ہوگی کیونکہ سکنٰی عمارت کے ساتھ استقرار والی ترکیب حاصل

---

[۱] رد المحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶
[۲] رد المحتار ″ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

ما نصه ظهر لك بهذا ان السكنى هو ما يكون مركبا فی الحانوت متصلا به فهو اسم عين لا اسم معنى كما فهمه البعض وليس فی كلامهم ما يعين ما توهمه هذا البعض، الا ترى تمام العبارة الذی نص فيها على حقيقة السكنى انه شیئ مركب يرفع فهل يستفاد من هذا المعنى المعبر عنه بالخلو الذی ان الخلو يرفع ثم يرد على بائعه ويقال لو اشتراه لشرط القرار يرجع على بائعه بثمنه ويرد عليه والا فلا يرجع عليه بثمنه ولا نقصانه الحاصل بالقلع من الدكان، سبحٰنك هذا بهتان عظيم[1] اه كلام الحموی فتبين ان الخلو وصف معنوی لا عين تقلع او ترفع وتنقل۔

کرلیتا ہے تو اس کا شمار بھی ان چیزوں میں ہوجاتا ہے جو بالکل قابل انتقال نہیں ہوتیں، اس کی عبارت ختم ہوئی۔ تو اس بیان سے آپ پر واضح ہوگیا کہ سکنٰی کا دکان کے ساتھ ترکیبی اتصال ہوتا ہے لہٰذا وہ ایک موجود عین چیز ہے نہ کوئی معنوی وصف ہے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے جبکہ اس کے اس خیال کے لئے کسی کا کلام مفید نہیں ہے۔ سکنٰی کی حقیقت بیان کرنے والے کی پوری عبارت آپ دیکھ نہیں رہے کہ انھوں نے کہا ہے سکنٰی ایک ایسی چیز ہے جو مرکب کی جاتی ہے جسے ختم کیا جاسکتا، کیا اس پر خلو کا معنٰی کیا جاسکتا ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ خلو کو ختم کیا جائے پھر وہ بائع پر واپس لوٹا دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اگر خلو کو استقرار کی شرط پر خریدا ہو تو بائع سے رجوع کرکے رقم واپس لی جائے اور خلو کو واپس کردے ورنہ رقم واپس نہ لے اور دکان سے اکھاڑنے سے جو نقصان ہوا وہ واپس نہ لے، سبحان اللہ! یہ تو بہتان عظیم ہے۔ حموی کا کلام ختم ہوا، تو واضح ہوگیا کہ خلو ایک معنوی وصف ہے اور سکنٰی کی طرح باقی رہنے والی مستقل چیز نہیں جس کو اکھاڑا یا ہٹایا یا منتقل کیا جاسکے۔

اقول نكت فی حاشية السيدين العلامتين ط وش على الدر عن حواشی الاشباه للعلامة السيد ابی السعود رحمهم الله تعالٰی ان الخلو

اقول (میں کہتا ہوں) لیکن علامہ طحطاوی اور علامہ شامی دونوں قابل احترام حضرات نے در پر اپنے حواشی میں علامہ سید ابو السعود (رحمہم اللہ تعالٰی) سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ خلو کا اطلاق متصل

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۷-۱۳۶

يصدق بالعين المتصل اتصال قرار و
غيره والمراد بالمتصل اتصال قرار ما وضع
لا ليفصل كالبناء، وبالمتصل لا على وجه
القرار كالخشب الذي يركب بالحانوت لوضع
عدة الحلاق مثلا فان الاتصال وجد
لكن لا على وجه القرار وكذا يصدق على
مجرد المنفعة المقابلة بالدراهم اهـ و
زاد ط عنه قبل هذا ان الخلو
يصدق بما اتصال بالعين قرار اتصال كالبناء
بالارض المحتكرة و يصدق بالدراهم
التي تدفع بمقابلة التمكن من استيفاء
المنفعة لما ذكره المصنف يعني صاحب
الاشباه من ان السلطان الغوري
لما بنى حوانيت الجملون اسكنها للتجار
بالخلو وجعل لكل حانوت قدرا اخذه
منهم اهـ وصريح في ان الخلو في حادثة
السلطان الغوري عبارة عن المنفعة
المقابلة للقدر المأخوذ من التجار فيرجع
الى ما ذكره العلامة الاجهوري من ان
الخلو اسم لما يملكه دافع الدراهم
من المنفعة التي دفع الدراهم بمقابلتها
وعلى هذا فلا يكون الخلو خاصا
بالمتصل بالعين اتصال قرار بل

استقراری عین چیز اور غیر استقراری دونوں پر ہوتا ہے
اور متصل استقراری سے مراد وہ چیز ہے جو عمارت
میں باقی رکھنے کیلئے لگائی جائے اور متصل غیر استقراری سے
مراد مثلاً لکڑی جیسی کوئی چیز جس کو دکان میں لگا کر حجام کے سامان
رکھنے کیلئے خانے بنائے جاتے ہیں یہ بھی اتصال ہے لیکن یہ علی وجہ
الاستقرار نہیں ہوگا اور یوں ہی قراری اور غیر قراری
کا مصداق وہ منفعت بھی بنتی ہے جو دراہم کے عوض
حاصل کی جاتی ہے اھ، اور علامہ طحطاوی نے اس سے
قبل علامہ ابو مسعود سے یہ بات نقل کی ہے کہ واضح ہے
کہ خلو کا اطلاق کسی عین چیز کے ساتھ متصل ہونے والی
چیز پر ہوتا ہے جیسے عمارت کسی کرایہ کی زمین پر ہو، اور
کسی منفعت کو دراہم کے بدلے حاصل کرنے کی قدرت
رکھنی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اور مصنف یعنی صاحب
اشباہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ سلطان غوری نے جب
جملون کی دکانیں تعمیر کرائیں تو انھوں نے وہاں تجار کو
خلو کے طور پر بسکنی دیا اور ہر دکان کا کچھ بدل مقرر کر کے
ان سے وصول کیا اھ، سلطان غوری کا یہ واقعہ صریح
ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جو تجار حضرات سے
وصول کردہ کا بدل ہے تو یہ علامہ اجہوری کے اس
بیان کی طرف راجع ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے
جس کا دراہم دینے والا دراہم کے بدلے مالک بنتا ہے
اور اس بنا پر خلو، استقراری اتصال والی عین چیز سے
خاص نہیں ہے بلکہ اس پر اور غیر استقراری پر بھی

لے رد المحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۴

يصدق به ونظيره الخ فهذا يفيد ان خلو
ماهو عين قائمة كالبناء والخشب
المركب الا ان تقول السيد الازهري
لم يقل الخلو يصدق على العين المتصل
وانما قال يصدق بالعين وذلك لان
يدفع صاحب الخلو دراهم للواقف
مثلا ليبنى في الوقف للوقف ويكون له
بازائه منفعة تستحق الاجرة فالخلو
هو هذا المعنى لا العين، نعم
صدقه بسبب العين وبهذا يفسر
ما فسر به الاجهوري الخلو لمنفعة هي
حق الاستبقاء كما افاده السيد ابو السعود
بقوله تدفع بمقابلة التمكن من
استيفاء المنفعة فهذا التمكن هو المراد
بالمنفعة في تفسير الاجهوري لكن
نقل السيد الحموي في الغمز عن
فاضل متأخر مالكي انه قال
بعد كلام العلامة نور الدين
على الاجهوري المذكور
ظاهره سواء كانت تلك المنفعة
عمارة كأن يكون في الوقف اماكن
آئلة الى الخراب فيكريها ناظر الوقف
لمن يعمرها، ويكون ما صرفه

صادق آتا ہے۔ الخ، تو یہ بیان اس بات کو مفید ہے کہ
خلو قائم رہنے والی عین چیز مثلاً عمارت اور عمارت
پر لگی ہوئی لکڑی دونوں کا نام ہے، الا یہ کہ ہم
سید ازہری کے متعلق یہ کہیں کہ انھوں نے خلو کا صدق
متصل عین پر نہیں کیا بلکہ عین چیز کے عوض پر کیا ہے،
یہ یوں کہ خلو والا شخص واقف کو کچھ دراہم دے کر کہے کہ
ان سے وقف میں وقف کے اضافہ کے لئے کچھ تعمیر
کرے اور اس کے عوض اس کے لئے اجارہ کی
منفعت کو باقی رکھنا ہوگا تو خلو اس معنی کا نام ہوگا
خاص عین چیز کا نام نہ ہوگا، ہاں اس معنی پر اس کا
صدق عین چیز کے سبب سے ہوا۔ خلو کی جو تفسیر
علامہ اجہوری نے کی اس کو اسی تفسیر پر محمول کیا جائیگا
یہ منفعت سے مراد وہاں یہی اجارہ کے حق کی بقاء کا
مطالبہ ہے جیسا کہ علامہ ابو سعود نے اپنے قول "دراہم
منفعت کو پورا کرنے کی قدرت کے مقابلہ میں دئے جائیں"
سے افادہ فرمایا۔ علامہ اجہوری کی تفسیر میں منفعت سے
یہی تمکن مراد ہے، لیکن سید حموی نے غمز میں ایک
مالکی متاخر فاضل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں
نے علامہ اجہوری کے مذکور کلام پر علامہ نور الدین کے
حاشیہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اجہوری کے کلام سے
ظاہر ہے کہ منفعت عمارت ہو کہ وقف کی عمارت کا
کوئی حصہ خراب ہو رہا ہو تو اسے وقف کا ناظم کسی
ایسے شخص کو کرایہ پر دے دے جو اس کی تعمیر کرکے خرچ

۱؎ حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۳/۱۰

حوالہ ولیصیر شریکا للواقف بما زادہ عمارتہ او کانت المنفعۃ غیر عمارۃ کوقید مصباح مثلا ولو اریدہ لا خصوص العمارۃ خلافا لمن خص المنفعۃ بہا دون غیرہا اذ الخلو انما ھو عوض الدراھم لمنفعتہ فی الوقف عمارۃ کانت او غیرھا اھ۔[1]

کے بدلے اپنے لئے خلو بنالے اور زائد عمارت میں وہ حصہ دار بن جائے یا وہ منفعت غیر عمارت ہو مثلاً چراغ کے لئے کوئی خانہ اور اس کے لوازمات بنالے جو عمارت سے متعلق نہ ہو، خلو کا تعلق عمارت، یہ عام معنی اس شخص کے برخلاف ہے جو خلو کو صرف منفعت سے مختص کرتا ہے، یہ اس لئے کہ خلو دراہم کا بدل ہے خواہ وہ عمارت ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

اقول ھذا نص فی ان الخلو لیس العمارۃ فقط ولا یمکن تاویلہ بما ذکرنا فی کلام السید الازھری ان المراد ان یضمہا للوقف لا لنفسہ کیف وانہ فسربہ المنفعۃ الواقعۃ فی تفسیر العلامۃ الاجہوری وھو یقول اسم لما یملکہ دافع الدراھم من المنفعۃ[2] الا ان یجعل من ھذہ للتعلیل والمنفعۃ المنفعۃ الآئلۃ الی الوقف و تنقسم الی عمارۃ وغیرھا فیکون ما یملکہ ھو التمکن من استبقاء الاجارۃ لاجل تلک المنفعۃ التی اوصلہا الی الوقف لکن یکدر قول الاجہوری فی مقابلتہا ان دفعہ الدراھم انہ ھو بمقابلۃ ذلک التمکن

اقول (میں کہتا ہوں) یہ مذکورہ کلام اس بات میں صریح نص ہے کہ خلو صرف عمارت کا نام ہے؛ اس کی وہ تاویل جو ہم نے سید ازہری کے کلام میں کی ہے ممکن نہیں کہ وہ وقف کا اضافہ ہو، ذاتی ملکیت نہ ہو، یہ تاویل کیونکر ممکن ہوگی جبکہ وہ یہ بات علامہ اجہوری کی اس کلام کی تفسیر میں کہہ رہے ہیں جس میں اس نے کہا ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا وہ دراہم کے عوض میں مالک بنتا ہے، الا یہ کہ ہم "من المنفعۃ" کے من کو تعلیل کے لئے قرار دیں اور منفعت سے مراد وہ منفعت ہو جو وقف کے حق میں ہو، تو خواہ عمارت اور غیر عمارت دونوں پر منقسم ہو جائے تو اجارہ کی بقا کے حق کا وہ مالک اس منفعت کے عوض ہوگا جس کو اس نے وقف میں شامل کیا ہے، لیکن اجہوری کا یہ قول کہ "دراہم منفعت کے مقابل ہیں" رد ہو جائیگا کیونکہ اس کے دراہم اجارہ کے دوام کے

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر — الفن الاول — ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۳۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار — کتاب البیوع — دار المعرفۃ بیروت ۳/۱۰

لا بدل تلك المنفعة الآئلة الى الوقف و
انما هي حاصلة للوقف لانه يملك الدراهم
فلا مخلص الا ان يقال ان هذا الكلام متأخر
من المالكية فيكون الخلو عندهم شاملا
للعين والمنفعة وعندنا ليس الا المنفعة والعين
يسمى باسم آخر كالسكنى كيف وقد
قال هذا المالكي بعده اما كونه اجارة
لازمة فهذا لا نزاع فيه (اى عندهم)
ووجهه ان الواقف لما يريد ان
يبني محلا للوقف فيأتي له اناس
يدفعون له دراهم على ان
يكون لكل شخص محل من تلك
الدراهم التي يريد الواقف بناءها
فاذا قبل منهم تلك الدراهم
فكانه باعهم تلك الحصة بما دفعوه
له وكانه لم يقف جزءا من
تلك الحصة التي لكل وغايته
انه وظف عليهم في كل شهر
كذا فليس للوقف فيه بعد
ذلك تصرف ولا ينقص الحصة
الموظفة فقط وليس له ان يوجهه
لغيره وكان رب الخلو صار
شريكا للواقف في تلك الحصة اه[1]

مقابل میں ترکِ وقف کے بے منافع کے مقابل ہو گئے،
وقف کے منافع تو صرف وقف کے لئے ہیں، دراہم
دینے والے کے لئے دراہم کا بدل نہیں تو اس عبارت
کا کوئی مخلص نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ
یہ مالکی حضرات کا آخری کلام ہے تو ان کے ہاں خلو، عین
اور منفعت دونوں کو شامل ہے اور ہمارے ہاں خلو
صرف منفعت کا نام ہے اور عین چیز کا ہمارے ہاں
کوئی اور نام ہے مثلاً اسے سکنی کہا جائے گا اس
حقیقت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے جبکہ خود اس مالکی فاضل
نے اس کے بعد کہا اس خلو کا اجارہ لازمہ ہونے میں
نزاع نہیں (یعنی مالکیوں کے ہاں) اور اس کی وجہ یہ ہے
کہ جب واقف نے کوئی تعمیر وقف میں کرنے کا ارادہ کیا
اس کے پاس لوگ آکر دراہم پیش کریں اور کہیں کہ
ہم اس حصہ میں اپنے لئے مخصوص جگہ تعمیر کریں گے
تو جب واقف ان سے دراہم اس شرط پر قبول کرے گا
تو گویا اس نے یہ حصہ ان لوگوں کو مع وقف پر فروخت کر دیا
اور گویا اس نے ہر ایک کا مخصوص حصہ وقف سے مستثنیٰ
کر دیا اور نتیجتاً اس نے ہر ایک پر ماہانہ شرح سے کچھ وظیفہ
مقرر کر دیا تو اس کے بعد اب واقف کو اس حصہ میں
کسی تصرف کا حق نہ رہا سوائے اس کے کہ وہ فقط
مقررہ وظیفہ وصول کرتا رہے اور اب وہ حصہ کسی دوسرے
کو دینے کا مجاز نہ ہوگا گویا کہ خلو والا ہر شخص اس حصہ
میں واقف کے ساتھ شریک قرار پائے گا اھ۔

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷-۳۳۸

حیث جعل الخلو عقارا او جزءا من تلک الارض مبیعا من ھؤلاء مستحقا من الوقف، ولذا قال وفائدۃ الخلو انه کالملک تجری علیه احکامه من بیع واجارۃ وھبة ورھن ووفاء دین وارث ووقف الخ۔

اقول ثم فی کلام ذلک الفاضل المالکی خدشة اخری فانه جعل العمارۃ خلوا وقال فی بیانه یکون ما صرفه خلوا له وان المصروف الدراھم ھذا و بقی ما اسلفناه عن افندی زیرک زادہ من بیع الخلو اذا لم یکن ملاصقا بالحانوت وان وضعه فی الی موت بالاجارۃ مشروح۔

اقول احسن ما یحمل عنه انه اطلق علیه اسم الخلو تجوزا او ان الخلو یطلق علیھما وان ما کان منه عینا مملوکة لصاحب الخلو فلا کلام فی جواز بیعه بل ووقفه ان تعورف وکانت الارض موقوفة او محتکرۃ والذی حدث وانکرہ المحققون ھو الخلو بمعنی المنفعة واللہ

تو یُوں اس فاضل نے خلو کو مکانیت سے تعبیر کیا اور وقف شدہ زمین کا ایک حصہ ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کرکے وقف سے خارج قرار دیا اور اسی لئے اس نے کہا کہ خلو کا فائدہ یہ ہوگا کہ وُہ مملوکہ جگہ کی طرح ہوگا اور اس میں ملکیت کے احکام، بیع، اجارہ، ہبہ، رہن، قرض میں منہا کرنا، وراثت اور وقف جاری ہوں گے الخ

اقول (میں کہتا ہوں) اس مالکی فاضل کے کلام میں ایک اور خرابی ہے کہ یہاں اس نے عمارت کو خلو کہا ہے حالانکہ پہلے وُہ اپنے بیان میں کہہ چکا ہے کہ جو مال صرف کیا ہے وہ خلو ہوگا، حالانکہ جو صرف کیا ہے وہ دراہم ہیں عمارت نہیں ہے، یہ قابلِ توجہ ہے۔ زیرک زادہ آفندی سے جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اس میں ایک امر باقی ہے۔ انھوں نے کہا ہے جب خلو دکان سے ملحق نہ ہو اور پیسے کرایہ کی دکان میں لگایا تو اس کی بیع جائز ہے۔

اقول (میں کہتا ہوں) ان کی طرف سے بہترین تاویل یہ ہوگی کہ انھوں نے اس علیحدہ چیز کو مجازاً خلو کہا ہے یا یہ کہ خلو کا اطلاق دونوں صورتوں پر کیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ خلو سے کوئی مملوک عین چیز ہو تو اس کے فروخت کرنے بلکہ عرف میں وقف کی صورت ہو تو وقف کرنے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ زمین وقف یا کرایہ کی رہے گی وہ چیز جو نئی ہے اور محققین نے اس کا انکار کیا ہے وُہ

تعالٰی اعلم وبه یحصل التوفیق بین کلام ابن بلال والمرادین علیه بان کلامه فی العین القائمة ولا شك ان الاستشهاد علیه بجریح السکنی صحیح اذن لایرد علیه شیئ مما ذکروا و کلامهم فی المعنی المحض دون غلو خصوصًا ان ساعده کلام ابن بلال فی رسالته والعلم بالحق عند علام الغیوب ثم من العجب قول العلامة المنقح فی العقود الدریة انخلو عبارة عن القدیمة ووصع الید اھ اقول سبحٰن اللّٰه مجرد کونه واضع ید منذ زمان وھوالمعبر عنه فی المستحدثات قد تسمی بحق موروثی کیف یصیر حقًا وکیف یسوغ ان یقول به و بجواز بیعه احد وقد قدم المنقح نفسه قبیل ھذا مانصه، واما مافی القنیة یثبت حق القرار فی ثلٰثین سنة فی الارض السلطانیة والملك، وفی الوقف فی ثلاث سنین ولو باع حق قرارہ فیھا جاز، وفی الھبة اختلاف ولو ترکھا بالاختیار تسقط قیمته، حاوی الزاھدی اھ فالمراد به الاعیان

خلو معنوی ہے ، اس تاویل سے ابن بلال اور اس کا رد کرنے والوں کے کلاموں میں موافقت ہو جائیگی کہ ابن بلال کی گفتگو قائم رہنے والی عین چیز کے متعلق ہے اور اب اس پر سکنٰی کے طور پر تفریع بلا شک درست ہوگی اور کوئی اعتراض نہ رہے گا ، اور معترضین کا کلام خلو کے معروف معنٰی کے متعلق ہے لہذا کوئی مخالفت نہ رہی بشرطیکہ ابن بلال کی اپنے رسالہ میں گفتگو اس تاویل کا ساتھ دے ، حقیقت کا علم اللہ تعالٰی علام الغیوب کے ہاں ہے ، پھر عقود الدریہ میں تنقیح کرنے والے علامہ کا یہ قول عجیب ہے کہ خلو قدیم و مستقل در قبضہ کا نام ہے اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) سبحان اللہ کچھ زمانہ سے محض قابض ہونے جس کو نیا زمانہ کے قواعد میں موروثی حق کہتے ہیں جو کہ ایک نئی بدعت ہے سے کیسے حق ثابت ہو سکتا ہے اس حق کے ثبوت اور اس کے بیع کے جواز کی بات کوئی کیسے کر سکتا ہے جبکہ خود یہ صاحب تنقیح اس بیان سے تھوڑا پہلے کہہ چکے ہیں ، وہ یہ عبارت ہے کہ ، لیکن قنیہ میں جو یہ کہا ہے کہ سلطانی زمین پر تیس سال قبضہ سے حق القرار اور ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور اگر قابض اس زمین کے حق قرار کو فروخت کرنا چاہے تو جائز ہے جبکہ ہبہ کرنے میں اختلاف ہے ، اور اگر قابض خود اس حق سے دستبردار ہو جائے تو قیمتی حق (حق القرار) ساقط ہو جائے گا ، حاوی الزاہدی ، اھ ، تو اس حق سے اعیان قیمتی مراد ہیں

له العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان

المتقومة لا مجرد الامر المعنوي لما عرفت من عدم صحة بيعه ويدل على ذلك قوله في البزازية ولا شفعة في الكردار اى البناء ويسمى بخوارزم حق القرار لانه نقل[1] ثم ستسمع الآن نصه الصريح على انكاره مسخى من لا يخفى هذا وقال في رد المحتار قد يقال ان الدراهم التي دفعها صاحب الخلو للواقف و استعان (اى الواقف) بها على بناء الوقف شبيهة بكبس الارض بالتراب فيصير له حق القرار فلا يخرج من يده اذا كان يدفع اجر المثل ومثله ما لو كان يرمم دكان الوقف ويقوم بلوازمها من ماله باذن الناظر، اما مجرد وضع اليد على الدكان ونحوها وكونه يستاجرها عدة سنين بدون شئ مما ذكر فهو غير معتبر (الى ان قال) ومن فتى بلزوم الخلو الذي يكون بمقابلة دراهم يدفعها للمتولي او المالك العلامة المحقق عبد الرحمن افندي العمادي صاحب هدية ابن العماد وقال فلا يملك صاحب الحانوت

ترک صرف معنوی امر ہے کیونکہ تو معلوم کر چکا ہے کہ امر معنوی کی بیع جائز نہیں ہے اس پر بزازیہ کا قول کہ کردار یعنی عمارت جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں میں شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ حق منتقل ہونے والی چیز ہے اسی طرح اس کے اس بیان کے باوجود اب قرآن سے صریحاً طور پر اس بیان کا انکار سن رہے ہو، پس وہی ذات پاک ہے جو مخفی نہیں ہے، یہ قابل غور ہے۔ رد المحتار میں فرمایا، خلو والا جو دراہم واقف کو دیتا ہے اور واقف بطور امداد ان دراہم کو وقف کی تعمیر پر خرچ کرتا ہے اس کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ زمین میں مٹی ڈالنے کے مشابہ ہے جس کے ذریعہ اس کو حق استقرار حاصل ہو جاتا ہے جب تک مثل اجرت دیتا رہے گا اس کے قبضہ کو ختم نہیں کیا جا سکے گا، اسی کی مثل ہے جب وقف دکان بوسیدہ ہو جائے تو وقف کے نگران کی اجازت سے کوئی شخص اس کو اپنے مال سے مرمت کرلے تو مروج کرایہ ادا کرنے کی شرط پر استقرار حق ہو جائے گا، لیکن دکان وغیرہ پر محض قبضہ ہونا کہ چند سالوں سے کرایہ دار ہے اور دراہم دینے کی مذکورہ صورت نہ ہو تو استقرار حق معتبر نہ ہوگا (آگے بیان کرتے ہوئے فرمایا) متولی یا مالک کو دئے گئے دراہم کے عوض خلو کے لزوم کا فتویٰ دینے والوں میں علامہ محقق عبد الرحمٰن آفندی عمادی صاحب ہدیہ ابن عماد ہیں اور انھوں نے کہا ہے کہ دکان کا مالک خلو والے کا

اخراجه ولا اجارتها لغیره مالم یدفع له المبلغ المرقوم فیفتی بجواز ذٰلك للضرورة قیاسا علی بیع الوفاء الذی تعارفه المتأخرون احتیالا علی الربا الخ، قلت وهو مقید ایضا بما قلنا بما اذا کان یدفع اجر المثل والا کانت سکناه بمقابلة مادفعه من الدراهم عین الربا کما قالوا فیمن دفع للمقرض دارا لیسکنها او حمارا لیرکبه الی ان یستوفی قرضه انه یلزمه اجرة مثل الدار او الحمار علی ان مایأخذه المتولی من الدراهم ینتفع به لنفسه فلو لم یلزم صاحب الخلو اجرة المثل للمستحقین یلزم ضیاع حقهم، اللهم الا ان یکون ماقبضه المتولی صرفه فی عمارة الوقف حیث تعین ذٰلك طریقا الی عمارته ولم یوجد من یستأجره باجرة المثل مع دفع ذٰلك المبلغ اللازم للعمارة، فحینئذ قد یقال بجواز سکناه بدون اجرة المثل للضرورة ومثل ذٰلك یسمی فی زماننا مرصدا کما قدمناه فی الوقف واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم[1]

قبضہ ختم نہ کر سکے گا اور نہ کسی اور کو کرایہ پر دے سکے گا جب تک خرچ شدہ رقم اس کو واپس نہ مل جائے تو اس خلو کے جواز کا ضرورت کی بنا پر فتوٰی دیا جائے گا، یہ قیاس ہوگا اس بیع وفا پر جس کو متاخرین نے سود سے بچنے کے لئے متعارف کرایا ہے۔ (میں کہتا ہوں) یہ جواز بھی ہمارے مذکورہ بیان کہ جب تک مروّج کرایہ دیتا رہے گا، کی قید سے مقید ہے، ورنہ یہ سکنٰی ان دراہم کے مقابلہ میں قرار پائے گا جو اس نے مالک کو دئے ہیں جو کہ عین سود ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا کسی نے قرض دینے والے کو رہائش کے لئے مکان دیا یا سواری کے لئے گدھا دیا تاکہ جب تک قرضہ واپس نہ ہو اس کے استعمال میں رہے، تو اس صورت میں قرض دینے والے پر مکان یا گدھے کا مروّج کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا (ورنہ سود ہوگا) علاوہ ازیں متولی نے جو دراہم وصول کئے وہ ان کو ذاتی مفاد میں صرف کرے گا تو خلو والے پر اگر مروّج کرایہ لازم نہ کیا جائے تو مستحقین وقف کا حق ضائع ہوگا، ہاں اگر متولی وصول کردہ دراہم کو وقف کی عمارت میں خرچ کرے جہاں وقف عمارت میں خرچ کرنے کی ضرورت واضح ہو، اور اس مرمت شدہ عمارت کو مروّج کرایہ پہ صرف شدہ رقم دینے والا کوئی نہیں تو ایسی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ متولی کو رقم دینے والا اس میں ضرورت کے پیش نظر بغیر کرایہ رہائش رکھ سکتا ہے، ایسی صورت کو ہمارے زمانہ میں "مرصد" کہا جاتا ہے

---

[1] رد المحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۰

اقول قد قدم الکلام علی الوقف وانه لابد ان یدفع اجر المثل لعوده الیه ثانیا وقوله وھو مقید ایضا بما قلنا ان اراد به مسألة الواقف کما حط علیه اخر کلامه کان تکرارا ولم یکن محل لایراد وان اراد به مسألة الملک لان کلام العمادی کان فیهما فلاحاصل عن ایجاب اجر المثل لاان یکون مال الیتیم بل لو نقص من اجر المثل فی الوقف لم یجز من جهة النقص لا لانه عین الربا لان تلک الدراهم لا تدفع قرضا بل اعانة للوقف والصرف فی ما یؤل نفعه الیه ولا تسترد ابدا الا ان یخرجه الناظر ویستردها کما ذکر المحقق العمادی وعن هذا کان کبیع الوفاء فالدراهم فیه لیست قرضا عند مجوزیه والا کان الاستمتاع به عین الربا کما ھو المعتمد فیه اما الدفع لیصرفه المتولی الی نفسه فحاش لله لیس من الخلو فی شیء بل عین رشوة ولیس لاحد من المسلمین

جیسا کہ مصنف نے وقف کے بیان میں اس کو بیان کردیا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ اقول (میں کہتا ہوں)، ردالمحتار میں انھوں نے پہلے وقف کی بحث میں کلام کیا اور فرمایا کہ مثل اجرت اور کرایہ ضروری ہے، پھر ان کا دوبارہ اس کو بیان کرنا اور یہ کہنا کہ عمادی کا یہ بیان بھی ہمارے سابقہ قول کے ساتھ مقید ہے، اگر اس سے وقف کا مسئلہ مراد ہے جیسا کہ انھوں نے اسی پر بات ختم کی ہے، تو یہ تکرار ہے، اور عمادی کی مخالفت کا محل نہ ہوا اگرچہ ذاتی ملکیت کا مسئلہ مراد ہو کیونکہ عمادی کا کلام دونوں صورتوں کے بیان میں ہے، بہرحال مثل اجرت کے بیان کی ضرورت نہیں، ہاں اگر وہ ملکیت کسی یتیم کی ہو تو مثل اور مروج اجرت ضروری ہوگی بلکہ وقف والی صورت میں وہ مروجہ کرایہ سے کم بھی ہو تو کمی کی وجہ سے ناجائز ہوگا نہ کہ سود ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ دی گئی رقم بطور قرض نہیں بلکہ وقف کے لئے اعانت کے طور پر دی گئی ہے جس کے منافع بالآخر وقف کی طرف راجع ہیں، یہ رقم متولی کے بغیر ناقابل واپسی ہے صرف سبکدوشی پر واپس ہوگی جیسا کہ علامہ عمادی نے ذکر کیا، اسی وجہ سے یہ صورت بیع الوفاء کی مانند قرار پاتی ہے کیونکہ اس کے مجوزین حضرات کے ہاں وہ دراہم بطور قرض نہیں ہیں، ورنہ تو مکان ودکان سے انتفاع عین سود ہے جیسا کہ یہی معتمد علیہ بات ہے، لیکن یہ صورت کہ وقف کا متولی اپنی ذات کے لئے دراہم کو صرف کرے، اس غرض سے دینا تو ہرگز خلو نہیں بلکہ یہ تو رشوت ہے جس کے جواز کے متعلق کوئی بھی مسلمان قول نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اس

ان يقول بجواز مثله فضلا عن لزومه۔ واللّٰه تعالٰى اعلم۔

رشوت کو لازم قرار دیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر اگر خلو وقف میں ہو تو شرط[1] ہے کہ یہ حقہ خود واقف یا متولی کرے دوسرے کو اختیار نہیں، نیز[2] لازم کہ وہ روپیہ خاص وقف کی منفعت صحیحہ میں صرف ہو نہ کہ واقف یا متولی یا کسی اور کے کام میں۔ نیز[3] ضروری کہ وقف کو اس امداد مالی کی حاجت ہو اگر وقف خود اپنی منفعت کو پورا کر سکتا ہے تو خلو باطل ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الموقوف عليه الغلة او السكنى لايملك الاجارة الا متولية او اذن قاض لان حقه فى الغلة لا فى العين[1]

کسی کے لئے غلہ یا سکنٰی وقف ہو تو وہ زمین کو اجارہ پر دینے کا مالک صرف تولیت یا قاضی کی اجازت سے ہو سکتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس کا حق صرف غلہ ہے عین چیز یعنی زمین نہیں ہے۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

شرط صحة الخلو ان يكون مال من الدراهم عائدا على جهة الوقف بان ينتفع بها فيه فما يفعل الأن من اخذ الناظر الدراهم ممن له الخلو ويصرفها فى مصالح نفسه هو فهذا الخلو غير صحيح ويرجع الدافع بدراهمه على الناظر وان لايكون للوقف ريع يعمر منه فان كان يفى لعمارته ومصاريفه فلا يصح فيه حينئذ خلو، فلو وقع كان باطلا وللمستأجر الرجوع على الناظر بما دفعه من الدراهم وان يثبت ذلك الصرف على منافع

خلو کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ دراہم کے خرچ کرنے سے وقف کو فائدہ ہو کر ان کا نفع وقف میں شامل ہو، اور آج کل جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ یہ کہ وقف کا نگران خلو والے سے دراہم لے کر اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کرتا ہے تو یہ باطل ہے لہذا دراہم دینے والے کو حق ہے کہ وہ نگران سے واپس وصول کرے۔ اگر وقف کی اتنی آمدن نہ ہو جس سے اس کی تعمیر ہو سکے، اور اگر اتنی آمدن ہو جس سے وقف کی عمارت وغیرہ مصارف پورے ہو سکتے ہوں تو اب اس میں خلو صحیح نہ ہوگا اگر خلو کیا تو باطل ہوگا اور مستاجر کو دئے ہوئے اپنے دراہم واپس لینے کا حق ہوگا، اور اگر واقعی دراہم کے فائدہ وقف کے لئے ہوں تو بھی محض نگران کی تصدیق ثبوت

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰

الوقف بالوجہ الشرعی فلو صدقہ الناظر علی التصرف من غیر ثبوت ولا ظہور عمارۃ فان کانت ھی المنفعۃ فلا عبرۃ بھذا التصدیق لان الناظر لایقبل قولہ فی مصرف الوقف حیث کان لذلک الوقف شاھد او منہ عرف ذلک الفاضل المالکی مقرا بل معتمدا حیث قال ھذا خلاصۃ ما حررہ بعض فضلاء المالکیۃ فی تالیف مستقل فی ذلک واللہ الھادی الی قوام السبیل، وانما اطنبنا الکلام فی ھذا المقام لکثرۃ دوران نظیرہ بین الانام واحتیاج کثیر من القضاۃ الیہ وابتناء کثیر من الاحکام علیہ خصوصا قضاۃ الاوھام الذین لیس لھم شعور ولا الھام[1] اھ اقول ما ذکر من عدم تصدیق الناظر مسلم ان کان مصرفا معینا او کذبہ الظاھر کان یدعی صرفہ الی العمارۃ ولا عمارۃ والا فلا عندہ عند المالکیۃ اما عندنا فالناظر امین والقول قول الامین ما لم یکذبہ الظاھر قال فی الدر المختار لو ادعی المتولی الدفع قبل قولہ[2] اھ وفی ردالمحتار عن الاسعاف و عن شرح الملتقی عن شروط

اور وقف پر عمارت کے وجود کے بغیر قابلِ تسلیم نہیں ہے جبکہ منافع کا تعلق عمارت سے ہو اگرچہ حسبِ وقف کے منافع قابلِ شناخت ہوں تو مصرف کے متعلق محض نگران کا قول قابلِ قبول نہیں ہوتا اھ، اس کو قرۃ العیون نے اس مالکی فاضل سے ثابت بلکہ معتمد قرار دیتے ہوئے نقل کیا جہاں انھوں نے کہا کہ بعض مالکی فضلاء نے اس بحث میں اپنے مستقل رسالہ میں جو تحریر کیا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے، اللہ تعالٰی ہی مضبوط راستہ کی راہنمائی فرمانے والا ہے۔ ہم نے اس بحث کو اس لئے طول دیا کہ لوگوں میں غلط کا رواج کثیر ہے اور بہت سے قاضی حضرات کو اس کی ضرورت درپیش ہے اور اس پر بہت سے احکام مبنی ہیں خصوصاً وہم پرست قاضیوں کے لئے جن کو فہم و شعور نہیں ہے اھ۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس کا یہ ذکر کرنا کہ نگران کی تصدیق کافی نہیں ہے یہ وہاں درست ہے جہاں نگران مفسد اور چور ہو یا ظاہر حال نگران کو جھوٹا قرار دے مثلاً یہ کہ وہ عمارت پر صرف کرنے کا دعوٰی کرتا ہو حالانکہ موقوفہ پر عمارت کا وجود ہی نہیں ہے، ورنہ ہوسکتا ہے کہ یہ مالکی حضرات کا موقف ہو، لیکن ہمارے ہاں جب تک ظاہر حال نگران کو نہ جھٹلائے اس وقت تک نگران کو امین قرار دیا جائیگا اور اس کی بات ہی معتبر ہوگی، درمختار میں فرمایا ہے کہ اگر متولی ادا کرنے کا دعوٰی کرتا ہو تو اس کی بات قابلِ تسلیم

---

[1] قرۃ العیون المبصرۃ مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹-۳۸

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۲

الظهيرية وعن البحر عن وقف الناصحي اذا آجر الواقف او قيمه او وصيه او امينه ثم قال قبضت الغلة فضاعت او فرقتها على الموقوف عليهم وانكروا فالقول له مع يمينه اهـ[1] وفيه عن الحامدية عن بيري زاده عن احكام الاوصياء القول في الامانة قول الامين مع يمينه الا ان يدعي امرا يكذبه الظاهر فحينئذ تزول الامانة و تظهر الخيانة فلا يصدق[2] ثم وفيه عنها عن المفتي ابي السعود انه ان كان مفسدا مبذرا لا يقبل قوله بصرف مال الوقف بيمينه اهـ[3] بل استظهر السيد الحموي نفسه في امانات الغمز قبول قوله ولو بعد عزله مستندا بمسائل منها ان الوصي لو ادعى بعد موت اليتيم انه انفق عليه كذا يقبل

ہوگی اھ اور رد المحتار میں اسعاف اور شرح ملتقی سے ظہیریہ کی شروط اور بحر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ناصحی کے وقف کے حوالے سے کہا ہے کہ جب واقف یا ناظر یا وصی یا امین نے وقف زمین کرایہ پر دی اور پھر کہا میں نے غلہ (اجرت) وصول کر لی ہے جو ضائع ہوگئی ہے یا موقوف علیہ لوگوں میں تقسیم کر دی ہے اور وہ لوگ انکار کریں تو قسم سے کر متولی وغیرہ کی بات تسلیم کی جائیگی اھ اور اسی رد المحتار میں حامدیہ سے بیری زادہ کے حوالے سے منقول ہے کہ وصی حضرات کے احکام کی بحث میں فرمایا کہ دیانت کے معاملہ میں قسم کے ساتھ ناظم کی بات تسلیم کر لی جائے گی ماسوائے ایسے معاملہ کے جس میں ظاہراً جھوٹ کا دعویٰ ہو تو ایسی صورت میں اس کی دیانت ختم اور خیانت واضح ہونے کی بناء پر تصدیق نہ کی جائے گی اھ اسی میں حامدیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے مفتی ابوالسعود سے نقل کیا ہے کہ اگر متولی وغیرہ مفسد اور فضول خرچ ہو تو وقف کے مال کو صرف کرنے کے متعلق اس کی قسم کے باوجود بات قبول نہ کی جائیگی اھ بلکہ سید حموی نے ظاہر قرار دیتے ہوئے غمز کی امانات کی بحث میں فرمایا کہ اس کی بات قبول ہوگی اگرچہ اس کے معزول ہونے کے بعد اس کا قول ہو۔ اس بات کو حموی نے کئی مسائل سے ثابت کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے

---

[1] رد المحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۳/ ۴۲۵

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

قولہ ومعنوہ مامہ اسندہ الی حالۃ منافیۃ للضمان[1] اھ فکانہ سکت عنہ معتمدا ظھورہ واللہ تعالٰی اعلم۔

کردری نے شخص یتیم کی موت کے بعد دعوی کرے کہ میں نے یتیم پر اتنا مال صرف کیا ہے تو اس کی بات قبول کی جائے گی، اور اس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی ہے

کردری کا یہ بیان ایسی حالت کی طرف منسوب ہے جو ضمان کے منافی ہے، اس پر ان کا سکوت ظاہر پر اعتماد کی دلیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ظاہر ہے کہ زرِ مذکور فی السوال نہ ضرورت وقف کے لئے لیا گیا نہ وقف میں صرف ہوا بلکہ ایک شخص کی اپنی ذاتی غرض میں اگرچہ وہ متولی بھی ہے نہ وہ روپیہ حق استیفائے اجارہ کے بدلے ہے، نہ اجرت مثل اس سے جدا ہے بلکہ اُسی میں محسوب ہوا کرے گا تو کسی طرح خلوت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا بلکہ یقیناً وہ ایک قرض ہے کہ اس موقوف علیہ نے لیا اور اس کے بدلے وقف کو رہن کیا اور منافع حرام کو مقرض پر مباح کردیا وقف کا رہن خود ہی باطل ہے، تنویر الابصار میں ہے:

فاذا تم ولزم لایملک ولا یملّک ولا یعار ولا یرھن[2]۔

جب وقف لازم و تام ہوجائے تو وہ کسی کا مملوک نہ کسی کو تملیک نہ عاریۃً اور نہ ہی بطور رہن دیا جاسکتا ہے۔(ت)

منکر رہن دخلی کا عمل بھی حرام ہے تو یہ عقد حرام در حرام، ظلم در ظلم، ظلمات بر ظلمات ہے، واجب الرد ہے گیرندہ پر جب تک نہ چھوڑے وقف کے لئے اجر مثل تو خود ہی لازم ہوگا فان منافع الوقف مضمونۃ مطلقا (کیونکہ وقف کے منافع مطلقاً قابلِ ضمان ہوتے ہیں۔ت) اور جو کچھ اس سے زائد حاصل کرے گا وہ بھی اُسے حلال نہیں وقف کردے یا تصدق کرے، اور اول اولٰی ہے کما فی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرھما (جیسا کہ خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ت) یہاں تک چار سوالوں کا جواب شافی ہوگیا اور پنجم کا بھی کہ اس معاملہ کو خلوت سے علاقہ نہیں اگرچہ روپیہ ضروریات وقف ہی کے لئے لیا اور انھیں میں صرف کیا کہ یہ روپیہ بمقابلہ استیفائے اجارہ علاوہ اجر مثل نہیں بلکہ اتنا زر اجر پیشگی لیا ہے وقتاً فوقتاً اجرت میں محسوب ہوگا اس سے عدمِ وقف خواہ اب انہدام وقف پر استدلال صریح جہل وضلال، وقف ثابت کسی کی ناجائز کارروائی سے متغیر نہیں ہوسکتا نہ زائل ورنہ ابطال اوقاف ظالموں کے اختیار میں ہوجائے جب چاہیں کوئی ناجائز کام کردیں اور وقف باطل و زائل ہوجائے، ہاں تفتیش طلب اس کارروائی کا جواز و عدم جواز ہے اس میں مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الامانات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

وصلت کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے کہ زمین حراثوں کے اجارہ میں رہے اور توفیر ٹھیکے میں دی جائے بلاشبہہ حرام ومردود وباطل ہے کما حققناہ بما لا مزید علیہ فی کتاب الاجارۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی آخری تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب الاجارہ میں کردی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

قریۃ وقف آجر المتکلم علیھا ثلثھا لرجل سنۃ بمال لیتناول مایتحصل من الثلث المذکور من الغلال صیفیھا وشتویھا ھذہ الاجارۃ باطلۃ غیر منعقدۃ لما صرح بہ علماؤنا قاطبۃ من ان الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولا تفید شیئا من احکام الاجارۃ فلیس للمستاجر ان یتناول شیئا من الغلال بل ذلک للوقف یصرف فی وجوھہ الشرعیۃ[1] (ملتقطاً)۔

وقف گاؤں جو اور موقوف علیہ شخص گاؤں کے تہائی حصہ کی آمدنی کو ایک سال کے لئے کسی مال کے بدلے اجارہ پر دے تاکہ اجارہ پر لینے والا شخص اس مال کے بدلے موسم گرما اور سرما کی آمدن کا تہائی حصہ حاصل کرلیا کرے تو یہ اجارہ باطل ہوگا اور منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ تمام علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ اجارہ جو عین چیز کو قصداً تلف کرنے پر ہو وہ منعقد نہ ہوگا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہ ہوگا، اس لئے مذکورہ صورت میں اجارہ پر لینے والے کو اس آمدن کو لینے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ تمام آمدن وقف کے معینہ مصارف پر خرچ ہوگی (ملتقطاً)۔ (ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلۃ فلا یملک المستأجر ماوجد من تلک الاعیان بل ھی علی ما کانت علیہ قبل الاجارۃ فتؤخذ من یدہ اذا تناولھا ویضمنھا بالاستھلاک لان الباطل لا یؤثر شیئا فیحرم علیہ التصرف فیھا لعدم ملکہ وذلک کاستئجار بقرۃ لیشرب

جب اعیان کو تلف کرنے پر قصداً اجارہ کیا جائے تو باطل ہوگا لہذا اجارہ پر لینے والے کو ان اعیان کو حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ اعیان یعنی نفع وغیرہ وہیں خرچ ہوگا جہاں وہ اجارہ سے قبل خرچ ہوتے تھے اس لئے مستاجر (اجارہ پر لینے والے) کے قبضہ سے واپس لے لئے جائیں گے اگر اس نے وصول کرکے خرچ کرلئے تو اس سے ضمان وصول کیا جائے گا کیونکہ باطل معاملہ کوئی اثر نہیں رکھتا لہذا اس میں کی

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۸

لبن وبستان لیاکل ثمرته ومثله استئجار مافی ید المزارعین لاکل خراجه[1]

تصرف حرام ہوگا اس لئے کہ وہ اس چیز کا مالک نہ تھا۔ اس کی مثال جیسے کہ گائے و بھینس کو دودھ پینے کے لئے اجارہ پر لے، یا مثلاً باغ کو پھل کھانے کیلئے اور وقف کے مزارعین کے زیر قبضہ زمین کو غلہ حاصل کرنے کے لئے اجارہ پر لے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الالتزام والمقاطعة علی ما یتحصل من قریة الوقف من خراج بمال معلوم من احد النقدین یدفعه الملتزم ویکون له ما یتحصل منها قلیلا کان او کثیرا لا تجوز اذ لا وجه لها شرعا لکونها لا تصح شرعا ان تکون بیعا اذ بعض المقاطع علیه معدوم وبعضه مجهول ولا ان تکون اجارة لانها بیع المنافع والواقع علیه فی المقاطعة المشروحة اعیان لا منافع فهی باطلة بالاجماع (ملتقطاً)[2]۔

کسی گاؤں کی آمدنی (حصہ بٹائی) حاصل کرنے کے لئے مقررہ نقد مال پر اجارہ کا فیصلہ اور التزام کرنا کہ جو قلیل یا کثیر حصہ بٹائی گاؤں سے حاصل ہو اس کو مستاجر حاصل کرے گا تو یہ جائز نہیں، کیونکہ شرعاً اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں، بیع اس لئے متصور نہیں ہوسکتی کہ معقود علیہ ابھی معدوم ہے اور کچھ حصہ مجہول ہے، اور اجارہ اس لئے متصور نہیں ہوسکتا کہ یہ منافع کی بیع ہوتا ہے جبکہ مذکورہ صورت میں منافع کی بجائے اعیان (غلہ) پر سودا ہوا ہے، لہذا یہ بالاجماع باطل ہے۔ (ملتقطاً)۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا استأجر القری والمزارع لتناول خراج المقاسمة او خراج الوظیفة فالاجارة باطلة باجماع علمائنا[3] (ملتقطاً)۔

جب گاؤں یا زراعت جن پر سرکاری وظیفہ یا حصہ بٹائی حاصل ہوتا ہے کو اجارہ پر لیں تاکہ ان سے حاصل وظیفہ یا حصہ کو بدلے میں وصول کیا کرے تو ہمارے علماء کے ہاں بالاجماع یہ اجارہ باطل ہے (ملتقطاً)۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹
[2] " " " ۲/ ۱۲۶
[3] " " " ۲/ ۱۲۷

اسی میں ہے:

قرية حسب من له ولاية الرحيل على مال معلوم ليكون له خراجها والتضمين باطل اذ لا تصح اجارة لوقوعه على استهلاك الاعيان قصدا ولا بيعا لانه معدوم[1] (ملتقطا).

کوئی شخص مقررہ مال کے بدلے گاؤں کی آمدن کو کسی شخص کیلئے حاصل کرے تاکہ آمدن اس کے لئے ہوجائے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ یہ سودا منافع پر نہیں بلکہ اعیان (غلہ) کے تلف کرنے پر قصداً ہوا ہے اور بیع بھی نہیں کیونکہ معدوم چیز پر سودا ہے (ملتقطا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

تيمار آجر الشخص من تيمار الآخر بمبلغ معلوم لا تصح وعلى كل منهما ما تناوله[2]

کھجور کے باغ والا اپنے باغ سے حاصل ہونے والے پھل کو مقررہ نقد پر کسی دوسرے کو اجارہ پر دے دے تو صحیح نہیں ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کو واپس کردیں (ت)

اسی میں ہے:

قد اتفقت علماؤنا على ان الاجارة اذا وقعت على تناول الاعيان او استهلاكها فهي باطلة فاجارة القرى لتناول الخراج مقاسمة كانت او وظيفة باطل وقد افتيت بذلك مرارا[3] (ملتقطا)

ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اجارہ اعیان چیزوں کے حصول یا ان کے تلف کرنے پر کیا جائے تو باطل ہوگا لہذا وظیفہ یا حصہ بٹائی والا گاؤں اجارہ پر اس لئے دینا کہ مستاجر اس کا وظیفہ اور حصہ وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جبکہ میں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے (ملتقطا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

المقرر في كلام مشايخنا بجمعهم ان الاجارة على استهلاك الاعيان باطلة

ہمارے مشائخ نے بالاتفاق بسط کیا ہے کہ اعیان چیزوں کو بطور ملک تصرف میں لینے پر اجارہ باطل ہے اور

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰
[2] ؎ ؎ ؎ ۲/ ۱۲۸
[3] ؎ ؎ ؎ ۲/ ۲۹

وجعل العين منفعة غير متصور فالاجارة
حيث لم تقع على الانتفاع بالارض بالزرع
ونحوه بل على اخذ الخراج والدراهم
المضروبة فهو باطل بجميع ائمتنا أ ه ملتقطا،[1]

عین چیز کو نفع قرار دینا متصور نہیں ہوسکتا، تو جس
زمین کا اجارہ زراعت وغیرہ سے انتفاع کے لئے نہ ہو بلکہ
اس سے حاصل ہونے والے خراج اور وظیفہ مقررہ کو
حاصل کرنے کے لئے ہو تو یہ بالاجماع باطل ہے (ملتقطاً)۔ (ت)

اسی کی کتاب الوقف میں ہے:

لا قائل من فقهاء الاسلام بصحة التزام في
اوقاف الامام لا يملكها احتيرته كان باطلا،
وكيف ما قومت كان ما ثلا فانه قدرته بيع
فهو بيع المعدوم او المجهول، وان
قدرته اجارة فهي واقعة على استهلاك
الاعيان المعدومة الآتية فيبطل، وهي
في الموجودة لا تجوز فكيف يتأخر منها
ما سيجوز وان قدرته واهبا لما سيحصل
ومتهبا لما سيقبض فالهبة في مال الوقف
لا تجوز ولو بعوض اه[2] **اقول** خص الكلام
بالوقف لان السؤال عنه فاستدل بدليل
يخصه والا فهبة المعدوم بطلانه معلوم
ولو في الملك. قال في الخيرية من الهبة
وبهذا علم عدم صحة هبة ما سيحصل
من محصول القرية بالاولى لان الواهب
نفسه لم يقبضه بعد فكيف يملكه اه[3]

فقہاء اسلام میں کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ سرکاری
اوقاف کے وظائف کو حاصل کرنے کی ذمہ داری مقررہ
نقد کے عوض حاصل کرے کیونکہ آپ اسے جس معنی میں
اعتبار کریں غلط ہوگا، اگر آپ بیع فرض کریں تو یہ مجہول
یا معدوم چیز کی بیع قرار پائے گی اور اگر اجارہ فرض
کریں تو یہ معدوم آئندہ پائے جانے والے اعیان کو
حاصل کرنے پر اجارہ ہوگا جبکہ یہ موجودہ اعیان میں بھی
جائز نہیں تو معدوم میں کیسے جائز ہوگا، اور اگر آئندہ
موجود ہونے اور مہیا ہونے والی چیز کا ہبہ فرض کرو تو
یہ وقف چیز کا ہبہ قرار پائے گا جبکہ وقف چیز کا ہبہ معاوضہ
کے طور پر بھی جائز نہیں۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) انہوں
نے خاص وقف کے متعلق بات کی ہے کیونکہ سوال ہی تو
اس لئے انہوں نے وقف سے متعلق دلیل ذکر کی ہے
ورنہ تو معدوم چیز کا ہبہ معلوم البطلان ہے اگرچہ ذاتی
ملکیت ہو، خیریہ میں ہبہ کی بحث میں فرمایا کہ مذکورہ بحث
میں معلوم ہوا کہ گاؤں کے بعد میں حاصل ہونے والے
محصول کا ہبہ بطریق اولیٰ صحیح نہیں کیونکہ ابھی خود مالک کو ان پر قبضہ نہیں ہے تو وہ آگے کسی کو کیا قبضہ دے گا اھ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ — کتاب الاجارۃ — دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵
[2] " — کتاب الوقف — " " ۱/ ۱۸۵
[3] " — کتاب الہبۃ — " " ۲/ ۱۱۱

فتاوٰی علامہ تاجی بعلی تلمیذ صاحب درمختار میں ہے:

هذا اذا لم تكن الاجارة واردة على استهلاك الاعيان قصدا، اما اذا كانت كذلك بان كانت اراضی القرية فی ايدی مزارعين وانما استأجرها المستأجر من قوم ليأخذ مايخصها من خراج فهی باطلة كما صرح بذلك علماؤنا قاطبة [1]

یہ وہ صورت ہے جبکہ عیان کو بطور ملکیت ہلاک کرنے پر اجارہ قصداً وارد نہ ہوا، اور اگر ایسا ہو کہ کسی گاؤں کی زمین مزارعین کے پاس ہو تو ان سے مقررہ محصل وصول کرنے پر اجارہ کیا کہ مستاجر وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علماء نے تصریح کی ہے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

وانظر ما فی فتاوی الشیخ خیر الدین من الاجارات فقد افتی مرارا ببطلان هذه الاجارة المسماة بالمقاطعة والالتزام [2]

ہمارے شیخ خیر الدین کے اجارات کی بابت فتاوٰی پر غور کرو انھوں نے بار بار یہ فتوٰی دیا ہے کہ مقاطعہ اور التزام (ذمہ داری اور فیصلہ) کے عنوان سے جو اجارے کئے جاتے ہیں وہ باطل ہیں (ت)

ردالمحتار کتاب السیر میں قبیل فصل جزیہ ہے:

الواقع فی زماننا ان المستاجر یستاجرها لاجل اخذ خراجها لا للزراعة ویسمی ذلك التزاما وهو غیر صحیح [3]

ہمارے زمانہ میں مستاجر حضرات خراج اور وظیفہ وصول کرنے کے لئے جو اجارہ کرتے ہیں وہ مزارعت کیلئے نہیں ہے اس لئے وہ باطل ہیں جس کا نام انھوں نے التزام رکھا ہے (ت)

تو یہ کارروائی قطعاً بجائے خود حرام وباطل واقع ہوئی جس کے مورث نے یہ فعل کیا اُس کے وارث پر تو کوئی الزام نہیں نہ وہ اس وجہ سے قابلیت تولیت سے عاری ہو جبکہ فی نفسہ وبرعایت شرائط واقف لائق تولیت ہو، قال تعالٰی لاتزر وازرة وزر اخری [4]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (ت)

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوٰی علامہ التاجی البعلی کتاب الاجارہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۱۲۱

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ " " " " "

[3] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر والخراج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۶۶

[4] القرآن الکریم ۶/۱۶۴

محل نظر جو وہ متولی ہیں جو اس حرام کے مرتکب ہوئے یہاں فقیر ان وقائع کا اظہار کرے جو ۳۲ برس سے آج تک
کسی تحریر میں نہ آئے کہ یہ مسئلہ کہ دیہات کا رائج ٹھیکہ حرام قطعی ہے جو کچھ حاصل ہو سب مالک قریہ کا ہے اگر
گاؤں مملوک ہو یا وقف کا، اگر وقف ہو ٹھیکیدار کو اس میں سے ایک حبہ لینا حرام ہے اور جس سال نشست کم ہو
تو ٹھیکیدار کو جتنا وصول ہوا اسی قدر مالک یا متولی کو لینا حلال ہے پوری رقم قرار یافتہ لینا حرام ہے مثلاً ہزار روپے
سال ٹھیکہ تھا اور بارہ سو تحصیل ہوئے تو یہ دو سو ٹھیکیدار کو حرام ہیں مالک یا واقف کا حق ہیں اور آٹھ سو ملے تو
مالک و وقف کو اسی قدر حلال، دو سو زیادہ حرام ہیں، باوصف کمال وضاحت اس دار الفتن ہندوستان میں
ایسا مخفی مسئلہ ہے جس سے یہاں کے اکابر علماء غافل محض اور خود اس میں اور اس کی تحلیل میں مبتلا ہیں چودھویں
صدی کے علماء میں باعتبار حمایت دین و نصرت سنت نیز بلحاظ تفقہ حضرت مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب
بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا ایام ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیان دین
کے خطاب تجویز کئے ہیں حضرت مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب کو الاسد الاسد الاشد، مولوی قاضی عبد الوحید صاحب
فردوسی کو ندوہ شکن ندوی فگن، مولوی ہدایت رسول صاحب لکھنوی کو شیر بیشۂ سنت رحمہم اللہ تعالیٰ، حاجی
محمد لعل خان صاحب قادری برکاتی مدراسی سلمہ اللہ تعالیٰ کو حامی سنت ماحی بدعت، اسی زمانے میں حضرت فاضل
بدایونی قدس سرہ کو تاج الفحول سے [illegible] مقبول ہے اور وہ بیشک باعتبار
مذکورہ اس کے اہل تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃً، ایسے فاضل جلیل کے پاس ۱۳۰۲ھ میں جب فقیر کا فتویٰ
اس ٹھیکے کی حرمت میں گیا جس میں اس وجہ سے کہ فقیر اس وقت اپنے دیہات میں تھا اور سوا خیریہ و رد المحتار
کے کوئی کتاب ساتھ نہ لے گیا تھا فقط فتاویٰ خیریہ کی بعض عبارات تھیں، حضرت ممدوح نے بعد تامل بسیار اس
پر صرف اس قدر سے تصدیق تحریر فرمائی کہ نظر حاضر میں ان عبارات سے عدم جواز ہی معلوم ہوتا ہے، جب فقیر
شہر کو واپس آیا مفصل فتویٰ عبارات کثیرہ کتب عدیدہ پر مشتمل لکھ کر بھیجا اب حضرت نے پورے وثوق سے تسلیم
کیا اور یہ فرما بھیجا کہ اس کے جواز کے حیلے سے اطلاع دو، یہی حال اور علمائے اطراف کا ہے بعد سماع دلائل و وضوح تحریم
یہی فرماتے پائے کہ حیلہ جواز نکالو یعنی عادتیں مستحکم ہو گئیں خود بھی ابتلا ہو چکا، اس میں حرام ہی سے بچنا، حیلۂ جواز
کی تلاش ضرور ہوئی، مبارک ہیں وہ بندے کہ حکم پر مطلع ہو کر حق کی طرف رجوع لائیں اور نادانان زمان کی طرح اپنے اور
اپنے آباء و اساتذہ کی عادت و شرح صدر کے رد کے لئے حجت نہ بنائیں۔ رد المحتار کتاب الاجارہ میں ہے

اذا تکلم احد بین الناس بمثل ذلک یعدون کلامہ منکرا من القول وھذہ بلیۃ قدیمۃ حتی ذکر العلامۃ قنالی زادہ

لوگوں میں جب یہ بات کی جاتی ہے تو اس کی بات کو لوگ غلط قول قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ مصیبت قدیم سے چلی آرہی ہے، چنانچہ علامہ قنالی زادہ نے ذکر کیا ہے

ان المسألۃ کثیرۃ الوقوع فی البلدان واذا طلب رفع اجارۃ تجار یتظلم المستأجرون ویزعمون انہ ظلم وھم ظالمون، وبعض الصدور والاکابر یعینونھم ویزعمون ان ھذا تحریک فتنۃ علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ما ھی علیہ وان شر الامور محدثاتھا ولا یعلمون ان الشر فی اغضاء العین عن الشرع وان احیاء السنۃ عند فساد الامۃ من افضل الجہاد واجزل القربات[1] (ملتقطا)

کہ بہت سے علاقوں میں یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور جب ایسے اجارہ کو ختم کرنے کی بات کی جاتی ہے تو مستاجر حضرات اپنے آپ کو مظلوم قرار دیتے ہیں اور اس کارروائی کو ظلم کہتے ہیں حالانکہ وہ خود ظالم ہیں اور بعض معتبر حضرات اور اکابر ان کی مدد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ کارروائی فتنہ کو ہوا دینا ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ امور کو اپنی اصلی حالت پر رکھا جائے اور نئی بدعات کو شر قرار دیا جائے۔ وہ لوگ نہیں جانتے کہ شرع سے چشم پوشی میں شر ہے اور امت کے فساد کے وقت کسی سنت کو زندہ کرنا بہترین جہاد اور بڑی عبادت ہے۔ (ت)

ردالمحتار و عقود الدریہ میں ہے: وھذا اطول ورق[2] (یہ ایک ورق میں طویل کلام ہے۔ ت)

تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

فعلم بھذا ان ھذہ حیلۃ قدیمۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم[3]

تو معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (ت)

ایسا غامض مسئلہ کہ بیان کے قول علماء پر مخفی ہو اور عوام کی دوڑ انھیں تک ہے اگر وہ ہم قبیل علما اس حکم میں مبتلا ہوں تو یہ نہ کہنا چاہیے کہ انھوں نے قصداً ارتکاب حرام یا وقف کی بدخواہی کی جس سے قابل تولیت نہ رہیں،

واللہ یعلم المفسد من المصلح واللہ غفور رحیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۵: مرسلہ محمد ابراہیم لکلکشیر ہائی اسکول ضلع فرید پور رجب ۲۳ ۱۳۳۲ھ

(۱) اگر کسی ہندو نے چند جگہ مسلمانوں کو فقط نماز جمعہ کے واسطے وقف کردے کہ تم لوگ اس میں قربانی مت کرنا۔ اگر قربانی کے واسطے اجازت بھی دیا ہے تو ہندو کی وقف کردہ زمین میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر ہندو کی وقف کردہ زمین میں ۲۰ یا ۲۵ برس تک نماز جمعہ پڑھی، بعد میں معلوم کیا، تو

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ما یجوز من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰

[2] " " " " " " "

[3] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/۱۵۵

اصل مسجد کو دوسری جگہ مسلمان کے لئے جا کر بنا سکتے ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) مسجد کے لئے ہندو کا وقف نا ممکن نا مقبول ہے وہ مسجد نہ ہوگی ۔ واللہ تعالے اعلم

(۲) وہ مسجد ہی نہیں ، مسلمان دوسری جگہ اپنی مسجد بنائیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مصارفِ وقف

(وقف کے مصارف کا بیان)

مسئلہ ۱۹: از احمد آباد گجرات محلہ کالوپور تنبو پوٹی وھنکوٹ مرسلہ شیخ محمد زین الحق عرف چھوٹے میاں ۴ محرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین و مفتیانِ شرع متین اس بارہ میں کہ زید کے پاس ایک رقم زر نقد وقف یا نذر کسی کارِ خیر کے لئے موجود ہے مثلاً مسجد کی تعمیر وغیرہ مصارف کی یا کسی بزرگ کے روضہ یا مقبرہ یا عرس وغیرہ کی آمدنی اس کے مصارف پورے طور سے ہو کر اضافہ جمع رہتی ہے یا مسجد یا مدرسہ یا یتیم خانہ تعمیر کرنے کو وہ چندہ جمع کیا گیا ہے اور اس کا خرچ پورے طور سے تمام ہو کر باقی رقم اضافہ رہی ہے وغیرہ وغیرہ، اس قسم کا پیسہ نقد یا ملک مانند مکان و زمین وغیرہ کے ایک کارِ خیر کے لئے فراہم ہوا ہے یا کیا گیا ہے اس کو دوسرے کارِ خیر میں مثلاً یعنی مسجد کا چندہ کیا ہوا یا اس کی آمدنی میں سے بچا رہا ہو مقبرہ یا مدرسہ یا یتیم خانہ کے کام میں یا مقبرہ و مدرسہ و یتیم خانہ کا پیسہ مسجد کے کام میں لے سکتے ہیں یا نہیں وہ از روئے شرع شریف مع حوالہ کتب مذہب اہل سنت و جماعت کے خلاصہ بیان فرماکے اپنی مہر و دستخط فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

وقف جس غرض کے لئے ہے اس کی آمدنی اگرچہ اس کے صرف سے فاضل ہو دوسری غرض میں صرف کرنی حرام ہے، وقفِ مسجد کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہونی درکنار دوسری مسجد میں بھی صرف نہیں ہوسکتی، نہ ایک

مدرسہ کی آمدنی مسجد یا دوسرے مدرسہ میں۔ درمختار میں ہے:

اتحد الواقف والجھۃ وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ، جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الاٰخر الیہ لانھما حینئذ کشیئ واحد ولو اختلف احدھما بان بنی رجلان مسجدین اورجل مسجدا ومدرسۃ ووقف علیھما اوقافا لایجوز لہ ذٰلک[1]

جب واقف ایک ہو اور جہتِ وقف بھی ایک ہو اور آمدنی کی تقسیم بعض موقوف علیہ حضرات پر کم پڑ جائے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ دوسرے فاضل وقف سے ان پر خرچ کرے کیونکہ یہ دونوں وقف ایک جیسے ہیں، اور اگر واقف یا جہتِ وقف دونوں کی مختلف ہو مثلاً دو حضرات نے علیحدہ علیحدہ مسجد بنائی یا ایک نے مسجد اور دوسرے نے مدرسہ بنایا اور ہر ایک نے ان کے لئے علیحدہ وقف مقرر کئے تو پھر ایک کی آمدنی دوسرے کے مصارف کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں۔ (ت)

چندہ کا جو روپیہ کام ختم ہوکر بچے لازم ہے کہ چندہ دینے والوں کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا وہ جس کام کے لئے اب اجازت دیں اس میں صرف ہو، بے ان کی اجازت کے صرف کرنا حرام ہے۔ ہاں جب ان کا پتا نہ چل سکے تو اب یہ چاہئے کہ جس طرح کے کام کے لئے چندہ دیا تھا اسی طرح کے دوسرے کام میں اٹھائیں مثلاً تعمیر مسجد کا چندہ تھا مسجد تعمیر ہوچکی تو باقی بھی کسی مسجد کی تعمیر میں اٹھائیں، غیر کام مثلاً تعمیر مدرسہ میں صرف نہ کریں اور اگر اس طرح کا دوسرا کام نہ پائیں تو وہ باقی روپیہ فقیروں کو تقسیم کردیں۔ درمختار میں ہے:

ان فضل شیئ رد للمتصدق ان علم والا کفن بہ مثلہ والا تصدق بہ[2]

اگر چندہ سے کچھ بچ جائے تو دینے والا اگر معلوم ہو تو اُسے واپس کیا جائے گا ورنہ اس جیسے فقیر کے کفن پر صرف کیا جائے یا صدقہ کردیا جائے (ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیری وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ مسئولہ ظہور حسین ساکن بریلی محلہ کٹگھر نالہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک وقف نامہ غیر مستقل آمدنی کا بنام خدائے برتر لکھا اور وقف نامہ مذکور میں نسلاً بعد نسلٍ تولیت کا تذکرہ نسبت ورثائے متوفیان کے اور کسی

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۶

کمیٹی یا انجمن کا دست انداز ہونا تحریر ہے آمدنی مذکور بہ تعیین تعداد واسطے تنخواہ تیاری و کار خیر جاریہ کی مقرر کر دی مگر جائداد موقوفہ کی آمدنی اخراجات معینہ واقف سے زائد ہو تو وہ زائد آمدنی کیا ہوگی اور وقف پر کیا اثر ہوگا اور اس پر وراثت جاری ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وقف پر وراثت جاری نہیں ہو سکتی، زائد آمدنی امانۃً جمع رہے گی جیسے زیادت ممکن ہے اور برسوں میں کمی بھی محتمل ہے وہ کمی اس سرمایہ جمع شدہ سے وقتاً فوقتاً پوری کی جائے گی۔ متولیان و ورثہ بحال تولیت اگر صالح تولیت رہے تو بہتر ورنہ بحال جرم و خیانت وعدم لیاقت ضرور مسلمانوں کو دست اندازی پہنچے گی اور وقف کی اس شرط پر پھر نظر کی جائے گی نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار (درمختار وغیرہ معتبر کتب میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) درمختار جلد ۳ صفحہ ۵۵۰ پر ہے:

فیلزم فلا یجوز لہ ابطالہ ولا یورث عنہ وعلیہ الفتوی ابن الکمال وابن الشحنۃ[1]

تو وہ لازم ہو جائے گا اب اس کا ابطال یا وراثت بنانا جائز نہیں، اسی پر فتوی ہے، ابن کمال و ابن شحنہ۔ (ت)

وعلیہ الفتوی کے تحت میں علامہ شامی قدس سرہ فرماتے ہیں:

ای علی قولهما بلزومه قال فی الفتح والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لان الاحادیث والآثار متظافرة علی ذلك واستمر عمل الصحابة والتابعین ومن بعدهم علی ذلك فلذا ترجح علی خلاف قوله[2] اھ ملخصا۔

یعنی صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے لزوم والے قول پر فتوی ہے، فتح میں فرمایا حق یہی ہے کہ عام علماء کے لازم ہو جانے والے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ احادیث و آثار اس پر وارد ہیں، اور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والوں کا اس پر عمل چلا آرہا ہے اس لئے امام صاحب کے قول کے خلاف کو یہاں ترجیح ہے اھ ملخصاً (ت)

اشباہ والنظائر صفحہ ۱۹۲ میں ہے:

وسئل ابو بکر عن رجل وقف دارا علی مسجد علی ان ما فضل من عمارته

ابوبکر سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے مسجد کے نام ایک حویلی وقف کی اور قرار دیا کہ اس حویلی کی

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۷

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۵۸

فہو للفقراء فاجتمعت الغلۃ والمسجد لایحتاج الی العمارۃ ھل تصرف الی الفقراء قال لا تصرف الی الفقراء وان اجتمعت غلۃ کثیرۃ لانہ یجوز ان یحدث للمسجد حدث والدار بحال لاتغل۱؎

آمدنی اگر مسجد کے تعمیری اخراجات سے زائد ہو تو فقراء پر خرچ کی جائے گی۔ اب آمدنی جمع ہوگئی اور مسجد کی عمارت کو ضرورت نہیں تو کیا وہ جمع شدہ آمدنی فقراء پر صرف کردی جائے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ فقراء پر خرچ نہیں ہوگی اگرچہ کثیر آمدنی جمع ہوچکی ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں مسجد کی عمارت میں ضرورت پیش آئے اور حویلی کی آمدنی باقی نہ رہے۔ (ت)

درمختار مسئلہ۲ میں فرمایا:

وینزع وجوبا ولوکان الواقف غیرمامون او عاجزا او ظہر بہ فسق وان شرط عدم نزعہ وان لاینزعہ قاض ولا سلطان لمخالفتہ لحکم الشرع فیبطل کالوصی۲؎ اھ ملخصا ومختصرا۔

اور لازماً علیحدہ کردیا جائے اگر متولی قابل اعتماد نہ ہو یا عاجز ہو یا اس میں فسق واضح ہوجائے اگرچہ واقف نے معزول نہ کرنے کی شرط لگادی ہو اور یہ کہ قاضی اور سلطان بھی معزول نہ کرسکے گا کیونکہ ایسی شرط شرع کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل قرار پائے گی جیسا کہ وصیت کرنے والے کی ایسی شرائط باطل ہوجاتی ہیں اھ ملخصاً ومختصراً۔ (ت)

مسئلہ از پیلی بھیت مرسلہ مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ جو شخص مسجد میں عرصہ پانچ سال سے واسطے حفاظت مسجد اور کل انتظام مسجد کے مقرر ہے اور مسجد کے وقف مال سے وظیفہ پاتا ہے اگر یہ شخص ایک سال یا کم وبیش کی رخصت لے کر اپنے مکان کو چلا جائے تو اس مدت میں وظیفہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں، اگر علالت بیماری کی جاوے تو بھی مستحق ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب

اصل کلی شرعی یہ ہے کہ اجیر خاص پر حاضر رہنا اور اپنے نفس کو کار مقرر کے لئے سپرد کرنا لازم ہے جتنی غیر حاضر ہوگا اگرچہ مرض سے اگرچہ اور کسی ضرورت سے اس دن کے اجر کا مستحق نہیں مگر معمولی قلیل تعطیل جس قدر اس صیغہ میں معروف ومروج ہو عادۃً معاف رکھی گئی ہے اور یہ امر باختلاف حاجت مختلف ہوتا ہے درس وتدریس کی حاجت

۱؎ الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۸

۲؎ درمختار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

روز نہیں بلکہ طلبہ بلا تعطیل ہمیشہ پڑھتے جائیں تو قلب اس محنت کا متحمل نہ ہو لہذا ہفتہ میں ایک دن لیے جمعہ اور کہیں دو دن منگل جمعہ تعطیل شہری اور رمضان المبارک میں مطالعہ کرنا سبق پڑھنا یاد کرنا دشوار ہے،

وقد قال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ان القلب اذا اکرہ عمی[1] | اور ہمارے آقا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے کہ جبر کی صورت میں دل اندھا ہوجاتا ہے۔

لہذا اس صیغہ میں رمضان مبارک کی چھٹی بھی معمول ہوئی بخلاف خدمتگاری کہ اس کی حاجت روزانہ ہے اگر خدمتگار رمضان مبارک کا عذر کرکے گھر بیٹھ رہے ہرگز ایک حبہ تنخواہ کا مستحق نہیں انتظام وحفاظت مسجد بھی اسی قبیل سے ہے جس کی حاجت روزانہ ہے تو اس میں اتنی رخصت نہیں ہوسکتی جتنی صیغہ تعلیم وتعلم میں ہے ولہذا اجارہ اولٰی میں تصریح فرمائی کہ اگر علاج وغیرہ عارض ہو جتنے دن اس کے باعث اہتمام مسجد سے معذور رہے گا اجرت نہ پائے گا بلکہ صیغہ تعلیم میں بھی تصریح فرمائی کہ مدرس معمولی تعطیلوں کے علاوہ غیر حاضری پر تنخواہ کا مستحق نہیں اگرچہ وہ غیر حاضری حج فرض ادا کرنے کیلئے ہو یوں ہی تصریح فرمائی کہ طالب علم جو وظیفہ پاتا ہو اگرچہ بضرورت حج فرض یا صلہ رحم اسے سفر کی اجازت ہے یا شہر کے آس پاس دیہات میں کہ مدت سفر سے کم ہوں بضرورت طلب معاش دو ہفتہ یا زیادہ انتہا تین مہینے تک غیر حاضری کی رخصت ہے مگر اس رخصت کے یہ معنی کہ ان ضرورتوں کے سبب اتنی غیر حاضری کے باعث اس کا نام نہ کاٹا جائیگا معزول نہ کیا جائیگا نہ یہ کہ اس غیر حاضری پر وظیفہ بھی پائے گا ان سب صورتوں میں معزول ہوسکے گا اور اگر تین مہینے سے زیادہ غیر حاضر رہا اگرچہ اسی شہر میں اگرچہ بضرورت معاش تو معزول بھی کردیا جائے گا، جب صیغہ تعلیم میں یہ احکام ہیں تو صیغہ خدمت وحفاظت واہتمام وانتظام مسجد میں کسی غیر حاضری کی تنخواہ کیونکر پاسکتا ہے، ہاں غایت درجہ حرج کا مرض کو سال میں ایک ہفتہ کی اجازت ہوسکتی ہے یا زیادہ جانا ہے تو اپنا عوض یعنی نائب دے جائے بغیر اس کے نہ غیر حاضری کی اجازت نہ متولیان وقف کو روا کہ اسے ایسی طویل رخصت دیں اگر دیں تو تنخواہ حلال نہیں، نہ اسے لینا جائز نہ ان کو دینے کا اختیار، اگر دیں گے تو یہ خود مال وقف میں خائن ہوں گے اور اس کے ساتھ یہ بھی معزول کئے جائیں گے، اس بیان سے جواب سوال واضح ہوگیا، اب مطالب مذکورہ پر عبارات علماء سنئے، درمختار میں ہے:

نظم ابن الشحنۃ الغیبۃ المسقطۃ للمعلوم المقتضیۃ للعزل وعدمہ[2] | ابن شحنہ نے اپنی نظم میں معلوم وظیفہ کو ساقط اور مستحق معزولیت والی غیر حاضری کو بیان فرمایا ہے،

وما لیس بد منہ ان لم یزد علی | ضروری عذر کی وجہ سے غیر حاضری اگر تین ماہ سے زائد

ثلاث شہور فہو یعفی ولا یعطی | نہ ہو تو معاف ہوگی اور علماء کا اتفاق ہے کہ گزشتہ

---

[1]

[2] درمختار کتاب الوقف فصل راعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

وقد اطبقوا الا یاخذ السھم مطلقا لما قدمنا والحکم فی الشرع لیسفر

قلت وھذا کلہ فی سکان المدرسۃ وفی غیر فرض الحج وصلۃ الرحم، اما فیھما فلا یستحق العزل والمعلوم کما فی شرح الوھبانیۃ للشرنبلالی[1]

غیر حاضری کا وظیفہ مطلقاً نہ لے گا اور شرع میں حکم واضح ہے۔

میں کہتا ہوں یہ تمام بیان مدرسہ کے رہائشیوں کے لئے ہے اور فرض حج اور صلہ رحمی کے عذر کے علاوہ کے لئے ہے اگر وہ مذکورہ عذر ہوں معزولی اور وظیفہ کا مستحق نہ ہوگا جیسا کہ شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے

قولہ نظم ابن الشحنۃ حاصل ما فی شرحہ تبعا لبزازیۃ انہ لا یسقط معلومہ ولا یعزل اذا کان فی المصر مشتغلا بعلم شرعی او خرج لغیر سفر واقام دون خمسۃ عشر یوما بلا عذر علی احد قولین (الی) والقول الاخر انہ یسقط معلومہ اذا خرج لرستاق بلا عذر ولو اقل من اسبوعین) او خمسۃ عشر فاکثر لعذر شرعی کطلب المعاش ولم یزد علی ثلثۃ اشھر وانہ یسقط ولا یعزل لو سافر لحج و نحوہ او خرج للرستاق لغیر عذر مالم یزد علی ثلثۃ اشھر وانہ یسقط ویعزل لو خرج واقام اکثر من ثلثۃ اشھر و لو لعذر قال الخیر الرملی وکل ھذا اذا لم ینصب نائبا عنہ والا

قولہ ابن شحنہ کی نظم، اس کی شرح کا ماحاصل یہ ہے جو بزازیہ کی اتباع میں بیان کیا کہ اگر غیر حاضر ہونے والا شہر میں ہی شرعی علم یا حدِ سفر سے کم مسافت کے لئے شہر سے باہر گیا اور بلا عذر پندرہ دن سے زیادہ ماہ مر قیام کیا تو ایک قول کے مطابق معزول نہ کیا جائے گا وہ معزول ہی مقررہ وظیفہ ساقط ہوگا یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ جب بلا عذر شہر سے متعلقہ سراؤں میں پندرہ دن سے کم غائب رہا ہو، یا کسی شرعی عذر کی بناء پر مثلاً طلب معاش کے لئے پندرہ دن سے زائد اور تین ماہ سے کم غائب رہا ہو، تو وظیفہ ساقط ہوگا اور معزول نہ ہوگا یونہی اگر فرضِ حج کیلئے سفر پر رہا ہو یا بغیر عذر تین ماہ سے زائد شہری سراؤں میں غائب رہا ہو، اور اگر شہر سے باہر تین ماہ سے زائد اگرچہ عذر کی بناء پر غائب ہو کر وہاں مقیم رہا ہو تو وظیفہ ساقط اور معزول بھی ہوگا۔ اور خیر رملی نے فرمایا یہ تمام صورتیں تب ہوں گی جب وہ اپنا نائب مقرر نہ کر گیا ہو ورنہ

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۸

فلیس لغیرہ اخذ وظیفتہ اھ وفی القنیۃ من باب الامامۃ امام یترک الامامۃ لزیارۃ اقربائہ فی الرساتیق اسبوعا او نحوہ او لمصیبۃ او لاستراحۃ لاباس بہ ومثلہ عفو فی العادۃ والشرع اھ وقد ذکر فی الاشباہ عبارۃ القنیۃ ھذہ وحملہا علی انہ یسامح اسبوعا والاظہر ما فی اٰخر شرح منیۃ المصلی للحلبی ان الظاہر ان المراد فی کل سنۃ ذکر الخصاف انہ لو اصاب القیم فالج او نحوہ فان امکنہ الکلام والاخذ والاعطاء فلہ اخذ الاجر، والا فلا قال الطرسوسی ومقتضاہ ان المدرس و نحوہ اذا اصابہ عذر من مرض او حج بحیث لایمکنہ المباشرۃ لایستحق المعلوم لانہ ادار الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرۃ فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وھذا ھو الفقہ اھ، ولاینافی ما مر من المسامحۃ باسبوع ونحوہ لان القلیل مغتفر کما سومح بالبطالۃ المعتادۃ اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔

اس کا وظیفہ کوئی دوسرا وصول نہیں کرسکتا اھ اور قنیہ کے امامت کے باب میں ہے کہ اگر امام نے ہفتہ بھر امامت کا ترک سرائوں میں رہائش پذیر اپنے اقرباء کی زیارت یا کسی مصیبت کی بنا پر یا آرام کرنے کے لئے کیا تو کوئی حرج نہیں شرعا اور عادۃً یہ معاف ہے اور اشباہ میں قنیہ کی مذکورہ عبارت ذکر کرکے فرمایا کہ ہفتہ کی مقدار میں چشم پوشی سے کام لیا جائے، اور زیادہ ظاہر وہ قول ہے جو منیۃ المصلی کی شرح حلبی کے آخر میں مذکور ہے کہ ہفتہ بھر پورے ایک سال میں مراد ہے، خصاف نے ذکر فرمایا کہ اگر متنظم کو فالج یا کوئی مرض لاحق ہوگیا تو اس میں گفتگو اور لین دین کرنا ممکن ہو تو وہ اپنے اجر کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں، اس پر طرسوسی نے فرمایا کہ اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ مدرس وغیرہ کو جب کوئی عذر مثلاً مرض یا فرض حج پیش آئے جس کی وجہ سے وہ فرض منصبی ادا نہ کرسکے تو مقررہ وظیفہ کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ مطلوب فرض منصبی کی ادائیگی پر مطلوب ہے اگر یہ پایا گیا تو وظیفہ کا استحقاق ہوگا ورنہ نہیں، فقہ یہی ہے اھ، یہ بیان ہفتہ تک کی چشم پوشی کے مذکورہ حکم کے منافی نہیں ہے کیونکہ قلیل معاف ہوتا ہے جیسا کہ عادت میں معتبرہ تعطیلات میں چشم پوشی ہوتی ہے اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۰

مسئلہ ۹۶: از سورت حیدروس منزل خانقاہ عیدروسیہ مرسلہ حضرت سید علی بن زین بن حسن عیدروس سجادہ نشین خانقاہ مذکور ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں زید محض اس خیال سے کہ متولیان وقف کا مال غفلت وبے پرواہی سے خورد برد کرجاتے ہیں گورنمنٹ کے سامنے بغیر مشورہ قرآن وحدیث کے اپنی ذاتی رائے پیش کرتا ہے کہ اوقاف رجسٹرڈ کرائے جائیں اور حساب کی جانچ پڑتال کی جائے حالانکہ گورنمنٹ ایڈووکیٹ جنرل کو اوقاف کے لئے محض اسی غرض کے واسطے مقرر کیا ہوا ہے کہ اگر متولی کے متعلق کسی شخص کو اس قسم کی کوئی خرابی معلوم ہو تو وہ ایڈووکیٹ جنرل کو اس کی اطلاع دے کر اس کی منظوری سے متولی پر دعوٰی کرسکتا ہے باوجود اس کے زید یہ چاہتا ہے کہ اوقاف رجسٹرڈ ہوں اور محکمہ کے کثیر اخراجات مثل رجسٹرڈ کرانے کی فیس، وکلاء وغیرہ کی تنخواہ وغیرہ وغیرہ جس قدر اخراجات ہوں وہ تمام اوقاف سے دئے جائیں حالانکہ واقف کی ان کے لئے وصیت نہیں کیا زید کا یہ عمل از روئے شریعت حقہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ ت)

الجواب

زید کا وہ عمل محض ناجائز وباطل ہے، وہ صریح کوشش ہے کہ زید نے بے حکم شرع وبے شرط واقف اپنے دل سے ایجاد کرکے کسی وقف پر ڈلوانا چاہے ہر وقف پر وہ ڈالیں کہ کوئی وقف ان کا متحمل نہ ہوگا، یہ تو یہ حاکم و قاضی کو بھی وقف میں ایسے ایجاد کا شرعاً اختیار نہیں۔ عقود الدریہ طبع مصر جلد اول صفحہ ۱۹۲:

اذا ثبت الاحداث لایعمل بتقریر ولاۃ القاضی لیس له الاحداث بدون مسوغ شرعی فکیف المتولی وقد صرح فی الذخیرۃ والولوالجیۃ وغیرهما بان القاضی اذا قرر فراشا للمسجد بغیر شرط الواقف لم یحل للقاضی ذلک ولم یحل للفراش تناول المعلوم[1]

جب وقف میں نئے مصارف ثابت کئے جائیں تو ان کی تقرری پر عمل نہ کیا جائے گا کیونکہ قاضی کو شرعی جواز کے بغیر نئے امور نافذ کرنے کا اختیار نہیں تو متولی کیسے کرسکتا ہے، ذخیرہ، ولوالجیہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ اگر قاضی نے واقف کی شرط کے بغیر مسجد کے لئے فرش کی صفائی کرنے والا مقرر کیا تو قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے اور اس مقرر شدہ کو بھی مقررہ وظیفہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ (ت)

ایضاً صفحہ (ص ۱۸۸ پر بھی ہے۔ ت):

واخذ القاضی واعوانه المال کاخذه

قاضی اور اس کے عملہ کا وقف مال کرلینا ایسا ہی ہے

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲

جیسے چوروں کا لینا ہے۔ (ت)

النصوص[1]

بحرالرائق مطبع مصر جلد پنجم ص ۲۱۰:

فی البزازیۃ المتولی لو استأجر الکاتب لحسابہ لایجوز لہ اعطاء الاجرۃ من مال الوقف[2]

بزازیہ میں ہے کہ متولی اگر تعلیم والا نہ ہو اور حسابات کیلئے کسی کو اُجرت پر رکھ لے تو متولی کو اس کی اجرت وقف مال سے دینا جائز نہیں ہے۔ (ت)

ایضاً ص ۲۲۵:

فان قلت فی تقریر الفراش مصلحۃ قلت یمکن خدمۃ المسجد بدون تقریرہ بان یستأجر المتولی من اشالہ والممنوع تقریرہ فی وظیفۃ تکون حقاً لہ ولذا صرح قاضیخان بان للمتولی ان یستأجر خادماً للمسجد باجرۃ المثل واستفید منہ عدم صحۃ تقریر القاضی فی نقیب الوقف بغیر شرط الواقف کشہادۃ ومباشرۃ وطلب بالاولی وحرمۃ المرتبات بالاوقاف بالاولی[3]

اگر تیرا سوال ہو کہ مسجد کے لئے صفائی والے میں وقف کی اصلاح ہے تو میں کہوں گا کہ مسجد کی خدمت مستقل تقرری کے بغیر بھی ممکن ہے کہ متولی اجرت پر کسی سے کرالے جبکہ مستقل وظیفہ پر تقرری ممنوع ہے اور اسی لئے قاضیخان نے تصریح کی ہے کہ متولی مسجد کیلئے مروجہ اُجرت پر کسی خادم سے کام لے سکتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ قاضی وقف کے بقایا وظائف میں مستقل تقرری واقف کی شرط کے بغیر نہیں کرسکتا مثلاً شہادت اور اس کی ادائیگی اور اس کا طلب کرنا بطریق اولٰی اور اوقات کے حسابات کو مرتب کرنا بطریق اولٰی (مستقل تقرری ممنوع ہوگی)۔ (ت)

ایضاً ص ۲۶۳:

فقد علمت ان مشروعیۃ المحاسبات انما ھی لیعرف القاضی الخائن من الامین لا لاخذ شیئ من النظار للقاضی واتباعہ والواقع بالقاہرۃ فی زماننا الثانی وقد شاھدنا

تو معلوم کرچکا کہ نگران حضرات سے حساب یہ صرف اس لئے مشروع ہے کہ قاضی کو معلوم ہوسکے کہ کون خائن ہے یا امین ہے، اس لئے نہیں کہ قاضی اور اس کے عملہ کے لئے نگرانوں سے کچھ وصول کیا جائے جبکہ

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۲۱۵
[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۲۱
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۵/۲۲۵

فیہا من الفساد للاوقاف کثیرا بحیث تقدم کلفۃ المحاسبۃ علی العمارۃ والمستحقین و کل ذٰلک من علامات الساعۃ[1]

قاہرہ میں اس وقت دوسری صورت مروج ہے اور اس سلسلہ میں ہم نے اوقاف میں بہت سے فسادات کا مشاہدہ کیا ہے جہاں پر محاسبہ کے اخراجات کو وقف کی عمارت اور اس کے مستحقین پر مقدم حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ تمام امور علاماتِ قیامت سے ہیں (ت)

پھر زمانے کی حالت صدہا سال سے دگرگوں ہو رہی ہے، دیانت امانت اور روپے کے معاملے میں حرام و حلال کی پروا نادر رہ گئی ہے، ابھی اسی عبارت بحرالرائق میں سن چکے کہ وہ اپنے زمانہ میں جسے چار سو برس ہونے آئے قاہرہ کے اوقاف کا کیا حال بتاتے ہیں کہ اہلکاروں کی حساب فہمیوں ہی نے وقف کے وقف تباہ کر دئے ابھی تو متولی تنہا ہے، ورا سے حساب کا خوف لگا ہے اور ہر مسلمان کو اس کی شکایت کا حق پہنچتا ہے اور تقلب کرے تو اس کے ہاتھ میں اپنی برأت کی کوئی دستاویز نہیں، اور جب اوقاف رجسٹرڈ کرا دئے گئے اور حساب فہمی پر اہلکار مقرر ہوئے اور حساب رجسٹروں پر چڑھا دئے گئے متولیوں کو شکایت و مطالبے سے تو اطمینان ہو گیا کہ ان کا جمع خرچ پاس ہو لیا مگر ان میں جو ہوتے ہیں اُن کا خیانت سے بچنا نامعلوم، بلکہ وہ اپنی اغراض فاسدہ کیلئے حساب فہمی کو ہی راہی کرنا چاہیں گے اور انھیں بہت ایسے مل ہی سکیں گے اس وقت وقف میں ایک کی جگہ دس کھانے ہونے کا اندیشہ ہے اور اُن کا صاف ارشاد ہے تجربہ میں فرماتے ہیں شاہدنا فیہا من الفساد للاوقاف کثیرا[2] (ہم نے قاہرہ میں اوقاف کا کثیر فساد دیکھا ہے۔ ت) اور اُن کا وہ اعتراض تو ضرور لازم ہے کہ وہ حالاتِ شرح فیصیں قاہرہ میں خرابی کی خرابی لی گئیں وقف کی عمارت اور اس کے مستحقوں کا حق پورا ہو یا نہ ہو، فنسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ از سہسوان مسئولہ مولوی فضل احمد بدایونی ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

اگر جائداد موقوفہ سے رجوع شرعاً ناجائز ہو تو ایسے میں توسیع خرچ کی کر سکتا ہے مثلاً پندرہ روپیہ یا بیس روپے ماہوار متولی کو ملتا ہے بوجہ تنگی عیال اطفال گزر مشکل ہے نوکری چاکری کی قوت یا ہمت نہیں اور کام آپ ہی کرتا ہے اگر اپنے خرچ میں توسیع کرے جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۲۳

[2] " " " " " " "

الجواب

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

من کان فقیرا فلیاکل بالمعروف[1]۔

جو حاجتمند ہے وہ موافق دستور کھائے۔

اور فرماتا ہے:

واللہ یعلم المفسد من المصلح[2]۔

خدا خوب جانتا ہے کون بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔

اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رب متخوض فیما شاءت نفسہ من مال اللہ ورسولہ لیس لہ یوم القیمۃ الا النار[3]۔ رواہ احمد والترمذی وقال حسن صحیح عن خولۃ بنت قیس والبیہقی فی الشعب عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

بہت وہ کہ اللہ و رسول کے مال میں اپنی خواہش نفس کے مطابق دھنستے ہیں ان کے لئے قیامت میں نہیں مگر آگ (اس کو احمد نے اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو خولہ بنت قیس سے صحیح اور حسن قرار دیا ہے اور بیہقی نے اس کو اپنی شعب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لوکان لابن اٰدم واد من ذھب لابتغی الیہ ثانیا ولوکان لہ وادیان لابتغی الیھما ثالثا ولا یملأ جوف ابن اٰدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب۔ رواہ

اگر ابن آدم کے لئے ایک جنگل بھر سونا ہو تو دوسرا جنگل اور مانگے، اور دو جنگل ہوں تو تیسرا چاہے، اور ابن آدم کا پیٹ نہیں بھرتی مگر خاک، اور تائب کی توبہ اللہ قبول کرتا ہے (اس کو

---

[1] القرآن الکریم ۴/۶
[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۰
[3] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء ان الغنی غنی النفس امین کمپنی دہلی ۲/۶۰
[3] الترغیب والترہیب بحوالہ البزار الترغیب فی الاقتصاد حدیث ۳۰ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۲
صحیح البخاری باب مایتقی من فتنۃ المال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۵۳
مسند احمد بن حنبل حدیث ابی واقد اللیثی دارالفکر بیروت ۵/۲۱۹

احمد والشیخان عن ابن عباس والترمذی عن انس، والبخاری عن ابن الزبیر وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ واحمد عن ابی واقد والبخاری فی التاریخ والبزار عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم

شیخین نے ابن عباس اور ترمذی نے انس سے اور بخاری نے ابن زبیر سے اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور احمد نے ابوواقد سے اور بخاری نے تاریخ میں اور بزار نے بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ (ت)

وقف سے رجوع ناممکن، پھر جہاں تک ہو اگر اُس کے صرف سعی و حسن خدمت کے لحاظ سے بقدر اجر مثل کے نہیں تو منزوہ اجر مثل تک تکمیل کر دی جائے گی، اور اگر واقعی اجر مثل بھی اس کے واجبی مصرف کو کفایت نہ کرے تو وقف کی فاضلات سے تاحد کفایت اس اور میں اضافہ بھی ممکن، مگر زید یوں کہ بطور خود کہ خود ہی مدعی اور خود ہی حاکم ہو ٹھیک نہیں، بلکہ وہاں کے افسر اہل یا عالم سُنّی دیندار کی طرف رجوع کرے یا معتمد معزز متدین ذی رائے مسلمانانِ شہر کے سپرد کرے وہ بعد تحقیقات کامل اجر مثل تک حکم دیں یا بشرط صدق حاجت و عدم کفایت تا قدر کفایت اضافہ کریں۔ اس تقدیر پر اُن کو یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب واقف خود ہی متولی ہوا اور خود ہی وقف میں یہ اجر تجویز کیا تو اب کون سی بات حادث ہوئی کہ وہ مجوزہ ناکافی ہوگیا۔

ردالمحتار میں ہے:

ان شرط الواقف قدر ما عینہ لہ الواقف ولو اکثر من اجر المثل کما فی البحر ولو عین لہ اقل فللقاضی ان یکمل لہ اجر المثل بطلبہ کما بحثہ فی انفع الوسائل، ویأتی قریبا ما یؤیدہ، وھو مقید لقولہ الاٰتی لیس للمتولی اخذ زیادۃ علی ما قرر لہ الواقف اصلا۔[1]

نگران کو واقف کی شرط کے مطابق مقررہ وظیفہ ملے گا اگرچہ یہ مروج سے زائد ہو، اور اگر واقف کا مقرر کردہ مروج سے کم ہو تو اس کے مطالبہ پر مروج تک مکمل کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ اس کو انفع الوسائل نے بحث کے طور پر ذکر کیا ہے، اور اس کی مزید تائید عنقریب آئے گی اور یہ اس کے آئندہ قول کہ "متولی کو مقررہ پر زیادتی کا ہرگز اختیار نہیں ہے" سے مقید ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تجوز الزیادۃ من القاضی علی معلوم

جب امام کے لئے مقررہ وظیفہ کفایت نہ کرے تو

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۰

الامام لو کان لا یکفیہ۳؎ | قاضی کو زائد کرنے کا اختیار ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاہر انہ یلحق بہ کل من فی قطعہ ضرر اذا کان المعین لا یکفیہ کالناظر والمؤذن ومدرس المدرسۃ والبواب ونحوہم اذا لم یعملوا بدون الزیادۃ ویؤیدہ ما فی البزازیۃ اذا کان الامام والمؤذن لا یستقر لقلۃ المرسوم للحاکم الدین ان یصرف الیہ من فاضل وقف المصالح والعمارۃ باستصواب اہل الصلاح من اہل المحلۃ لو اتحد الواقف والجہۃ واللہ تعالٰی اعلم۔

ظاہر ہے کہ جس کا معزول کرنے میں نقصان ہو کہ مقررہ رقم کفایت نہ کرتا ہو تو اس کے معاملہ کو بھی اس سے لاحق کیا جائے گا، مثلاً نگران، مؤذن، مدرس، چوکیدار وغیرہ حضرات جب یہ لوگ وظیفہ زائد کے بغیر کام نہ کریں، اس کی تائید بزازیہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ جب امام اور مؤذن وظیفہ کی قلت کی وجہ سے استقرار نہ کریں تو حاکم دین کو محلہ کے اہل لوگوں کے مشورہ سے وقف کے مصالح اور عمارت سے حاصل آمدنی میں سے ان کے لیے صرف کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ فاضل آمدنی والے اوقاف کا واقف اور ان کی جہت ایک ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از رام پور محلہ ... مرسلہ حضرت ... صاحب ۹ ربیع ثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد بایں الفاظ وقف کی کہ تاحیات اپنی آمدنی جائداد موقوفہ کی اپنے مصارف میں لاؤں گا اور بعد میرے اولاد اپنی ضروریات میں صرف کرتی رہے، جب میرے اولاد میں سے کوئی شخص باقی نہ رہے تو علمائے صالحین محل مشروحہ میں صرف کرتے رہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ عمرو دائن زید مدیون کی اس آمدنی پر جو تاحیات اس کو جائداد موقوفہ سے اپنے مصارف میں ... اجرائے ڈگری چاہتا ہے تو وہ شرعاً کرا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہاں جائداد پر نہیں کرسکتا آمدنی جو زید کو ملتی ہے اس پر کرسکتا ہے کہ جائداد وقف ہے اور آمدنی زید کی ملک۔ ردالمحتار میں ہے:

الموقوف علیہ یملک المنافع بلا بدل۔۱؎ واللہ تعالٰی اعلم۔

موقوف علیہ حضرات وقف کے منافع کے بلاعوض مالک ہوں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

۱؎ درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۳۹۱/۱

۲؎ ردالمحتار 〃 〃 〃 〃 دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۰۹/۳

۳؎ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۳۶۹/۳

مسئلہ ۸۲: از ضلع سیتاپور، لاہرپور مدرسہ اسلامیہ مسئولہ ابو محمد یوسف متعلم مدرسہ اسلامیہ
۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۳ھ سہ شنبہ

والا جناب مستطاب اعلیٰحضرت مجدد مائۃ حاضرہ لازال شموسہم، فضائلہم تسلیم مسنون کریم مشحون معظم مقرون گزارش ہے بعد ورود والا نامہ فیض شمامہ عزت افزائی ہوئی، جواب استفتاء بجد تسکین بخش صادر ہوئیا اللہ تعالٰی جناب والا کی بزرگ ذات کو ہمیشہ سلامت رکھے اور اس فیض عام سے مسلمانان عالم کو فیضیاب فرماتا رہے آمین بحرمۃ النبی والہ الامجاد، جناب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم مغفور کی خبر رحلت دریافت ہوکر بہت رنج ہوا، صرف ایک بات اور دریافت طلب ہے جو گزارش کی جاتی ہے ذرہ شفقت بزرگانہ اس کے جواب سے بھی مطلع کیا جاؤں، بجواب استفتاء مزامیر پر صرف ناجائز فرمایا بہت درست و بجا ارشاد ہے عین حکم شریعت ہے صرف اس قدر عرض ہے کہ صرف کسی قوال سے کوئی قصیدہ یا غزل نعتیہ یا توحید وغیرہ یا سلام وغیرہ سن کر عین حالت سماع میں یا بوقت رخصت حسب دستور قدیم سابق اوقات اوقات سے بطور ندر قلیل و کثیر دینا جائز ہے یا نہیں، جیسا کہ مشائخ علیہم الرحمۃ کی مجالس عرس میں بزرگوں کا دستور رہا ہے در حالیکہ وہ مزامیر سے خالی ہوں اور اس پر حضور انور حیات رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اُسی فعل سے سند لیں جو حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ [illegible] سے کہ حضور نے حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے آنحضرت کا قصیدہ سن کر ردائے مبارک عنایت فرمائی تھی ٹھیک ہے یا نہیں، امیدوار ہوں کہ اسی طریقہ پر یہ جواب بھی مرحمت ہوجائے، عین ذرہ نوازی ہوگی فقط۔

الجواب

قوال اگر نہ امرد ہو نہ عورت، اور اشعار صحیحہ حمد ونعت و منقبت بلا مزامیر خوش الحانی سے پڑھے یا خاص مجمع صالحین میں اُن کے ساتھ تغنی کرے بالجملہ کسی فتنہ پر فی الحال اشتمال نہ آئندہ اس کا صحیح احتمال، تو صحیح یہ ہے کہ بلاشبہہ جائز ہے اور اس پر کچھ دینا بھی روا، اور واقعہ کعب بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن سے قصیدہ نعتیہ استماع فرماکر ردائے مبارک عطا فرمائی اس پر استناد صحیح ہے اور جبکہ شدائد قدیم میں اس صورت جائزہ پر دینا چلا آیا ہے تو اب بھی دیا جائے گا بلکہ وہ صادرین و واردین میں داخل ہے، اور قلیل و کثیر بھی معہود قدیم پر دائر رہے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۳: مسئولہ بدرالدین صاحب ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ جامع مسجد بمبئی کے احاطہ میں ایک دفتر خانہ ہے اور جس کے انتظام کے متعلق گیارہ اشخاص کو کہ جماعت المسلمین بمبئی کی جانب سے مشاور مقرر ہیں

ان میں سے اکثرین کی رائے سے یہ قرار داد طے ہوئی ہے کہ دفتر خانہ مذکور میں ٹیلیفون لیا جائے باوجودیکہ مسجد کے ساتھ کوئی تجارتی تعلقات ہیں اور نہ کوئی دوسرے اسباب ٹیلیفون کے، بلکہ اس سے فقط تضییع مال وقف ہے پس ایسے ٹیلیفون کا لینا مال وقف سے شرعًا درست ہے یا نہیں؟

دوسرا اسی کے ساتھ یہ قرار داد بھی طے ہوئی کہ دفتر خانہ مذکور میں جہاں مجلس منتظمہ مشاورین منعقد ہوتی ہے وہاں ایک برقی پنکھا اپنے آرام و تعیش کے واسطے لیا جائے، کیا ایسا خرچ مال وقف میں سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ دفتر خانہ مذکور میں باوجودیکہ گیاس کی روشنی موجود ہے اس کو بند کرکے اس کی جگہ برقی روشنی کے خرچ کا مال وقف کو زیر بار کرنا شرعًا کیا حکم رکھتا ہے، اطلاعًا یہ بھی گزارش ہے کہ مجلس منتظمہ کے اجلاس علی الدوام زمانہ قدیم سے دن کے وقت طے ہوتے ہیں اور اگر احیانًا رات کو ضرورت پڑی تو گیاس کی روشنی موجود ہے برقی روشنی کی بالکل ضرورت نہیں۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ ایسے مشاورین جو مال وقف سے ایسے فضول اور اسراف بیجا کریں ان کے متعلق شریعت غرا کا کیا حکم ہے؟

پس ان مسائل مذکورہ کے جوابات کتب شرعیہ سے مدلل بیان فرمائیں جزاکم اللہ خیرا، بیّنوا توجروا۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ بعض متولیوں سے ایک نے کہا کہ اس باب میں یعنی مال اوقاف سے ان کاموں میں صرف کرنے سے علماء سے رائے لینا شرعًا ضرور ہے، پس متولیان مجوزین سے ایک نے کہا کہ یہاں شریعت کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں تو عالموں کے منہ میں پیشاب کرتا ہوں، اس وقت اس سے کہا گیا کہ یہ کیا کلمہ کہتا ہے، خدا سے ڈر۔ تو اس نے کہا کہ خدا تو اوپر ہے اور ہم زمین پر، اگر خدا یہاں آئے تو ہم اس کو درست کردیں گے۔ پس ایسے کلمات ناشائستہ کہنے والوں کا شرعًا کیا حکم ہے؟ مفصل و مدلل مع سند ہائے کتب شرعیہ بیان فرمائیں، جزاکم اللہ۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں یہ نئی بدعتیں کہ مشاورین وقف میں حادث کیا چاہتے ہیں ٹیلیفون اور برقی پنکھا اور برقی روشنی مال وقف پر بار ڈالنا محض حرام ہے، فتح القدیر میں ہے:

امرنا ببقاء الوقف علی ما کان[1] ہمیں حکم ہے کہ وقف کو گزشتہ حال پر قائم رکھیں (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

پر وہاں فرمایا ہے جہاں منافیِ وقف کے لئے مصرفِ مشروط پر زیادت کی جائے نہ کہ بے حاجت رکھ دینا تفتیش و ترقی پر حرام در حرام ہے، مال وقف حکم مال یتیم میں ہے۔ اور رب عزوجل فرماتا ہے:

ان الذین یاکلون اموال الیتٰمی ظلمًا انما یاکلون فی بطونھم نارًا[1] | جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ (ت)

یہ اسراف ہے اور اللہ مسرفوں کو دوست نہیں رکھتا انہ لا یحب المسرفین[2] (اللہ تعالٰی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ت) یہ تبذیر ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین وکان الشیطٰن لربہ کفورا[3] | بیشک مال بیجا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

یہ اُن کو فرمایا جو اپنا مال بیجا اڑائیں نہ کہ وقف کا۔ ایسے متولیوں کو معزول کرنا واجب ہے، درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف درر فغیرہ بالاولٰی غیر مامون[4] | لازمی طور پر معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہو درر، تو دوسرے اگر قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ بطریق اولٰی معزول ہوں گے۔ (ت)

یعنی اگر خود واقف کی طرف سے مال وقف پر کوئی اندیشہ ہو تو واجب ہے کہ اسے بھی نکال دیا جائے اور وقف اس کے ہاتھ سے لے لیا جائے تو غیر واقف بدرجہ اولٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) ایسے اقوال ملعونہ بکنے والا کافر مرتد ہے اُس کی عورت اُس کے نکاح سے نکل گئی، مسلمانوں پر اس سے میل جول حرام ہے، وقف مسلمانان میں اسے دخل دینا حرام ہے، اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا حرام ہے، اُس کا جنازہ اٹھانا حرام ہے، جنازہ کے ساتھ جانا حرام ہے، اُسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام ہے، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام ہے، اُسے کسی قسم کا ایصال ثواب کرنا کفر ہے۔

قال اللہ تعالٰی ولا تصل علٰی احد منھم مات ابدا ولا تقم علٰی قبرہ[5] | اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان میں سے فوت ہونے والے پر نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھو اور نہ آپ ان کی قبر پر قیام فرمائیں (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۰
[2] القرآن الکریم ۶/۱۴۱
[3] " ۱۷/۲۷
[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳
[5] القرآن الکریم ۹/۸۴

جو اُسے اب بھی مسلمان جانے یا اس کے کافر مرتد ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اُس کے لئے بھی یہی احکام ہیں۔ شفائے امام قاضی عیاض و بزازیہ و بحرالرائق و مجمع الانہر و درمختار وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

من شك فی عذابه وكفره فقد كفر۔[1] جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے تو وہ کافر ہے۔ (ت)

نسأل الله العفو والعافیة ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور درگزر کرنے کی درخواست کرتے ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (ت)

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة انك انت الوھاب۔[2] اے ہمارے رب! ہدایت فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے فضل سے ہمیں رحمت عطا کر، بیشک تُو بہت عطا کرنے والا ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ تا ۱: مرسلہ حکیم محمد حیات خاں صاحب آگرہ کوچہ چکیلان حیات منزل ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر اوقاف بشمول مسجد جامع وغیرہ آگرہ میں ایک انجمن کے تحت و در نگرانی ہیں جس کے پانچ ممبر ہیں منجملہ ان پانچوں کے ایک ممبر صاحب انجمن ہلال احمر آگرہ کے بھی سکریٹری ہوگئے ہیں، تھوڑا عرصہ ہوا کہ کچھ ترک قسطنطنیہ سے بغرض اظہار شکریہ مسلمانان آگرہ میں تشریف لائے اور بایما ان ممبر صاحب کے جو ہلال احمر کے سکریٹری ہیں بلا دریافت دیگر ممبران کمیٹی ایک جلسہ مسجد جامع آگرہ میں منعقد ہوا اس جلسے کے متعلق جملہ انتظامات ممبر صاحب موصوف نے ملازمان مسجد سے کرائے اور جو کچھ روشنی میں خرچ ہوا وہ انجمن اوقاف مذکورہ صدر سے دلوایا اور یہ کہا کہ چونکہ مسجد جامع مسلمانان آگرہ کی ہے اور یہ جلسہ مسلمانان آگرہ کا تھا اگر مسجد میں روشنی زائد نہ ہوتی تو باعث بدنامی مسلمانان تھا اس کارروائی پر دو ممبر معترض ہوئے تو ایک چوتھے ممبر صاحب نے وہ جو روشنی میں خرچ کی گئی تھی اپنے پاس سے ادا کردی اور یہ کہا کہ میں رفع نزاع کے لئے دیتا ہوں پس امورات قابل استفسار یہ ہیں:

(۱) آیا اول ممبر صاحب کا یہ فعل کہ ملازمان وقف سے انجمن ہلال احمر کا کام لیں درست تھا؟

(۲) آیا ایسے ملازم جو ذی استعداد وعلم دین سے بہرہ ور کہے جاتے ہیں اور انھوں نے خود و نیز اپنے ماتحت ملازموں سے بلا اجازت انجمن اوقاف مذکورہ بالا کام کرائے ان ملازموں کا یہ فعل جائز تھا؟

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۳/۸

(۳) جو صرفہ آمدنی وقف سے روشنی کا دلوایا گیا وہ جائز تھا؟

(۴) اگر دیگر ممبرے اُس خرچہ کو ادا کردیا تو آمدنی وقف میں شامل کرنے جانے میں کوئی امر مانع شریعت تو نہیں ہے؟

الجواب

شرائط اوقاف پر نظر کی جائے اگر معاملہ مذکورہ اُن کے تحت میں داخل ہوتا ہو تو حرج نہیں ورنہ اُس ممبر کو ایسا کرنا جائز نہ تھا، کام کرنیوالوں نے اگر کار اوقاف کا حرج کرکے کام کیا تو وہ بھی گنہگار ہوئے، ممبر جس نے معاوضہ دے دیا اپنی حسن نیت پر اجر پائے گا اور اُس معاوضہ کو قبول کرلینا جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۲: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

اکثر سجادہ نشینان ومتولیان وشیخوان وممبران وملازمان وقف آمدنی ہائے جائداد وقف کو اپنی ہی ملک اور اس کی زیادہ تر آمدنی کو بھی اپنے ہی مصارف میں صرف کرنا درست وحق سمجھتے ہیں درانحالیکہ وقف جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ نیک ہی ثواب کے کاموں میں صرف ہونا چاہئے جیسا کہ کلکتہ، مدراس، بمبئی، الہ آباد کی کورٹوں میں بھی تسلیم کیا ہے، پس ان کا ایسا سمجھنا وکرنا برخلاف شرع کا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مذکورین کے لئے کوئی وعید بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو عوام مسلمین کو ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب

وقف میں اتباع شرط واقف لازم ہے،

فقد قال علماؤنا ان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ[1]

ہمارے علماء نے فرمایا کہ واقف کی شرط پر عمل شارع کی نص پر عمل کی طرح ضروری ہے۔ (ت)

اگر واقف نے یہی شرط کردی ہے کہ اکثر حصہ اُس کا سجادہ نشینوں متولیوں کے صرف میں آئے تو اُن کا ایسا کرنا بجا ہے اور اُن پر کچھ الزام نہیں، اور اگر شرائط واقف کے خلاف وہ براہِ تعدی مال وقف کو ظلماً اپنے مصارف میں لاتے ہیں تو ظالم ہیں غاصب ہیں واجب الاخراج ہیں، لازم ہے کہ وقف ان کے ہاتھ سے نکال لیا جائے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا بزازیۃ لو الواقف درر فغیرہ بالاولٰی لو غیر مامون[2]

لازمی طور پر معزول ہوگا، بزازیہ۔ اگرچہ واقف ہو، درر۔ تو غیر بطریق اولٰی اگر وہ ناقابلِ اعتماد ہو۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۰۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

مالِ وقف مثل مالِ یتیم ہے جس کی نسبت ارشاد ہوا کہ جو اسے ظلماً کھاتا ہے اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے اور عنقریب جہنم میں جائے گا، ان الذین یاکلون اموال الیتٰمٰی ظلمًا انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا[1]۔ اگر وہ لوگ اس حرکت سے باز نہ آئیں ان سے میل جول چھوڑ دیں، ان کے پاس بیٹھنا روا نہ رکھیں۔

قال اللّٰہ تعالٰی واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین[2] واللّٰہ تعالٰی اعلم

اللہ تعالٰی نے فرمایا، جب کبھی شیطان تجھے بھلا دے تو پھر یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۳ تا ۱۰۲ از سراپچ سیدواڑہ بدولتکدہ حاجی احمد اللہ شاہ صاحب مرسلہ وہاب علی
مورخہ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں،

کسی مقام پر ایک بزرگ کا مزار ہے اور اس کے متعلق وقف کی معقول آمدنی ہے خادمانِ وقف کی بدنظمی سے عدالت نے اس وقف کو خادموں کے ہاتھ سے نکال کر ایک کمیٹی کے سپرد کیا جو وقف کمیٹی کے نام سے موسوم ہے۔ عدالت نے اس کمیٹی کے ممبران کے لئے جو اس میں شریک ہوں سنی المذہب ہونا ضروری رکھا ہے اور عدالت نے اس وقف کی نگرانی کے لئے قواعدِ وقف بھی مرتب کئے اور ان قواعد میں اخراجات کے مدات قائم کئے اور یہ شرط کردی کہ بجز ان مدات کے جو قواعد میں درج ہیں کسی دوسرے مدات غیر مندرجہ قواعد میں یہ رقم نہ صرف کی جائے۔

(۱) ان اخراجات کے مدات میں ایک مد خیرات کی بھی ہے جس کے الفاظ وقف قواعد میں یہ ہیں وہ خیراتی (امداد فنس) یعنی دلی نعت وخیرات وتقسیم کھانا کپڑا بعوض پرورش غربا۔ اگر ایسے خیراتی (امداد فنس) یعنی وظائف سے ان مساجد میں موذنوں کو تنخواہ دینا جن کا کوئی تعلق اس وقف سے نہیں ہے یا ایسے ہی دوسرے مصارف مثلاً مدارس اردو انگریزی یا کسی انجمن کے اس مدرسہ کو جس کا کوئی تعلق وقف سے نہیں ہے ان کے مدرسین کو تنخواہ دینا شرعاً جائز ہے؟

(۲) اگر ممبران کمیٹی آمدنی وقف سے ایک مد کی رقم کسی دوسرے مد مندرجہ یا غیر مندرجہ مدات میں صرف

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۰
[2] القرآن الکریم ۶/۶۸

کریں اُس وقت مسلمانوں کو اُن سے بازپرس کا حق ہے یا نہیں ؟ اور وہ لوگ اُس رقم صرف شدہ کے ادا کرنے پر شرعاً شرعیہ سے مجبور ہیں یا نہیں ؟

(۳) ایسے ممبران جو ہر کارروائی وقف کمیٹی کو عام مسلمانوں سے پوشیدہ کریں یا پوشیدہ رکھنے کی کوشش کریں یا اپنی خود رائی سے اس وقف کا روپیہ کسی بیجا طور پر صرف کریں تو ایسے لوگوں کا اُس وقف کا ممبر رہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور عام مسلمانوں کو اوقاف کی جانچ کا اختیار ہے یا نہیں ؟

(۴) اگر وقف کمیٹی کے اکثر ممبران صدر انجمن وقف کے ہمخیال ہوں اور بوجہ اپنی کثرت رائے کے احکام شرعیہ نیز قواعد وقف کمیٹی کے خلاف عملدرآمد کریں یا کرتے ہوں اور اُسی کمیٹی کا ایک ممبر زید جو اُن کا ہمخیال نہیں ہے محض اپنی ذاتی معلومات و واقفیت و اطمینان کے لئے متعلق وقف کاغذات وقف کو دیکھنا چاہے اور اس کی اصلاح کرنا چاہے اُس وقت وہ ممبران جو ہمخیال صدر انجمن ہیں زید کو اس کے ارادہ سے باز رکھیں یا جس کاغذ کو وہ دیکھنا چاہتا ہے اس کو ان کاغذات کے دیکھنے کی اجازت نہ دیں یا اُس کو اس کے فرض منصبی ادا کرنے سے باز رکھیں تو ان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے ؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۵) قواعد وقف مرتبہ عدالت نے کمیٹی وقف کو اختیار دیا ہے کہ کمیٹی حسب ضرورت دوسرے قواعد بنا دے قواعد مرتبہ عدالت مرتب ہے۔ قواعد وقف مرتبہ عدالت میں کسی ممبر کمیٹی کو جانچ پڑتال کاغذات عام نگرانی کی ممانعت نہیں ہے ایسی صورت میں کیا ممبران وقف و صدر وقف کو یہ اختیار شرعاً حاصل ہے کہ وہ جدید قواعد وقف ایسے مرتب کرلے کہ جس سے زید مذکور کاغذات وقف دیکھنے سے مجبور ہو جائے یا یہ کہ وہ ممبران جو ہمخیال صدر انجمن ہیں اپنی کثرت رائے سے ... پاس کر دیں کہ کوئی ممبر وقف کمیٹی بغیر اجازت صدر انجمن وقف کوئی کاغذ نہیں دیکھ سکتا اُن کی یہ کارروائی شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں ؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۶) سامان روشنی، فرش فروش، خیمہ وقنات و دیگر فرنیچر مثلاً شامیانہ و میز و کرسی وغیرہ جو وقف کی ملک ہیں اہلیان شہر کو اُن کی مشروع و غیر مشروع جلسوں میں دینا یا کسی رئیس کی رہائش کے سامان اُسی وقف سے دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۷) مذہبی تقریبات میں جو شیرینی بغرض تقسیم آتی ہے وہ اس محفل کے حاضرین کے لئے مخصوص ہے یا مسلم اور غیر مسلم جو اُس تقریب میں شریک نہیں ہیں اُن کے گھروں میں وہ شیرینی بطور تبرک بھیجنا یا اہلیان شہر کی اُس اوقاف کے روپیہ سے دعوت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۸) اگر کوئی شے یا کتاب جو وقف کی ملک ہے کسی ملازم وقف یا ممبر وقف کمیٹی سے یا کسی غیر شخص سے

تلف ہوجائے تو اُس وقت اُس کا معاوضہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور معاوضہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

(۹) اگر ممبران وقف کمیٹی یا صدر انجمن وقف کمیٹی ملک وقف شدہ سے کوئی چیز کسی انجمن یا کسی مسجد میں جو غیر متعلق اوقاف ہے ہمیشہ کے لئے دے دیں تو اُن کا یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۱۰) اگر جدید قواعد وقف مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اُس وقت احکام شرعیہ کا لحاظ کرکے قواعد وقف مرتب ہوسکتے ہیں یا ممبران وقف کمیٹی کی کثرت رائے پر، شرع شریف کس کے حق میں فیصلہ کرتی ہے؟ (بحوالہ کتب فقہ)

الجواب

(۱) وقف میں شرائط واقف کا اتباع واجب ہے، اشباہ والنظائر میں ہے،

شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ[1]	واجب العمل ہونے میں واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے (ت)

اگر ان مواقع میں صرف کرنا شرط واقف سے جدا ہے جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو یہ صرف محض ناجائز ہے اور اگر واقف نے ہی ان مواقع میں صرف کی اجازت دی ہے جو ان میں مصرف خیر ہو اس میں صرف کرنا جائز ہے اور اگر شرائط واقف معلوم نہ ہوں تو متولیوں کے عملدرآمد قدیم پر نظر ہوگی کما فی الخیریۃ وغیرھا (جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ ت)

(۲) اس کا وہی جواب ہے جو اوپر گزرا جہاں انھوں نے صرف کیا اگر وہ موافق شرط واقف یا اس کے معلوم نہ ہونے کی حالت میں موافق عملدرآمد قدیم متولیان ہے تو وہ صرف جائز ہوا اور اُن سے مطالبہ بازپرس کی کوئی وجہ نہیں ورنہ ناجائز ہوا اور ضرور باز پرس ہے اور اُن پر لازم ہوگا کہ اُس کا تاوان وقف کے لئے ادا کریں۔

(۳) اگر روپیہ بیجا صرف کریں تو ضرور ان کا معزول کرنا واجب ہے، درمختار میں ہے،

ینزع وجوبا ولو الواقف بزازیۃ، فغیرہ بالاولی، درر، لو غیر مامون[2]	لازمی طور پر معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہو، بزازیہ، تو غیر کو بطریق اولٰی، درر، اگر وہ قابل اعتماد نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

اور متولیوں کا وقف کی کارروائی پوشیدہ کرنا کوئی جرم نہیں، نہ ہر شخص ان سے حساب کا مطالبہ کرسکتا ہے جب تک خیانت ظاہر نہ ہو کہ وہ منجانب امین ہیں اور امین پر اعتراض نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ یہ بھی جن کی تولیت بشروط واقف نہ ہو، نہ شرط واقف کے خلاف ہو اور عام مسلمانوں نے اُن کو متولی کیا ہو یا اُن کی تولیت پر راضی ہوئے ہوں۔

(۴) اُن کا یہ فعل شرعاً جائز نہیں اور اُن پر صریح الزام ہے جبکہ وہ دربارہ وقف مخالفت شرع کریں اور دوسرے کو اس کی جانچ سے بھی باز رکھیں۔ حدیث میں ہے:

من استرعی الذئب فقد ظلم۔[1] جس نے بھیڑیئے کو راعی بنایا تو اس نے ظلم کیا (ت)

(۵) یہ کارروائی محض ناجائز ہے کہ اس سے دفع ظلم کا سدباب مقصود ہے۔ متعلق وقف نئے قوانین احداث کرنے کا کسی کو اختیار نہیں جبکہ وہ شرع مطہر یا شرط واقف کے خلاف ہو نہ کہ ایسی صورت کہ مخالفت احکام شرعیہ کی جائے اور اس کی ممانعت کا دروازہ بند کرنے کو یہ قوانین وضع ہوں ایسا قانون اگر خود شرط واقف میں ہوتا مردود ہوتا وہ ہرگز نہ مانا جاتا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً واقف نے کسی کو متولی مقرر کیا اور یہ شرط لگادی کہ اُسے کوئی معزول نہ کرسکے اور جو اُسے معزول کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہو، اور حالت یہ ہو کہ متولی معتمد رکھنے کے قابل نہیں تو فوراً نکال دیا جائے گا اور واقف کی ایک نہ سنی جائے گی اور اس کی وہ لعنت اسی پر واپس جائیگی کما فی الدر المختار۔

(۶) حرام ہے یہاں تک کہ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کو عاریۃً بھی دینا جائز نہیں کما فی العالمگیریۃ عن القنیۃ (جیسا کہ قنیہ سے عالمگیریہ میں ہے۔ ت) نہ کہ زید و عمرو کو یا نامشروع جلسوں کو۔ یہ سراسر وقف پر ظلم ہے جو ایسا کریں وقف سے اُن کا اخراج واجب ہے، کما مر عن الوجیز والدرر والدر (جیسا کہ وجیز، درر اور در سے گزرا۔ ت)

(۷) غیر مسلم کو مال وقف سے بھیجنا تو کسی طرح جائز نہیں کہ وقف کار خیر کے لئے ہوتا ہے اور غیر مسلم کو دینا کچھ ثواب نہیں کما فی البحر الرائق وغیرہ (جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے۔ ت)، (۸) غیر حاضرین مسلمانوں کے گھروں پر بھیجنا، اس میں وہی شرط واقف یا عملدرآمد قدیم کا لحاظ ہوگا بعض مسلمانوں کی دعوت اگر کسی مصلحت وقف کے لئے ہے تو جائز ہے جبکہ شرط واقف یا عملدرآمد کے موافق ہو یا کسی ضرورت خاصہ کے لئے ہو کما ذکروا اللوصی فی مال الیتیم (جیسا کہ علماء نے یتیم کے مال میں وصی کیلئے

---

[1]

فرمایا۔ ت) اور اگر بعض مہتمم اپنی عادات میں کسی کو کھلانا چاہیں جو ان صورتوں سے جُدا ہو تو کھلانا بھی حرام ہے اور کھلانا بھی حرام اور کھلانے والوں پر اُس کا تاوان واجب۔

(۸) متولی وقف امین وقف ہے جبکہ اُس طرح کا متولی ہو جو اوپر مذکور ہُوا اگر اُس سے اتفاقیہ طور پر بے اپنے تقصیر و بے احتیاطی کے وقف کی کتاب یا کوئی مال تلف ہو جائے اس کا معاوضہ نہیں، اور اگر قصداً تلف کرے یا اگر اپنی بے احتیاطی سے ضائع کرے تو ضرور معاوضہ ہے یہی حکم ملازمان وقف کا ہے جبکہ وہ تصرف جو اُس نے کتاب میں کیا اس کی ملازمت میں داخل، اور اسے جائز تھا، ورنہ اگر وقف کے کسی اور صیغہ کا ملازم ہے کتب خانہ پر اس کو اختیار نہیں، اور اُس نے مثلاً کتاب کسی کو عاریۃً دے دی اور ضائع ہوگئی تو ضرور اس پر معاوضہ ہے۔ غیر شخص نے اگر وہ تصرف کیا جو منجانب وقف جس کی اُسے اجازت تھی اور بے اُس کی تقصیر کے کتاب ضائع ہوگئی مثلاً کتب خانہ وقف میں جا کر کتابیں دیکھنے کی اجازت ہو اور عام طور پر معمول ہو کہ کتب میں دیکھ کر اُسی مکان میں رکھ آتے ہیں یا فلاں ملازم کو سپرد کر دیتے ہیں اور یہ اس قاعدہ کو بجا لایا، اور کتاب گم ہوگئی تو اس پر بھی معاوضہ نہیں، ورنہ اگر وہ تصرف کیا جس کی اُسے اجازت نہ تھی یا تھی مگر اس کی تقصیر سے احتیاطی سے کتاب گئی تو ضرور تاوان دے گا، اور بہرحال معاوضہ اُس کتاب کی قیمت یعنی بازار کے بھاؤ سے جو اُس کے دام ہوں، کتاب کو علماء نے ذوی القیم سے ٹھہرایا ہے نہ مثلی ہونے کہ اس وقت تک چھاپے نہ تھے، اور کہہ سکتے ہیں کہ اگر اُسی چھاپے کی ہو یعنی اُسی بار کی چھپی ہو اور کاغذ بھی ایک ہو اور جلد بندی ہو تو عجب نہیں کہ مثلی ہو سکے یعنی کتاب کے معاوضہ میں ایسی ہی کتاب دی جائے مگر تحقیق یہ ہے کہ چھاپہ اور کاغذ کی وحدت بھی مستلزم مثلیت نہیں، ایک کاپی ایک پتھر پر جمی ہوئی اس کے ہزار کاغذ اُترتے جاتے ہیں کوئی ہلکا ہے کوئی اُبھرا ہُوا، کوئی پھیلا ہُوا کوئی صاف ہے، تو بات وہی ہے جو علماء نے فرمائی کہ کتاب قیمتی ہے۔

(۹) حرام ہے، اور وہ چیز وہاں سے لی جائے گی اور نہ مل سکے تو اس سے تاوان لیا جائے گا ہم بحوالہ عالمگیری کہہ آئے کہ ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد کو عاریۃً دینا بھی ناجائز، نہ کہ غیر جگہ دے ڈالنا، جو ایسا کرے واجب العزل ہے۔

(۱۰) وقف کے لئے قوانین کے وضع کرنے کا حال اوپر گزرا کہ خلاف شرط واقف ہرگز جائز نہیں، اور جہاں جائز ہو وہاں قطعاً احکام شرعیہ ہی کا لحاظ فرض ہوگا، اُن کے خلاف جس کسی کا بھی کہنا ہو مردود ہوگا، یہاں کثرت آراء دیکھی جاتی ہے نہ اتفاق رائے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ان الحکم الا للہ[1] (حکم صرف

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

اللہ تعالٰی کا ہے۔ت) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی۔[1] اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔(ت)

واقف جس کے لئے تصریح ہے کہ دربارہ وقف اس کی شرط مثل نص شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام واجب العمل ہے اُس کا تو یہ حال ہے کہ اگر خلاف شرع شرط کرے مردود ہے ہرگز نہ مانی جائے گی، پھر زید وعمرو وکسی کی چیز ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال اقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ فھو رد وان کان مائۃ شرط شرط اللہ احق واوثق۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

ایسی قوموں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں (جائز) نہیں، اور جو کتاب اللہ کے خلاف شرطیں لگائے تو وہ مردود ہوں گی اگرچہ ایسی سو شرطیں ہوں، صرف اللہ تعالٰی کی (مقبول) شرطیں ہی حق ہیں اور ثقہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳ تا ۱۰۵: ازشہر بمبئی کامیکر اسٹریٹ چھاج محلہ مرسلہ بدرالدین عبداللہ ۹ جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) شہر بمبئی کی جامع مسجد کے متولیوں نے یہ رائے قائم کی کہ ایک کرایہ کی زمین لے کر اس پر ایک مکان وقف کے سرمایہ سے بنایا جائے، جس مکان کی لاگت ایک لاکھ چودہ ہزار روپیہ تک ہو اس حالت میں کہ شہر میں سیکڑوں مکانات دوامی بیعنامہ پر مل سکتے ہیں وقف کی اس قدر بڑی رقم ایک کرایہ کی زمین پر صرف کردینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ بالا زمین کے مالک نے کرایہ زمین کی یہ صورت قائم کی ہے کہ زمین مذکور کی ایک خاص رقم قرار دی جائے اور اس قیمت پر سالانہ فیصدی للعہ روپیہ کے حساب سے جو سود ہے اس حساب سے زمین مذکور کا پورا کرایہ قرار دیا جائے، آیا کرایہ کا یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) چونکہ فی الحال بوجہ جنگ مزدوری لکڑی اور دیگر عماراتی اشیاء کی قیمت تین گنی بلکہ چار گنی ہوگئی ہے، ایسے وقت میں وقف مسجد کے سرمایہ کو کرایہ کی زمین پر عمارت بنانے میں صرف کرنا اور تیار شدہ عمارتیں جو کثرت سے

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۳

[2] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷

صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان ان الولاء لمن اعتق " " " ۱/ ۴۹۴

سکتی ہیں انھیں نہ خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ یہ عمارت زرِ مسجد سے کیوں بنائی جاتی ہے اور وہ غرض اغراض وقف مسجد میں داخل ہے یا نہیں اگر اُن اغراض سے خارج ہے تو نہ خریدنا جائز نہ کرایہ پر لینا، اور اگر داخل ہے تو اُس غرض کا حصول خاص اسی زمین سے تعلق رکھتا ہے جسے متولی کرایہ پر لے کر عمارت بنانا چاہتے ہیں یا اور مکانوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اگر اور مکانوں سے بھی حاصل ہے اور وہ مول مل سکتے ہیں اور جدید عمارت بنانے اور کثیر کرایہ دینے سے خریداری میں نفع ہے تو متولیوں کو ہرگز جائز نہیں کہ یہ صورت کریہ اختیار کرکے وقف کو نقصان پہنچائیں،

فان الولایۃ مشروطۃ بالنظر ولا نظر فی الضرر۔

ولایت مشروط بالشفقت ہے اور ضرر میں شفقت نہیں ہے (ت)

سُود ملحوظ کرکے مقدار کرایہ معین کرنا ایک ناپاک بات اور گندہ لحاظ ہے لیکن اگر معین ہو جائے تو اُس کرایہ میں حرج نہیں، مثلاً ہزار روپیہ کی قیمت ہے تو وہ نحس حساب لگا کر وہ نے چار روپیہ مہینہ کرایہ قرار دیا تو وہ نجاست اسی لحاظ ہی میں رہی کرایہ میں نہ آئی یہ دیکھا ہوتا ابتداءً کہ یہ زمین اتنی مدت کو پانے چار روپیہ کرایہ پر کردی، تیسری بات کا جواب مضمون بالا میں آگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۹: از سہسوان ضلع بدایوں قاضی محلہ مرسلہ سید پرورش علی صاحب ۱۴ رجب ۱۳۳۰ھ

حضور نے تنخواہ ماہوار متولی وقف کو اجر مثل کا فتوٰی لکھا ہے، لہٰذا عرض ہے کہ مدرسہ اسلامیہ حنفیہ سہسوان کی زمین موقوفہ سہسوان سے تین کوس ہے متولی کو سواری و خوراک مع سپاہی فصل ہنگام تحصیل وقف سے ملے گی۔ نذر، بھینٹ روپیہ، پٹہ وقبولیت بھی حسب رواج ہنگام ماہوار اس کی تنخواہ کا روپیہ مناسب ہے کاشتکاروں سے وصول کرکے مدرسہ پر صرف کرنا، مدرسوں کو ماہوار دینا، تعمیر و مرمت وغیرہ میں خرچ کرنا مالگزاری گورنمنٹ ادا کرنا اُس کا کام ہے اتنے کام کی کتنی اجرت ہوگی۔

الجواب

وقف سے سواری اور ایام کارگزاری کی تنخواہ ملے گی اور ضرورت ہو تو ان ایام میں سپاہی کی تنخواہ بھی، تنخواہ کا تعین کام کی کمی بیشی اور ہر جگہ کے عرف پر ہے۔ پٹہ اور قبولیت کا نذرانہ اور اس قسم کے زائد اور بے اصل رقوم کہ رائج ہو رہی ہیں شرعاً باطل ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹ از شہر بریلی محلہ فراشی مسئولہ مولوی عبدالعزیز قدرت اللہ خاں صاحب
۲۱ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ کسی نے دو یا تین مسجدوں کے واسطے نام بنام الگ الگ روپیہ وصیت نامہ سے وقف کیا کہ فلاں مسجد کو اتنا اور فلاں کو اتنا ماہوار دیا جائے، اب خود اس نے ایک مسجد کے نام کا روپیہ دوسری مسجد میں لگا دیا اور اس دوسری مسجد کے نام کا روپیہ بھی اسی دوسری مسجد میں لگا دیا، دونوں مسجدوں کے نام ماہوار وقف کیا ہے، سوال یہ ہے کہ دوسری مسجد کے ماہوار میں سے پہلی مسجد کا روپیہ ادا کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور آئندہ بھی ایک مسجد کا ماہوار دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو اس کو ادا کرنا ضرور ہے یا نہیں؟ یہ بھی واضح ہو کہ ہر ایک مسجد کے واسطے خاص خاص دکانوں کا کرایہ وقف ہے واقف زندہ ہے اور وصیت نامہ اسی کے قبضہ میں ہے جو رجسٹری شدہ ہے۔

الجواب

جب وقف کی وصیت کی ہے تو اس کا نفاذ بعد موت واقف ہوگا، زندگی میں اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۰ تا ۱۱۳ از فیض آباد چوک مسجد شاہ ... حافظ عبدالرحمن صاحب پیش امام ۱۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

حضرات علمائے کرام سوالات ذیل میں از روئے شرع شریف کیا حکم فرماتے ہیں:

(۱) مسجد سے متعلق مسجد کی ضرورت سے پاخانہ بنا ہوا تھا اور وہی استنجا خانہ بھی تھا، مسجد کے متعلق ایک تھوڑا سا صحن مسجد کے دکھن جانب تھا جس کا حلقہ پختہ دیوار سے تھا اور اسی حلقہ کے گوشہ میں مسجد کا دستنجا خانہ تھا جس میں نمازیان مسجد اور مسافران طہارت اور رفع حاجت کرتے تھے۔ زید نے ایک مدرسہ بنانا چاہا جس کے واسطے عمرو نے اپنی ملک سے مدرسہ کے لئے مسجد کے خلف سے ملی ہوئی زمین دی تھی، زید کو وہ حلقہ جو مسجد کے متعلق تھا اور پاخانہ دونوں وہ بھی زید نے کھود ڈالا اور تخمیناً دو گز زمین چوڑان میں اور جتنی دور پاخانہ تھا اور اسی سیدھ اتنی ہی زمین چوڑان میں ۵ خواہ ۶ گز تک لمبان میں سب بغیر عام مسلمانوں کی اجازت کے غصب کرکے اپنا مدرسہ بڑھا کر بنا لیا اور تخمیناً تین ہزار اینٹ اسی حلقہ کی جو کھود ڈالی تھی وہ بھی مدرسہ میں لگائی، عام مسلمانوں نے سکوت کیا (جو اس کے کہ چند مسلمان بخیال زید کے اس کے شریک رہے۔ مسلمانوں نے چندہ جمع کرکے یہ سب بنوایا تھا کچھ دخل نہ دیا کیا شرعاً زید کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مسجد کا پاخانہ توڑ ڈالے اور معہ پاخانہ کی زمین کے بغیر اجازت عام مسلمانوں کے غصب کرکے مدرسہ بنائے، اینٹ پاخانہ اور حلقہ کی مدرسہ میں لگائے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسی حالت میں جبکہ وہ پاخانہ اور استنجا خانہ نمازیان مسجد اور مسافران مسجد کے لئے تھا جس کے کھود ڈالنے سے نمازیوں کو برابر تکلیف رہی اور ہے، زید کا پاخانہ کھود ڈالنا اور مسجد کی ضروریات کا خیال نہ کرنا اور ایسی زمین کو مدرسہ میں داخل کرنا یہ سب شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور زید اس سے گنہگار ہو یا نہیں؟

(۳) زید نے مسجد کی پشت پر کا پختہ پشتہ ایک ثلث جو حفاظت دیوار مسجد کے لئے بنایا جاتا ہے کھود ڈالا اور پاخانہ غسل خانہ اور اس کی بدرو (نالی) کا حوض مسجد کی پشت دیوار سے بالکل ملا ہوا بلکہ ایک گز مٹی نکال کر بنایا جس سے مسجد میں بو بھی آئے گی، دیوار پشت مسجد میں نماز (شور) بھی ہے کیا مسجد کی بے حرمتی بھی ہے کہ پشت مسجد پر پاخانہ بنا ہے، آیا یہ سب فعل زید کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ شرع دیوار مسجد میں اجازت دیتی ہے کہ مسجد کا پشتہ و زمین پاخانہ کی ضرورت کو کھود ڈالا جائے کہ پاخانہ کی جگہ کچھ کم تھی یا پاخانہ بن نہ سکتا۔ مسجد کی پشت پر سے ہمیشہ آوے گا حوض کا پانی جو بالکل نجاست غلیظہ ہے جس سے مسجد دیوار پر ضرور چھینٹ پڑے گی

(۴) زید نے یہ سب کچھ کیا خود اور چند مسلمانوں کی مدد سے، جو مسلمانان شہر جس میں ہر قسم کے لوگ ہیں زید کی ان تمام باتوں کے خلاف ہیں یعنی مسجد پاخانہ اور وہ زمین جو اس کے متصل مسجد کے متعلق ہے اور اس کی اینٹ سب اپنے تحت تصرف میں لانا بھی سخت خلاف اور رنجیدہ ہیں اس کو جائز نہیں سمجھتے، لہذا شرعاً ہم سب مسلمانوں کو سکوت کرنا چاہیے یا کہ دخل دینا چاہیے اور یہ سب زمین علیحدہ کر لینا چاہیے؟ امید کہ تشفی بخش جواب ہم غریب مسلمانوں کو مرحمت ہو، مع دلیل کے کیونکہ زید بھی مولوی ہے بغیر دلیل کے وہ ہم لوگوں کی کیوں مانے گا

(۵) کیا زمین متعلقہ مسجد یا استنجا خانہ وغیرہ وغیرہ مسلمانوں کی اجازت سے شرعاً منہدم ہو سکتی ہے ایسی حالت میں جبکہ وہ مسجد کے کام میں نہ آئے بلکہ دوسرے کام میں آئے وہ اجازت کے مجاز ہیں۔

(۶) مسجد میں پاخانہ یا پیشاب خانہ بنانے میں کچھ پورب پچھم میں فرق ہے یا نہیں؟ اور مسجد سے کتنے فاصلہ پر پیشاب خانہ بنانا چاہیے اس کی کوئی حد شرعاً جو ہو حکم فرمایا جائے اور نجاست کے پانی سے مسجد کی دیوار میں اگر اثر پہنچے تو شرعاً کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱ و ۲) یہ فعل زید کا حرام قطعی ہے ایک وقف جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے اُسی پر رکھا جائے اُس میں تو تغیر نہ ہو مگر ہیئت بدل دی جائے مثلاً دکان کو رباط کر دیں یا رباط کو دکان، یہ حرام ہے۔ عالمگیری میں ہے

لایجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ[1] وقف جائداد کی ہیئت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا (ت)، نہ کہ سرے سے موقوف علیہ بدل دیا جائے، متعلق مسجد کو مدرسہ میں شامل کرلیا جائے یہ حرام ہے اور سخت حرام ہے۔

(۳) یہ بھی زید کا ویسا ہی تصرف ہے۔ حرام و ناجائز ہے۔ مسجد کا پشتہ کھودنا حرام اور اُسے مادرائے مسجد دوسرے کام خصوصاً ایسے ناپاک کام میں صرف کرنا صریح ظلم و غصب و بیحرمتی مسجد ہے۔ صحیح حدیث کا ارشاد ہے کہ جو ایک بالشت زمین غصب کرے گا زمین کے ساتوں طبقوں تک اتنا حصہ توڑ کر روز قیامت اس کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا[2]۔

(۴) مسلمانوں کو زید کی ایسی بیجا دست برد و ظلم پر سکوت حرام ہے اور چارہ جوئی فرض۔ لازم ہے کہ بذریعہ حکومت مسجد کی وہ پہلی زمین اور پشتہ کی زمین سب اس کے قبضہ سے نکلوائی جائے اور پہلے جس حالت پر تھی اسی حالت پر جبراً اس سے کرائی جائے اور جتنی اینٹیں اُس نے تصرف میں کرلی ہیں وہ متمیز ہوں تو واپس دی جائیں ورنہ اُن کی قیمت لی جائے اور جتنے دنوں یہ استنجا خانہ و پشتہ وغیرہ کی زمین اس کے قبضہ میں رہی یا تا انفصال رہے اس سب کا کرایہ اُس سے مسجد کے لئے لیا جائے کما قد نصوا علیہ قاطبۃ فی الکتب المعتمدۃ (جیسا کہ تمام معتبر کتب میں اس پر نص موجود ہے۔ ت)

(۵) مسلمانوں کو تغییر وقف کا کوئی اختیار نہیں تصرف آدمی اپنی ملک میں کرسکتا ہے وقف مالک حقیقی جل وعلا کی ملک خاص ہے اُس کے بے اذن دوسرے کو اس میں کسی تصرف کا اختیار نہیں۔

(۶) مسجد کو بُو سے بچانا واجب ہے ولہذا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام، مسجد میں دیا سلائی سلگانا حرام، حتی کہ حدیث میں ارشاد ہوا:

وان یمر فیہ بلحم نیئ[3] یعنی مسجد میں کچا گوشت لے جانا جائز نہیں، حالانکہ کچے گوشت کی بُو بہت خفیف ہے تو جہاں سے مسجد میں بُو پہنچے وہاں تک ممانعت کی جائے گی، مسجد عام جماعت کیلئے بنائی جاتی ہے اور جماعت ہر مسلمان پر واجب ہے یہاں تک کہ ترک جماعت پر صحیح حدیث میں فرمایا: ظلم ہے اور کفر ہے اور نفاق ہے کہ آدمی اللہ کے منادی کو پکارتا سُنے اور حاضر نہ ہو۔ صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰
[2] صحیح البخاری باب ماجاء فی سبع ارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۴
[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

وصلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم[1] وفی روایۃ ابی داؤد لکفرتم[2]

یعنی اگر مسجد میں جماعت کو حاضر نہ ہوگے اور گھروں میں نماز پڑھو گے تو گمراہ ہوجاؤ گے ایمان سے نکل جاؤ گے (اور ابوداؤد کی روایت میں ہے تم کافر ہوجاؤ گے۔ ت)

بایں ہمہ صحیحین کی حدیث میں ارشاد ہوا:

من اکل من ھذہ الشجرۃ الخبیثۃ فلا یقربن مصلانا[3]

جو اس گندے پیڑ میں سے کھائے یعنی کچا پیاز یا کچا لہسن وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔

اور فرمایا:

ان الملئکۃ تتاذی مما یتاذی منہ بنو ادم[4]۔ یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اگر مسجد خالی ہے تو اس میں کسی بُو کا داخل کرنا اس وقت جائز ہو کہ کوئی آدمی نہیں جو اس سے ایذا پائے گا ایسا نہیں بلکہ ملائکہ بھی ایذا پاتے ہیں اس سے جس سے ایذا پاتا ہے انسان۔ مسجد کو نجاست سے بچانا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴ تا ۱۱۹: از بمبئی کامیکر اسٹریٹ المعروف بچا چا محلہ مرسلہ بدرالدین عبداللہ صاحب مشاورجامع مسجد کمیٹی ۱۹ رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے شرع متین زادہم اللہ تعالٰی شرفاً وتعظیماً ان صور مسئولہ میں جو کہ ذیل حسب نمبر مندرج ہیں:

اوّل یہ کہ شہر بمبئی میں ایک مسجد عظیم الشان رفیع البنیان جامع مسجد ہے اور اس کی بنا وسط شہر میں ایسی جگہ واقع ہے جس کے چوطرف کوئی مکان نہیں ہے اور اس میں ہوا بکثرت آتی ہے کیونکہ سب اطراف اس کے فارغ ہیں بلکہ بعض اوقات بسبب کثرت ہوا مصلی ودیگر چیزوں کو بند کرتے ہیں، اس مسجد کی بنا پہلے ہی سے نہایت عمدہ وشاندار تھی مگر قبل از چند سال حضرات مشاورین نے اپنی رائے سے اس میں کسی قدر تبدل وتغیر کیا اور تخمیناً اس ترمیم وتبدیل میں تخمیناً تین لاکھ روپیہ سے زیادہ صرف مال وقف سے کیا گیا اس

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشدید فی ترک الجماعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۱

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

[4] " " " " " " " ۱/ ۲۰۹

مسجد کی روشنی کے لئے قبل از چند سال بصرف مبلغ دس بارہ ہزار روپیہ ہانڈیاں و جھومر بلوری وغیرہ اسباب روشنی کا خرید کرکے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر متشاورین قدیم نے انتظام کیا تھا بعد از چند سال متشاورین جدید نے اس انتظام کو ناقابل وغیر مکتفی سمجھ کر تقریباً بیس ہزار روپیہ سے زیادہ صرف مال وقف سے گیس کی روشنی کی تجویز در طبقہ زیریں و بالا گیس کے نل وغیرہ سقف و جدار مسجد میں نصب کئے گئے تھے اور چند سال تک یہ گیس لیمپ و فانوس کی روشنی کا مسجد میں انتظام رہا۔ مگر جبکہ مسجد بطریق بیان بالا ترمیم و تغیر ہونے میں آئی اس وقت یہ سب گیس کی روشنی کے نل وغیرہ جو کہ سقف و جدار میں نصب کئے گئے تھے ضائع و خراب برباد ہوئے پھر تجدیداً حضرات متشاورین نے بکثرت رائے متشاورین نئے سرے سے گیس کی روشنی کا انتظام کیا۔ اور طبقہ زیریں میں سقف و جدار میں نل نصب کئے اس امر کو ایک سال کا عرصہ منقضی نہیں ہوا ہے کہ متشاورین مذکور چاہتے ہیں کہ مسجد میں برقی روشنی اور برقی پنکھوں کا انتظام و اہتمام بصرف مال مسجد کیا جائے پس جملہ احوال سوال مذکور پر غور فرما کر بیان فرماویں کہ یہ جو وقتاً فوقتاً در بارہ روشنی اخراجات کثیرہ کئے گئے ہیں یہ مال وقف میں تصرف بیجا و ناجائز ہیں اور شرعاً جائز ہیں یا نہیں، بیان فرمائیں۔

ثانی یہ کہ جب مسجد ایسی جگہ واقع ہے جس کے چاروں طرف کوئی مکان نہیں ہے اور مسجد مذکور کے دیواروں میں دریچہ ہائے کلاں بکثرت بنائے گئے ہیں اور ہر وقت ہوا وہاں موجود و محسوس ہے بلکہ بعض وقت حسب بیان سوال اول کھڑکیاں بسبب کثرت ہوا کے بند کی جاتی ہیں پس ایسی صورت میں مال وقف سے برقی پنکھے مسجد میں نصب کرنا شرعاً درست ہیں یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ تجربتاً یہ امر ظاہر ہے کہ جب برقی پنکھا چلایا جاتا ہے اس وقت اس سے ایک آواز آتی ہے جو ضرور مخل نماز و مبطل خشوع و خضوع ہے، بنا بریں علیہ اس طرح کے پنکھے بلا ضرورت بصرف مال مسجد بنانا شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟

(۴) یہ امر بتحقیق تمام ثبوت کو پہنچا ہے کہ پنکھا چلانے کے ڈبے میں جو گریس ڈالا جاتا ہے وہ اشیاء ناپاک و نجس سے مخلوط ہے اس صورت خاص میں بھی ان پنکھوں کے مسجد میں لگانے کا بصرف مال وقف شرعاً کیا حکم ہے؟

(۵) یہ کہ ماہرین فن الیکٹری سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی ہے کہ بہ نسبت گیس کی روشنی کے الیکٹری کی روشنی و برقی پنکھوں میں زیادہ تر خوف آتشزدگی ہے چنانچہ الیکٹری سے اس قسم کی آتشزدگی کے واقعات بہت ہو چکے ہیں جس سے بہت لوگ واقف ہیں۔ پس صورت مذکورہ میں ایسی خوفناک وحشت آمیز چیز کا نصب کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۶) یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بقول اطباء روشنی برقی مضر بصارت ہے اور برقی پنکھوں کی ہوا

بھی نقصان رساں صحت ہے چنانچہ اسی قبیل کا ایک مضمون اخبار طبیب مورخہ یکم جون ۔۔۔ء روان مطبوع ہے
جو اخبار کہ زیرِ سرپرستی جناب حاذق الملک مولوی حکیم اجمل خاں صاحب بہادر رئیس اعظم دہلی نکلا کرتا ہے۔ پس
ایسی مضرت رساں صحت کا مسجد میں آویزاں کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(١) یہ تصرفات محض ظلم و اسراف و تضییع مال اوقاف ہیں۔ علماء نے ایک چراغ وقف کے صبح تک روشن رکھنے کو ناجائز بتایا جب تک واقف سے نصاً یا عرفاً اس کی اجازت ثابت نہ ہو نہ کہ بار بار یہ ہزارہا روپوں کا صرف بیکار، متولیوں کو کسی صرف جدید کے احداث کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اگر بلا مسوغ شرعی اس میں مالِ وقف صرف کریں گے وہ صرف ان کی ذات پر پڑے گا اور جتنا مال مسجد اس میں خرچ کیا اس کا تاوان ان پر لازم ہوگا۔ واقف نے اگر مسجد میں کنگرے نہ بنائے تھے اور متولی مال وقف سے بنائے گا گنہگار ہوگا اور تاوان دے گا۔ نمازیوں کو اگر بے منارہ کے اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے تو متولی مال مسجد سے منارہ نہیں بنا سکتا، بنائے گا تو اس پر تاوان آئے گا۔ واقف نے فراش مسجد کا کوئی وظیفہ نہ رکھا تھا، متولی تو متولی حاکم کو حلال نہیں کہ اس میں فراش کا وظیفہ حادث کرے، نہ فراش کو وہ وظیفہ لینا حلال۔ بنائے مسجد بسلامت و مستحکم تھی تو متولیوں کو اس کا شہید کرنا اور [illegible] میں [illegible] لاکھ روپیہ اڑا دینا اور اس کے سبب بیس ہزار کے تیل برباد کرنا اور پھر گیس کی روشنی میں بیس ہزار اور اڑانا اور اب اسے بھی تباہ کرکے برقی روشنی کی کوشش کرنا اور اس میں مال مسجد برباد کرنا، یہ تمام افعال حرام تھے اور ہیں۔ متولیوں پر ان لاکھوں روپوں کا تاوان لازم ہے کہ اپنی گرہ سے ادا کریں، اور واجب ہے کہ ایسے مسرف متولی معزول کئے جائیں اور ان کی جگہ مسلمان متدین ہوشیار کارگزار خداترس دیانتدار مقرر کئے جائیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لو وقف علی دهن السراج للمسجد لا یجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین ویجوز الی ثلث اللیل ونصفه اذا احتیج الیه للصلٰوة فیه کذا فی السراج الوهاج ولا یجوز ان یترك فیه کل اللیل الا فی موضع جرت العادة فیه بذلك کمسجد بیت المقدس ومسجد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم والمسجد الحرام اھ

اگر مسجد کے چراغ کے تیل کے لئے کوئی وقف کیا تو تمام رات چراغ روشن رکھنا جائز نہ ہوگا بلکہ صرف نمازیوں کی ضرورت کے مطابق اور تہائی رات تک۔ اگر ضرورت ہو تو نصف رات تک روشن رکھا جائے تاکہ نمازی عبادت کر سکیں۔ یونہی السراج الوہاج میں ہے۔ اور تمام رات چراغ روشن رکھنا جائز نہیں، ہاں ایسے مقامات جہاں ایسی عادت جاری چلی آرہی ہے، جیسے کہ مسجد بیت المقدس اور مسجد نبوی اور مسجد حرام میں ہے۔ یا واقف نے تمام

او شرط الواقف ترکہ فیہ کل اللیل کما جرت به العادة فی زماننا کذا فی البحر الرائق۔[1]

رات روشن رکھنے کی شرط لگا رکھی ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں یہ عادت بن چکی ہے، بحرالرائق میں یونہی ہے (ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے :

لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارة المسجد شرفا من ذلك ولو فعل یکون ضامنا۔[2]

منتظم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ مسجد کی عمارت پر وقف مال سے کوئی بالاخانہ بنائے، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ اس مال کا ضامن ہوگا۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے :

یجوز ان یبنی منارة من غلة وقف المسجد ان احتاج الیها لیکون اسمع للجیران وان کانوا یسمعون الاذان بدون المنارة فلا۔[3]

اردگرد کے لوگوں کو آواز پہنچانے کے لئے مسجد کے وقف کی آمدنی سے مینار بنانا جائز ہے بشرط ضرورت، اور اگر منارہ کے بغیر اذان کی آواز لوگ سُن لیتے ہوں تو پھر جائز نہیں (ت)

منحۃ الخالق میں ہے :

القاضی لیس له الاحداث بدون مسوغ شرعی فکیف المتولی وقد صرح فی الذخیرة والولوالجیة وغیرهما ان القاضی اذا قرر فراشا للمسجد بغیر شرط الواقف لم یحل له ذلك ولم یحل للفراش تناول المعلوم قال فی البحر ان قلت فی تقریر الفراش مصلحة قلت یمکن خدمة المسجد بدون تقریره بان یستاجر المتولی فراشا

قاضی کو وقف میں نئی عمارت بنانا ضرورتِ شرعی کے بغیر جائز نہیں تو متولی کیسے کرسکتا ہے جبکہ ذخیرہ اور ولوالجیہ وغیرہما میں تصریح ہے کہ اگر قاضی نے واقف کی شرط کے بغیر مسجد کے لئے صفائی والا مقرر کیا تو اسے جائز نہیں اور اس صفائی والے کو مقررہ وظیفہ لینا جائز نہیں، اور بحر میں فرمایا اگر تیرا اعتراض ہو کہ صفائی والے کی تقرری میں اصلاح کی صورت ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس تقرری کے بغیر بھی مسجد کی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۹

[2] فتاوٰی قاضیخاں " باب جعل دارہ مسجدا نولکشور لکھنؤ ۴/۷۱۲

[3] خزانۃ المفتین کتاب الوقف قلمی نسخہ ۱/۲۱۳

له والممنوع تقریرہ فی وظیفة تکون حقاله[1]۔

خدمت ممکن ہے کہ متولی کسی کو اجرت دے کر کرائے جبکہ مستقل تقرری جس پر وظیفہ مقرر ہو منع ہے (ت)

ہندیہ پھر فتاوی پھر شامی میں ہے:

مسجد مبنی اراد رجل ان ینقضه و یبنیه ثانیا احکم من البناء الاول لیس له ذلك لانه لاولایة له، مضمرات، الا ان یخاف ان ینهدم، تاتارخانیة، وتاویله ان لم یکن البانی من اهل تلك المحلة اما اهلها فلهم ان یهدموه ویجددوا بناءه لکن من مالهم لامن مال المسجد الا بامر القاضی[2]۔

تعمیر شدہ مسجد کو گرا کر کوئی شخص نئی مضبوط عمارت بنانا چاہے تو اسے یہ اختیار نہیں کیونکہ اسس کو یہ ولایت حاصل نہیں ہے، مضمرات۔ مگر اس صورت میں جب عمارت منہدم ہونے کا خطرہ ہو، تاتارخانیہ۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ تعمیر کرنے والا محلہ دار نہ ہو، اگر وہاں کا محلہ دار ہو تو محلے والوں کو اختیار ہے کہ گرا کر دوبارہ تعمیر کریں لیکن اپنے مال سے نہ کہ مسجد کے مال سے، ہاں اگر قاضی کی اجازت ہو تو مسجد کا مال خرچ کر سکتے ہیں۔ (ت)

خلاصہ و تنویر الابصار میں ہے:

لاباس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله لامن مال الوقف وضمن متولیه لو فعل[3]۔

جص اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش و نگار محراب کو چھوڑ کر کرنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی ذاتی مال سے کرے وقف کے مال سے جائز نہیں، اگر متولی نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا۔ (ت)

بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

اما من مال الوقف فلا شك انه لا یجوز للمتولی فعله مطلقا لعدم الفائدة فیه[4]۔

لیکن وقف مال سے ایسا کرنا بلاشبہ متولی کو مطلقاً جائز نہیں کیونکہ اس میں وقف کا کوئی فائدہ نہیں ہے (ت)

---

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲۲۰/۱

[2] فتاوی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۴۵۶/۲

[3] درمختار کتاب الصلوٰة باب مایفسد الصلوٰة مطبع مجتبائی دہلی ۹۳/۱

[4] ردالمحتار 〃 〃 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۴۳/۱

درمختار میں ہے :

الا اذا کان الواقف فعل مثلہ لقولھم انہ یصرف الوقف کما کان[1]

ہاں اگر واقف ایسا کرتا رہا ہو تو پھر وقف مال سے جائز ہے کیونکہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ متولی اسی طرح تعمیر کرے جس طرح پہلے تھی (ت)

فتح القدیر پھر شرح علامہ بیری پھر ابن عابدین میں ہے :

الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ دون زیادۃ ولا موجب لتجویزہ لان الموجب الشرط او الضرورۃ ولا ضرورۃ فی ھذا اذ لا تجب الزیادۃ بل تبقیہ کما کان[2]

وقف کو اپنی اصلی حالت پر رکھنا واجب ہے کوئی زیادتی نہ کی جائے کیونکہ اسکے جواز کا کوئی موجب نہیں ہے کیونکہ موجب صرف واقف کی شرط یا ضرورت ہے اور اس میں کسی زیادتی کی ضرورت نہیں بلکہ جیسے تھا ویسے باقی رکھے۔ (ت)

(۲) اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے کہ مسجد میں فرشی پنکھا لٹکانا مطلقاً ناپسندیدہ ہے۔

مدخل الی الشریعۃ میں ہے :

قد منع علماؤنا رحمھم اللہ تعالٰی المراوح اذان اتخاذھا فی المسجد بدعۃ[3]

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے فرشی پنکھا مسجد میں لگانا ناجائز کہا ہے کیونکہ مسجد میں ایسا کرنا بدعت ہے۔ (ت)

ثانیاً جب یہ حالت ہے کہ حاجت اصلاً نہیں تو اپنے مال سے بھی جائز نہیں، نہ کہ مال وقف سے۔

قال اللہ تعالٰی :

ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین[4]

اسراف نہ کرو اللہ تعالٰی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

ان اللہ تعالٰی کرہ لکم ثلثا

اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۴۰

[3] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر البدع التی الخ دارالکتاب العربی بیروت ۲/۲۲۲

[4] القرآن الکریم ۶/۱۴۱

قیل وقال وکثرۃ السؤال و اضاعۃ المال[1] فرمایا ہے قیل وقال، بغیر ضرورت سوالات کی کثرت اور مال کا ضیاع۔ (ت)

ثالثاً یہ وقف میں عرفِ جدید کا احداث ہے جس کی اجازت متولی کو نہیں ہوسکتی کما بینا۔

رابعاً جب علماً اس پنکھے کی ہوا مضرِ صحت ہو تو اس کا کسی مسلمان کے گھر میں بھی اپنے یا اس کے مال خاص سے بھی لگانا جائز نہ ہوگا نہ کہ مسجد میں نہ کہ مالِ وقف سے، کما یاتی۔

(۳) بیشک مسجد میں ایسی چیز کا احداث ممنوع بلکہ ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

کرہ وقت حضور طعام تاقت نفسہ الیہ و کذا کل ما یشغل البال عن افعالھا ویخل بخشوعھا کائنا ما کان[2] نفس کی خواہش ہو تو کھانے کے وقت نماز مکروہ ہے اور یونہی ہر وہ چیز جس سے نماز میں دل مصروف رہے اور خشوع میں خلل انداز ہو، جو بھی ہو۔ (ت)

نیز شرح تنویر میں ہے:

ولذا تکرہ فی طاحونۃ[3] (اسی لئے چکی کے پاس نماز مکروہ ہے۔ ت)

ردالمحتار میں ہے:

لعل وجھہ شغل البال بصوتھا[4] ہوسکتا ہے اس کی وجہ چکی کی آواز سے دل کی مشغولیت ہو (ت)

(۴) اس صورت میں وہ پنکھا مطلقاً خود ہی ناجائز ہے اگرچہ تیل چار وجہ سے بھی ہو تیل۔ تنویر الابصار میں ہے:

کرہ ادخال نجاسۃ فیہ فلا یجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ[5] مسجد میں نجاست کا داخل کرنا منع ہے اس لئے ناپاک تیل سے مسجد میں چراغ روشن کرنا جائز نہیں۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث المغیرۃ بن شعبۃ دار الفکر بیروت ۴/۲۴۶
[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲
[3] " " " " " "
[4] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۵۵
[5] درمختار شرح تنویر الابصار باب ما یفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

(۵) یہ بھی کافی وجہ اُس روشنی اور پنکھے کی ممانعت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مر احدکم فی مسجدنا او فی سوقنا و معه نبل فلیمسك علی نصالها بکفه لا یعقر مسلماً[1]۔ رواہ البخاری و مسلم و ابوداؤد و ابن ماجة عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔

جب تم ہماری مساجد و بازار سے گزرو تو اپنے تیروں کے پھالوں کو قابو رکھو اگر پاس تیز سے ہوں تاکہ کسی مسلمان کو زخم نہ لگے۔ اس کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

وانمتم فاطفئوا السراج فانّ الفارة تاخذ الفتیلة فتحرق اهل البیت[2]۔ رواہ احمد والطبرانی والحاکم بسند صحیح عن عبد اللہ بن سرجس والحدیث فی الصحیحین من وجوہ۔

جب سونے کا ارادہ ہو تو چراغ کو بجھا دو، ممکن ہے کہ چوہیا چراغ کے فتیلہ کو کھینچ کر گھر والوں کو جلا دے۔ اس کو احمد، طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور صحیحین میں یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔ (ت)

(۶) جب از روئے طب اُن کا مضر ہونا ثابت ہو تو یہ ایک اعلٰی وجہ عدم جواز ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ضرر رسانی ہے اور یہ حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا ضرر ولا ضرار[3]۔ رواہ احمد و ابن ماجة عن ابن عباس و ابن ماجة عن عبادة رضی اللہ تعالٰی عنهم۔

ضرر رسانی ناجائز ہے۔ اس کو احمد اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے اور ابن ماجہ نے عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اس میں مسلمانوں کی بدخواہی ہوتی اور یہ خلافِ دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدین النصیحة للہ ولکتابه ولرسوله

بلاشبہ دین اللہ تعالٰی، اس کی کتاب، اس کے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل السلاح علینا فلیس منا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۶
مسند احمد بن حنبل حدیث ابوموسٰی الاشعری دار الفکر بیروت ۴/ ۳۹۷

[2] " " " عبد اللہ بن سرجس " " " ۵/ ۸۲

[3] مسند احمد بن حنبل اخبار عبادۃ بن الصامت " " " ۵/ ۳۲۶

ولائمۃ المسلمین وعامتھم[1]۔ رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن تمیم الداری رضی اللہ تعالٰی عنہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

رسول اور مسلمانوں کے ائمہ اور عوام الناس کے لئے خلوص کا نام ہے۔ اس کو مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰ (۲) از بہاولپور ریاست سپرنٹنڈنٹ یتیم خانہ وسکریٹری اوقاف ۹ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ پنجشنبہ

حضور ایک کمیٹی ریاست بہاولپور میں منتظم آمدنی وخرچ اوقاف مساجد کی ہے اس کو دو مسئلہ کی اس وقت ضرورت ہے اس پر شرعی فتوے سے روشنی فرماکر بار احسان فرمائیں۔

اول مسجد کی جائداد وقف کی آمدنی کسی دوسری مسجد کے مصارف میں خرچ ہوسکتی ہے یانہ؟

دوم اگر کوئی شخص سال تمام کے وعدہ پر دکان وقف کو کرایہ پر لے اور درمیان سال میں بوجہ بیماری وغیرہ چھوڑ دے تو کیا ممبران اوقاف باقیماندہ کرایہ چھوڑ سکتے ہیں؟ فقط۔

الجواب

(۱) ہرگز جائز نہیں یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں فرش حاجت سے زائد ہوں اور دوسری میں نہیں تو اس کے لوٹے اس میں بھیجنے کی اجازت نہیں۔

(۲) اگر اس نے عذر شرعی سے چھوڑا تو باقیماندہ کرایہ چھوڑا جائے گا ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲ از انجمن اسلامیہ بریلی ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۲۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یتیم خانہ اسلامیہ بریلی میں وہ یتیم جن کی عمر ۱۶ سال ۲ ماہ کی ہے ان کی بہ دریافت طلب ہے کہ اس عمر والوں کو بموجب شرع شریف کے پرورش کرنے اور روٹی کپڑا دینے کا بار یتیم خانہ کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں؟ ان لڑکوں کی حالت یہ ہے کہ بر دست یہ اس قابل نہیں ہوئے کہ یتیم خانہ سے نکلتے ہی وہ خود اپنے قوت بازو سے معاش حاصل کرسکیں، اور اندیشہ ہے کہ ان کو اگر اس طرح چھوڑ دیا جائے گا تو یہ آوارہ گردی اور بداطواری میں مبتلا ہوجائیں گے، اور، بعد پانچ چھ سات ماہ کوشش کرکے ان کو اس قابل کردیا جائے گا کہ وہ کوئی پیشہ یا صنعت سیکھ کر اپنی معاش وجہ حلال سے پیدا کرسکیں گے اور اس عرصہ میں ان کے واسطے کوئی صورت معاش حاصل کرنے کی پیدا کردی جائیگی

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴

پس اس صورت میں اگر ان لڑکوں کو اس وقت تک جب تک کہ وہ معاش پیدا کرنے کے قابل ہو سکیں یتیم خانہ میں رکھا جائے اور ان کے ضروری مصارف خورد و نوش کا تکفل یتیم خانہ سے کیا جائے تو عند الشرع یہ مصارف اسلامی چندہ کی امانت سے جو یتیموں ہی کے واسطے وصول کیا گیا ہے جائز ہوں گے یا ناجائز؟ اور اس روپیہ کے اس مدت میں صرف کرنے کا مواخذہ عند الشرع مہتممان یتیم خانہ کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زر چندہ شرعاً ملک چندہ دہندہ پر باقی رہتا ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اس میں اجازت چندہ دہندگان پر مدار ہے اگر قدیم سے معمول یتیم خانہ رہا ہو کہ جو یتیم حد یتیم شرعی سے نکل کر بالغ ہو جائیں اور وہ بھی اپنے لئے رزق حلال کسب کرنے کے قابل ہونے تک ان کو یتیم خانہ میں رکھا جاتا اور زر چندہ سے ان کا خرچ کیا جاتا ہو چندہ دہندگان اس پر آگاہ ہوا کئے اور اس پر راضی رہا کئے تو اب بھی جائز ہے لان المعروف کالمشروط والاجازۃ دلالۃ کالاذن الصریح (کیونکہ معروف چیز مشروط چیز کی طرح ہوتی ہے اور دلالۃً اجازت بھی صریح اجازت کی طرح ہے۔ت) اور اگر پہلے سے یہ معہود اور معروف نہ رہا اور اب تمام چندہ دہندوں سے اجازت لینی ممکن ہو تو اجازت حاصل کر سکتے ہیں،

لان المال لهم فیصرف باذنهم ولیس هذا خلاف سبیل البر حتی یکرہ لهم الرجوع عنه بل هو به یؤید و یرغب الیتامٰی فی دخول هذہ الجمعیۃ.

کیونکہ مال ان کا ہے اس لئے ان کی اجازت سے خرچ کیا جائے اور یہ راہ نیکی کے خلاف نہیں ہے حتی کہ واپس لینا مکروہ ہے بلکہ اس میں نیکی کے لئے رغبت ہے اور یتیموں کو اس اجتماعیت میں شرکت کی رغبت ہو سکتی ہے (ت)

اور اگر سب سے اجازت نہ ملے تو آئندہ مہینے کے چندے میں بقدر کفایت چند اشخاص سے اجازت لے لی جائے کہ تمہارا یہ چندہ جس حالت کے انقضا تک اس کام میں صرف ہوگا جو اجازت دیں اُن کا چندہ باقی زر چندہ سے جدا رکھ کر خاص اس کام میں صرف کریں یہاں تک کہ پورا ہو اور اگر کوئی اجازت نہ دے یا جس قدر پر اجازت پائی اس سے زیادہ اس کام میں اٹھایا جائے تو ضرور حرام ہوگا اور اس کا مواخذہ مہتمموں پر رہیگا اور جن کا وہ چندہ تھا اُن سب کا تاوان اُن پر لازم آئے گا لانهم تعدوا علی اموالهم والمتعدی غاصب والغصب مضمون (کیونکہ انہوں نے دوسروں کے مال پر تعدی کی ہے اور تعدی غصب ہے اور غاصب سے ضمان لیا جاتا ہے۔ت) اور اگر وہ یتیم حالت یتم سے یتیم خانہ میں تھے اور بعد ظہور بلوغ

یا پندرہ سال کی عمر پوری ہونے کے یتیم خانہ سے اُن پر صرف کیا گیا اور اجازت مذکورہ نصًا یا عرفًا ثابت نہ تھی تو سال بھر سے زائد پر مواخذہ ذمہ مہتممان لازم اور تاوان ادا کرنا واجب ہوچکا صرف کنندہ سے سوال ہے۔

و اللہ الہادی۔ برادرانِ اسلام کو احکامِ اسلام سے اطلاع دینی خیر خواہی ہے اور مسلمانوں کی خیر خواہی ہر مسلمان کا حق ہے والدین النصح لکل مسلم[1] (دین تمام مسلمانوں کیلئے خلوص اور بھلائی کا نام ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۳: از اکبر آباد جامع مسجد مسئولہ جناب مولوی محمد رمضان صاحب ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

حضرت مولانا بالفضل والمعرفۃ اولانا مجدہ مآثرہ دام مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک استفتا ارسال خدمتِ اقدس ہے، امید ہے کہ جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمایا جاؤں، یہاں یہ مسئلہ درپیش ہے اور میری نظر سے ابھی کوئی نظیر ایسی نہیں گزری جس سے تشفی بخش جواب دیا جاسکے خیال ہوتا ہے کہ زید وکیل بالقبض ہے مگر سارا باب وکالت کا دیکھ ڈالا یہ صورت ایسی انوکھی ہے کہ صاف جواب نہیں ملتا، لہذا تصدیعہ دہ خدمتِ اقدس عالیہ ہوا زیادہ والتسلیم بہزار تعظیم، عاجز محمد رمضان عفی عنہ واعظ جامع مسجد آگرہ۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کیا گیا عمرو نے پانسو روپے کا ایک چک دیا جو نوٹ نہیں تھا بلکہ کتاب کا ورق تھا جس کے ذریعہ سے بنک سے روپیہ وصول کیا جاسکتا ہے کہ بنک سے روپیہ وصول کرکے اس رقم میں شامل کر دیا جائے وہ چندہ زید کے پاس جمع ہوا جو اس مسجد کے متولیوں میں سے ایک متولی تھا اُس نے چک کا روپیہ وصول نہیں کیا خواہ غفلت سے خواہ اُس چک میں بنک کی جانب سے کوئی اعتراض ہوا ازاں بعد زید کا انتقال ہوگیا اور ورثائے زید نے بھی روپیہ وصول نہیں کیا ازاں بعد عمرو کا بھی انتقال ہوگیا باقی متولیانِ مسجد مذکورہ نے ورثائے زید پر اس جمع شدہ چندہ کی نالش کرکے ڈگری بھی حاصل کرلی ورثائے زید سے اس چک کا روپیہ وصول کرنا کہ ان کے مورث کی غفلت یا بنک کے کسی اعتراض کی وجہ سے وصول نہیں ہوا تھا شرعًا جائز ہے یا نہیں، اور ایسا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے یا نادرست؟ یہ عذر ٹھیک ہے کہ وہ چک اب کسی کام کا نہیں رہا۔ بینوا بالکتاب توجروا عند اللہ احسن ثواب (کتاب سے بیان کرو اور اللہ تعالٰی سے اجر و ثواب پاؤ۔ت) فقط۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵

الجواب

صورتِ مستولہ میں متولیان مسجد کی وہ نالش محض باطل تھی اور ڈگری سراسر خلافِ شرع ہوئی، وہ روپیہ مسجد میں لینا بڑا حرام ہے، اور اگر لے لیا ہے تو وہ ثانیاً زید کو واپس دینا فرض ہے، ظاہر ہے کہ روپیہ جو کوئی شخص بنک میں جمع کرتا ہے وہ بنک پر دین ہوتا ہے، عمرو نے جو وہ روپیہ تعمیرِ مسجد کو دیا اگر مسجد موجود تھی اور اس کی تعمیر کو دیا تو یہ مسجد کے لئے ہبہ ہوا، عالمگیریہ میں ہے:

رجل اعطی درھما فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح المسجد صح لانہ ان کان لایمکن تصحیحہ وقفا یمکن تصحیحہ تملیکا بالھبۃ للمسجد فاثبات الملك للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح ویتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیۃ۔[1]

اگر کسی شخص نے مسجد کی عمارت یا اس کے اخراجات یا مصالح کے لئے بطور چندہ ایک درہم دیا تو جائز ہے کیونکہ اگر وقف کے طور پر صحیح نہ ہو تو ہبہ کے طور پر اس کی صحت ہو سکتی ہے کہ مسجد کے لئے یہ تملیک ہو جائیگی جبکہ اس طرح مسجد کے لئے تملیک صحیح ہے اور قبضہ ہو جانے پر ہبہ تمام ہو جائے گا۔ حسامیہ کے واقعات میں یونہی ہے (ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین وغیرہا میں ہے اسی تقدیر پر یہ ھبۃ الدین من غیر من علیہ الدین مع تسلیطہ علی القبض (غیر مدیون کو قبضہ پر اختیار دے کر دین کا ہبہ کیا گیا ہے۔ ت) ہوا، متولیان مسجد موہوب لہ کے نائب اور عمرو کی طرف سے وکیل بقبض الدین ہوئے اور اگر ہنوز مسجد موجود نہ تھی بلکہ بنانا چاہتے تھے اس کے چندہ میں دیا تو ہبہ نہیں ٹھہرا سکتے کہ معدوم کے لئے ہبہ ممکن نہیں متولی صرف وکیل بالقبض ہوئے، دونوں صورتوں میں جب تک قبضہ نہ ہوا روپیہ ملک عمرو پر تھا، صورت ثانیہ میں تو ظاہر ہے کہ سرے سے ہبہ ہی نہ ہوا تو ملک مالک سے خروج کیا معنے،

وقد حققنا فی فتاونا ان ما یجمع من الناس لمصرف خیر تبقی علی ملك المعطین۔

ہم نے اپنے فتاوٰی میں یہ تحقیق کر دی ہے کہ لوگوں سے کسی اچھے مصرف کے لئے جو چندہ جمع کیا جاتا ہے وہ چندہ دینے والے لوگوں کی ملکیت ہی رہتا ہے (ت)

عالمگیری میں ذخیرہ سے ہے:

رجل جمع مالا من الناس لینفقہ فی

کسی شخص نے لوگوں سے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

بناء المسجد فانفق من تلك الدراهم فی حاجتہ ثم ردبدلہ فی نفقۃ المسجد لایسعہ ان یفعل ذلک فان فعل فان عرف صاحب ذلک المال ردعلیہ اوسألہ تجدید الاذن فیہ الخ۔

جمع کیا اور ان دراہم کو اس نے اپنی ذاتی ضرورت پر خرچ کرلیا پھر اسی قدر مسجد کی ضرورت میں اپنا مال خرچ کیا تو ایسا کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے، اگر کرلیا تو چندہ دینے والوں کو چندہ واپس کرے یا ان سے نئی اجازت طلب کرے اگر چندہ دینے والوں کا علم ہو۔ (ت)

اور صورت اولٰی میں اس لئے کہ ہبہ بے قبضہ تمام ومفید ملک موہوب لہ نہیں ہوتا ابھی واقعات حسامیہ و ہندیہ سے ہبہ مسجد میں گزرا کہ یتم بالقبض (قبضہ ہوجانے سے ہبہ تمام ہوجاتا ہے۔ ت)۔ اسعاف پھر بحرالرائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

لوان قومابنوامسجدا وفضل من خشبہم شیئ قالوا یصرف الفاضل فی بنائہ و لایصرف الی الدھن والحصیر ھذا اذا سلموا الی المتولی لیبنی بہ المسجد والایکون الفاضل لہم یصنعون بہ ماشاؤا۔

اگر قوم نے مل کر مسجد تعمیر کی اور کچھ تعمیراتی سامان لکڑی وغیرہ بچ جائے تو فقہاء نے فرمایا کہ بچے ہوئے کو اسی عمارت میں خرچ کرے اور اس کو دوسرے مصارف مثلاً مسجد کی چٹائی اور تیل وغیرہ میں نہ خرچ کرے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ قوم نے متولی کو یہ کہہ کر سونپا ہو کہ اس کو تعمیر میں خرچ کرو، ورنہ فالتو سامان ان دینے والوں کی ملکیت رہے گا وہ جہاں چاہیں صرف کریں۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

لایصح تملیک الدین من غیر من ھو علیہ الااذا سلطہ علی قبضہ فیکون وکیلا قابضا للموکل ثم لنفسہ۔

اس کی یعنی قرض کی مقروض کے غیر کو تملیک جائز نہیں تاوقتیکہ اس غیر کو قرض کی وصولی پر مقرر نہ کردے تاکہ یہ اس مالک کی طرف سے وصولی کا وکیل بن کر پھر اپنے لئے وصولی کا مالک بن جائے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثالث عشر فی الاوقاف التی یستغنی عنہا نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۰

[2] " " " الباب الحادی عشر فی المسجد فصل ثانی " " " ۲/ ۴۶۳

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین فائدہ ۳ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

جامع الفصولین میں ہے:

هبة الدین ممن لیس علیه لم تجز الا اذا سلطه علی قبضه فیصیر کانه وهبه حین قبضه ولا یصح الا بقبضه[1] (ملتقطاً)۔

قرض کا ہبہ غیر مقروض کو صرف اسی صورت میں جائز ہوگا جب وہ اس کو اپنی طرف سے قبضہ کیلئے مقرر کرے تو یوں قبضہ کرلینے کے بعد ہبہ قرار پائے گا اور پھر اس کا قبضہ ہوجانے پر صحیح ہوجائے گا (ملتقطاً۔ ت)

یہاں اگر موت عمرو سے پہلے چک بیکار ہوگیا تو ہبہ بوجہ ہلاک موہوب قبل القبض باطل ہوگیا اور اگر موت عمرو کے بعد بیکار ہوا تو بوجہ موت واہب قبل تسلیم کما فی الدرالمختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ درمختار اور عام کتب میں ہے۔ ت) بہرحال مسجد کے لئے ملک اصلاً نہ ہوئی تو متولیان مسجد کو اس کا مطالبہ کس بنا پر پہنچ سکتا تھا، نہ کسی طرح ان کی ڈگری ہوسکتی تھی نہ ہرگز انھیں اس کا لینا حلال، نہ مسجد میں خرچ کرنا حلال، معہذا غفلت اگر جرم ہے تو نہ صرف زید بلکہ سب متولیوں کا کہ جب عمرو نے وہ چک مسجد کو دیا تھا ہر متولی کو مسجد کے لئے اس کا حاصل کرنا تھا فقط زید کے پاس جمع کردینے سے کیا باقی سب تولیت مسجد سے خارج ہوگئے، اگر خارج ہوگئے تو انھوں نے دعوٰی کس بنا پر کیا اور اگر خارج نہ ہوئے تو انھوں نے کیوں نہ وصول کیا یا کرایا، کیوں مال ضائع ہونے دیا، یہ جرم ہے تو سب کی طرف ہے بلکہ اگر بہ نسبت مدعی و مدعی علیہ جاری ہوا تو تنہا باقیوں پر الزام ہے کہ وہ شمار متولی معزول نہیں، ان متولیوں نے کیوں تلف ہونے دیا، علاوہ بریں اگر یہ جرم تھا تو اتنا کہ ایک مال جو مسجد کی ملک ہوجاتا وصول نہ کیا نہ یہ کہ ایک مال جو مسجد کی ملک تھا تلف کردیا تو یہاں تملک سے امتناع ہے نہ کہ مملوک کا ضیاع، تو تاوان کیا معنی، اور جب ضمان نہیں تو زید ہی کے مال پر مطالبہ نہ یا ورثا سے مطالبہ کیسا،

قال اللہ تعالٰی لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ بوجہ غفلت چک بیکار ہوا ہو اور اگر بنک والوں نے اس میں کوئی نقص نکال کر روپیہ نہ دیا جب تو ظاہر ہے کہ زید بے قصور ہے بالجملہ دعوٰی بہرحال باطل وبے معنی ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون فی الاحکام ہبۃ الدین اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

مسئلہ ۱۲۴: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پٹھان ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ بطور چندہ کانپور کے بیوگان و یتیمان وغیرہ وغیرہ کے واسطے جمع کیا ہوا اور اب بعد فیصلہ کانپور وہ روپیہ اکثر مردمان کی رائے سے تعمیر مسجد میں لگا دیا جائے تو اس کے بابت کیا حکم ہے؟

الجواب

چندہ جس کام کے لئے کیا گیا جب اس کے بعد بچے تو وہ انہیں کی ملک ہے جنہوں نے چندہ دیا ہے، کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ ت) ان کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا جس کام میں وہ کہیں صرف کیا جائے۔ اور اگر دینے والوں کا پتا نہ چل سکے کہ ان کی کوئی فہرست مرتب نہ کی تھی نہ یاد ہے کہ کس کس نے دیا اور کتنا کتنا دیا تو وہ مثل مال لقطہ ہے اُسے مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۵: از شہر مرسلہ جناب حافظ میاں صاحب ۵ جمادی الاخری ۱۳۲۷ھ یوم دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک حاطہ اور ایک باغ واسطے نیاز حضور جناب امام حسین علیہ السلام اور فاتحہ پیران عظام اور مرمت شکست و ریخت زیارت بعرض بقائے نشان ونیز خیرات خالصاً للہ وقف کی، آیا [illegible] جائز و صحیح ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب بادلیل مشرح فرمائیے، بینوا توجروا۔

الجواب

خیرات خالصاً للہ کے لئے وقف جائز و صحیح ہے، یونہی یازدہم فاتحہ حضرت امام و اولیائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے لئے، جبکہ اسے مصرف خیر میں صرف کرنا ہو۔ رہی مرمت زیارت اگر اس سے مراد وہ مکان ہے کہ مسافرین، زائرین، حاضرین عرس کے آرام کو بنایا گیا تو وہ مثل سرائے و مسافر خانہ قربت ہے اور اس کی مرمت مثل عمارت، تو اس پر بھی وقف جائز و صحیح ہے۔

فی الدر المختار الوقف علی ثلثة اوجه اما للفقراء او للاغنیاء ثم للفقراء او یستوی فیه الفریقان کرباط وخان ومقابر وسقایات وقناطر ونحو ذلک کمسجد وطواحین وطست لاحتیاج الکل لذلک[1]۔

درمختار میں ہے کہ وقف تین طرح ہوتا ہے، فقراء کے لئے یا پہلے اغنیاء اور پھر فقراء کے لئے یا دونوں کے لئے مساوی جیسے سرائے، تکیے، قبرستان، سبیلیں اور پل وغیرہ۔ مثلاً مسجد، چکیاں اور برتن کیونکہ یہ تمام لوگوں کی ضروریات ہیں (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۶

اور اگر مراد عام قبر کی مرمت ہے تو وہ قربت نہیں اور وقف کے لئے قربت ہونا شرط ہے۔

فی الدر المختار شرطه ان یکون قربة فی ذاته معلوما منجزا الخ۔[1]

درمختار میں ہے کہ وقف ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ذاتی طور پر نیکی ہو نا واضح طور پر معلوم ہو الخ (ت)

فتاوٰی قاضی و فتاوٰی سراجیہ و تنویر الابصار وغیرہا میں ہے:

اوصی بان یطین قبرہ فہی باطلۃ اھ مختصرا[2]

قبر کی لپائی کی وصیت کی تو باطل ہے اھ مختصرا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الوصیۃ صلۃ او قربۃ ولیست ھذہ واحدۃ منہما فبطلت[3]

وصیت، صلہ رحمی ہو یا پھر نیکی ہو، اور یہ دونوں میں سے نہیں ہے، لہذا باطل ہے (ت)

ہاں قبور اولیاء کرام کے حفظ و نگہداشت کہ جبکہ ان کی تعظیم و تکریم کے تحفظ اور توہین و پامالی سے بچانے و مسلمانوں کے وہاں حاضر ہو کر فیض ثواب و تبرکات پانے کے لئے ہو قربت کیا اقرب بلفقہ ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین۔[4]

یہ پہچان سے قریب تر ہے تاکہ ان کو اذیت سے بچایا جاسکے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تطیین القبور لایکرہ فی المختار وقیل یکرہ وقال البزدوی لو احتیج لکتابة کیلا یذہب الاثر ولا یمتہن لا باس بہ۔[5]

قبروں کی لپائی مکروہ نہیں ہے، مختار قول میں بعض نے کہا مکروہ ہے۔ بزدوی نے فرمایا اگر کتابت کے لئے ضرورت ہو تاکہ قبر کے نشان ختم نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۷
[2] " کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب " " " ۲/۳۳۰
[3] ردالمحتار " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۴
[4] القرآن الکریم ۳۳/۵۹
[5] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۲

ان کان القصد بذلک التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقروا صاحب هذا القبر الذی وضعت علیه الثیاب و لجلب الخشوع والادب لقلوب الزائرین الغافلین کما ذکرنا من حضور روحانیتهم المبارکة عند قبورهم فهو امر جائز الخ۔[1]

اگر مقصد یہ ہو کہ اس سے لوگوں کی نظروں میں تعظیم ہوگی اور قبر والے کی تحقیر سے حفاظت ہوگی تو اس کی قبر پر کپڑا ڈالنا اور غافل لوگوں کو وہاں خشوع کی طرف اور ادب کی طرف راغب کرنا، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ قبروں پر اصحابِ قبور کی روحیں حاضر ہوتی ہیں، اس لئے ہو تو یہ جائز ہے۔ الخ (ت)

اور شک نہیں کہ ہر مباح بہ نیت محمودہ قربت ہوجاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ ما نوی۔[2]

اعمال نیات کے ساتھ ہیں، ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے۔ (ت)

اس صورت میں اس مرمت کے لئے تنہا بھی وقف صحیح ہوسکتا ہے لیکن یہاں جبکہ صرف مرمت قبر پر وقف نہیں بلکہ اس میں مصارفِ قربت صریحہ مذکور ہیں تو ایک مصرف جائز اگرچہ خود قربت نہیں، ان میں شامل کرنا وقف کو ناجائز نہیں کرسکتا غایت یہ کہ گویا اتنا روپیہ جس قدر اس کی حاجت کبھی مرمت قبر کے لئے واقع ہو مصارفِ خیر سے ایک مصرف جائز کے لئے مستثنٰی ہوا اور اس میں کچھ حرج نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

اذ جعل اولہ علی معینین صار کانہ استثنٰی ذٰلک من الدفع الی الفقراء کما صرحوا بہ۔[3]

جب وقف کرتے ہوئے دو چیزوں کا ذکر کیا گیا تو گویا یہ فقراء کو دینے سے مستثنٰی ہوگا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں و ردالمحتار میں ہے:

لوقال ارضی صدقة موقوفة علی من یحدث لی من الولد ولیس لہ ولد یصح لان قولہ صدقة موقوفة

اگر کسی نے یوں کہا کہ میری یہ زمین آئندہ پیدا ہونے والے میرے بچے کے لئے صدقہ ہے فی الحال اگرچہ بچہ نہ ہو تو بھی یہ صحیح ہے کیونکہ اس کا صدقہ کہنا اس کو

---

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۷
[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲
[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

وقف علی الفقراء وذکر الولد الحادث للاستثناء[۱]	فقراء کے لئے وقف قرار دے گا اور آئندہ ہونے والے بچے کا ذکر فقراء کے مصرف سے مستثنیٰ ہوگا (ت)

بالجملہ صورت مذکورہ میں وہ وقف ضرور صحیح وجائز ولازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقف علی الاولاد و وقف علی النفس جائز ہیں یا نہیں، اور ان کے کیا معنی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

شرع مطہر میں وقف علی الاولاد و وقف علی النفس سب جائز ہے یعنی اپنی جائداد یوں وقف کرے کہ تاحیات کلیۃً خود اس سے متمتع رہوں تمام آمدنی اپنے مصارف ذاتی پر صرف کروں میرے بعد میری اولاد و اولاد اولاد اس سے بدین تفصیل یا بحصہ مساوی (جس طرح چاہے کہے) متمتع ہوتی رہے جب نسل میں کوئی نہ رہے تو فلاں مدرسہ یا مسجد یا فقراء یا کار خیر کے لئے ہو جس طرح کہے گا اسی طرح پابندی ہوگی اور جائداد بیع و ہبہ وغیرہ انتقال کے اصلاً قابل نہ رہے گی تولیت کا بھی اختیار ہے کہ تاحیات تک چاہے اپنے ہی نام رکھے یا اپنی اولاد کے نام، و بعد وفات جس طرح چاہے ترتیب دے تولیت میں لگائے سب کی پابندی اسی طرح ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۷ ازبنارس محلہ پتر کنڈہ مکان ہیرا جی مرحوم مرسلہ محمد فضل صاحب ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی ایک موضع میں ہم حقیت زمینداری ہے جس سے انتفاع تخمیناً مبلغ [illegible] روپیہ ماہوار کا ہے اور یہ اراضی ہندہ کو اپنے شوہر مرحوم سے دین مہر میں ملی ہے چونکہ ہندہ لاولد ہے اس وجہ سے اپنی جائداد مذکورہ اس طور سے وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتی ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے خود متولی رہ کر اس کی آمدنی سے بطریق مناسب خیرات کرتی رہے گی بعد اس کے مرنے کے چار شخص دیندار متدین جن کو کہ وہ نامزد کرے گی وہ لوگ متولی ہوں گے اور اس آمدنی سے ایصال ثواب جس طریقہ سے وقف نامہ میں لکھے گی کرتے رہیں گے، ہندہ کی تین حقیقی بہنیں ہیں سوائے ان کے کوئی عزیز قریب نہیں ہے اور یہ ہر سہ بہنیں صاحب اولاد ہیں اور ان کی ماہوار آمدنی ہندہ کی آمدنی سے زیادہ، غرضکہ ہر سہ بہنیں محتاج نہیں ہیں، اکثر اشخاص یہ کہتے ہیں کہ یہ وقف از روئے شرع شریف

---

[۱] فتاوی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/۳۱

ناقص و ناجائز ہوگا اس وجہ سے کہ حقیقی بہنیں موجود ہیں اور ہندہ پر حق العباد کا مواخذہ رہے گا اور اس کو اجر و ثواب اس کام ہوگا بلکہ گنہگار ہوگی کہ وہ حق تلفی کرتی ہے چونکہ ہندہ جائداد مذکورہ بالا ثواب و صدقہ جاریہ کی غرض سے وقف کرتی ہے پس اس صورت میں یہ وقف جائز ہوگا یا کہ ناجائز؟ اور ہندہ وقف کرنے سے ثواب پائے گی یا حق العباد کی حق تلفی سے گنہگار ہوگی؟ امید کہ جواب بحوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اُسے اپنی صحت میں وقف کا اختیار ہے جس طرح وقف کرے گی کل یا بعض وقف ہو جائے گی مگر نیت اگر یہ ہے کہ بہنوں کو ترکہ سے محروم کرے تو یہ اگرچہ حق العبد میں گرفتار نہیں کہ صحت مورث میں کسی وارث کا کوئی حق اس کے مال سے متعلق نہیں ہوتا مگر ایسی نیت ضرور مذموم و سخت شنیعہ ہے، حدیث میں ہے نبی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم فرماتے ہیں،

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ[1]

جو بلاوجہ شرعی اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالے جنت سے اس کا حصہ قطع کردے۔

بہنوں کا مالدار ہونا کوئی وجہ شرعی ان کے محروم کرنے کی نہیں۔ راہ یہ ہے کہ یا تو وارثوں سے رضامندی لے وہ سچے دل سے اجازت دے دیں کہ تم اپنی جائداد مصارف خیر کے لئے وقف کردو یا وقف اہل کرے کہ وقف کا بھی ثواب پائے اور وارث بھی محروم نہ ہوں یعنی یوں وقف کرے کہ یہ جائداد میں نے اپنی زندگی بھر اپنے نفس پر وقف کی اور اپنے بعد اپنے ورثہ پر اور جب وہ اور اس کا وارث کوئی نہ رہے تو فلاں فلاں مصارف خیر پر اس میں یہ بھی جائز ہوگا کہ جائداد میں سے جتنا چاہے اپنی حیات اور اپنے وارثوں کے حیات میں بھی مصارف خیر کے لئے معین کردے اُتنا اُن میں صرف ہوگا باقی اپنی زندگی بھر یہ لے گی اور اس کے بعد اس کے وارث۔ واللہ تعالے اعلم

مسئلہ ۱۲۰ از مدرسہ نعمانیہ دہلی مرسلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب احمد آبادی ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے مکان کو وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے کہ اس میں وراثت جاری نہ ہو، منشاء زید یہ ہے کہ مکان آبادی اسی طرح قائم رہے حصص بخرہ ہو کر خراب نہ ہو کہ ورثہ اپنے اپنے حصے بیع کردیں گے اولاد زید اس میں رہا کرے اولاد و اناث کو اگر ضرورت ہو یعنی

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الحیف فی الوصیۃ ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ سرگودھا ص ۱۹۸

اُن کی سسرال سے کسی ناچاقی کی وجہ سے یہاں آنا ہو تو وہ بھی رہے اور خرید و فروخت ہبہ وغیرہ کا کسی کو اختیار نہ رہے البتہ شکست و ریخت یا تعمیر جدید یا تغیر مکانیت مناسب کا ہمیشہ اختیار رہے زید کی ایک ہمشیرہ بھی سہیم ہے وُہ اس وجہ سے کہ اُس کے لڑکے شاید ناراض ہوں تحریر نہیں دیتی زبانی خاص لوگوں کے رُوبرو اپنا معاف کرنا بیان کرتی ہے، اس صورت میں زید کا وقف کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب

زید کو ایسے وقف کا اختیار ہے اور یہ وقف صحیح ہے اولاد زید کے سامنے ہمشیرہ کا کوئی حق نہیں ہوتا تو وقف پر کہ غیر مرض موت میں کیا جائے کسی وارث کو حق اعتراض نہیں، نہ حصہ معاف کرنے کی ضرورت، نہ کسی تحریر دینے کی۔ وہ یہ مضمون لکھ دے کہ میں نے اپنا مکان محدود بحدود چنیں وچناں اپنی زندگی بھر اپنے نفس پھر اپنی اولاد پھر فقرائے مسلمین اہل سنت وجماعت پر بایں شروط وقف صحیح شرعی لازم کیا۔

(۱) اپنی حیات بھر خود اس میں رہوں گا۔

(۲) میرے بعد میری اولاد زینہ و اولاد زینہ و اولاد زینہ تا بقائے نسل اس میں رہیں۔

(۳) اولاد و اولاد اولاد میں جو اناث ہوں جب تک شادی نہ ہو یا بیوہ ہو جائے اور وہاں ٹھکانہ نہ رہے یا بوجہ ناچاقی وہاں نہ رہ سکے وہ بھی تا بقائے ضرورت اُس میں سکونت رکھے گی۔

(۴) جب نسل میں اولاد ذکور نہ رہیں اولاد اناث کو حق ہوگا۔

(۵) جب وُہ بھی نہ رہیں مکان کرائے پر دیا جایا کرے گا اور کرایہ فقرائے مسلمین اہل سنت و جماعت مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین پر صرف ہوا کرے گا۔

(۶) شکست ریخت کا صرف میری زندگی میں میرے ذمہ پھر اولاد ساکنین پھر کرایہ مکان سے ہوا کرے گا۔

(۷) کسی وقت کسی کو اس کی بیع و ہبہ و انتقال وغیرہ کا اختیار نہ ہوگا، اور یہ جو مناسب ہوں شرائط لکھ کر وقف نامہ مکمل کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹-۱۳۰ از آگرہ کڑہ مسرو محمد نواب حسین کارخانہ دار کامدانی ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) زید اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے اور ایک ثلث آمدنی جائداد کا کار خیر میں دینا منظور ہے بعد منہائی دیگر اخراجات ضروری مرمت وغیرہ میں جو رقم باقی رہے اس میں سے ایک ثلث کار خیر میں صرف کرنا یا کل آمدنی میں سے۔

(۲) جو رقم ثلث آمدنی کار خیر کے واسطے نکالی جائے اس میں سے نیاز بزرگان دین کی و محفل میلاد شریف میں خرچ کرنا و کسی مدرسہ وغیرہ میں دینا مقصود ہے یہ جائز ہوگا اس حالت میں جداگانہ زکوٰۃ کی تو ضرورت نہ رہے گی۔

الجواب

(۱) یہ اُس کی زبان پر ہے اگر وقف میں یہ شرط لگائے گا کہ کل آمدنی بلا اخراج خرچ کا ثلث تو یہی واجب ہوگا اور منافع خالص کا ثلث کہے گا تو خرچ نکال کر جو بچا اس کی تہائی اور اگر مطلق کہے گا تو حسب عرف منافع خالص کا ثلث سمجھا جائے گا۔ واللہ تعالےٰ اعلم

(۲) کار خیر میں جو کام متعین کر دے گا مثلاً مسجد یا مدرسہ یا مساکین وہ ثلث اُس میں صرف ہو سکے گا اور اگر نیاز بزرگان دین و محفل میلاد شریف بھی اسی میں شامل کرے گا تو یہ بھی ہو سکے گا یہ ثلث کار خیر میں صرف کر دینا بقیہ دو ثلث پر سے زکوٰۃ ساقط نہ کر دے گا جبکہ اُس کے پاس حاجات اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب بچے اور سال گزر دے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

باب المسجد

(احکام مسجد کا بیان)

مسئلہ ۱۳۱: میمن محمد عبداللہ ابوبکر سوداگر مرور گلی بازار اسمٰعیل گنج ریاست حیدرآباد دکن ۱۲ شوال ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چبوترہ پر عرصہ تیس سال سے اذان ونماز باجماعت وجمعہ ہوا کرتی ہے، اس پر محراب ومنبر بھی ہے، زید کہتا ہے کہ محض چبوترہ پر نماز وغیرہ قائم ہونے سے حرمت مسجد نہیں ہوتی کیونکہ اس پر نہ چھت ہے نہ منارہ جو لوازمات مسجد ہیں، بکر کہتا ہے یہ لوازمات مسجد نہیں اذان ونماز پنجگانہ باجماعت وجمعہ کا قیام کافی ہے، اب از روئے شرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کا قول محض باطل وخلاف شرع ہے مسجد کے لئے چھت، منارہ، دیواریں کوئی چیز لازم نہیں، اس میں تو منبر ومحراب موجود ہے، یہ بھی نہ ہوتا تو بھی مسجدیت میں خلل نہیں۔ مسجد صرف اس زمین کا نام ہے جو نماز کیلئے وقف ہو یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی نری خالی زمین مسجد کو دے مسجد ہوجائے گی، مسجد کا احترام اس کے لئے فرض ہوجائے گا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فيها امر قوما ان يصلوا فيها بجماعة ابدا او امرهم بالصلوٰة مطلقا ونوی

کسی شخص کی خالی زمین ہے جس میں عمارت نہیں اس نے لوگوں کو کہا کہ اس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کرو، یا یوں کہا کہ اس میں نماز پڑھو، اور نیت

الا ان صارت الساحۃ مسجدا کذا فی الذخیرۃ وھکذا فی فتاوی قاضی خان[1] (ملخصا)

ہمیشگی کی تھی تو دونوں صورتوں میں وہ خالی زمین مسجد ہوگی جیسا کہ ذخیرہ اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے (ت)

جبکہ اس چبوترہ کا کوئی مالک ومدعی نہیں اور اس میں مدتوں سے نماز باجماعت ہوتی ہے جمعہ ہوتا ہے، منبر ہے، محراب ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو مسجد نہ سمجھا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۳۲: از شملہ مسجد قطب خانساماں کوہ شملہ خوردہ مرسلہ عالم خان ممبر وسکریٹری مسجد مذکور ملازم کوٹھی آرنا ڈیل ۹ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک شخص قطب خانساماں نے تین مسجدیں مقام کوہ شملہ تین بازاروں میں بنوائی تھیں، بازار کلاں و بازار بابو گنج و بازار چھوٹا شملہ، خانساماں مرحوم نے خاص اپنی سعی و کوشش سے انگریز سے زمین بھی لی اور بنیاد بھی مسجد کی خود ہی ڈالی اور اپنے زر خاص سے مسجد کو بنوایا اور تیار ہونے پر بھی خانساماں مغفور نے اپنی حین حیات مسجد کی خدمت وخبرگیری کی اور مسجد کے ہمیشہ خرچ کے لئے کچھ جائداد بھی مسجد کے متعلق کی جو مسجد کے خرچ کو کافی ہے، اب بعد گزر جانے خانساماں مرحوم کے بے انتظامی متولیان و غفلتان وقت کے سبب مسجد کے شہید ہوجانے پر اور پیشہ کے چند لوگوں نے چندہ جمع کرکے مسجد مذکور کو تعمیر کرایا اور انتظام دست بدست دیگراں رہا، سوال یہ ہے کہ حق زیادہ مسجد پر پہلے بنانے والے اور اس کے گروہ کا ہے یا بعد کے بنانے والوں کا اور اس کے گروہ کا؟ اور نام وروشن ہونا مسجد پر اور مسجد کی تمام چیزوں پر کس کا ہونا چاہئے یا کسی کا بھی نہیں؟ اور مسجد مذکور قطب خانساماں کے نام سے پکاری جاتی ہے، بعد گزر جانے خانساماں مذکور کے انتظام مسجد دست بدست دیگراں رہا جو کہ منتظم یا متولی مانے جاتے رہے ہیں، بایں صورت ایک شخص باآنکہ پندرہ بیس سال سے متولی یا منتظم قرار دیا ہوا تھا اور انتظام مسجد وآمدنی وخرچ سب اسی کے سپرد تھا سو اس کے انتظام وتولیت سے مسجد کو سراسر نقصان ہوا، یہاں تک کہ مسجد مقروض بھی ہوئی اگرچہ اب نہیں ہے، لیکن مسجد پر خستگی اب بھی ظاہر ہے اور نمازیوں کو تکلیف سامان نماز سے ہمیشہ پہنچتی رہی لہذا متولی ہذا کو معزول کرکے بجائے اس کے چند اشخاص معقول ممبر مقرر کرکے جو ایک پیشہ اور اسی بازار کے تھے، انتظام مسجد وآمدنی وخرچ ان کے متعلق کیا گیا، اب آئندہ انتظام دستور سابق کے موافق ہونا چاہئے جو متولی معزول کے وقت میں تھا اور اسی روش پر چلنا چاہئے یا نئے طریق سے جو مسجد کی آسودگی ونمازیوں کے آرام کی صورت ہو، جو کتابیں کہ اب انتظام مسجد کے حساب وکتاب کے واسطے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

تھی تیار ہوئی ہیں ان پر نام قطب خانساماں کا لکھا گیا ہے ۔ گروہ دوم کہتا ہے کہ ان پر قطب خانساماں کا نام لکھنا شرک وبدعت ہے چونکہ پہلے نہ تھا اب کیوں لکھا گیا ، گروہ خانساماں کہتا ہے کہ کتابوں پہ نام کا ہونا شرک و بدعت نہیں ہے ، پہلے کا دستور قاعدہ جب لیں جو قاعدہ وطریق سابق سے مسجد کو آسودگی اور نمازیوں کو آرام پہنچا ہو ، مسجد کی آمدنی کا روپیہ خانساماں کے گروہ کے پاس رہنا چاہئے یا گروہ دوم کے پاس ، اور زر مذکور زیادہ مالدار کے پاس رہے یا تھوڑے مالدار کے پاس ؟

الجواب

مسجد قیامت تک اصل بانی کے نام سے رہے گی اگرچہ اس کی شکست ریخت یا شہید ہوجانے کے بعد دوبارہ تعمیر اور لوگ کریں ، ثواب ان کے لئے بھی ہے مگر اصل بنا بانی وقف کے واسطے خاص ہے ،

لان اصل المسجد الارض والعمارۃ وصف ولایکون من اعاد الوصف کمن احدث الاصل.

کیونکہ اصل مسجد تو زمین ہے اور عمارت وصف ہے چنانچہ جس نے وصف کا اعادہ کیا وہ موجد اصل کی مانند نہیں ہوسکتا ۔ (ت)

کتابوں پر خانساماں کا نام لکھا جانا نامناسب نہیں بلکہ بہتر ہے اور اسے شرک و بدعت کہنا بدعت ہے ۔ اسعاف پھر ردالمحتار میں ہے ،

من قصد الواقف نسبۃ الوقف الیہ و ذلک فیما ذکرنا [1]

واقف کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کی طرف منسوب رہے ، اور یہ ہماری مذکورہ صورت میں ہی ہوسکتا ہے (ت)

متولی مسجد بھی جب تک خانساماں کی اولاد یا کنبہ والوں میں کوئی شخص اس کا اہل پایا جائے اور لوگوں میں سے نہ کیا جائے گا ، درمختار میں ہے ،

مادام احد یصلح التولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب لانہ اشفق ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیہم [2]

جب تک واقف کے اقارب میں سے کوئی متولی وقف بنانے کی اہلیت رکھتا ہو بیگانوں میں سے کسی کو متولی نہ بنایا جائے کیونکہ واقف کا قریبی رشتہ دار وقف کا زیادہ خیال رکھنے والا ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کے خاندان کی طرف منسوب رہے (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۱۱

[2] درمختار " " " " " " " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹

مسجد کا روپیہ اُسی متولی کے اختیار میں رہے گا اُس کے لئے دیانتدار کارگزار ہونا شرط ہے مالدار ہونا ضرور نہیں، مالداروں کی سپردگی میں جبکہ مسجد کی بے انتظامی اور نمازیوں کو تکلیف رہی تو اُس انتظام کا بدلنا اور ہوشیار دیانتدار پرہیزگار مسلمانوں کی نگرانی میں دینا فرض تھا، درمختار میں ہے :

ینزع وجوبا بزازیة، لو الواقف درر، فغیرہ بالاولی غیر مأمون او عاجزا او ظهر به فسق کشرب خمر و نحوه[۱]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

وقف متولی کی تولیت سے نکال لینا واجب ہے (بزازیہ) اگرچہ خود واقف ہی متولی ہو (درر) جبکہ وہ غیر امین یا عاجز ہو یا اس کا فسق جیسے شراب نوشی وغیرہ ظاہر ہو جائے [جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو] غیر واقف سے اس صورت میں وقف کا واپس لے لینا بدرجۂ اولٰی واجب ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳: از رام پور بیلا تالاب مسجد شاہ درگاہی صاحب مرسلہ مولوی عبدالقادر صاحب بنگالی
۵ صفر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ ایک مسجد چھپر کی تھی اب ایک شخص نے اس کو توڑ کر اپنے پاس سے روپیہ دے کے اسی جگہ میں ٹین کر دیا، اب توڑا ہوا چھپر فروخت کرنا برائے خرچ مسجد کے یا بیٹھک خانہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر بیٹھک خانہ درست ہے تو ازروئے شرع شریف کے کس صورت پر جائز ہوگا فقط، بینوا توجروا۔

الجواب

حاکم اسلام اور جہاں وہ نہ ہو تو متولی مسجد و اہل محلہ کو جائز ہے کہ وہ چھپر کہ اب حاجت مسجد سے فارغ ہے کسی مسلمان کے ہاتھ مناسب داموں کو بیچ ڈالیں اور خریدنے والا مسلمان اُسے اپنے مکان نشست یا باورچی خانے یا ایسے ہی کسی مکان پر جہاں بے تعظیمی نہ ہو ڈال سکتا ہے، پاخانہ وغیرہ مواضع بے حرمتی پر نہ ڈالنا چاہئے کہ علمائے اُس کوڑے کی بھی تعظیم کا حکم دیا ہے جو مسجد سے جھاڑ کر پھینکا جاتا ہے۔

جواہر الاخلاطی و فتاوٰی ہندیہ میں ہے :

حشیش المسجد اذا کان له قیمة فلاهل المسجد ان یبیعوہ وان رفعوا الی

مسجد کی گھاس کی اگر کوئی قیمت ہو تو اہل مسجد کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کردیں، اگر حاکم کے پاس

۱؎ درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۲

الحاکم فھو احب ثم یبیعوہ بامرہ ھو المختار[1]

اس کا مرافعہ کریں تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے پھر اس کے اذن سے فروخت کریں یہی مختار ہے (ت)

فتاوٰی خانیہ میں ہے:

قد ذکرنا ان الصحیح من الجواب ان بیعھم بغیر امر القاضی لایصح الا ان یکون فی موضع لا قاضی ھناک[2]

ہم ذکر کرچکے کہ حکم صحیح یہ ہے کہ بغیر امر قاضی کے ان لوگوں کا مسجد کی گھاس کو فروخت کرنا صحیح نہیں سوائے اس جگہ کے جہاں قاضی نہ ہو۔ (ت)

درمختار میں قبیل باب المیاہ ہے:

حشیش المسجد وکناستہ لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسجد کی گھاس اور کوڑا کرکٹ ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں اس کی بےحرمتی ہوتی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۹
[2] فتاوٰی قاضیخان ؍؍ فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/۷۲۲
[3] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴

رسالہ

اَلتَّحْرِیْرُ الْجَیِّد فِیْ حَقِّ الْمَسْجِد

(مسجد کے حق میں عمدہ تحریر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۳۳: بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبد السلام صاحب ۲۱ ذالحجۃ الحرام ۱۳۱۵ ہجری قدسیہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و فضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی چیزیں فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب

مسجد کی چیزیں اس کے اجزاء ہیں یا آلات یا اوقاف یا زوائد، اجزاء یعنی زمین و عمارت قائمہ کی بیع تو کسی حال ممکن نہیں مگر جب مسجد معاذ اللہ ویران معطل ہوجائے اور اس کی آبادی کی کوئی شکل نہ ہے تو ایک روایت میں باذن قاضی شرع حاکم اسلام اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کرسکتے ہیں، مواضع ضرورت میں اس روایت پر عمل جائز ہے۔

فی الدر المختار لو خرب ما حولہ و استغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام

درمختار میں ہے اگر مسجد کا گردوپیش ویران ہوگیا اور مسجد کی ضرورت نہیں رہی تب بھی امام اعظم ابوحنیفہ

والثانی ابدا وبه یفتی وعن الثانی ینقل الی مسجد اٰخر باذن القاضی۱؎۔ وفی ردالمحتار قوله وعن الثانی الخ جزم به فی الاسعاف حیث قال ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لایعود الی ملک الواقف عند ابی یوسف فیباع نقضه باذن القاضی ویصرف ثمنه الی بعض المساجد۲؎ اھ وفیه ایضًا الشیخ الامام امین الدین بن عبدالعال والشیخ الامام احمد بن یونس الشلبی والشیخ زین بن نجیم والشیخ محمد عبدالوفائی فمنهم من افتی بنقل بناء المسجد ومنهم من افتی بنقله ونقل ماله الی مسجد اٰخر والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلافرق بین مسجد او حوض کما افتی به الامام ابوشجاع والامام الحلوانی وکفی بهما قدوة ولا سیما فی زماننا فان المسجد او غیره

اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی علیہما کے نزدیک وہ ہمیشہ تاقیامت مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ اور امام ابویوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ قاضی کی اجازت سے اسے دوسری مسجد کی طرف منتقل کردیا جائیگا۔ ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول "وعن الثانی الخ" اسعاف میں اسی پر جزم کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مسجد اور اس کا گردونواح ویران ہوجائے اور لوگ وہاں سے نقل مکانی کرجائیں تو امام ابویوسف کے نزدیک وہ واقف کی ملک میں نہیں لوٹے گی چنانچہ قاضی کی اجازت سے اس کا ملبہ فروخت کرکے ثمن کسی دوسری مسجد میں صرف کیا جائے گا اھ اسی میں یہ بھی ہے جیسے شیخ امام امین الدین بن عبدالعال، شیخ امام احمد بن یونس شلبی، شیخ زین بن نجیم اور شیخ محمد الوفائی ان بزرگوں میں سے بعض نے مسجد کی عمارت اور بعض نے عمارت اور اس کے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنے کا فتوٰی دیا، اور جو بات مناسب ہے وہ یہی ہے کہ مسجد و حوض میں فرق کے بغیر جواز نقل میں مشائخ مذکورہ کی اتباع کی جائے جیسا کہ امام ابوشجاع اور امام حلوانی نے اس پر فتوٰی دیا ہے اور ان دونوں اماموں کا مقتدا ہونا کافی ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں کیونکہ اگر مسجد کو منتقل نہ کیا جائے

۱؎ درمختار کتاب الوقف مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

۲؎ ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

یأخذه ان قبضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد[1] اھ ملتقطًا۔ قلت وللعبد الضعیف ههنا تحقیق شریف حقق فیه بتوفیق الله تعالٰی ان الروایة النادرة عن الثانی مفرعة علی قوله المفتی به کما افاده فی الدرر والدر خلافا لما فهمه العلامة الشامی رحمه الله تعالٰی وانه یفتی بها فی مواضع الضرورة کما قرره الشامی ومن سبقه ممن سمی وممن لم یسم وانه یجوز نقل الساحة ایضا کما نقل النقض وهو ما مر من قوله منهم من افتی بنقله ونقل ماله وان قول الدر "ینقل الی مسجد اٰخر"[2] محمول علی ظاهره وان ذکر النقض والمال والبناء فی کلام غیره غیر قید وان حاصل تلك الروایة زوال المسجدیة مع بقاء الوقفیة فلا یعود الی ملك البانی او ورثته ویجوز النقل والاستبدال والله تعالٰی اعلم بحقائق الاحوال۔

تو چور اور جبری قبضہ کرنے والے لوگ اسباب مسجد لے لیں گے جیسا کہ دیکھا جارہا ہے اھ التقاط۔ قلت (میں کہتا ہوں) اس عبدِ ضعیف کی یہاں پر ایک نہایت شاندار تحقیق ہے جس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام ابویوسف کی روایتِ نادرہ ان کے مفتی بہ قول پر متفرع ہے جیسا کہ اس کا فائدہ دُرر اور دُر نے دیا ہے بخلاف اس کے جو علامہ شامی نے سمجھا اور مواضع ضرورت میں اس پر فتوٰی دیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ شامی اور ان کے پیش رو ائمہ نے اس کی تقریر فرمائی ان میں سے بعض کا نام علامہ شامی نے ذکر کیا اور بعض کا نام ذکر نہیں کیا، اور اس بات کو بھی ثابت کیا گیا کہ مسجد کے ملبہ کی طرح اُس کے میدان کو بھی نقل کرنا جائز ہے، اور علامہ شامی کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ان میں سے بعض نے مسجد کو نقل کرنے اور اس کے مال کو نقل کرنے کا فتوٰی دیا ہے اور اس بات کو بھی ثابت کیا گیا کہ دُر کا یہ قول "اس مسجد کو دوسری مسجد کی طرف نقل کیا جائے گا" اپنے ظاہر پر محمول ہے اور یہ کہ دُر کے غیر کے کلام میں ملبہ، مال اور عمارت کا ذکر بطور قید نہیں اور یہ کہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ وقفیت کے باقی رہنے کے باوجود مسجدیت کا زوال ہے لہذا بانی یا اس کے وارثوں کی طرف ملک عود نہیں کرے گی اور اس کا نقل کرنا اور تبدیل کرنا جائز ہے اور احوال کی حقیقتوں کو اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۲

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

ہاں اگر معاذ اللہ مسجد کی کچھ بنا منہدم ہو جائے یا اس میں ضعف آجانے کے سبب خود منہدم کرکے از سرِ نو تجدید عمارت کریں اب جو اینٹیں کڑیاں تختوں کے ٹکڑے حاجت مسجد سے زائد بچیں کہ عمارت مسجد کے کام نہ آئیں اور دوسرے وقت حاجت عمارت کے لئے اٹھا رکھنے میں ضائع ہونے کا خوف ہو تو ان دو شرطوں سے ان کی بیع میں مضائقہ نہیں مگر اذن قاضی درکار ہے اور اس کی قیمت جو کچھ ہو وہ محفوظ رکھی جائے کہ عمارت ہی کے کام آئے،

فی ش عن ط عن الہندیۃ مسجد مبنی اراد رجل ان ینقضہ ویبنیہ احکم لیس لہ ذلک لانہ لاولایۃ لہ، مضمرات الا ان یخاف ان ینہدم ان لم یہدم تاتارخانیۃ، وتاویلہ ان لم یکن البانی من اہل تلک المحلۃ واما اہلہا فلہم ان یہدموہ ویجددوا بناءہ ویفرشوا الحصیر ویعلقوا القنادیل لکن من مالہم لامن مال المسجد الا بامر القاضی خلاصۃ اھ[1] وفی العقود الدریۃ عن البحر عن عمدۃ الفتاوٰی لایجوز بیع بناء الوقف قبل ہدمہ اھ[2] وفی الہندیۃ عن السراجیۃ لو باع غلۃ المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضی الاصح انہ لایجوز اھ[3] وفی الدر صرف الحاکم او المتولی نقضہ او ثمنہ ان تعذر

شامی میں ط سے بحوالہ ہندیہ مذکور ہے کہ تعمیر شدہ مسجد کو گرا کر اگر کوئی شخص پہلے سے مضبوط تر بنانا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کیونکہ اس کو ولایت حاصل نہیں، مضمرات۔ مگر اس وقت ایسا کرنا جائز ہے جب یہ ڈر ہو کہ اگر وہ نہیں گرائیگا تو از خود گر جائے گی، تاتارخانیہ۔ تاویل اس کی یہ ہے کہ جب نئی مسجد بنانے والا اس محلہ کا باشندہ نہ ہو لیکن اہل محلہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پرانی مسجد کو گرا کر اس کو نئے سرے سے تعمیر کریں، اس میں چٹائیں بچھائیں اور قندیلیں لٹکائیں لیکن یہ سب کچھ وہ اپنے مال سے کریں مسجد کے مال سے بلا اجازت قاضی وہ ایسا نہیں کرسکتے، خلاصہ۔ اور عقود الدریہ میں بحر سے بحوالہ عمدۃ الفتاوٰی منقول ہے کہ گرانے سے قبل وقف کی عمارت کو فروخت کرنا جائز نہیں اھ ہندیہ میں سراجیہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ اگر

---

[1] رد المحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۰

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الوقف حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۱۱۵

[3] فتاوٰی ہندیۃ " نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۳

اعادة عینه الی عمارته ان احتیج والا حفظه لیحتاج، الا اذا خاف ضیاعه فیبیعه ویمسک ثمنه لیحتاج[1]۔

لوگوں نے قاضی کی اجازت کے بغیر مسجد کا ملبہ یا اس کا ملبہ فروخت کردیا تو اصح قول کے مطابق یہ جائز نہیں اھ۔ درمختار میں ہے حاکم یا متولی وقف کے ملبہ یا اس کی قیمت کو صرف کرے اگر وقف کا اعادہ بعینہٖ اس کی عمارت کی طرف متعذر ہو اگر حاجت ہو مرمت کی ورنہ تقاضائے حاجت کے لیے محفوظ رکھے، مگر جب اس کے ضائع ہونے کا ڈر ہو تو اس کو فروخت کرکے ثمن وقتِ حاجت کے لیے رکھ چھوڑے۔ (ت)

آلات یعنی مسجد کا اسباب جیسے بوریا، مصلے، فرش، قندیل، وہ گھاس کہ گرمی کے لیے جاڑوں میں بچھائی جاتی ہے وغیرذلک، اگر سالم و قابلِ انتفاع ہیں اور مسجد کو اُن کی طرف حاجت ہے تو اُن کے بیچنے کی اجازت نہیں، اور اگر خراب و بیکار ہوگئیں یا معاذاللہ بوجہ ویرانی مسجد اُن کی حاجت نہ رہی، تو اگر مالِ مسجد سے ہیں تو متولی، اور متولی نہ ہو تو اہلِ محلہ متدین امین باذنِ قاضی بیچ سکتے ہیں، اور اگر کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد کو دئے تھے تو مذہبِ معتمد پر اس کی ملک کی طرف عود کرے گا، جو وہ چاہے کرے، وہ نہ رہا ہو تو اس کے وارث، وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتا نہ ہو تو اُن کا حکم مثل لقطہ ہے کسی فقیر کو دے دیں خواہ باذنِ قاضی کسی مسجد میں صرف کردیں۔

فی الھندیة عن الذخیرة رباط کثرت دوابه وعظمت مؤنتها ھل للقیم ان یبیع شیئا منها وینفق ثمنها فی علفها او مرمة الرباط؟ فھذا علی وجھین، ان بلغت البعض الی حد لایصلح لما ربطت له، فله ذلك وما لا فلا[2]۔ وفی الخانیة جنازة اونعش

ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ ایک رباط کے جانور بہت زیادہ ہوگئے اور ان کا خرچ بہت بڑھ گیا تو کیا متولی ان میں سے بعض کو فروخت کرکے ان کی قیمت جانوروں کے چارہ اور رباط کی مرمت پر صرف کرسکتا ہے یا نہیں، اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، اگر بعض جانوروں کی عمر اس قدر زیادہ ہوچکی ہے کہ وہ اس مقصد کی صلاحیت نہیں رکھتے جس کے لیے ان کو رباط میں باندھا گیا ہے تو متولی انھیں فروخت کرسکتا ہے ورنہ

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۳۸۲/۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴۰۲/۲

للمسجد فسد فباعه اهل المسجد قالوا الاولى ان یکون البیع بامر القاضی والصحیح ان بیعهم لایصح بغیر امر القاضی[1] اھ وفیها بسط من ماله حصیرا فی المسجد فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه فان ذلك یکون له ان کان حیا ولوارثه ان کان میتا و ان بلی ذلك کان له ان یبیع ویشتری بثمنها حصیرا اٰخر، وکذا لو اشتری حشیشا او قندیلا للمسجد فوقع الاستغناء عنه، وعند ابی یوسف یباع و یصرف ثمنه الی حوائج المسجد فان استغنی عنه هذا المسجد یحول الی المسجد الاٰخر، والفتوی علی قول محمد، ولوان اهل المسجد باعوا حشیش المسجد او جنازة او نعشا صار خلقا ومن فعل ذلك غائب، لایجوز الا باذن القاضی هو الصحیح[2] اھ فی الهندیة

نہیں الخ، خانیہ میں ہے مسجد کا تابوت اور مسجد کی چارپائی جوکہ خراب ہوچکی ہو پس اہل مسجد نے آگے فروخت کردیا تو مشائخ فرماتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے بیع کا ہونا اولٰی ہے اور صحیح یہ ہے کہ بلااذن قاضی ان کی بیع درست نہیں ہوگی اھ اسی میں ہے کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد میں چٹائی بچھائی پھر مسجد ویران ہوگئی اور اس چٹائی کی ضرورت نہ رہی تو وہ چٹائی بچھانے والے کی ہوگی اگر وہ زندہ ہے ورنہ اس کے وارثوں کی ہوگی، اور اگر وہ چٹائی بوسیدہ ہوجائے تو بچھانے والے کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے نئی چٹائی خریدلے اسی طرح حکم ہے اگر کسی نے مسجد کے لئے گھاس یا قندیل خریدی پھر اس کی ضرورت نہ رہی ہو، اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان چیزوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت کو مسجد کی ضروریات پر صرف کیا جائے گا اور اگر اس مسجد کو ضرورت نہ ہو تو دوسری مسجد کی طرف منتقل کیا جائے گا، اور فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے، اور اگر اہل مسجد نے مسجد کی پرانی گھاس یا پرانا تابوت یا پرانی چارپائی فروخت کردی جبکہ یہ چیزیں مسجد کو دینے والا غائب ہے تو قاضی کی اجازت کے بغیر یہ جائز نہیں اور یہی صحیح ہے اھ ہندیہ میں ہے

---

[1] و [2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ اول ۶۱۲/۳، دوم ۶۱۳/۳
فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴۵۸/۲

ذکر ابو اللیث فی نوازله حصیر المسجد اذا صار خلقا واستغنی اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان کان الطارح حیا فهو له وان کان میتا ولم یدع له وارثا ارجو ان لاباس بان یدفع اهل المسجد الی فقیر او ینتفعوا به فی شراء حصیر اٰخر للمسجد والمختار انه لایجوز لهم ان یفعلوا ذٰلک بغیر امر القاضی کذا فی محیط السرخسی اھ[1] وفی رد المحتار عن البحر الفتوی علی قول محمد فی اٰلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد[2]۔

کہ ابو اللیث نے اپنی نوازل میں ذکر کیا کہ مسجد کی چٹائی جب پرانی ہوگئی اور اہل مسجد کو اس کی ضرورت نہ رہی جبکہ اس کو ایک شخص نے ڈلوایا تھا وہ اسی کی ہوگی اگر وہ زندہ ہے اور اگر وہ مرگیا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو میں امید کرتا ہوں کہ اس بات میں کچھ نہیں کہ اہل مسجد وہ چٹائی کسی فقیر کو دے دیں یا اس کو بیچ کر مسجد کے لئے دوسری چٹائی خریدنے میں اس سے نفع اٹھائیں اور مختار یہ ہے کہ قاضی کی اجازت کے بغیر انہیں ایسا کرنا جائز نہیں، محیط سرخسی میں یونہی ہے اھ، ردالمحتار میں بحوالہ بحر ہے کہ آلات مسجد کے بارے میں فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے اور تابید مسجد کے بارے میں فتوٰی امام ابو یوسف کے قول پر ہے رحمہما اللہ تعالٰی علیہما (ت)

اوقاف جبکہ عامرو آباد نہ ہوں اُن کی بیع اصلاً جائز نہیں مگر بناچاری کہ ظالم نے زبردستی اُن پر قبضہ کرلیا اور اُس سے رہائی کی سبیل نہیں مگر وہ قیمت دینے پر راضی ہے تو بمجبوری ثمن لے کر اُن کے عوض اور خرید کر اُن کے قائم مقام کردیں یا جبکہ واقف نے اصل وقف میں استبدال شرط کرلیا ہو تو جائز ہے کہ انہیں بیچ کر تبدیل کرلیں۔

فی الدر عن الاشباہ لایجوز استبدال العامر الا فی اربع[3] فی ردالمحتار الاولی لو شرطه الواقف، الثانیة اذا غصبه غاصب واجری

درمختار میں بحوالہ اشباہ مذکور ہے کہ چار صورتوں کے علاوہ آباد وقف کو تبدیل کرنا جائز نہیں، ردالمحتار میں ہے (ان چار صورتوں میں سے) پہلی صورت یہ ہے کہ خود واقف نے تبدیل کرنے کی شرط لگائی ہو،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۸

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۸۱

[3] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

عليه الماء حتى صار بحراً فيضمن القيمة ويشتري المتولي بها ارضاً بدلاً، الثالثة ان يجحده الغاصب ولا بينة أي واراد دفع القيمة فللمتولي اخذها ليشتري بها بدلاً، الرابعة ان يرغب انسان فيه ببدل اكثر غلة واحسن صقعاً فيجوز على قول ابي يوسف وعليه الفتوى كما في فتاوى قارئ الهداية قال صاحب النهر في كتابه اجابة السائل قول قارئ الهداية "والعمل على قول ابي يوسف" معارض بما قاله صدر الشريعة "نحن لا نفتي به" وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد ويحصى، فان ظلمة القضاة جعلوه حيلة لابطال اوقاف المسلمين وعلى تقديره فقد قال في الاسعاف المراد بالقاضي هو قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل اهـ ولعمري ان هذا اعز من الكبريت الاحمر، وما اراه الا لفظاً يذكر فالاحرى فيه السد خوفاً من مجاوزة الحد

دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے اسے غصب کر کے اس پر پانی جاری کر دیا یہاں تک کہ وہ وقف دریا بن جائے تو اس صورت میں غاصب قیمت کا تاوان دے گا اور متولی اس قیمت کے بدلے دوسری زمین خریدے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب انکاری ہے اور گواہ نہیں ہیں یعنی غاصب وقف زمین کی قیمت دینے پر آمادہ ہے تو متولی کو اختیار ہے کہ اس سے قیمت وصول کرے تاکہ اس کے بدلے دوسری زمین خرید لے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص وقف زمین میں ایسی زمین کے بدلے رغبت رکھتا ہے جو غلے کے اعتبار سے زمین وقف سے اکثر اور محل وقوع کے اعتبار سے زیادہ خوبصورت ہو تو امام ابو یوسف کے قول پر تبدیل کر لینا جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ فتاویٰ قاری الہدایہ میں ہے، صاحب نہر نے اپنی کتاب اجابۃ السائل میں فرمایا قاری الہدایہ کا کہنا کہ عمل امام ابو یوسف کے قول پر ہے صدر الشریعہ کے اس قول کے مخالف ہے کہ ہم اس پر فتویٰ نہیں دیتے تحقیق ہم نے وقف کی تبدیلی میں بے شمار (خرابیاں) دیکھی ہیں کیونکہ ظالم قاضیوں نے اس کو مسلمانوں کے اوقاف باطل کرنے کا حیلہ بنا لیا ہے، اسی لئے اسعاف میں فرمایا کہ قاضی سے مراد قاضی بہشت ہے جس کی تفسیر اہل علم و عمل کے ساتھ کی جاتی ہے اھ میری عمر کی قسم یہ صورت تو کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے اور میں محض خیال کرتا ہوں

واللّٰہ سائل عن کل انسان اھ قال العلامۃ البیری بعد نقلہ اقول وفی فتح القدیر الموجب الشرط او الضرورۃ ولا ضرورۃ فی ھذا اذ لا تجب الزیادۃ بل نبقیہ کما کان اھ اقول ما قالہ ھذا المحقق ھو الحق الصواب اھ کلام البیری وھذا ما حررہ العلامۃ القنالی اھ ما فی رد المحتار مختصرًا وراُتنی کتبت علی ھامش قولہ واجری علیہ الماء حتی صار بحرا ما نصہ اقول علی ھذا لم یبق عامرا وفیہ کلام والصورۃ الرابعۃ سیأتی ان الحق عدم جواز الاستبدال فیھا فلم یبق الا صورتان بل لك ان تقول الثالثۃ ایضا خراب معنی وان لم یکن صورۃ فلك ان تقول ان العامر لا یستبدل الا بشرط کما ھو قضیۃ

متوقف لفظ جس کا ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ حد سے تجاوز کرنے کے خوف کے پیشِ نظر زیادہ مناسب اس میں مخالفت ہے اور اللہ تعالٰی ہر انسان سے پوچھنے والا ہے اھ علامہ بیری نے اس کو نقل کرنے کے بعد کہا میں کہتا ہوں اور فتح القدیر میں ہے کہ استبدال کا موجب یا تو شرطِ استبدال ہے یا ضرورتِ استبدال جبکہ یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وقف پر زیادتی واجب نہیں بلکہ ہم اس کو پہلی حالت پر باقی رکھیں گے اھ میں کہتا ہوں جو کچھ اس محقق نے کہا وہی حق اور درست ہے اھ کلام البیری۔ یہ وہ ہے جس کو علامہ قنالی نے تحریر کیا ہے اھ مختصرًا ردالمحتار، اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے شامی کے قول کہ "صاحب نے زمین وقف پر پانی بہایا یہاں تک کہ وہ دریا بن گئی" پر یوں حاشیہ لکھا کہ میں کہتا ہوں اس صورت میں وہ آباد نہ رہی حالانکہ کلام تو آباد زمین میں ہو رہی ہے، اور عنقریب چوتھی صورت کے بارے میں آرہا ہے کہ اس میں حق استبدال کا عدمِ جواز ہے، تو اب صرف دو ہی صورتیں باقی رہیں بلکہ تو کہہ سکتا ہے کہ تیسری صورت بھی معنًی خراب ہے اگرچہ صورتًا نہیں، لہٰذا تو کہہ سکتا ہے کہ آباد زمین وقف میں استبدال نہیں ہوگا سوا اس کے کہ واقف نے خود استبدال کی شرط لگادی ہو،

ما حققه المحقق فی الفتح حیث حصرہ فی الشرط او ضرورة خروجه عن الانتفاع به وان شئت اوضحت فقلت ان الوقف مهما امکن الانتفاع به لم یجز استبداله الا بالشرط۔

جیسا کہ فتح القدیر میں مذکور کلام محقق کا تقاضا ہے جہاں اس نے استبدال کو شرط یا انتفاع سے خارج ہونے کی ضرورت میں منحصر کیا ہے اگر تو تفصیل کا طلبگار ہے تو میں کہتا ہوں کہ جب تک وقف سے انتفاع ممکن ہو بلا شرط اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔(ت)

پھر بحالت شرط استبدال بھی اس تبدیل کا جواز چند شرطوں سے مشروط،

اولاً یہ تبدیل کرنے والا خود واقف ہو یا وہ جس کی تبدیل اس نے شرط کی ہو مثلاً اپنے لئے تبدیل شرط کی تو متولی وغیرہ کسی کو اختیار نہیں اور دوسرے کے لئے شرط کی تو واقف کو اختیار رہے۔

ثانیاً جتنی بار شرط کی اس سے زائد نہ ہو مثلاً کہا کہ مجھے تبدیل کا اختیار ہے تو ایک ہی بار بدل سکتا ہے اور اگر کہا جس قدر بار چاہوں تبدیل کروں تو ہمیشہ مختار رہے۔

ثالثاً تبدیل عقار یعنی جائداد غیر منقولہ ہی سے ہو نہ روپیہ اشرفی سے۔

رابعاً عقار میں تخصیص کر دی ہے تو اس کے خلاف کا اختیار نہیں مثلاً زمین سے بدلنا شرط کیا تو مکان سے تبدیل نہیں کر سکتا اور مکان کی شرط کی زمین سے تبدیل کا اختیار نہیں رکھتا یونہی فلاں شہر یا گاؤں کی زمین یا فلاں محلہ کے مکان یا فلاں بازار کی دکان کی تخصیص کی تو معتبر رہے گی

خامساً تبدیل مکان بمکان میں وہ مکان اسی محلہ کا ہو یا اس سے بہتر کا یونہی دکان میں بازار وہی ہو یا اس سے بہتر۔

سادساً بیع میں غبن فاحش نہ ہو۔

سابعاً ایسے کے ہاتھ بیع نہ کرے جس کے لئے اس کی شہادت بوجہ تہمت رعایت مقبول نہ ہو جیسے باپ بیٹا۔

اقول خلاصہ یہ کہ مخالفت شرط و مظنہ مخالفت نفع وقف سے بچے سب شرائط انھیں دو کلموں میں آگئے،

اما الاولان والرابع ففی الاول ولیس استبداله بنفسه اذا شرطه لغیرہ من باب المخالفة

بہرحال پہلی دونوں اور چوتھی شرط ہے تو اول میں خود واقف کا تبدیل کرنا جبکہ وہ غیر کیلئے استبدال کی شرط کر چکا ہو خلاف شرط کے قبیلہ سے نہیں،

لماصرح بہ فی الخانیۃ اٰخرفصل الشرط فی الوقف ان الواقف ھوالذی شرط لذلک الرجل وماشرط لغیرہ فھو مشروط لنفسہ[1] اھ واماالبواقی فنعم الاخری فان النقد اسرع ھلاکامن العقار فالاستبدال بہ نزول الی الاخس وفیہ مخالفۃ النفع والسابع مطلقھا۔

اس دلیل کی بناء پرجس کی تصریح خانیہ کے باب الوقف، فصل الشرط کے آخرمیں کی گئی کہ بیشک واقف وہی ہے جس نے اس شخص (غیر) کے لئے استبدال کی شرط لگائی اور جو شرط اس نے غیر کے لئے لگائی وہ خود اس کے اپنے لئے بھی شرط ہوئی اھ لیکن باقی شرطوں میں سے دوسری اس لئے کہ نقدی عقار کی بنسبت جلد ہلاک ہوتی ہے تو نقدی کے ساتھ وقف زمین کا تبادلہ گھٹیا کی طرف نزول ہوگا اور اس میں نفع کی مخالفت ہے اور ساتویں شرط میں اس مخالفت کا حل ہے۔(ت)

ہاں جو وقف ویران وخراب ہوجائے تو قاضی الشرع حاکم اسلام عالم عادل متدین خدا ترس کو بلا شرط واقف بلکہ باوصف منع وقف بھی اُسے بیچ کر دوسری جائداد اسی غرض کے لئے اس کے قائم مقام کردینے کی اجازت ہے بچند شروط، چار شرطیں تو یہی کہ اوپر گزریں یعنی اول و ثانی و رابع کے سوا اور پانچویں شرط جو ابھی بیان کی کہ قاضی قاضی بہشت ہو نہ قاضی جہنم،

سادسًا وقف کا کچھ غلہ کرایہ وغیرہ ایسا نہ ہو جس سے اس کی آبادی ہوسکے۔

سابعًا ویرانی کامل ومطلق ہوکر اصلًا قابل انتفاع نہ رہے جس غرض کے لئے وقف کیا تھا کام نہ دے یا آمدنی اس قدر ناقص ہو کہ اس کے خرچ کو بھی فیروانی ہو۔

ھذا مالخصناہ بتوفیق اللہ تعالٰی من کلمات العلماء ولنذکر کلامھم لیتضح لک جلیۃ المسائل قال فی ردالمحتار اعلم ان الاستبدال علی ثلثۃ وجوہ، الاول ان یشترطہ الواقف لنفسہ اولغیرہ اولنفسہ

یہ وہ خلاصہ ہے جو ہم نے علماء کی کلاموں سے اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ اخذ کیا ہے اب ہم ان علماء کرام کا کلام ذکر کرینگے تاکہ تیرے لئے بحث کے انجام کی عظمت واضح ہوجائے۔ردالمحتار میں فرمایا تو جان لے کہ استبدال تین وجوں پر ہے، اول یہ کہ واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے یا دونوں کیلئے

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مسائل الشرط فی الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲

وغیرہ. فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح، والثانی ان لا یشرطه سواء شرط عدمه او سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه شیئ اصلا او لایفی بمؤنته فهو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه، والثالث ان لایشرطه ایضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعا ونفعا وهذا لایجوز استبداله علی الاصح المختار کذا حرره العلامة قنالی زاده وهو ماخوذ من الفتح[1] اھ ثم قال وفی البحر المعتمد انه بلاشرط یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیة وان لایکون هناك ریع للوقف یعمر به وان لایکون البیع بغبن فاحش وشرط فی الاسعاف ان یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل

استبدال کی شرط لگائی ہو تو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق استبدال جائز ہے۔ دوم یہ کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو عام ازیں کہ عدم استبدال کی شرط لگائی ہو یا خاموشی اختیار کی ہو لیکن وقف ایسا ہوگیا کہ اب اس سے بالکل نفع نہیں اٹھایا جاسکتا بایں طور کہ اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا یا اتنا حاصل ہوتا ہے جس سے وقف کا خرچہ پورا نہیں ہوتا تو اصح قول کے مطابق اس میں بھی استبدال جائز ہے بشرطیکہ قاضی اس کا اذن دے اور وہ اس میں مصلحت سمجھے۔ سوم یہ کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ رکھی ہو لیکن اس وقف میں کچھ نفع ہو اور اس کا بدل آمدنی اور نفع کے اعتبار سے وقف سے بہتر ہو تو اصح و مختار قول کے مطابق اس کا استبدال جائز نہیں۔ علامہ قنالی زادہ نے یوں ہی تحریر فرمایا ہے اور یہی فتح سے ماخوذ ہے اھ پھر فرمایا کہ بحر میں ہے معتمد یہ ہے کہ بلا شرط بھی قاضی کے لئے اس شرط کے ساتھ استبدال جائز ہے کہ وقف کلی طور پر انتفاع سے خارج ہوجائے اور نہ ہی وقف کا ماحول اس قابل ہو کہ اس کے ذریعے وقف کو آباد کیا جاسکے اور نہ ہی یہ بیع غبن فاحش کے ساتھ ہو۔ اسعاف میں یہ شرط لگائی گئی کہ تبدیل کرنے والا قاضی بہشت یعنی صاحب علم وعمل ہو

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۷

ويجب ان يزاد آخر في زماننا وهو ان يستبدل بعقار لا بدراهم ودنانير فانا قد شاهدنا النظار يأكلونها وافاد في البحر زيادة شرط سادس ان لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين، حيث قال باع من رجل له على المستبدل دين وباع الوقف بالدين وينبغي ان لا يجوز على قول ابي يوسف وهلال لانهما لا يجوزان البيع بالعروض فالدين اولى اھ وذكر عن القنية ما يفيد شرطا سابعا حيث قال مبادلة دار الوقف بدار اخرى انما يجوز اذا كانت في محلة واحدة او محلة الاخرى خيرا، وبالعكس لا يجوز وان كانت المملوكة اكثر مساحة وقيمة واجرة لاحتمال خرابها في ادون المحلتين اھ وزاد قنالي زاده ثامنا وهو ان يكون البدل والمبدل من جنس واحد

اور ہمارے زمانے میں ایک اور شرط کا اضافہ ضروری ہے وہ یہ وقف کا تبادلہ عقار کے ساتھ کیا جائے نہ کہ درہموں اور دیناروں کے ساتھ، کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ متولی وقف کے عوض دراہم و دینار لے کر کھا جاتے ہیں اور بحر نے چھٹی شرط کے اضافے کا فائدہ دیا ہے وہ یہ کہ وقف کی زمین ایسے شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جس کے حق میں اس کی گواہی مقبول نہیں اور نہ ہی ایسے کے ہاتھ فروخت کرے جس کا یہ مقروض ہے۔ جہاں صاحب بحر نے فرمایا کہ وقف کو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جس کا تبدیل کرنیوالے پر قرض تھا اور اس نے قرض کے بدلے وقف کو بیچا تو امام ابو یوسف اور ہلال کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہونی چاہئے کیونکہ یہ دونوں عروض کے عوض بیع کو ناجائز مانتے ہیں، تو دین کے عوض بدرجہ اولےٰ ناجائز ہوگی اھ اور قنیہ کے حوالے سے صاحب بحر نے جو ذکر کیا وہ ساتویں شرط کا فائدہ دیتا ہے جہاں یہ فرمایا کہ وقف مکان کو دوسرے مکان سے تبدیل کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ دونوں مکان ایک ہی محلہ میں واقع ہوں یا دوسرا محلہ بہتر ہو اور اس کے برعکس استبدال ناجائز ہے اگرچہ تبدیل شدہ مکان وسعت، قیمت و اجرت کے اعتبار سے وقف کی بنسبت اکثر ہو کیونکہ کمتر محلہ میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کی خرابی کا احتمال ہے اھ، اور قنالی زادہ نے آٹھویں شرط کا اضافہ کیا

لما فی الخانیة لو شرط لنفسه
استبدالها بدار لم یکن له
استبدالها بارض و بالعکس
او بارض البصرة تقیید اھ
فهذا فیما شرطه لنفسه
فکذا یکون شرطا فیما لو شرطه
لنفسه بالاولی تامل ثم
قال والظاهر عدم اشتراط
اتحاد الجنس فی الموقوفة
للاستغلال لان المنظور فیه
کثرة الریع وقلة المرمة
والمؤنة اھ ولا یخفی ان هذه
الشروط فیما لم یشترط الواقف
استبداله لنفسه او غیره،
فلو شرطه لا یلزم خروجه عن
الانتفاع ولا مباشرة القاضی
له ولا عدم ریع یعمر به
کما لا یخفی فاغتنم
هذا التحریر اھ کلام
الشامی ملخصا و انی
کتبت علی هامشه عند
ذکره الشرط الثامن و
هو اتحاد جنس البدلین

وہ یہ کہ بدل اور مبدل دونوں ایک ہی جنس سے
ہوں اس دلیل کی بنا پر جو خانیہ میں ہے کہ اگر
واقف نے شرط لگائی کہ وہ وقف گھر کو گھر سے
بدلے گا تو اس کے بدلے میں زمین لینا اس
کے لئے جائز نہیں یونہی اس کے برعکس یا
یہ شرط لگائی کہ اس کے بدلے بصرہ کی زمین لے گا
تو یہ مقید ہو جائے گا اھ یہ اس صورت میں ہے
جب واقف نے اپنے لئے یہ شرط لگائی ہو اسی
طرح یہ بدرجہ اولٰی شرط ہو جائے گی جبکہ اس نے
خاص اپنے لئے یہ شرط نہ لگائی ہو، غور کر، پھر
فرمایا غلہ حاصل کرنے کے لئے زمین موقوفہ کے
استبدال میں ظاہر اتحاد جنس کا شرط نہ ہونا ہے
کیونکہ اس میں سبزہ، گھاس اور غلہ کی کثرت
اور مرمت اور خرچہ کی قلت ملحوظ ہوتی ہے اھ
اور پوشیدہ نہ رہے کہ یہ تمام شرطیں اس صورت
میں ہیں جب واقف نے اپنے یا غیر کے لئے
استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، چنانچہ اگر واقف نے
استبدال کی شرط لگائی ہے تو استبدال کے لئے
وقف کا انتفاع سے خروج اور اس کے لئے قاضی
کی مباشرت اور وقف کے مال کا ایسا نہ ہونا جس
سے اس کو آباد کیا جاسکے کچھ بھی ضروری نہیں جیسا کہ
مخفی نہیں، پس اس تحریر کو غنیمت سمجھ اھ تلخیص
کلام شامی کی۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے شامی

له رد المحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۸۸

مانصه **اقول** الذی یظهر للعبد الضعیف انه غیر شرط الّا لاتباع الشرط حتی لو شرط الاستبدال واطلق لم یتقید بالجنس کما یفیده کلام الاسعاف فاذن لایکون ھذا مشروطا فی التبدیل بلاشرط، ثم راجعت الخانیة فوجدت کلامها انص علی ما فھمت ولله الحمد حیث قال رضی الله تعالٰی عنه، لوقال ارضی صدقة موقوفة علی ان لی ان استبدلها بارض اخرٰی لم یکن له ان یستبدلها بدار لانه لایملك تغیر الشرط، ولوقال ان لی ان استبدلها بدار لم یکن له ان یستبدلها بارض، ولو شرط الاستبدال ولم یذکر ارضا ولا دارا فباع الارض الاولٰی کان له ان یستبدلها بجنس العقارات ماشاء من دار او ارض لاطلاق اللفظ[1]۔

کے اس مقام پر حاشیہ لکھا جہاں علامہ شامی نے آٹھویں شرط یعنی بدلین میں اتحادِ جنس کا صراحۃً ذکر کیا (اور وہ حاشیہ یوں ہے) **اقول** (میں کہتا ہوں) جو اس ضعیف بندے پر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ غیر شرط ہے مگر بتابعِ شرط کے یہاں تک کہ اگر واقف نے مطلقاً استبدال کی شرط لگائی تو یہ استبدال جنس کے ساتھ مقید نہ ہوگا جیسا کہ اسعاف کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا یہ بلاشرط تبدیل میں مشروط نہیں ہوگا. پھر میں نے خانیہ کی طرف رجوع کیا تو الحمدللہ اس کے کلام کو اپنے فہمیدہ پر بہتر نص پایا جہاں امام قاضی خاں رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اگر واقف نے کہا میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے اس شرط پر کہ مجھے دوسری زمین کے ساتھ استبدال کا اختیار ہوگا تو اس کو گھر کے ساتھ استبدال کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ وہ شرط میں تبدیل کا مالک نہیں، اور اگر اس نے کہا کہ مجھے گھر کے ساتھ استبدال کا اختیار ہوگا تو وہ دوسری زمین کے ساتھ استبدال نہیں کرسکتا اور اگر اس نے استبدال کی شرط لگائی مگر اس نے زمین یا گھر کا ذکر نہیں کیا پھر پہلی زمین کو بیچ دیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ وہ ثمن کے بدلے کوئی بھی غیر منقولہ جائداد لے سکتا ہے چاہے زمین ہو یا گھر کیونکہ اس نے لفظ مطلق

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مسائل الشرط فی الوقف مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۱

مختصراً فهذا بحمد الله نص صريح
جلي بما فهمت أنا ما كنت عليه
فتبين ولله الحمد أن هذا الثامن
لا مساغ له في استبدال القاضي بلا شرط
فلذا أسقطته من شروطه و
أبدلته في شروط الاستبدال المشروط
بما رأيت في الشرط الرابع وأسقطت
من السابع في الأول وهو الرابع
في الثاني عدم التقييد بالبدل
لعلمي بأن الثالث مغن عنه وزدت
في سابع الثاني أن لا يقل ريعه
بعوضه أخذاً مما ذكر في رد المحتار
وقد نص عليه في الإسعاف و
الخانية وعنها في البحر نفسه
وزدت في الأول الشرطين الأولين
لما في الخانية والإسعاف والبحر
ولفظه لو شرط الاستبدال
لنفسه ثم أوصى به إلى
وصيه، لا يملك وصيه الاستبدال
ولو وكل وكيلا في حياته
صح، ولو شرطه لكل
متولٍ صح، وملكه كل
متولٍ ولو شرط الاستبدال
لرجل آخر مع نفسه، ملك
الواقف الاستبدال وحده

بڑا ہے اور اختصار۔ یہ بحمد اللہ کھلی اور واضح نص ہے
اس پر جو میں نے سمجھی اور جو میں نے شامی پر حاشیہ
لکھا الحمد للہ وہ واضح ہو گیا کہ یہ جو آٹھویں شرط ہے
استبدال قاضی بلا شرط میں اس کی گنجائش نہیں
اسی لئے میں نے اس کو استبدال غیر مشروط کی شرطوں
سے ساقط کر دیا اور استبدال مشروط کی شرطوں
میں اسے اس چیز کے ساتھ بدل دیا جو میں نے شرط
رابع میں دیکھا اور میں نے اول میں ساتویں شرط
جو کہ ثانی میں چوتھی ہے سے دین کے بدلے بیچنے کے
عدم جواز کو یہ جان کر ساقط کر دیا کہ تیسری شرط اس سے
بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور جو کچھ رد المحتار میں مذکور ہے
اس سے اخذ کرتے ہوئے میں نے ثانی کی ساتویں
شرط میں یہ اضافہ کیا کہ وقف کی آمدنی سے اس کا
خرچ زیادہ نہ ہوتا ہو حالانکہ اسعاف اور خانیہ میں
اس پر نص کی گئی ہے اور خانیہ کے حوالے خود بحر
میں مذکور ہے۔ اور اول میں پہلی دو شرطوں کا اضافہ
میں نے اس دلیل کی بنا پر کیا جو خانیہ، اسعاف اور
بحر میں ہے اور لفظ بحر کے ہیں کہ اگر واقف نے
اپنے لئے استبدال کی شرط لگائی پھر کسی کے لئے
اس کی وصیت کر دی تو وصی استبدال کا مالک نہیں
ہوگا، اور اگر اپنی زندگی میں کسی کو وکیل بنا دیا تو
صحیح ہے، اور اگر ہر متولی کے لئے استبدال کی
شرط لگائی تو صحیح ہے اور ہر متولی اس کا مالک ہوگا
اور اگر واقف نے اپنے ساتھ دوسرے شخص کے لئے
استبدال کی شرط لگائی تو واقف تنہا استبدال کا مالک

ولایملکہ فلان وحدہ[1] اھ مختصرا وفی الدر وغیرہ جاز شرط الاستبدال بہ ثم لایستبدل بہا ثالثۃ لانہ حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لاالثانیۃ[2] قال الشامی قال فی الفتح الا ان یذکر عبارۃ تفید لہ ذلک دائما[3] اھ ماعتم ھذا التحریر والحمد ﷲ العلی الکبیر۔

ہوگا جبکہ دوسرا شخص تنہا اس کا مالک نہیں ہوگا اھ اختصار۔ درمختار وغیرہ میں ہے وقف زمین کو دوسری زمین سے بدل لینے کی شرط لگانا جائز ہے پھر اس کو تیسری زمین سے نہیں بدلے گا کیونکہ یہ حکم استبدال شرط کے ساتھ ثابت ہوا اور شرط صرف پہلی زمین میں پائی گئی نہ کہ دوسری میں شامی نے کہا فتح میں فرمایا ہے مگر واقف ایسی عبارت ذکر کرے جو اس کے لئے دائمی استبدال کا فائدہ دے اھ اس تحریر کو غنیمت سمجھ، اور تمام تعریفیں اللہ بزرگ و برتر کے لئے ہیں (ت)

یہ حکم ہر جائداد موقوف کا ہے جیسے زمین، مکان، دکان، اسی طرح اشجار موقوفہ اگر پھلدار ہوں تو جب تک ہرے ہیں اُن کا کاٹنا بیچنا ناجائز اور گر پڑنے یا سوکھ جانے کے بعد روا ہے کہ لکڑی بیچ کر مصارف وقف میں صرف کردیں یہاں تک کہ اگر کوئی پھل کا درخت نصف خشک ہوگیا اور نصف قابل انتفاع ہے تو اُسی نصف خشک کی بیع ہو باقی کی ممنوع متقابل اگر سبزہ ہو کا نصف بیچنا ناجائز کہ سبب وقفیت سے خارج کیا جائے گا، ہاں وہ پیڑ کہ پھل نہیں رکھتے بلکہ وقف کا انتفاع اُن سے یونہی ہے کہ انہیں بیچ کر دام کئے جائیں اُن کے سبز و خشک ہر طرح کی بیع جائز ہے،

فی العقود الدریۃ عن البحر الرائق عن عمدۃ الفتاوی لایجوز بیع الاشجار الموقوفۃ المثمرۃ قبل قلعہا بخلاف غیر المثمرۃ اھ وفی الفتح سئل ابوالقاسم الصفار عن شجرۃ وقف یبس بعضہا وبقی بعضہا فقال

عقود دریہ میں بحوالہ بحر عمدۃ الفتاوی سے منقول ہے کہ وقف شدہ پھلدار درختوں کو گر جانے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں بخلاف ان درختوں کے جو پھلدار نہیں اھ۔ فتح میں ہے کہ ابوالقاسم صفار سے ایسے وقف شدہ درخت کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا کچھ حصہ خشک ہوگیا اور کچھ ابھی باقی ہے

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۲۲

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۸۸

مایبس منھا فسبیله سبیل غلتھا وما بقی متروك علٰی حالھا اھ (ملخصًا)[1]

تو انھوں نے فرمایا کہ جو خشک ہوگیا ہے اس کا راستہ وہی ہے جو اس کے غلہ کا راستہ ہے اور جو باقی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اھ تلخیص۔

وفی العقود عن البحر عن الظھیریة لیس له ان یبیع الشجرة ولیعمر الدار الخ[2] وفیھا سئل فی ناظر وقف قطع اشجار بستان الوقف الیانعة الغیر الثابتة ولا الیابسة وباعھا بلا وجه شرعی فھل اذا ثبت ذلك علیه بالوجه الشرعی یستحق العزل الجواب نعم وافتی الشیخ اسمٰعیل بمثل ذلك۔[3]

عقود دریہ میں بحر و ظہیریہ سے منقول ہے کہ وقف درخت بیچ کر وقف گھر کی تعمیر کا اختیار متولی کو نہیں الخ۔ اسی میں ہے کہ ایسے متولی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے وقف باغ کے ایسے درخت کاٹ دیے جن کا پھل پکا ہوا تھا اور وہ سب کے سب خشک نہ تھے اور انھیں بغیر کسی شرعی وجہ کے فروخت کردیا کہ اگر اس پر شرعی طریقے سے اس فعل کا ثبوت ہوجائے تو کیا وہ اس لائق ہے کہ اس کو معزول کردیا جائے؟ جواب: ہاں، اور شیخ اسمٰعیل نے اسی کا مثل فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

زوائد جیسے درختوں کے پھل یا زمین کا حاصل وغیرہ جن سے غرض یہی ہوتی ہے کہ انھیں بیچ کر مصارف مسجد و اغراض معینۂ واقف میں صرف کریں ان کی بیع میں کوئی کلام نہیں مگر یہ بیع متولی کرے یا باذن قاضی شرع ہو کما قدمناہ عن الھندیة عن السراجیة (جیسا کہ ہم نے پہلے ہندیہ سے بحوالہ سراجیہ ذکر کیا ہے۔ ت) ہاں جہاں جہاں ان مسائل میں اذن قاضی کی شرط مذکور ہوئی اگر قاضی شرع نہ ہو جیسے ان بلاد میں تو بضرورت مسلمانان دین دار موثق معتمد اس بار کو اپنے اوپر اٹھا سکتے ہیں اور اللہ حساب لینے والا ہے اور وہ مصلح و مفسد کو خوب جانتا ہے۔

فی الخانیة من فصل المقابر والرباطات قد ذکرنا ان الصحیح من الجواب ان بیعھم بغیر امر القاضی لایصح

خانیہ کی فصل المقابر والرباطات میں ہے تحقیق ہم ذکر کرچکے ہیں کہ صحیح حکم یہ ہے کہ قاضی کے حکم کے بغیر ان کی بیع درست نہیں ہوسکتی اس جگہ کے

---

[1] العقود الدریة کتاب الوقف الباب الاول مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۵
[2] 〃 〃 〃 الباب الثانی 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۲۰۰
[3] 〃 〃 〃 الباب الثالث 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۲۳۰

الاان یکون فی موضع لاقاضی ھناک[1]۔ جہاں کوئی قاضی نہ ہو۔ (ت)

اسی طرح وُہ تمام اشیاء جو متولی بطورِ خود مسجد کے مال سے آمدنیٔ مسجد بڑھانے کو خریدے ان کی بیع کا بشرطِ مصلحت وُہ ہر وقت اختیار رکھتا ہے اگرچہ وُہ دکان و مکانات و دیہات ہی ہوں کہ یہ خریداری اگرچہ بنظرِ مصلحت جائز ہوئی ہے مگر اس کے باعث وُہ چیزیں وقفِ مسجد نہ ہوگئیں کہ ان کی بیع ناجائز ہو،

فی الخانیۃ باب الرجل یجعل دارہ مسجدا المتولی اذا اشتری من غلۃ المسجد حانوتا اودارا او مستغلا اٰخر جاز لان ھذا من مصالح المسجد فاذا اراد المتولی ان یبیع ما اشتری وباع اختلفوا فیہ قال بعضھم لا یجوز ھذا البیع لان ھذا صار من اوقاف المسجد وقال بعضھم یجوز ھذا البیع وھو الصحیح لان المشتری لم یذکر شیئا من شرائط الوقف فلا یکون مااشتری من جملۃ اوقاف المسجد[2] اھ وفی منحۃ الخالق ورد المحتار عن الفتح اعلم ان عدم جواز بیعہ الا اذا تعذر الانتفاع بہ، انما ھو فیما ورد علیہ وقف الواقف اما فیما اشتراہ المتولی من مستغلات الوقف فانہ یجوز بیعہ بلا ھذا الشرط وھذا لان فی صیرورتہ وقفا خلافا

خانیہ کے باب الرجل یجعل دارہ مسجداً میں ہے کہ متولی اگر مسجد کی آمدنی سے دکان، گھر یا دیگر منافع خریدے تو جائز ہے کیونکہ یہ مسجد کے مصالح میں سے ہے۔ پھر جب متولی چاہے کہ جو اس نے خریدا اس کو فروخت کرے، اور فروخت کرے تو اس میں فقہاء نے اختلاف کیا، بعض نے کہا کہ یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ یہ چیز اوقافِ مسجد میں سے ہو چکی ہے، اور بعض نے کہا کہ یہ بیع جائز ہے، اور یہی صحیح ہے کیونکہ مشتری نے شرائطِ وقف میں سے کچھ بیان نہیں کیا لہٰذا جو کچھ اس نے خریدا وہ اوقافِ مسجد میں سے نہیں ہوگا اھ منحۃ الخالق اور ردالمحتار میں فتح کے حوالہ سے ہے۔ جان لے کہ بیشک وقف سے انتفاع کے متعذر ہونے بغیر اس کی بیع کا عدمِ جواز صرف اسی چیز میں ہے جس پر واقف کا وقف وارد ہوا، رہی وہ چیز جس کو متولی نے وقف کی آمدنی سے خریدا تو اس میں شرطِ مذکور کے بغیر بھی بیع جائز ہے کیونکہ اس کے وقف ہونے میں اختلاف ہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۲۶

[2] 〃 〃 〃 باب الرجل یجعل دارہ مسجدا 〃 〃 〃 ۴/۷۱۵

والمختار انه لا یکون وقفا فللقیم ان یبیعه متی شاء لمصلحة عرضت[1] اھ، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

اور مختار یہ ہے کہ وہ وقف نہیں ہے لہذا متولی کو اختیار ہے کہ کسی مصلحت کے عارض ہونے پر جب چاہے اس کو فروخت کرسکتا ہے اھ، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۵ تا ۱۳۶

(۱) ایک مسجد کی ملکیت دیگر مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کا پیسہ مدرسہ میں خرچ کرے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب

دونوں صورتیں حرام ہیں، مسجد جب تک آباد ہے اس کا مال نہ کسی مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے نہ دوسری مسجد میں، یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں بہت چٹائیاں یا لوٹے حاجت سے زیادہ ہوں اور دوسری مسجد میں ایک بھی نہ ہو تو جائز نہیں کہ یہاں کی ایک چٹائی یا لوٹا دوسری مسجد میں دے دیں۔ درمختار میں ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الاخر الیه لانهما حینئذ کشیئ واحد وان اختلف احدهما بان بنی رجلان مسجدین او رجل مسجدا ومدرسة ووقف علیهما اوقافا لا یجوز له ذلك[2]۔

دو وقفوں کا واقف بھی ایک ہو اور ایک ہی چیز پر وقف ہوں، ان میں ایک کی آمدنی کم ہوجائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بچت سے اس پر خرچ کرے اس لئے کہ اس حالت میں وہ دونوں گویا ایک ہی چیز ہیں، اور اگر واقف دو ہوں یا جدا جدا چیزوں پر وقف ہوں جیسے دو شخصوں نے دو مسجدیں بنائیں یا ایک شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا اور ان پر جائدادیں وقف کیں تو اب حاکم کو بھی جائز نہیں کہ ایک کا مال دوسرے میں صرف کرے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی الوقف اذا خرب الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۸۳
منحۃ الخالق علی حاشیۃ البحر الرائق کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۲۰

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰

ردالمحتار میں ہے:

المسجد لایجوز نقل ماله الی مسجد اٰخر[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

جائز نہیں کہ ایک مسجد کا مال دوسری مسجد کو لے جائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۷: مسجد کی کوئی چیز ایسی ہوکر خراب ہوجاتی ہے اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں دیں اور وہ چیز اگر دوسرا آدمی قیمت دے کر مسجد کی چیز اپنے مکان پر رکھے تو اس کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے مگر اسے بے ادبی کی جگہ نہ لگائے۔ درمختار میں ہے:

حشیش المسجد وکناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسجد کا گھاس کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالیں جس سے اس کی تعظیم میں فرق آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۸: ایک شہر میں سب لوگوں نے اتفاق کے ساتھ ایک مکان نماز پڑھنے کے لئے بنایا، اور اس کا نام عبادت گاہ رکھا گیا اور مسجد نام نہیں رکھا، اس کی وجہ یہ کہ کبھی آدمی نماز نہ پڑھے تو وہ عبادت گاہ بددعا نہ کرے، اب اس مکان میں بیٹھ کر لوگ دنیا کی باتیں کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس مکان میں جمعہ عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے اور لکڑی کا منبر بھی رکھا گیا ہے اور پیش امام بھی ہے تو اس عبادت گاہ میں فقط محراب نہیں ہے تو اس مکان کا مرتبہ مسجد کا ہوگا یا نہیں؟ اور اس میں دنیا کی باتیں کرنی درست ہیں یا نہیں؟

الجواب

جب وہ مکان عام مسلمین کے ہمیشہ نماز پڑھنے کے لئے بنایا اسے کسی محدود مدت سے مقید نہ کیا کہ مہینے دو مہینے یا سال دو سال اس میں نماز کی اجازت دیتے ہیں اور اس میں نماز تو نماز جمعہ و عیدین تک ہوتے ہیں تو اس کے مسجد ہونے میں کیا شک ہے، اس میں دنیا کی باتیں ناجائز اور تمام احکام احکامِ مسجد، مسجد ہونے کے لئے زبان سے مسجد کہنا شرط نہیں، نہ محراب نہ ہونا کچھ منافی مسجدیت، مسجد الحرام شریف میں کوئی محراب نہیں، خالی زمین نماز کے لئے وقف کی جائے وہ بھی مسجد ہوجائے گی اگرچہ یونہی پڑا ہوا ہے مسجد کیا اس میں محراب کہاں سے آئی، ذخیرہ و ہندیہ و خانیہ و تجرید طحطاوی میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فیها امر قوما ان یصلوا فیها بجماعة فهذا علی ثلثة اوجه احدها ان امرهم

ایک شخص کی خالی زمین بے عمارت ہے اس نے کچھ لوگوں سے کہا کہ اس میں جماعت سے نماز پڑھیں، اس کی تین صورتیں ہیں: اگر کہا [illegible]

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٨١

[2] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ١/ ٣٤

بالصلوٰة فيها ابدًا انقضٰى بان قال اصلّوا فيه ابدًا او امرهم بالصلوٰة مطلقا ونوى الابد صارت الساحة مسجدًا او ان وقت الامر باليوم او الشهر او السنة لاتصير مسجدًا لومات يورث عنه[1]

ہمیشہ پڑھیں یا مطلق کہا اور دل میں ہمیشگی کی نیت تھی تو وہ سادہ زمین مسجد ہوگئی اور اگر ایک دن یا مہینے یا برس کی قید لگادی تو اس دن اس میں نماز پڑھ لو تو مسجد نہ ہوگی، اس کے مرے پر وارثوں کو پہنچے گی۔

درمختار میں ہے: یزول ملکه عن المسجد بالفعل وبقوله جعلته مسجدًا[2] یعنی بانی کی ملک مسجد سے دو طرح زائل ہوتی ہے ایک یہ کہ زبان سے کہہ دے میں نے اسے مسجد کیا، دوسرے یہ کہ یہ نہ کہے اور اس میں نماز کی اجازت بلا تحدید دے اور اس میں نماز مثل مسجد ایک بار بھی ہو جائے تو اس سے بھی مسجد ہوجائے گی۔ معلوم ہوا کہ لفظ مسجد کہنا شرط نہیں۔ بحرالرائق میں ہے:

لایحتاج فی جعله مسجدًا الی قوله وقفته ونحوه لان العرف جار بالاذن فی الصلوٰة علی وجه العموم والتخلیة بکونه وقفا علی هذه الجهة فکان کالتعبیر به[3]

مسجد ہونے کو کچھ ضروری نہیں کہ زبان سے کہے میں نے اسے وقف کیا یا اور کوئی لفظ اس کے مثل (مثلاً مسجد کیا) اس کے کہنے کی کچھ حاجت نہیں کہ عرف جاری ہے کہ نماز کی عام اجازت دے دینا اور زمین اپنے قبضے سے جدا کردینا نماز کیلئے وقف ہی کرنا ہے، تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے زبان سے کہنا کہ اسے مسجد کیا۔

اسی میں ہے:

بنی فی فنائه فی الرستاق دکانا لاجل الصلوٰة یصلون فیه بجماعة کل وقت فله حکم المسجد[4]

گاؤں میں اپنے پیش دروازہ کوئی چبوترہ نماز کیلئے بنالیا کہ لوگ پانچوں وقت اس میں جماعت کرتے ہیں اس چبوترے کے لئے مسجد کا حکم ہے۔

اقول بلکہ اگر نماز کے لئے وقف کرے اور اس کے ساتھ صراحۃً مسجد ہونے کی نفی کردے مثلاً کہے میں نے یہ زمین نمازِ مسلمین کے لئے وقف کی مگر میں اسے مسجد نہیں کرتا یا مگر کوئی اسے مسجد نہ کہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

[3] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۴۹-۲۴۸

[4] " " " " " " " " " ۵/۲۵۰

جب بھی مسجد ہو جائے گی اور اس کا یہ انکار باطل کہ معنی مسجد یعنی نماز کے لیے زمین موقوف پورے ہو گئے اور مذہب صحیح پر اتنا کہتے ہی مسجد ہو گئی اب انکار مسجدیت لغو ہے کہ معنی ثابت از لفظ سے انکار یا وقف مذکور سے رجوع ہے اور وقف بعد تمامی قابل رجوع نہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کی نسبت کہے میں نے اسے چھوڑا چھوڑا چھوڑا مگر میں طلاق نہیں دیتا کوئی اسے مطلقہ نہ سمجھے۔ طلاق تو دے چکا اب انکار سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر یوں کہتے کہ ہم یہ زمین وقف نہیں کرتے صرف اس طور پر نماز کی اجازت دیتے ہیں کہ زمین ہماری ملک رہے اور لوگ نماز پڑھیں، تو البتہ نہ وقف ہوتی نہ مسجد۔ یہاں یہ بھی معلوم رہے کہ زمین مذکور جسے بالاتفاق اہل شہر نے محل نماز کیا یا تو عام زمین ملک بیت المال ہو جس میں اتفاق مسلمان بجائے حکم امام ہے یا ان کی ملک ہو یا اصل مالک بھی شامل ہو یا اس کی اجازت سے ایسا ہوا ہو یا بعد وقوع اس نے اسے جائز و نافذ کر دیا ہو، ورنہ اگر اہل شہر کسی شخص کی مملوک زمین بے اس کی اجازت کے نماز کے لیے وقف کر دیں اور وہ جائز نہ کرے ہرگز نہ وقف ہو گی نہ مسجد اگرچہ سب اہل شہر نے بالاتفاق یہ بھی کہہ دیا کہ ہم نے اسے مسجد کیا۔ بحرالرائق میں ہے،

فی الحاوی القدسی ومن بنی مسجدا فی ارض مملوکة له الخ فافادان من شرطه ملك الارض ولهذا قال فی الخانية لو ان سلطانا اذن لقوم ان يجعلوا ارضا من اراضی البلدة حوانيت موقوفة علی المسجد او امرهم ان يزيدوا فی مسجدهم قالوا ان كانت البلدة فتحت عنوة وذلك لا يضر بالمارة والناس ينفذ امر السلطان فيها وان كانت فتحت صلحا لا ينفذ امر السلطان لان فی الاول تصير ملكا للغانمين فيجوز امر السلطان فيها وفی الثانی

حاوی قدسی میں ہے جس نے اپنی مملوکہ زمین میں مسجد بنائی اس سے ثابت ہوا کہ مسجد ہونے کے لیے شرط ہے کہ بانی اس زمین کا مالک ہو، اسی لیے فتاوی قاضی خاں میں فرمایا کہ اگر سلطان نے لوگوں کو اجازت دی کہ شہر کی کسی زمین پر دکانیں بنائیں جو مسجد پر وقف ہوں یا حکم دیا کہ یہ زمین مسجد میں ڈال لو، علماء نے فرمایا اگر وہ شہر زور شمشیر فتح ہوا ہے اور وہ دکانیں بنانا یا مسجد میں اس زمین کا شامل کر لینا راستہ تنگ نہ کرے نہ عام لوگوں کا اس میں نقصان ہو تو وہ حکم سلطان نافذ ہو جائے گا اور اگر شہر صلح سے فتح ہوا تو نہیں کہ پہلی صورت میں شہر کی زمین بیت المال کی ملک ہو گئی تو اس میں سلطان کا حکم جائز ہے اور دوسری صورت میں اصل مالکوں

تبقی علی ملك مالکہ فلا ینفذ امرہ فیہ۔[1] کی ملک رہی تو سلطان کا حکم اس میں نفاذ نہ پائیگا ۱۲

ردالمحتار میں ہے :

شرط الوقف التأبید والارض اذا کانت ملکا للغیر فللمالك استردادھا۔[2] وقف کی شرط ہمیشگی ہے اور زمین جب دوسرے کی ملک ہو تو مالک اسے واپس لے سکتا ہے ۱۲

یہ بیان بغرض تکمیل احکام تھا، سوال سے ظاہر وہی پہلی صورت ہے تو اس کے مسجد ہونے میں شک نہیں اور اس کا ادب لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹ غرہ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بارش کے دن مسجد میں بیٹھ کر وضو کرنا اس طرح پر کہ غسالہ صحن مسجد میں گرے جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو مع الکراہت یا بلاکراہت۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صحن مسجد مسجد ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا بما لا مزید علیہ (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں اس انداز سے کردی ہے کہ اس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ ت) اور مسجد میں وضو حرام۔

واستثناء موضع اعد لذلك لا یصلی فیہ معناہ اذا کان الاعداد من الواقف قبل تمام المسجدیۃ اما بعدہ فلا یمکن منہ الواقف فضلا عن غیرہ کما حققناہ فیما علقناہ علی رد المحتار واذا کان ذلك کذلك لم یکن الثنیا الا صوریا منقطعا کما لا یخفی۔

وضو کے لئے بنائی گئی جگہ جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی کے استثناء کا مطلب یہ ہے کہ واقف نے تمام مسجدیت سے قبل وہ جگہ وضو کے لئے بنائی ہو لیکن تمام مسجدیت کے بعد تو خود واقف بھی اس پر شرعًا قادر نہیں چہ جائیکہ کوئی اور ایسا کرسکے جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کی ہے اور جب صورت حال یہ ہے تو پھر یہ استثناء محض صوری و منقطع ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

یہاں تک کہ غیر معتکف کو اس کی بھی اجازت نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر کسی برتن میں اس طرح وضو کرے کہ ماء مستعمل برتن ہی میں گرے، ہاں صرف معتکف کو اس صورت کی رخصت دی گئی ہے بشرطیکہ کوئی بوند برتن سے باہر نہ جائے۔

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۹۰

درمختار میں ہے :

يحرم فيه (اى فى المسجد) الوضوء الا فيما اعد لذلك[1]

مسجد میں وضو حرام ہے سوائے اس جگہ کے جو وضو کے لئے بنائی گئی ہے (ت)

اشباہ میں ہے :

تكره المضمضة والوضوء فيه الا ان يكون ثمه موضع اعد لذلك لا يصلى فيه او فى اناء[2]

مسجد میں کُلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے الا یہ کہ وہاں کوئی جگہ اسی مقصد یعنی وضو کے لئے بنائی گئی ہو جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو یا پھر کسی برتن میں وضو کیا جائے۔ (ت)

غمز العیون میں ہے :

فى البدائع يكره التوضئ فى المسجد لانه مستقذر طبعا فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط و البلغم[3]

بدائع میں ہے کہ مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے طبعاً گھن محسوس ہوتی ہے لہذا اس سے مسجد کو پاک رکھنا ایسے ہی واجب ہے جیسا کہ رینٹ اور بلغم سے مسجد کو پاک رکھنا (ت)

اسی میں ہے :

قوله او فى اناء اقول هذا ليس على العموم بل فى المعتكف فقط بشرط عدم تلويث المسجد[4]

اس کا کہنا کہ یا برتن میں وضو کرلے، میں کہتا ہوں کہ یہ حکم عام پر نہیں بلکہ صرف معتکف کے لئے ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد ملوث نہ ہونے پائے۔ (ت)

بحرالرائق باب الاعتکاف میں ہے :

فى البدائع وان غسل المعتكف

بدائع میں ہے کہ اگر معتکف مسجد میں اس طرح

---

[1] درمختار باب ما يفسد الصلوٰة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۳۰

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر " " " " " " " " "

[4] " " " " " " " " " " " " ۲/۲۳۰-۳۱

ورأسه فی المسجد فلا بأس به اذا لم یلوث بالماء المستعمل فان کان بحیث یتلوث المسجد یمنع منه لان تنظیف المسجد واجب ولو توضأ فی المسجد فی اناء فهو علی هذا التفصیل انتهی بخلاف غیر المعتکف فانه یکره له التوضی فی المسجد ولو فی اناء الا ان یکون موضعا اتخذ لذلك لا یصلی فیه[1] اھ۔

سر دھوئے کہ مستعمل پانی سے مسجد ملوث نہ ہو تو حرج نہیں ورنہ ممنوع ہے کیونکہ مسجد کو پاک صاف رکھنا واجب ہے اور اگر وہ مسجد میں کسی برتن میں وضو کرے تب بھی وہی تفصیل ہے جو مذکور ہوئی (انتہی) بخلاف غیر معتکف کے کہ اس کے لئے مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے سوائے اس جگہ کے جو وضو کے لئے بنائی گئی ہو جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو اھ۔ (ت)

تو اگر خروج ممکن ہے مثلاً بارش خفیف ہے یا چھتری وغیرہ آلاتِ حفاظت پاس ہیں اور باہر نکلنے سے معذور نہیں تو واجب ہے کہ باہر ہی وضو کرے اور اگر عذر قوی قابل قبول ہے تو اگر کوئی برتن وغیرہ میسر ہے جس میں بلا تلویث مسجد وضو کر سکے جب بھی صحن میں وضو حرام ہے بلکہ چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کر لے اور برتن میں اس طرح وضو کرے کہ باہر چھینٹ نہ پڑے یا جو تدبیر ممکن ہو۔ ایک سال اعتکاف میں شب کے وقت بارش بشدت تمام ہو رہی تھی اور کوئی برتن اس اطمینان کا نہ تھا کہ وضو کرتے میں پانی قطرہ قطرہ سب اُسی میں جائے، جاڑے کا موسم تھا فقیر نے توشک پر چادر چند تہ کرکے رکھی اور اس پر وضو کیا کہ سب پانی چادر ہی میں رہا غرض جو طریقہ تحفظ مسجد کا ممکن ہو بجالائے ورنہ مجبوری بضرورت در میں بیٹھ کر اس طرح وضو کرے کہ خود سایہ میں رہے اور پانی تمام وکمال برقع آب و مجرائے بارش میں گرے کہ ساتھ ہی مینہ اسے بہا لے جائے کہ ان من قواعد الشرع ان الضرورات تبیح المحظورات[2] (کیونکہ شرعی قواعد میں سے ہے کہ ضرورتیں محظورات ممنوعات کو مباح وجائز کر دیتی ہیں۔ ت)

وقد قال الله تعالیٰ ما جعل علیکم فی الدین من حرج[3] وقد رخصت الشریعة لعذر المطر فی ترك الجماعة وحضور المسجد

اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اور تحقیق شریعت نے بارش کی وجہ سے جماعت ترک کرنے اور مسجد میں حاضر نہ ہونے کی

---

[1] البحر الرائق باب الاعتکاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۰۲
[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۸
[3] القرآن الکریم ۲۲/۷۸

معروجوبهما على المعتمد كما حققناه فى رسالة لنافى حكم الجماعة بل فى ترك الجمعة مع انها فريضة قطعية اجماعية.

رخصت دی ہے حالانکہ مذہب معتمد پر یہ دونوں واجب ہیں، جیسا کہ ہم نے حکم جماعت سے متعلق اپنے رسالے میں اس کی تحقیق کی ہے، بلکہ جمعہ کو چھوڑنے کی بھی بسبب بارش رخصت دی گئی باوجودیکہ وہ فرض قطعی اجماعی ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لاتجب (یعنی الجماعة) على من حال بينه وبينها مطر وطين وبرد شديد[1]

اس شخص پر جماعت واجب نہیں جس کے لئے بارش، کیچڑ اور شدید سردی رکاوٹ بن جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشار بالحيلولة الى ان المراد المطر الكثير كما قيده به فى صلوة الجمعة وكذا الطين[2]

رکاوٹ بننے کے ذکر سے صاحب تنویر نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مراد شدید بارش اور سخت کیچڑ ہے، جیسا کہ نماز جمعہ میں انہوں نے یہ قید لگائی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

شرط لافتراضها (اى الجمعة) بلوغ وعقل وعدم مطر شديد ووحل وثلج ونحوهما[3] وذلك ان الله رؤف بالعباد، والحمد لله، والله تعالٰى اعلم.

نماز جمعہ کی فرضیت کے لئے عاقل و بالغ ہونا اور شدید بارش، کیچڑ اور برف وغیرہ کا نہ ہونا شرط ہے (انتہی) اور یہ اس لئے ہے کہ بیشک اللہ تبارک و تعالٰی اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰: ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں حدث کرنا جائز ہے یا نہیں، اور معتکف کو حدث کرنا مسجد میں جائز ہے یا نہیں، اور کوئی طالب علم باوجود حجرہ ہونے کے مسجد میں کتب بینی کرے اور

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۷۳
[3] درمختار باب الجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۲

حدث بھی کرے تو اب اس صورت میں مسجد میں بیٹھنا افضل ہے یا حجرہ میں؟ اور جو صاحب اس کو تسلیم نہ کریں ان کو کیا حکم ہے شریعت کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد میں حدث یعنی اخراجِ ریح غیر معتکف کو مکروہ ہے، اسے چاہئے کہ ایسے وقت باہر ہو جائے پھر چلا آئے، طالب علم کو مسجد میں کتب بینی کی اجازت ہے جبکہ نمازیوں کا حرج نہ ہو، اور اخراجِ ریح کی حاجت نادر ہو تو اٹھ کر باہر چلا جائے، ورنہ سب سے بہتر یہ علاج ہے کہ بہ نیتِ اعتکاف مسجد میں بیٹھے اور کتاب دیکھے جبکہ کتاب علمِ دین کی ہو یا اُن علوم کی جو علمِ دین کے آلہ ہیں، اور یہ اسی نیت سے اسے پڑھتا ہو، جو شخص غیر معتکف کو اخراجِ ریح مسجد میں خلافِ ادب نہیں جانتا غلطی پر ہے اُسے سمجھا دیا جائے، یہ طریقہ اعتکاف کا اُوپر بیان ہوا اُس کے لئے ہے جس کی ریح میں وہ بُو نہ ہو جس سے ہوا سے مسجد پر اثر پڑے؛ بعض لوگوں کی ریح میں خلقی بُو سے شدید ہوتی ہے بعض کو وجہ سوئے ہضم وغیرہ عارضی طور پر یہ بات ہوتی ہے ایسوں کو ایسے وقت میں مسجد میں بیٹھنا ہی جائز نہیں کہ بُو سے بد سے مسجد کا بچانا واجب ہے۔

وان الملئکۃ تتأذی مما یتأذی منہ بنو آدم[۱]۔ قالہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جس بات سے آدمیوں کو اذیت پہنچتی ہے اُس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ ت)

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: منشی عبد الصبور صاحب ۲۹ صفر مظفر ۳۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مسجد زید کے آباؤ اجداد کی تعمیر ہے اور اسی بنا پر زید اپنے کو متولی مسجد مذکور قرار دیتا ہے، یہ مسجد ویران رہتی تھی، متولی ضروریاتِ واقعی کا خبرگیران نہیں ہوتا تھا اہلِ محلہ نے مرمت شکست ریخت کے واسطے متولی سے کہا کچھ بندوبست نہیں کیا تو اہلِ محلہ نے تعمیر شروع کرا دی مسجد میں نماز وجماعت ہونے لگی، تعمیر ناتمام تھی کہ متولی نے روکا کہ جب ہم کو مقدرت ہوگی خود بنوا دیں گے تعمیر ناتمام رہی اس مسجد میں کنواں بھی نہیں، متصل شارعِ عام کے کنویں سے کہ ہر کس وناکس پانی بھرتا ہے مسجد میں پانی آتا ہے، وضو کی بے احتیاطی دیکھ کر اب اہلِ محلہ کا قصد ہے کہ مسجد میں ہی کنواں تعمیر ہو جائے اور ایک حجرہ بھی سکونت جاروب کش ومؤذن کے واسطے تعمیر ہو جائے مگر متولی مانع ہوتا ہے کہ اور کوئی نہ بنوائے

۱؎ صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

جب ہم کو استطاعت ہوگی خود بنوادیں گے ایسی حالت میں تولیتِ تعمیر کا حق متولی کو شرعاً حاصل ہے یا نہیں اور تعمیر سابق بدون اجازت متولی جائز ہوئی یا نہیں اور مخالفت متولی باطل تھی یا صحیح ؟ اب بدون اجازت اہلِ محلہ تعمیر کراسکتے ہیں یا نہیں ، اور متولی مذکور پابندِ صوم وصلوٰۃ بھی نہیں ہے اور تعمیرِ ضروریات میں مانع ومزاحم ہوتا ہے شرعاً متولی رہ سکتا ہے یا تولیت سے معزول ہوسکتا ہے ۔ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں واقعی متولی کو بھی ہرگز حق نہ تھا کہ تعمیر مسجد سے اہل محلہ کو روکتا ، نہ کہ یہ شخص جو صرف اس بنا پر کہ مسجد اس کے بزرگوں کی تعمیر ہے اپنے آپ کو متولی ٹھہراتا ہے ، تعمیر سابق کہ مسلمانانِ اہل محلہ نے بے اجازت شخص مذکور کی ضرور جائز ہوئی کہ وہ باجازت قرآن عظیم ہے اللہ عزوجل کی اجازت کے بعد زید وعمرو کی اجازت وعدمِ اجازت کیا چیز ہے ، اللہ عزوجل فرماتا ہے :

انما یعمر مسٰجد اللّٰہ من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللّٰہ[1]	خدا کی مسجدیں وہی عمارت کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز برپا رکھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من بنی للّٰہ مسجدا بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنۃ[2]	جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ عزوجل اس کے لئے جنت میں مکان تعمیر فرمائے ۔

شخص مذکور کی ممانعت محض باطل ونامسموع تھی اب بھی اہل محلہ بے اس کی اجازت کے تعمیر کرسکتے ہیں ، درمختار میں ہے :

اما اذا اھل المحلۃ نقض المسجد وبناءہ احکم من الاول ان الباقی من اھل المحلۃ لھم ذٰلک والا لا ، بزازیۃ[3]	اہل محلہ نے مسجد کو گرانے اور پہلے سے مضبوط تر بنانے کا ارادہ کیا اگر دوبارہ بنانے والا اہل محلہ میں سے ہے تو انہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے ورنہ نہیں ، بزازیہ ۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل — مسند عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ — دار الفکر بیروت ۱/ ۲۰
مشکوٰۃ المصابیح — باب المساجد — مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۸

[3] درمختار — کتاب الوقف — " " " ۱/ ۳۷۹

فتاوٰی قاضی خاں پھر ردالمحتار میں ہے :

لیس لورثته منعهم من نقضه والزیادة فیه ولاهل المحلة تحویل باب المسجد[1]

واقف کے ورثاء اہل محلہ کو مسجد گرا کر وسیع کرنے سے منع نہیں کرسکتے مسجد کا دروازہ تبدیل کرنے کا بھی اہل محلہ کو اختیار ہے (ت)

محیط امام سرخسی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے :

رجل بنی مسجدا ثم مات فاراد اهل المسجد ان ینقضوه ویزیدوا فیه فلهم ذلك ولیس لورثة المیت منعهم[2]

ایک شخص نے مسجد بنائی پھر وہ فوت ہوگیا ، بعد ازاں اہل محلہ نے اس مسجد کو گرانے اور اس میں اضافہ کرنے کا ارادہ کیا تو بانی اول کے ورثاء کو منع کرنے کا اختیار نہیں (ت)

شخص مذکور جبکہ ضروریات مسجد کا خبرگیراں نہیں ہوتا اور اہل محلہ کی درخواست پر بھی درستی مسجد کا کچھ بندوبست نہ کیا اور جب اہل محلہ نے تعمیر شروع کی اور مسجد میں نماز و جماعت ہونے لگی تو روکنے کو آموجود ہوا اور روکنا بھی یوں نہیں کہ آپ تعمیر کرنا شروع کرتا ملکہ نرا وعدہ کہ ہم بنوادیں گے اور وعدہ بھی کیسا ، محض موہوم کہ جب ہمیں مقدرت ہوگی بنوادیں گے ، تو ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ شخص مذکور آبادی و عمارت مسجد میں خلل انداز ہے اور وہ ضرور مناع للخیر معتد اثیم[3] (نیکی سے بہت زیادہ منع کرنیوالا حد سے تجاوز کرنے والا گنہگار ہے ۔ ت) میں داخل ہے آپ تعمیر نہ کرتا ہے نہ کرسکتا ہے کہ خود اپنی مقدرت سے انکار رکھتا ہے اور مسلمانوں نے جو تعمیر کی جس سے نماز و جماعت ہونے لگی اُسے روکتا ہے تو صاف ویرانی مسجد کا خواستگار اور ومن اظلم ممن منع مسٰجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها[4] (اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو مساجد میں الله تعالٰی کے ذکر سے منع کرے اور مساجد کی بربادی میں کوشاں ہو ۔ ت) کی وعید شدید کا سزاوار ہے ، شخص مذکور کو اگر متولی فرض بھی کرلیں تو اور مسلمانان محلہ کی تعمیر میں اس کی کوئی اجازت نہیں ، ہرگز شرع مطہر میں متولی کو حق دیا گیا ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۷۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۷

[3] القرآن الکریم ۶۸/۱۲

[4] " " ۲/۱۱۴

کہ بوعدہ موہوم مقدرت آپ تعمیر کرنے کے لئے مسجد کو خراب رکھے اہل محلہ کو تعمیر سے روکے۔ فرض کیجئے اسے مقدرت کبھی نہ ہوئی تو کیا ہمیشہ مسجد ویران رکھیں یا اُسے استطاعت دس برس یا دس مہینے یا دس دن ہی بعد ہوگی تو کون سی شریعت نے فرض کیا ہے کہ اُس کی مقدرت کا انتظار کرو اور اتنی مدت مسجد خراب کرو۔ جو شخص دعوٰی کرتا ہے کہ بسبب وعدہ اور لوگوں کو اس کے تیار کرانے کا انتظار کرنا ہوگا اگر اپنی ہوائے نفس کا حکم دیتا ہے تو مسلمانوں پر اس کا اتباع نہیں اور اگر اسے شرع مطہرہ کا حکم ٹھہراتا ہے تو صراحۃً شریعت پر افترا کرتا ہے، شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کہیں نہیں کہ ایسے مہمل وعدوں کا انتظار مسلمانوں کو کرنا ہوگا انتظار میں مسجد کو خراب رکھنا ہوگا، مسجد متولی یا اس کے بزرگوں کی ملک نہیں۔ قال اللہ تعالٰی وان المسٰجد للہ[1] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک مسجدیں اللہ تعالٰی ہی کی ہیں۔ت) فرضی یا واقعی متولی کو کیا حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو اپنے وعدۂ فردا کے انتظار پر مجبور کرے اور تاتریاق از عراق کے لئے مسجد کو خراب رکھے، ایسے انتظار کا فتوٰی دینا صریح جہالت و ضلالت ہے خصوصاً جبکہ مسلمان آنکھوں دیکھ چکے کہ وہ ضروریات مسجد کی خبرگیری نہیں کرتا اور باوصف درخواست اُس نے کچھ پروا نہ کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین[2] مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا (ت)

اور اگر بفرض باطل تسلیم بھی کرلیں کہ اوروں کی تعمیر میں بخیال عوام اس کی کوئی اہانت ہے تو بیت اللہ کی اہانت وخرابی سے اس کی یہ نفسانی اہانت آسان تر ہے۔ بھلا متولی تو متولی، علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اصل بانی مسجد اور اہل محلہ میں دربارۂ امام و مؤذن نزاع ہو اور جسے اہل محلہ چاہیں وہ زیادہ مناسب ہو تو اصل بانی کے اختیار پر اہل محلہ ہی کے اختیار کو ترجیح دی جائے گی اشباہ والنظائر میں ہے:

ان تنازعوا فی نصب الامام والمؤذن مع اھل المحلۃ ان کان ما اختارہ اھل المحلۃ اولٰی من الذی اختارہ البانی فما اختارہ اھل المحلۃ اولٰی[3]

بانیانِ مسجد اور اہل محلہ کے درمیان امام و مؤذن کی تقرری میں اختلاف واقع ہو اور جس کو اہل محلہ پسند کریں وہ بانی کے پسند کردہ سے اولٰی ہے تو اسی کو مقرر کرنا بہتر ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۷۹

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۷

جب اصل واقف پر اہل محلہ کو صرف اس وجہ سے کہ ان کا پسند کردہ زیادہ مناسب ہے شرع مطہر نے ترجیح عطا فرمائی تو یہاں کہ آبادی و ویرانی کا اختلاف ہے اور شخص مذکور خود واقف بھی نہیں اور خود عمارت کرتا بھی نہیں نرے وعدہ ہی پر ٹالتا ہے اور وہ وعدہ بھی ایک غیبی بات پر موقوف کہ خدا جانے ہوتی یا نہ ہوتی کیونکہ اہل محلہ کی کارروائی کے آگے جو سراسر نافع مسجد ہے کوئی چیز ٹھہر سکتی ہے، اور جب اس ترجیح اہل محلہ میں خود واقف کی اہانت نہ تھی یا فرضاً ہو تو شرع مطہر نے اصلاً اس پر لحاظ نہ فرمایا اور محض ایک انسب بات کے لئے اہل محلہ ہی کو ترجیح بخشی تو یہاں اس غیر واقف کی اہانت کیا ہوگی یا ہو تو اُس پر شرع کیا لحاظ فرمائے گی ایسے بیہودہ خیالات کو مدار فتوٰی قرار دینا سخت عامیانہ سفاہت ہے جس کے لئے شرع الٰہی میں اصلاً اصل نہیں، مع ہذا ظاہر ہے کہ اہل محلہ کا مقصود آبادی مسجد ہے نہ کہ اس شخص کی اہانت، ولہذا پہلے خود اُسی سے درخواست کی جب اُس نے کان نہ رکھا مجبوراً خود عمارت شروع کی تو اہل محلہ کی یہ غرض ٹھہرالینی کہ شخص مذکور کو ذلت پہنچے کس قدر شدید سُوئے ظن وجہالت ہے کیا وہ اس قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ لاینظر الٰی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الٰی قلوبکم واعمالکم۔[1]

بیشک اللہ تعالٰی تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہاری نیتوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (ت)

کے مستحق نہیں، وکیا صحیح حدیث میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔[2]

بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ (ت)

کا مخالف فاسق نہیں؟ ضرور ہے۔ اور شخص مذکور جب کہ تعمیر ضروریات کا مانع و مزاحم ہے تو بدخواہی مسجد کے سبب اگر متولی بھی ہوتا اُس کا معزول کرنا واجب تھا نہ کہ فقط اولادِ بانی سے ہونا کہ ہرگز موجب تولیت نہیں کما لا یخفی (جیسا کہ چھپا ہوا نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲: از میرٹھ کوٹھی اتانش خیر نگر دروازہ مرسلہ ولایت اللہ خاں ۲ جمادی الاولٰی ۳۲۲ھ

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت میں مسجدوں کے اوپر مینار اور بُرج نہیں تھے، اب کیونکر بنائے جاتے ہیں؟

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب تعلیم الفرائض " " " ۲/ ۹۹۵

الجواب

واقعی زمانۂ اقدس حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مساجد کے نہ بُرج کنگرے اور اس طرح کے منارے جن کو لوگ مینار کہتے ہیں ہرگز نہ تھے بلکہ زمانۂ اقدس میں پکے ستون نہ پکی چھت، نہ پکا فرش، نہ گچکاری، یہ امور اصلاً نہ تھے کما فی صحیح البخاری فی ذکر مسجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جیساکہ بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد کے ذکر میں ہے۔ت) بلکہ حدیث میں ہے:

ابنوا المساجد واتخذوھا جماً[1] رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ والبیہقی فی السنن عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مسجدیں بناؤ اور انھیں بے کنگرہ رکھو (اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور بیہقی نے سنن میں سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے:

ابنوا مساجدکم جماً وابنوا مدائنکم مشرفۃ[2]۔ رواہ ابن ابی شیبۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اپنی مسجدیں مُنڈی بناؤ اور اپنے شہر کنگرہ دار۔ (اسے ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا اور انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ت)

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر تنبہ کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہوگئے اس قسم کے امور علماء وعامہ مسلمین نے مستحسن رکھے، اسی قبیل سے ہے قرآن عظیم پر سونا چڑھانا کہ صدر اول میں نہ تھا اور اب بہ نیت تعظیم واحترام قرآن مجید مستحب ہے۔ یونہی مسجد میں گچکاری اور سونے کا کام،

وما رأہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن[3]۔

جس شَے کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عنداللہ بھی اچھی ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ فی زینۃ المسجد وما جاء فیہا ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۰۹

[2] " " " " " " " " " " " " " " "

کنز العمال حدیث ۲۰۷۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/۶۵۶

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/۳۷۹

درمختار میں ہے ،

جاز تحلیۃ المصحف لما فیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد[1]	قرآن مجید کو مزین کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تعظیم ہے جیسا کہ مسجد کو تعظیماً منقش کرنا ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے ،

لایکرہ نقش المسجد بالجص وماء الذھب[2]	قلعی اور سونے کے پانی سے مسجد کو منقش کرنا مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے ،

لاباس بنقش المسجد بالجص والساج وماء الذھب والصرف الی الفقراء افضل کذا فی السراجیۃ وعلیہ الفتوٰی کذا فی المضمرات وھکذا فی المحیط[3]	مسجد کو قلعی ، ساج کی لکڑی اور سونے کے پانی سے منقش کرنے میں حرج نہیں تاہم فقراء پر صرف کرنا اولٰی ہے جیسا کہ سراجیہ میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے مضمرات اور محیط میں یونہی ہے (ت)

اوران میں ایک منفعت یہ بھی ہے کہ مسافر یا ناواقف منارے کنگرے دُور سے دیکھ کر پہچان لے گا کہ یہاں مسجد ہے ، تو اس میں مسجد کی طرف مسلمانوں کو ارشاد و ہدایت اور امر دین میں ان کی امداد و اعانت ہے ، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے ،

تعاونوا علی البر والتقوٰی[4]	نیکی اور تقوٰی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ (ت)

تیسری منفعت جلیلہ یہ ہے کہ یہاں کفار کی کثرت ہے ، اگر مسجدیں سادی گھروں کی طرح ہوں تو ممکن ہے کہ ہمسایہ کے ہنود بعض مساجد پر گھر اور مملوک ہونے کا دعوٰی کردیں اور جھوٹی گواہیوں سے جیت لیں بخلاف اس صورت کے کہ یہ ہیأت خود بتائے گی کہ یہ مسجد ہے تو اس میں مسجد کی حفاظت اور اعدا سے اس کی صیانت ہے ، وباللہ التوفیق ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم ۔

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر ۱/ ۱۶۸

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲

مسئلہ ۱۴۳: از کھک بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاکخانہ قاضی ہاٹ متصل بختیار منشی کے بازار مرسلہ مولوی عبدالعلی صاحب ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی ہندو مشرک زمیندار اپنی زمین میں نماز پنجگانہ وجمعہ کے لئے ایک مسجد بنادے یا مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجد کو درست یا پختہ کردے یا از روئے حیلہ کے دوسو یا چارسو کسی شخص کو مسجد بنوانے کی نیت سے دے وہ شخص زر دادہ سے مسجد بنادے شرعاً اس میں نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر اس نے مسجد بنوانے کی صرف نیت سے مسلمان کو روپیہ دیا یا روپیہ دیتے وقت صراحۃً کہہ بھی دیا کہ اس سے مسجد بنوادو، مسلمان نے ایسا ہی کیا تو وہ مسجد ضرور مسجد ہوگئی اور اس میں نماز پڑھنی درست ہے

لانه اما یکون اذنا للمسلم بشراء الاٰلات للمسجد بماله و بمجرد هذا لا یصیر وکیلا وان فرض التوکیل فحیث لم یعین جنس المشتری لایقع الشراء الا للمسلم لان الجهالة الفاحشة تبطل الوکالة ففی الدر المختار الاصل انها (ای الوکالة) ان جهلت جهالة فاحشة وهی جهالة الجنس کدابة بطلت اھ[1] (ملخصا) و معلوم ان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ علیه فعلی کل کانت الاٰلات ملك المسلم وقد جعلها مسجدا فصح۔

کیونکہ یا اس کی طرف سے مسلمان کو اس کے مال سے مسجد کے لئے سامان خریدنے کا اذن ہے، اور محض اتنی بات سے وہ وکیل نہ ہوا اور بالفرض توکیل مان بھی لیں تو جب جنس شراء غیر معین ہے تو شراء مسلمان کے لئے ہی واقع ہوگی اس لئے کہ جہالت فاحشہ وکالت کو باطل کردیتی ہے۔ درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ اگر وکالت جہالت فاحشہ کے ساتھ مجہول ہو یعنی جہالت جنس ہو جیسے دابہ کا مجہول ہونا تو وکالت باطل ہوجاتی اھ (ملخصا) اور یہ بات معلوم ہے کہ شراء جب مشتری پر نفاذ پاسکے تو نافذ ہوجاتی ہے، بہرصورت وہ خرید ہوا سامان مسلمان کا مملوک ہوا اور اس نے مسجد بنادی تو صحیح ہے۔ (ت)

یونہی مسجد قدیم کی درستی و مرمت اگر کافر کرے تو اس کی مسجدیت میں نقصان نہ آئے گا لان المسجد اذا تم مسجدا لا یعود غیر مسجد ابدا (کیونکہ مسجد بن جانے کے بعد کبھی بھی وہ غیر مسجد نہیں بن سکتی۔ ت)

---

[1] درمختار باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۳

اسی طرح کچی مسجد کو اگر پکی کرادے فرش اور دیواریں پختہ بنوادے جب بھی اس کی مسجدیت میں حرج نہیں اور اس میں نماز درست ہے کہ یہ دیواریں اگرچہ ملک کافر رہیں گی کہ وہ مسجد کے لئے وقف کرنے کا اہل نہیں مگر دیواریں حقیقت مسجد میں داخل نہیں،

حتی لولم تکن اورفعت لم یتطرق الی المسجد خلل الاتری ان المسجد الحرام لاجدران فیہ اصلا وان بناء الکعبۃ لو رجع کما وقع فی زمن سیدنا عبد اللّٰہ بن الزبیر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما لصحت الصلٰوۃ الیہا کما نصوا علیہ۔

مسجد کی دیواریں اگر بالکل نہ ہوں یا مرتفع ہوجائیں تو مسجدیت میں کوئی خلل نہیں آتا، کیا تو نہیں دیکھتا کہ مسجد الحرام میں دیواریں نہیں ہیں اور اگر کعبۃ اللہ کی عمارت اگر مرتفع ہوجائے جیسا کہ سیدنا حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ہُوا تو تب بھی اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز ہے، فقہائے اس کی تصریح کی ہے (ت)

یُوں ہی مسالہ کہ فرش پختہ کرنے کو ڈالا چُونا کی طرح ایک شئ زائد ہے اور جوازِ نماز یُوں کہ اگرچہ وہ مسالہ ملک کافر پر رہے گا مگر اس پر نماز اس کے اذن سے ہے،

فکان کالصلٰوۃ فی ارض الکافر باذنہ بل اولٰی۔

تو یہ کافر کی زمین میں اس کے اذن سے نماز پڑھنے کی مانند ہُوا یا اس سے بھی اولٰی ہے (ت)

ہاں ایسی چیز کا قبول کرنا مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ مسجد کو ملک کافر سے آلودہ کرنا ہے،

وقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم انا لانستعین بمشرک[1]۔

تحقیق رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم مشرک سے استعانت نہیں کرتے (ت)

اور اس میں یہ بھی قباحت ہے کہ جب وہ فرش ملک کافر پر باقی ہے تو اگر کسی وقت وہ یا اُس کے بعد اس کا وارث اس پر نماز سے منع کردے تو نماز ناجائز ہوجائے گی جب تک فرش کھود کر زمین صاف نہ کرلیں۔ رہی پہلی صورت کہ مشرک اپنی زمین میں مسجد بنوادے اگر مشرک نے وُہ زمین کسی مسلمان کو ہبہ کردی اور مسلمان نے مسجد بنوائی تو جائز ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے اور اگر بے تملیکِ مسلم اپنی ہی ملک رکھ کر مسجد بنوائی تو وہ مسجد شرعاً مسجد نہ ہوئی،

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعانۃ بالمشرکین ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

لان الکافر لیس اھلا لوقف المسجد و فی جواھر الاخلاطی جعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین وبناہ کما بنی المسلمون واذن لھم بالصلٰوۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثا لورثتہ وھذا قول الکل۔

کیونکہ کافر مسجد کو وقف کرنے کا اہل نہیں جواہر الاخلاطی میں ہے کہ ذمی نے اپنے گھر کو مسلمانوں کے لئے مسجد بنایا اور مسلمانوں کی طرح اس کی تعمیر کرائی پھر مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کو کہا اور انھوں نے اس میں نماز پڑھی بعد ازاں وہ ذمی مرگیا تو وہ اس کے ورثہ کو بطور میراث ملے گی، اور یہی سب کا قول ہے (ت)

اُس میں نماز ایک کافر کے گھر میں نماز ہے جس پر نماز مسجد کا ہرگز ثواب نہیں مگر جبکہ اُس کے اذن سے ہے نماز درست ہے اگر منع کردے گا ثواب اجازت نہ رہے گی اور زمین غصب میں نماز کی طرح مکروہ ہوگی لتصرف فی ملك الغیر بغیر اذنه (ملک غیر میں بلا اذن مالک تصرف کرنے کی وجہ سے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۳ از کانپور مرسلہ مولوی عبیداللہ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرکے کسب ناجائز اختیار کرلیا اور مال میں ہزار پانسو کی تجارت بھی کرتی رہی چنانچہ اس نے اسی مال سے چند دن میں متعدد مکان وغیرہ بھی خرید کئے اور وہ مال اس کے پاس کچھ بطور حلال حاصل ہوا تھا اور کچھ بطور حرام، لیکن یہ امر کہ مال حلال کس قدر تھا اور مال حرام کس قدر، کچھ معلوم نہیں، خلاصہ یہ کہ وہ مال اس کے پاس مختلط تھا، اس کے بعد اس مال کی وارث اس کی ماں بنی، ہندہ کی ماں نے محض اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کی اب اس مسجد میں لوگ نماز پڑھنے سے پرہیز کرتے ہیں، پس یہ فرمایا جائے کہ ایسی مسجد کو حکم مسجد کا دیں گے یا نہیں، اور یہ وقف شرعًا صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی ارشاد ہو کہ مال مختلط وراثۃً اگر شخص کو ملا ہو جبکہ خود اس کے پاس مختلط اپنا ذاتی ہو جیسا آج زمانے میں بکثرت لوگوں کے پاس ہے اگر ایسے مال سے مسجد بنوائی جائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مال مختلط کہ مورث وجوہ مختلفہ سے جمع کرے اور وارث کو اس کی کچھ تفصیل کا پتا نہیں چل سکا کہ کتنا حلال ہے کتنا حرام ہے، جو حرام ہے کس کس سے لیا ہے تو امر مجہول کا مطالبہ اس سے نہیں ہوسکتا ایسی ہی

؎ جواہر الاخلاطی کتاب الوقف قلمی نسخہ ص ۲۷

جگہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ،

الحرمۃ لاتتعدی بیان المسئلۃ فی الدر المختار ورد المحتار وغیرھما من الاسفار۔

حرمت متعدی نہیں ہوتی اس مسئلہ کی وضاحت درمختار اور ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے (ت)

تو مسجد مذکور ضرور مسجد ہے اور اس کا وقف صحیح اور اس میں نماز جائز، اور اگر خود اپنے روپیہ مخلوط بلکہ حرام ہو اور اس سے مسجد یُوں بنائے کہ زمین و خشت وغیرہا آلات کی خریداری میں زرِ حرام پر عقد و نقد جمع نہ ہو تو مذہب امام کرخی پر کہ اب وہی مفتی بہ ہے ان خریدی ہوئی اشیاء میں خباثت اثر نہ کرے گی

بل استحسن فی الطریقۃ المحمدیۃ الافتاء بما اوسع من ھذا وھو ان الخبث لایسری فی الابدال مطلقا اذا کان ذلک فیما لایتعین فی البیع کالدرھم والدنانیر۔

بلکہ طریقہ محمدیہ میں تو اس سے بھی وسیع تر صورت پر فتوٰی کو مستحسن قرار دیا ہے اور وہ یہ کہ خباثت ابدال میں مطلقاً اثر نہیں کرتی جبکہ ان اشیاء میں ہو جو بیع میں متعین نہیں ہوتیں جیسے دراہم ودنانیر۔ (ت)

حرام پر عقد کے یہ معنی کہ زرِ حرام دکھا کر کہے اس کے عوض فلاں شئی دے دے، اور نقد کے یہ معنی کہ پھر زرِ حرام ہی اس کے معاوضہ میں دے، اور اگر مطلقاً بغیر روپیہ دکھائے کوئی چیز خریدے اور پھر زرِ حرام عوض میں دیا تو یہ دینا اگرچہ اسے حرام تھا،

لانہ فیہ بادائہ الی من کان لہ وان لم یبق ھو ولاوارثہ اولم یعرف فالتصدق وھذا عدول عنھما فلا یجوز۔

کیونکہ اس میں وُہ مال حرام اس شخص کو واپس کرنے کا پابند تھا جس کا وُہ ہے اگر وُہ یا اس کا کوئی وارث باقی نہیں یا ان کا علم نہیں تو صدقہ کرنا لازم ہے جبکہ یہ مال حرام کسی کو معاوضے میں دینے سے اور اصل مالک کو واپس کرنے سے عدول ہوگا تو جائز نہیں (ت)

بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جبکہ اُسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اور اس کے پاس بلا ملک ہے جیسے غصب و رشوت و اجرت زنا وغیرہ کا روپیہ مگر جبکہ حرام پر عقد نہ ہوا فرد مطلق پر ہوا خریدی ہوئی شے میں خبث نہ آیا یونہی اگر زرِ حرام دکھا کر کہا اس کے عوض فلاں شئی دے دے، جب اس نے شے دی اس نے وُہ روپیہ ثمن میں نہ دیا بلکہ زرِ حلال دیا تو اب اگرچہ عقد حرام پر ہوا مگر نقد اس کا نہ ہوا ان دونوں صورتوں میں مذہب مفتی بہ پر ابدال یعنی خریدی ہوئی چیزیں حلال رہتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اُسی صورت اولٰے پر ہوتی ہیں کہ حرام پر عقد نہیں ہوتا، اور اگر بالفرض بعض آلات پر اتفاقاً ایسا ہوا ہو تو اس کا حال معلوم نہیں،

وقد قال فی الاصل بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔ امام محمد نے اصل میں فرمایا کہ ہم اسی کو اپناتے ہیں جب تک ہمیں کسی خاص شے کے حرام ہونے کا پتا نہ چل جائے۔ (ت)

تو ایسی مساجد کی مسجدیت اور ان میں نماز کی صحت میں شک نہیں وقد فصلنا المسألۃ فی فتاوٰنا (تحقیق ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل اپنے فتاوٰی میں بیان کر دی ہے۔ ت)

مسئلہ ۱۲۵: از شہر کہنہ ۲۳ محرم شریف ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹی مسجد کو مسلمانوں نے بڑھایا جو زمین اندر آئی اس میں ایک محراب ہوتی ہے کسی حساب سے پانچ در نہیں ہوسکتے، نہ تو زمین زیادہ ہے کہ دو در بن کر پانچ ہو جائیں نہ اتنا روپیہ کہ سامنے کی محرابیں توڑ کر اس زمین کو شامل کرکے تین در بنائے جائیں، اب اگر ایک در تیار ہو جائے اور سب مل کر چار در ہو جائیں تو کسی طرح کا نماز میں فتور آئے گا یا نہیں، شرع شریف نے کیا اجازت دی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اتنا ضرور ہے کہ طاق عدد اللہ عزوجل کو محبوب ہے ان اللّٰہ وتر یحب الوتر[2] (اللہ تعالٰی وتر یعنی طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔ ت) اور یہاں عام مسلمانوں میں مسجد کے در طاق ہی رکھنے کا رواج ہے وقد نص العلماء ان الخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ (علماء نے تصریح فرمائی کہ مسلمانوں کی عادت مستمرہ سے خروج مکروہ ہے۔ ت) تو جہاں تک ممکن ہو مخالفت عادت مسلمین سے احتراز کریں اور نا ممکن ہو تو کوئی حرج نہیں نماز میں تو کسی طرح دروں کے طاق یا جفت ہونے کو کچھ دخل یا فتور اصلاً نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶: مرسلہ عنایت حسین ۴ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں ایک مسجد چھوٹی ہے اور ایک جانب اس کے قبرستان ہے دو جانب تالاب ہے اور ایک جانب راستہ ہے اور مرمت طلب ہے، ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میں ایک مسجد بناؤں مگر شرط یہ ہے کہ اس مسجد سے بڑی ہو اور اس میں حجرہ وغیرہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۲

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند علی رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/۱۰۳

اور وہیں چاہ بھی ہو اور پیش امام اور مؤذن کے واسطے بھی انتظام جائداد سے کر دیا جائے اور یہ جو مسجد ہے اُس کے آس پاس برہمانہ کی گنجائش نہیں ہے اگر دوسری مسجد اس موضع میں تعمیر ہوئی تو یہ مسجد ویران ہو جائے گی اس میں کوئی نمازی نماز کے واسطے نہیں آئے گا اس وجہ سے کہ اس مسجد میں کوئی امام نہیں ہے اور نمازی بھی ایسے نہیں کہ اس میں امامت کرکے جماعت کرلیں ایسی حالت میں مسجد تعمیر کرنا چاہئے یا نہیں، اور یہ مسجد شہید کرکے اینٹ وغیرہ اس مسجد کی اُس مسجد میں لگائیں یا کیا کریں؟

الجواب

مسجد بنانا باعثِ اجرِ عظیم ہے جس طرح ممکن ہو کوشش کی جائے وہ مسجد بھی آباد رہے اور یہ بھی آباد ہو، ثواب لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے بھی امام مقرر کرے۔ اگر کسی طرح یہ ممکن ہو بلکہ اگر معلوم ہو کہ اس مسجد کا بننا اُسے ویران کر دے گا تو ہرگز نہ بنائے کہ مسجد کا ویران کرنا حرام قطعی ہے اور اسے شہید کرنا حرام قطعی، اور آباد مسجد کی اینٹ وغیرہ دوسری مسجد میں لگا دینا حرام قطعی۔

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس سے ظالم تر کون ہو سکتا ہے جو مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بربادی کی سعی کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۷ از بدایوں ۲۰ صفر ۱۳۲۳ھ

زید نے قبرستان قدیم اہلِ اسلام کو پاٹ کر اُن قبروں کی چھت پر مسجد بنانا اور اس کو ایک مسجد قدیم کے صحن میں داخل کرنے کا قصد کیا ہے اور دروازہ قدیم مسجد کو بھی پاٹ کر اسکے نیچے دکان یا حجرہ بنانا اور چھت کو مسجد کرنا چاہتا ہے، آیا شرعاً زید کو یہ منصب ہے اور یہ سقف قبور مسجد ہو جائے گی اور مصلّی کو ثواب مسجد ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا عند اللہ تعالٰی (بیان کیجئے اور اللہ تعالٰی سے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

دروازہ پاٹ کر اس کے نیچے دکان بنانا ہرگز جائز نہیں، عالمگیری میں ہے:

قیم المسجد لایجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ۔[2]

ناظم مسجد کو جائز نہیں کہ وہ مسجد کی حدود میں یا فنائے مسجد میں دکانیں بنائے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

اور حجرہ بنانے کی اجازت ہے جبکہ زمین مسجد سے اس میں کچھ نہ لیا جائے، نہ مسجد پر راہ وغیرہ کسی امر کی تنگی لازم آئے، اور یہ تغییر دروازہ کرنے والے خود اہل محلہ ہوں یا ان کے اذن سے ہو۔ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے: لاھل المحلة تحویل باب المسجد[1] (اہل محلہ کو دروازۂ مسجد کی تبدیل کا اختیار ہے۔ت)

اور اس صورت میں حجرہ کی چھت مسجد ہو جائے گی جبکہ برضائے اہل محلہ ہے۔ خلاصہ میں ہے:

ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذٰلك المسجد وارادوا ان یزیدوا فی المسجد شیئا من الارض جاز[2] الخ

ایک زمین مسجد کے لئے وقف ہوئی اور اس مسجد کے پہلو میں زمین ہے اہل محلہ نے ارادہ کیا کہ مسجد میں کچھ اضافہ اس زمین سے کریں تو جائز ہے الخ (ت)

فتاوٰی کبرٰی پھر جامع المضمرات شرح قدوری پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

مسجد اراد اھله ان یجعلوا الرحبة مسجدا وان یحولوا الباب عن موضعه فلهم ذٰلك فان اختلفوا نظر ایھم اکثر وافضل فلھم ذٰلك[3] اھ بتلخیص۔

اہل محلہ نے چاہا کہ برآمدہ کو مسجد کر دیں اور دروازہ کو اپنی جگہ سے تبدیل کر دیں تو جائز ہے اور اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو دیکھا جائے گا کہ ان میں اکثر و افضل گروہ کی کیا رائے ہے اور انھیں کو اختیار دیا جائیگا اھ بتلخیص (ت)

اور اس کے نیچے حجرہ ہونا کچھ منافی مسجدیت سقف نہ ہوگا۔ قول بحر شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجدا[4] (اس کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے نیچے اور اوپر والا حصہ بھی مسجد ہو۔ت) یہاں وارد ہوگا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جمیع جہات میں حقوق مالکانہ عباد سے منقطع ہو مصالح مسجد توابع مسجد ہیں خود بحر میں تتمہ عبارت مذکورہ یہ ہے:

لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالٰی وان المسٰجد لله بخلاف ما اذا کان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد کسرداب بیت المقدس ھذا ھو ظاھر

تاکہ حق عبد اس سے منقطع ہو جائے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی بنیاد پر کہ مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں بخلاف اس کے کہ جب تہ خانہ یا بالا خانہ مصالح مسجد کیلئے موقوف ہوں جیسا کہ بیت المقدس کا تہ خانہ ہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف باب الرجل جعل دارہ مسجدًا نولکشور لکھنؤ ۴/۷۱۳
[2] خلاصۃ الفتاوٰی " الفصل الرابع فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۳۲
[3] فتاوٰی ہندیہ " الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۶
[4] بحرالرائق " فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۵۱

الروایۃ[1] یہی ظاہر الروایہ ہے (ت)

ہدایہ میں ہے :

من جعل مسجدا تحتہ سرداب او فوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق و عزلہ عن ملکہ فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالٰی لبقاء حق العبد متعلقا بہ ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز[2]

جس شخص نے مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ اور مکان ہے اس نے مسجد کا دروازہ راستے کی طرف بنایا اور اس کو اپنی ملک سے نکال دیا تو وہ اس کو بیچنے کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ مرجائے تو اس کی میراث قرار پائے گا کیونکہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہیں ہوا اس سبب سے حق عبد اس کے ساتھ متعلق رہا، اور اگر وہ تہ خانہ مصالح مسجد کیلئے ہو تو جائز ہے۔ (ت)

ہاں اگر زید بطور خود یہ کارروائی بے رضائے اہل محلہ کرے تو وہ چھت مسجد نہ ہوجائے گی اور اس میں نماز اگرچہ جائز ہے مگر اس پر نماز مسجد کا ثواب نہ ہوگا عالمگیریہ میں ہے :

متولی مسجد جعل منزلا موقوفا علی المسجد مسجدا وصلی الناس فیہ سنین ثم ترك الناس الصلوۃ فیہ فاعید منزلا مستغلا جاز لانہ لم یصح جعل المتولی ایاہ مسجدا کذا فی الواقعات الحسامیۃ[3]

ایک مسجد کے متولی نے ایک گھر جو کہ مسجد پر موقوف تھا کو مسجد بنا دیا لوگ اس میں کئی برس نماز پڑھتے رہے، پھر لوگوں نے اس میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا پھر وہ اپنی سابقہ حالت یعنی کرایہ پر چلنے لگا تو جائز ہے کیونکہ متولی کا اس کو مسجد کردینا صحیح نہیں ہوا تھا یہ واقعات حسامیہ میں مذکور ہے (ت)

رہا مسلمانوں کا قبرستان قدیم کہ وہ ضرور دفن موتٰی کے لئے موقوف ہوتا ہے، اس میں دو صورتیں ہیں اگر وہ قبرستان قابل کار رہو کہ اس میں دفن اموات کو جگہ بھی ہے اور کسی اور وجہ کے باعث اُس سے استغناء بھی نہ ہوگیا نہ داخل حدود شہر ہونے کے سبب اس میں دفن کی ممانعت انگریزی طور پر ہوگئی جب تو اُسے پاٹ کر دفن سے روک دینا سرے سے ناجائز و حرام ہے کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور وہ اصلاً روا نہیں،

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵
[2] الہدایۃ " المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۲۴
[3] فتاوٰی ہندیۃ " الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

عالمگیریہ میں ہے :

لایجوز تغییر الوقف[1] (وقف میں تغییر و تبدیل جائز نہیں۔ ت)

فتح القدیر میں ہے :

الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ[2]۔ وقف کو حالِ سابق پر برقرار رکھنا واجب ہے (ت)

اور اگر وہ قابلِ کار نہ رہا یا اس سے استغنا ہوگیا یا وہاں دفن کی ممانعت ہوگئی جس کے سبب اب وہ اس کام میں صرف نہیں ہوسکتا یا مسجد قدیم لبِ مقبرہ واقع ہے یہ بیرونِ حدودِ مقبرہ ستون قائم کرکے اوپر کافی بلندی پر پاٹ کر چھت کو صحنِ مسجد سابق سے ملا کر مسجد کردینا چاہتا ہے اس طرح کہ زمین مقبرہ نہ رکے نہ اس میں دفنِ موتی کرنے اور اس کی غرض سے لوگوں کے آنے جانے کی راہ رکے نہ اس چھت کے ستون قبورِ مسلمین پر واقع ہوں بلکہ حدودِ مقبرہ سے باہر ہوں تو اس میں حرج نہیں جبکہ وہ زمین جس میں ستون قائم کئے گئے متعلق مسجد ہو اور کارروائی اہلِ محلہ کی یا اُن کے اذن سے ہو یا وہ زمین اسی بانیٔ سقف یا کسی دوسرے مسلمان کی ملک ہو اور مالک اُسے ہر کام کے لئے وقف کردے یا وہ زمین افتادہ بیت المال کی ہو اور اس میں اس کارروائی سے مسلمانوں کے راستے وغیرہ کو ضرر نہ ہو کہ ان حالتوں میں اس نے کوئی بیجا تصرف نہ کیا نہ وقف کردہ م[illegible]ں کی زمین کو کسی دوسرے کام میں صرف کیا صرف بالائی ہوا میں کہ نہ موقوف تھی نہ مملوک ایک تصرف غیر مضر نفعِ مسلمین کے لئے کیا۔ عالمگیریہ میں ہے :

ذکر فی المنتقی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الطریق الواسع بنی فیہ اھل المحلۃ مسجدا او ذلک لایضر بالطریق فمنعھم رجل فلا بأس ان یبنوا کذا فی الحاوی[3]۔

منتقی میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں منقول ہے کہ ایک وسیع راستہ میں اہلِ محلہ نے مسجد بنائی جس سے راستہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا ایک شخص نے انھیں اس سے منع کیا تو ان کے مسجد تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں، حاوی میں یونہی ہے (ت)

اسی میں خزانۃ المفتین سے ہے :

قوم بنوا مسجدا واحتاجوا الی مکان | لوگوں نے مسجد بنائی تو انھیں مسجد کو وسیع کرنے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

ليتسع المسجد واخذوا من الطريق وادخلوه في المسجد ان كان يضر باصحاب الطريق لايجوز وان كان لايضر بهم رجوت ان لايكون به بأس كذا في المضمرات وهو المختار كذا في خزانة المفتين[1]

کے لئے کچھ جگہ کی ضرورت پڑی اور انھوں نے راستہ سے کچھ جگہ لے کر مسجد میں داخل کر لی، اگر اس سے راستہ والوں کو ضرر ہو تو ناجائز ہے اور اگر ضرر نہ ہو تو مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہوگا جیسا کہ مضمرات میں ہے اور یہی مختار ہے خزانۃ المفتین میں یونہی ہے۔ (ت)

نیز ہندیہ میں حق عام کی شے پاٹ کر اس پر مسجد اس طرح بنانے کا جس سے اُن حقوق کو ضرر نہ پہنچے جزئیہ یہ ہے:

في نوادر هشام سألت محمد ابن الحسن عن نهر قرية كثيرة الاهل لايحصى عددهم وهو نهر قناة او نهر واد لهم خاصة واراد قوم ان يعمروا بعض هذا النهر ويبنوا عليه مسجدا ولايضر ذلك بالنهر ولايتعرض لهم احد من اهل النهر، قال محمد رحمه الله تعالى يسعهم ان يبنوا ذلك المسجد للعامة او المحلة كذا في المحيط[2].

ہشام نے نوادر میں کہا کہ میں نے امام محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے دریافت کیا ایک کثیر آبادی والے قصبہ میں ایک نہر ہے جو کہ جنگل یا پہاڑ کے نالے کی صورت میں ہے اور وہ خاص انھی لوگوں کی ہے بعض لوگوں کا ارادہ ہوا کہ وہ نہر کے کچھ حصہ پر تعمیر کر کے مسجد بنادیں، اس سے نہ تو نہر کو کوئی نقصان ہے اور نہ ہی نہر والوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو ایسی مسجد بنانے کا اختیار ہے چاہے وہ مسجد اہل محلہ کے لئے بنائیں یا عام لوگوں کے لئے، جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ وہ سقف بھی مسجد ہو جائے گی اور اس میں نمازی کو ثواب مسجد ملے گا، رہا اُس کے نیچے قبریں ہونا اس بنا پر کہ ہمارے علماء نے قبروں کے سطح بالائی کو حق میت لکھا ہے،

في العالمگيرية عن القنية قال علاء الترجماني يأثم بوطئ القبور لان سقف القبر حق الميت[3]

عالمگیریہ میں بحوالہ قنیہ مذکور ہے کہ علاء ترجمانی نے فرمایا قبور کو روندنا گناہ ہے کیونکہ قبروں کی بالائی سطح میت کا حق (ملکیت) ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ٢/٤٥٦

[2] " " " " " " " " "

[3] " کتاب الکراہیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور " " " ٥/٣٥١

اور مسجد کا جمیع جہات میں حقوق العباد سے منقطع ہونا لازم ہے کما تقدم (جیسا کہ آگے آئے گا۔ ت) ہرگز مانع مسجدیت نہ ہوگا کہ اس حق سے مراد کسی کی ملک یا وہ حق مالکانہ ہے جس کے سبب وہ اس مسجد میں تصرف سے مانع آسکے کہ جب ایسا ہوگا تو وہ خالص لوجہ اللہ نہ ہوئی، اور مسجد کا خالص لوجہ اللہ ہونا ضرور ہے، ولہٰذا فتح القدیر میں عبارت مذکورۂ ہدایہ کی شرح میں فرمایا:

المسجد خالص للہ سبحانہ لیس لاحد فیہ حق، وھو منتف فیما ذکر اما اذا کان السفل مسجدا فان لصاحب العلو حقا فی السفل حتی یمنع صاحبہ ان ینقب فیہ کوۃ او یتد فیہ وتدا، واما اذا کان العلو مسجدا فلان ارض العلو ملک لصاحب السفل بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفا لصاحب المسجد فانہ یجوز اذ لا ملک فیہ لاحد[1] اھ مختصر

مسجد خالص اللہ تعالٰی کیلئے ہے اس میں کسی کا حق نہیں اور یہ بات صورت مذکورہ میں منتفی ہے لیکن اگر نیچے والا حصہ مسجد ہو پھر تو اس لئے کہ بالاخانے والا نچلے حصہ میں حق رکھتا ہے یہاں تک کہ نیچے والے کو دیواروں میں سوراخ کھودنے یا میخ گاڑنے سے منع کرسکتا ہے، اور اگر اوپر والا حصہ مسجد ہو تو پھر اس لئے کہ بالاخانے کی زمین نیچے والے کی ملک ہے، بخلاف اس کے اگر تہ خانہ اور بالاخانہ دونوں ہی مصالح مسجد کے لئے وقف کردئے گئے ہوں تو صحیح ہے کیونکہ اب ان میں کسی کی ملک باقی نہیں رہا اھ مختصراً۔

متعلق حق العبد کا تعلق اگر مانع مسجدیت ہو تو کوئی مسجد مسجد نہ ہوسکے کہ ہر مسجد میں ادائے نماز و اعتکاف وغیرہ عام مسلمانوں یا خاص اس کے اہل کا بخصوصیت زائد حق ہے جس کے باعث وہ بحالِ تنگی اوروں کو اپنی مسجد محلہ میں نماز سے منع کرسکتے ہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا ضاق المسجد کان للمصلی ان یزعج القاعد عن موضعہ لیصلی فیہ وان کان مشتغلا بالذکر او الدرس او قراءۃ القرآن او الاعتکاف، وکذا لاھل المحلۃ ان یمنعوا من لیس منھم عن الصلوٰۃ فیہ اذا ضاق بھم المسجد کذا فی القنیۃ[2]۔

اگر مسجد تنگ ہو تو نمازی دوسرے شخص کو جو کہ وہاں بیٹھا ہوا ہے وہاں سے ہٹا کر نماز پڑھ سکتا ہے اگرچہ وہ بیٹھا ہوا شخص ذکر، تلاوت یا اعتکاف میں مشغول ہو، یونہی مسجد کی تنگی کی صورت میں اہل محلہ دوسروں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرسکتے ہیں یونہی قنیہ میں ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب الوقف فصل اختص المسجد باحکام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۶۵-۴۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

بلکہ حقِ میت کہ قبر وسقفِ قبر میں ہے اگر اُن حقوقِ عباد سے ہو جن کا تعلق خلوص لوجہ اللہ تعالٰی سے مانع ہو تو سرے سے مقبرہ موقوفہ ہی محال ہو جائے کہ مسجد کی طرح مقبرہ میں بھی محض خلوص وانقطاعِ جملہ حقوقِ عباد شرط ہے ولہذا بالاجماع مسجد کی طرح اُس میں بھی افراز شرط ہوا۔ ہدایہ میں ہے:

وقف المشاع جائز عند ابی یوسف الا فی المسجد والمقبرۃ فانہ لایتم ایضا عند ابی یوسف لان بقاء الشرکۃ یمنع الخلوص للہ تعالٰی اھ مختصراً۔[1]

امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک وقفِ مشاع جائز ہے سوائے مسجد ومقبرہ کے، اور وہ بھی امام ابویوسف کے نزدیک تام نہیں ہوتا کیونکہ شرکت اس وقف کے خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہونے سے مانع ہے اھ مختصراً (ت)

فتح القدیر میں ہے:

انما اتفقوا علی منع وقف المشاع مطلقا مسجدا ومقبرۃ لان الشیوع یمنع خلوص الحق للہ تعالٰی۔[2]

مسجد ومقبرہ میں وقفِ مشاع کے مطلقاً ممنوع ہونے پر تمام ائمہ متفق ہیں کیونکہ شیوع وقف کے خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہونے سے مانع ہے (ت)

بلکہ میت تو کوئی حقِ مالکانہ نہیں رکھتا (لان الموت ینافی المالکیۃ، کیونکہ موت ملکیت کے منافی ہے۔ ت) نہرِ عام کی طرح نہرِ خاص اہلِ محلہ کا جزئیہ گزرا کہ اس کے اوپر پاٹ کر مسجد بنا دینا جائز ہے جبکہ اُن کی نہر کو ضرر نہ پہنچے نہ وہ مانع آئیں تو اوپر مسجد ہے اور نیچے نہر بہتی ہے جس میں خاص قوم کا حقِ مالکانہ ہے مگر از انجا کہ ان کے حق میں کوئی تصرف نہ کیا، نہ انھیں بالائے نہر اس پٹی ہوئی عمارت میں نماز سے ممانعت پہنچتی ہے کہ ان کا حق نہر میں ہے نہ کہ ہوا میں، وہ مسجد صحیح وجائز ہوگئی بلکہ حقِ مالکانہ درکنار خاص زمین مسجد جس پر عمارت بنا کر مسجد کی گئی اگر ایک غیر کی ہو مگر اُسے حقِ مزاحمت اصلاً نہ رہا ہو تو مذہبِ مفتی بہ پر وہ خالی عمارت بھی مسجد ہو جائے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

بنی علی ارض ثم وقف البناء قصدا بدونہا ان الارض مملوکۃ لایصح وقیل صح وعلیہ الفتوٰی، واما موقوفۃ علی

ایک شخص نے کسی زمین پر عمارت بنائی پھر بالقصد عمارت کو وقف کیا بغیر زمین کے، اگر وہ زمین کسی کی مملوکہ ہے تو وقف صحیح نہیں، اور ایک قول

---

[1] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۱۸

[2] فتح القدیر باب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۲۶

ما عین البناء له جاز تبعا اجماعا وان الارض لجهة اخرٰی فمختلف فیه، والصحیح الصحة کما فی المنظومة المحبیة[1] ھ باختصار۔

میں صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ اور اگر زمین وقف ہے اسی پر جس کے لئے عمارت معین ہوئی تو عمارت کا تبعاً وقف بالاجماع جائز ہے، اور اگر زمین کسی اور جہت کے لئے وقف ہے تو اس میں اختلاف ہے صحیح یہی ہے کہ اس صورت میں بھی عمارت کا وقف صحیح ہے جیسا کہ منظومہ محبیہ میں ہے اھ باختصار (ت)۔

ردالمحتار میں ہے:

قوله والصحیح الصحة ای اذا کانت الارض محتکرة ومن هذا قال فی نفع الوسائل انه لو بنی فی الارض الموقوفة المستاجرة مسجدا انه یجوز[2] اھ ھذا ما عندی، واللّٰه سبحنه وتعالٰی اعلم۔

ماتن کا قول الصحیح الصحة (صحیح صحت ہے) اس وقت ہے جب زمین محتکرہ ہو (یعنی جس کی اُجرت بطور ماہوار یا سالیانہ مقرر ہو) اسی بنیاد پر نفع الوسائل میں فرمایا کہ اگر کسی نے موقوفہ مستاجرہ زمین پر مسجد بنادی تو جائز ہے اھ میرے نزدیک یہ ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۵: غرہ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی عنایت اللہ نے حجرہ مسجد کی دیوار پر ایک دیوار بنا کر مکان بنالیا ہے اور اسی دیوار کو سائبان کرلیا ہے اور مسجد کی محراب اور دیوار سے ملاکر ایک پیل پایہ کھڑا کرکے خاص دیوارِ مسجد میں سوراخ کرکے ایک کڑی ڈال کر چھت بنائی اور پرنالہ مسجد کی دیوار سے ملا ہوا رکھا جس سے مسجد کا ضرر ہے اور ایک کھڑکی بھی اُسی دیوار میں جو حجرہ پر بنائی گئی ہے واسطے آمدورفت چھت حجرہ کے رکھی، عنایت اللہ کو اس طریقہ سے مکان بنانا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

حرام حرام حرام، سخت گناہ، سخت کبیرہ، وہ شخص شرعاً اشد سزا کا مستحق۔ اُس پر فرض ہے کہ حجرہ مسجد پر جو دیوار بنائی ہے ابھی ابھی فوراً فوراً ڈھادے مسمار کردے، اور اس میں جو کچھ نقصان حجرہ مسجد یا دیوارِ حجرۂ مسجد کو پہنچے اُسے اپنے دامن سے ویسا ہی بنوادے جیسا پہلے بنا ہوا تھا،

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۹۱

فان کل مضمون یضمن بالقیمۃ ما خلا الوقف فیؤمر باعادتہ کما کان۔[1] فی الاشباہ والنظائر والدر المختار۔

عمارت کے ہر جز کا ضمان قیمت سے ادا کیا جاتا ہے سوائے وقف کی عمارت کے کہ اس کے اعادہ کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ وہ عمارت پہلے تھی (الاشباہ والنظائر اور درمختار) (ت)

دیوارِ مسجد میں جو سوراخ کیا ہے وہ سوراخ اس کے ایمان میں ہوگیا اس پر فرض قطعی ہے کہ اس ناپاک کڑی کو ابھی ابھی فوراً نکال لے اور دیوارِ مسجد کی ویسی ہی اصلاح کردے جیسی تھی اور اس کے سبب اس کی چھت گر پڑے اور گرانا ہی فرض ہے اور وہ ناپاک پرنالہ کہ دیوارِ مسجد سے ملا ہوا بلا استحقاق شرعی رکھا ہے اور اس میں مسجد کا ضرر ہے، لازم ہے کہ فوراً اسے اکھیڑ دے اور بند کردے، اور حجرہ کی چھت پر آمد و رفت کا اسے کوئی استحقاق نہیں، یہ ناپاک دیوار تو گرائی ہی جائے گی، اگر اسے ڈھا کر خاص اپنی زمین میں کوئی دیوار اس کے متصل بنائے تو اسے اصلاً اختیار نہیں کہ حجرہ کی چھت پر آنے جانے کو اس میں کھڑکی رکھے، یہ سب اس کی طرف سے ظلم اور سخت ظلم ہیں، اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس لعرق ظالم حق۔[2] ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ (ت) عنایت اللہ اگر ان سب احکام شرعی کو نہ مانے اور اپنے یہ سب ناپاک تصرفات فوراً [illegible] مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کی چارہ جوئی کریں، اگر اس میں کمی یا دیر کریں گے تو وہاں کے سب مسلمان جو اس پر قادر تھے اور چارہ جوئی میں دیر لگائی عذاب شدید کے سزاوار ہوں گے والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۹: از ریاست رامپور محلہ شاہ [illegible] شیخ الاسلام صاحب پانی پتی ۹ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کبوتربازی، بٹیربازی وغیرہ حرکات نامشروعہ مسجد میں کرنا اور کسی غیر کا کبوتر مینار یا دیوارِ مسجد پر بیٹھ جائے اس کے پکڑنے کے لئے اپنے کبوتر چھوڑ کر اور دانہ پانی صحنِ مسجد میں ڈال کر پکڑنا جائز ہے یا نہیں، اور ایسی بے حرمتی مسجد سے فاعل ایسے فعل کے لئے اور نیز متولی و دیگر متعلقینِ مسجد کے واسطے جو اس امر سے مانع نہ ہوں اور سکوت کریں یا شرکت اس میں کریں یا ان افعال سے رضامند ہوں پس ان کے لئے شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام سے کوئی وعید ہے یا نہیں اور وہ سب گنہگار ہوتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ۲/۹۶ و ردالمحتار کتاب الغصب بیروت ۵/۱۱۵

[2] السنن الکبرٰی، کتاب الغصب ۶/۹۹ و کتاب احیاء الموات ۶/۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۸ دار صادر بیروت

الجواب

پرایا کبوتر پکڑنا حرام ہے اور اس کا فاعل فاسق وغاصب وظالم ہے بلکہ خالی کبوتر اڑانے والا کہ اوروں کے کبوتر نہیں پکڑتا مگر اپنے کبوتر اڑانے کو ایسی بلند چھتوں پر چڑھتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا اُن کے اُڑانے کو کنکریاں پھینکتا ہے جن سے لوگوں کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچتا ہے اُس کے لئے بھی شرعاً مطلقاً یہی حکم ہے کہ اُسے نہایت سختی سے منع کیا جائے تعزیر دی جائے، اس پر بھی نہ مانے تو محتسب شرعی کا عہدہ دار اس کے کبوتر ذبح کرکے اس کے سامنے پھینک دے۔ درمختار میں ہے:

یکرہ امساک الحمامات ولو فی برجھا ان کان یضر بالناس بنظر او جلب، فان کان یطیرھا فوق السطح مطلعا علی عورات المسلمین ویکسر زجاجات الناس برمیہ تلک الحمامات عزر ومنع اشد المنع، فان لم یمتنع ذبحھا المحتسب، وصرح فی الوھبانیۃ بوجوب التعزیر وذبح الحمامات ولم یقیدہ بما مر ولعلہ اعتمد عادتھم۔[1]

کبوتر رکھنا اگرچہ اپنے برجوں میں ہوں مکروہ ہے جبکہ کبوتر باز کے لوگوں کے گھروں میں نظر کرنے یا دوسروں کے کبوتر اپنے کبوتروں میں ملانے کے سبب سے لوگوں کو ضرر پہنچے، اور اگر چھت پر چڑھ کر کبوتر اڑاتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا کنکریاں پھینکتا ہے جس سے لوگوں کے برتن اور شیشے ٹوٹ جاتے ہیں تو اسے تعزیر کی جائے، اگر باز نہ آئے تو حاکم محتسب اس کے کبوتروں کو ذبح کر دے۔ شارح وھبانیہ نے مطلق وجوب تعزیر اور کبوتروں کو ذبح کردینے کی تصریح کی ہے لوگوں کی بے پردگی کی قید کا ذکر نہیں کیا، شاید انھوں نے لوگوں کی عادت پر اعتماد کرتے ہوئے اس قید کو ترک کیا ہے۔ (ت)

اقول بلکہ اُن کا خالی اڑانا کہ نہ کسی کی بے پردگی ہو نہ کنکریوں سے نقصان، خود کب ظلم شدید سے خالی ہے جبکہ رواج زمانہ کے طور پر ہو کہ کبوتروں کو اڑاتے ہیں اور ان کا دم پڑھانے کے لئے (جس میں اصلاً دینی یا دنیوی نفع نہیں فی صدی کا خیال کہ اگلے زمانہ میں تھا اب خواب وخیال وافسانہ ہوگیا ہے نہ ہرگز یہ ان جہال کا مقصود، نہ کبھی ان سے یہ کام کوئی لیتا ہے) محض بے فائدہ اپنے بیہودہ بے معنی شوق کے واسطے اُنھیں اُترنے نہیں دیتے وہ تھک تھک کے نیچے گرتے ہیں یہ مار مار کر پھر اُڑا دیتے ہیں، صبح کا دانہ دیر تک کی محنت شاقہ پرواز سے ہضم ہوگیا بھوک سے بیتاب ہیں اور یہ غل مچا کر بانس دکھا کر آنے نہیں دیتے خالی معدے شہپر تھکے اور کسی طرح نیچے اترنے دم لینے، دانہ پانی سے اوسان ٹھکانے کرنے کا حکم نہیں۔ یہاں تک کہ گھنٹوں اور گھنٹوں سے پہروں انھیں

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۹

اسی عذاب شدید میں رکھتے ہیں، یہ خود کیا کم ظلم ہے اور ظلم بھی بے زبان بے گناہ جانور پر کہ آدمیوں کی ضرر رسانی سے کہیں سخت تر ہے،

کما سیأتی وکان ھذا ان شاء اللہ تعالٰی ملحظ اطلاق العلامۃ ابن وھبان واللہ المستعان۔

جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور گویا کہ یہ ان شاء اللہ تعالٰی علامہ ابن وہبان کے اطلاق میں ملحوظ ہے اور اللہ تعالٰی سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے۔ (ت)

بے درد کو پرائی مصیبت نہیں معلوم ہوتی اپنے اوپر قیاس کرکے دیکھیں اگر کسی ظالم کے پالے پڑیں کہ وہ میدان میں ایک دائرہ کھینچ کر گھنٹوں ان سے کاوا کلاٹنے کو کہے، جب تھکیں پست ہو کر رکیں کوڑے سے خبر لے ان کا دم چڑھ جائے، جان تھک جائے، بھوک پیاس بے حد ستائے، مگر وہ کوڑا لئے تیار ہے کہ رکنے نہیں دیتا، اس وقت ان کو خبر ہو کہ ہم بے زبان جانور پر کیسا ظلم کرتے تھے۔ دنیا گزشتنی ہے، یہاں احکام شرع جاری نہ ہونے سے خوش نہ ہوں ایک دن انصاف کا آنے والا ہے جس میں شاخدار بکری سے منڈی بکری کا حساب لیا جائے گا حالانکہ جانور غیر مکلف ہے تو تم مکلفین کہ تمہارے ہی لئے ثواب و عذاب و جنت و جہنم تیار ہوئے ہیں کس گھمنڈ میں ہو، وہاں اگر نار سقر میں کاوا کاٹنا پڑا کہ وہاں جزاء وفاقا[1] (پوری پوری جزا۔ ت) ہے تو اس وقت کے لئے طاقت مہیا کر رکھو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت امرأۃ النار فی ھرۃ ربطتھا فلم تطعمھا ولم تدعھا تاکل من خشاش الارض فوجبت لھا النار بذٰلک[2]۔ رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وجملۃ فوجبت[3] من روایۃ الامام احمد عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما۔

ایک عورت جہنم میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اُسے باندھ رکھا تھا نہ خود کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کا گرا پڑا یا جو جانور ملتا کھاتی اس وجہ سے اس عورت کے لئے جہنم واجب ہوگئی (اس کو امام بخاری نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور جملہ "فوجبت" (یعنی اس عورت کے لئے جہنم واجب ہوگئی) حضرت امام احمد بن حنبل نے بروایت سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکر فرمایا۔ ت)

اور جب کبوتر بازی بیرون مسجد اپنے گھر میں بھی حرام ہے تو مسجد میں کس درجہ اشد سخت تر حرام ہوگی بادشاہ

---

[1] القرآن الکریم ۷۸/۲۶
[2] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب خیر مال المسلم غنم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۷
[3] مسند احمد بن حنبل از مسند جابر رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/۳۳۵

جبار قہار کی ایک نافرمانی اپنے گھر میں بیٹھ کر کیجئے اور ایک نافرمانی خاص اس کے دربار میں کریہ نافرمانی کے علاوہ دربار کی توہین اور بادشاہ کو معاذ اللہ بے قدر سمجھنے پر دال ہے، اگر واقعی دل میں یہی ہو کہ مسجد کیا محل ادب ہے جس میں گناہ سے رُکئے جب تو خالص کفر ہے ورنہ جرم پہلے سے اضعافاً مضاعفہ ہو جانے میں شک نہیں،

وہ مسجد جس میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا نیکیوں کو کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ فتح القدیر میں ہے:

الکلام المباح فیہ مکروہ یاکل الحسنات[1]	مسجد میں کلام مباح بھی مکروہ ہے اور نیکیوں کو کھاجاتا ہے۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

انہ یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب[2]	بیشک وُہ نیکیوں کو یُوں کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھاجاتی ہے۔ (ت)

امام ابو عبد اللہ نسفی نے مدارک شریف میں حدیث نقل کی کہ:

الحدیث فی المسجد یاکل الحسنات کما تاکل البھیمۃ الحشیش[3]	مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔ (ت)

غمز العیون میں خزانۃ الفقہ سے ہے:

من تکلم فی المساجد بکلام الدنیا احبط اللہ تعالٰی عنہ عمل اربعین سنۃ[4]	جو مسجد میں دنیا کی بات کرے اللہ تعالٰی اس کے چالیس برس کے عمل اکارت فرمادے۔

اقول ومثلہ لایقال بالرای (میں کہتا ہُوں کہ اس قسم کی بات رائے اور عقل سے نہیں کہی جاسکتی۔ ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سیکون فی اٰخر الزمان قوم یکون حدیثھم فی مساجدھم لیس للہ فیھم حاجۃ[5] رواہ ابن حبان	آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کریں گے اللہ عزوجل کو اُن لوگوں سے کچھ کام نہیں (اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدنا

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ فصل ویکرہ استقبال القبلۃ بالفرج فی الخلاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المساجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۳

[3] المدارک (تفسیر النسفی) سورۃ لقمان آیۃ ومن الناس من یشتری دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۸۹

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۳

[5] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب المواقیت حدیث ۳۱۱ المطبعۃ السلفیہ مدینہ منورہ ص ۹۹

فی صحیحہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ ت)

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

کلام الدنیا اذا کان مباحا صدقا فی المساجد بلاضرورۃ داعیۃ الی ذٰلک کالمعتکف یتکلم فی حاجتہ اللازمۃ مکروہ کراھۃ تحریم (ثم ذکر الحدیث وقال فی شرحہ) لیس للہ تعالٰی فیھم حاجۃ ای لایرید بھم خیرا وانما ھم اھل الخیبۃ والحرمان و الاھانۃ والخسران[1]

یعنی دنیا کی بات جبکہ فی نفسہ مباح اور سچی ہو مسجد میں بلاضرورت کرنی حرام ہے ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لئے بات کرے، پھر حدیث مذکور ذکر کرکے فرمایا معنی حدیث یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہ کریگا اور وہ نامراد و محروم و زیاں کار اور اہانت و ذلت کے سزاوار ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان مسجدا من المساجد ارتفع الی السماء شاکیا من اھلہ یتکلمون فیہ بکلام الدنیا فاستقبلتہ الملٰئکۃ وقالوا بعثنا بھلاکھم[2]

یعنی مروی ہوا کہ ایک مسجد اپنے رب کے حضور شکایت کرنے چلی کہ لوگ مجھ میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ملائکہ اسے آتے ملے اور بولے ہم ان کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان الملٰئکۃ یشکون الی اللہ تعالٰی من نتن فم المغتابین والقائلین فی المساجد بکلام الدنیا[3]

یعنی روایت کیا گیا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں (جو سخت حرام اور زنا سے بھی اشد ہے) اور جو لوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں اُن کے مُنہ سے وہ گندی بدبو نکلتی ہے جس سے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور ان کی شکایت کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! جب مباح و جائز بات بلاضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں تو حرام

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۳۴ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۱۶-۱۸

[2] " " " " " " " " ۲/ ۳۱۸

[3] " " " " " " " " "

ناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا، مسجد میں کسی چیز کا مول لینا بیچنا خرید و فروخت کی گفتگو کرنا ناجائز ہے مگر معتکف کو بنی ضرورت کی چیز مول لینی وہ بھی جبکہ مبیع مسجد سے باہر ہی رہے مگر ایسی خفیف و لطیف و قلیل شَے جس کے سبب نہ مسجد میں جگہ رکے نہ اس کے ادب کے خلاف ہو اور اسی وقت اسے اپنے افطار یا سحری کے لئے درکار ہو

استثنیتہ تفقھا لانہ مادون لہ فی احضار ھذہ قطعا ولا یؤمر بالخروج للاکل والشرب۔

اس چیز کا استثناء میں نے بطور تفقہ کیا ہے کیونکہ معتکف کو اس قسم کی اشیاء مسجد میں لانے کی قطعاً اجازت ہے اور اسے کھانے پینے کے لئے خروج کا حکم نہیں کیا جائے گا (ت)

اور تجارت کے لئے بیع و شرا کی معتکف کو بھی اجازت نہیں، اشباہ میں ہے،

یمنع من البیع والشراء لغیر معتکف و یجوز لہ بقدر حاجتہ ان لم یحضر السلعۃ[1]۔

مسجد میں بیع و شراء غیر معتکف کے لئے ممنوع ہے اور معتکف کو بقدر حاجت جائز ہے جبکہ سامان مبیع مسجد میں نہ لایا جائے (ت)

ردالمحتار میں ہے،

شرط ان لا یکون للتجارۃ بل یحتاجہ لنفسہ او عیالہ بدون احضار السلعۃ[2]۔

بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو بلکہ معتکف کو اپنی ذات یا اہل و عیال کے لئے اس کی ضرورت ہو اور وہ سامان بھی مسجد میں حاضر نہ کیا گیا ہو (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و شراءکم و بیعکم و خصوماتکم و رفع اصواتکم[3] رواہ ابن ماجۃ عن مکحول عن واثلۃ و عبد الرزاق فی مصنفہ عن

اپنی مسجدوں کو بچاؤ اپنے ناسمجھ بچوں اور مجنونوں کے جانے اور خرید و فروخت اور جھگڑوں اور آواز بلند کرنے سے۔ اس کو ابن ماجہ نے مکحول سے اور انھوں نے واثلہ سے روایت کیا جبکہ امام عبدالرزاق

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب ما یفسد الصلٰوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۴۵

[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

مکحول عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(نے اپنے مصنف میں مکحول سے اور انھوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمایا۔ ت)

رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

اذا رأیتم من یبیع او یبتاع فی المسجد فقولوا لا اربح اللہ تجارتک واذا رأیتم من ینشد ضالۃ فی المسجد فقولوا لا رد اللہ علیک۔[1] رواہ الترمذی وقال حسن صحیح والنسائی وابن خزیمۃ والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جب تم کسی کو مسجد میں کچھ بیچتے یا مول لیتے دیکھو تو اس سے کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو دیکھو کہ اپنی کوئی گم شدہ چیز مسجد میں لوگوں سے پوچھتا ہے تو اس سے کہو اللہ تجھے تیری چیز نہ ملائے (اس کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ حسن صحیح ہے، نیز امام نسائی، ابن خزیمہ اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت فرمایا۔ ت)

دوسری صحیح روایت میں ارشاد فرمایا،

قولوا لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا۔[2] رواہ مسلم عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس سے کہو اللہ تیری گمشدہ چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنی ہیں کہ ان میں گمشدہ چیزوں کی تفتیش کرو (اس کو امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت فرمایا۔ ت)

سبحان اللہ! جب دوسرے کا مال بخوشی برضا و رغبت دام دے کر مول لینے کی بات چیت کرنے پر یہ احکام ہیں تو پرایا مال بلا رضا بلا اجازت غصبًا پکڑ لینے کے لئے مسجد میں اپنے کبوتر چھوڑنا، دانہ پانی ڈالنا، قابو چلے تو پکڑ لینا کس درجہ سخت اشد عظیم وبالوں کا موجب ہوگا، اور طیر بازی کہ اُن کے لڑانے سے عبارت ہے اس سے بھی سخت تر ہے کہ وہ بلا فائدہ بلاوجہ اپنے ناپاک شوق کے لئے جانوروں کو ایذا دینی ہے۔ حدیث میں ہے،

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن التحریش بین البھائم۔[3] رواہ ابوداؤد

رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا جانوروں کو باہم لڑانے سے (اسے ابوداؤد

[1] جامع الترمذی کتاب البیوع باب النہی عن البیع فی المسجد امین کمپنی دہلی ۱/۱۵۸

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب عن نشد الضالۃ فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱۰

[3] جامع الترمذی کتاب الجہاد باب ما جاء فی التحریش بین البہائم امین کمپنی دہلی ۱/۲۰۲

والترمذی وقال حسن صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اور امام ترمذی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں مسلمان پر ظلم کرنے سے ذمی کافر پر جو پناہ سلطنت اسلام میں رہتا ہو ظلم کرنا سخت تر ہے اور ذمی کافر پر ظلم کرنے سے بھی جانور پر ظلم کرنا سخت تر ہے، درمختار میں ہے:

جاز رکوب الثور وتحمیلہ والکراب علی الحمیر بلاجھد وضرب، اذظلم الدابۃ اشد من الذمی وظلم الذمی اشد من المسلم[1]

بیل پر سوار ہونا اور بوجھ لادنا اور گدھے کو ہل میں جوتنا جائز ہے جبکہ مشقت وتشدد کے بغیر ہو کیونکہ جانور پر ظلم ذمی پر ظلم سے اور ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے زیادہ بُرا ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی کمال تحقیق وتفصیل فقیر کے فتاوٰی جلد چہارم کتاب الحظر والاباحۃ میں ملاحظہ ہو، جو لوگ ان افعال شنیعہ میں شریک ہوں وہ تو ظاہر شریک ہیں اور جو شریک نہ ہوں راضی ہوں وہ بھی شریک ہیں اور گناہ عذاب میں حصہ دار، بلکہ اگر راضی بایں معنی ہوں کہ ان اعمال کو خوب ولپسندیدہ جانتے ہوں تو ان کا حکم سخت تر ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھے اور اسے اچھا جانا ہو۔ اور جو لوگ باوصف قدرت منع نہ کریں، نساد نہ کریں متولی مسجد ہو خواہ اہل محلہ خواہ غیرہ وہ سب بھی گنہگار وماخوذ وگرفتار ہیں، اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ ایک جہاز میں کچھ لوگ سوار ہیں تہ والے چھتری پر پانی بھرتے آتے چھتری والے تکلیف پاتے تہ والوں نے کہا ہم نیچے جہاز میں سوراخ کرلیں کہ یہیں سے پانی بھرلیا کریں کہ اوپر جانے میں چھتری والوں کو ایذا نہ ہو، اب اگر چھتری والے انھیں نہ روکیں اور سکوت کریں تو نہ وہ ہی نہ ڈوبیں گے بلکہ یہ اور وہ سب ڈوبیں گے اور روک دیں تو یہ اور وہ سب نجات پائیں گے۔ یہی حال گناہ کرنے والوں اور باوصف قدرت انھیں نہ روکنے والوں کا ہے[2] رواہ البخاری والترمذی عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما (اسے امام بخاری وترمذی نے نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت) اور فرماتے ہیں

---

[1] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۹

[2] صحیح البخاری باب المشرکۃ ۱/۳۳۹ وکتاب الشہادات ۱/۳۶۹ قدیمی کتب خانہ کراچی
جامع الترمذی ابواب الفتن امین کمپنی دہلی ۲/۴۰

ف: کتاب الحظروالاباحۃ مکمل بارہ جلدوں میں سے اب مطبوعہ دسویں جلد ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : پہلا نقص بنی اسرائیل میں یہ آیا کہ اُن میں ایک گناہ کرتا دوسرا اسے منع تو کرتا مگر اُس کے نہ ماننے پر اُس کے پاس اٹھنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا نہ چھوڑتا ، اس کے سبب اللہ تعالیٰ نے اُن سب کے دل یکساں کر دیے اور ان سب پر لعنت اتاری۔[1] رواہ ابو داؤد والترمذی وحسنہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اس کو ابو داؤد و ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ، ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا۔ ت) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا يفعلون۔[2] یعنی ان پر لعنت اس لئے ہوئی کہ آپس میں ایک دوسرے کو بُرے کاموں سے روکتے نہ تھے بیشک یہ اُن کا بہت ہی بُرا کام تھا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق تو نصیب فرمائے ، آمین ! واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۰ از کھنبور ضلع سورت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانان ہندوستان بہ تلاش معاش جنوبی افریقہ کے علاقہ ٹرانسوال میں جاکر آباد ہوئے ، انھوں نے اس ملک میں مسجدیں بنائیں ، اب وہاں کی گورنمنٹ نے ان پر طرح طرح کے ظلمی قانون نافذ کر رکھے ہیں جن کی وجہ سے ان کا رہنا وہاں مشکل ہو گیا ہے ، پس اگر یہ لوگ وہاں سے نقل مکان کریں تو دوسرے مذہب کے لوگ یقیناً مسجدوں کے مالک بن کر اُن کو اپنے تصرف میں لا ئیں گے ، لہذا اس جگہ سے اثاث مسجد کو منتقل یا فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اس سے مسجدیں بنائی جائیں تو درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر ٹرانسوال میں کبھی سلطنت اسلامی نہ ہوئی تھی جیسا کہ یہی ظاہر ہے یا ہوئی تھی اور پھر ایسی غیر قوم کا تسلط ہو گیا جس نے شعائر اسلام مثل جمعہ و جماعت و اذان وغیرہا کی یکسر بندش کر دی اگرچہ بعد کو اسی قوم یا اس کے بعد کسی اور قوم نا مسلمان نے اجازت بھی دے دی ہو جب تو نہ مسلمان کو اُس میں وطن بنانے کی اجازت ہے نہ وہ مسجدیں مسجدیں ہوئیں کہ بنی مسجد الی بریۃ کما فی الفتاوی العالمگیریۃ بل اضعف و

---

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدۃ امین کمپنی دہلی ۲/۱۳۰
سنن ابو داؤد کتاب الملاحم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۴۰

[2] القرآن الکریم ۵/۷۹

بطل (یہ تو جنگل میں مسجد بنانے والے شخص کی طرح ہوا جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے جبکہ ان مساجد مذکورہ کا حکم تو اس سے بھی زیادہ ضعیف اور کمزور ہے۔ ت) اس حالت میں بلاتکلف اُن مکانات کو جنھیں مسجد سمجھے ہوئے ہیں مع زمین وعملہ سب بیچ ڈالیں اور بیچ نہ سکیں تو عملہ توڑ کر جہاں چاہیں لے جائیں یہ عملہ یا قیمت بانیوں کی ملک ہیں اور اگر اس علاقہ میں پہلے سلطنت اسلام ہو چکی تھی اور بعد کی قوموں نے بھی جملہ شعائر اسلام کی بندش نہ کی بلکہ بعض ہمیشہ جاری رہے اور اب جاری ہیں تو اس صورت میں اگر مسلمانوں کو ان میں توطن جیسے مسجد کی اجازت تھی مگر جب حالت وہ ہے جو سوال میں مذکور ہوئی تو عملہ بیچ کر یا بعینہٖ دوسری جگہ لے جانے اور وہاں اُس سے مسجد بنانے کی اجازت ہے۔

عن ما فصله وانقحه العلامة الشامی رحمه الله تعالٰی فی ردالمحتار وذکر ندامته علی افتائه من قبل بخلاف ذٰلك فلیراجع الیه۔ والله تعالٰی اعلم۔

اس مسئلہ کی تفصیل وتنقیح علامہ شامی نے ردالمحتار[1] میں فرمائی اور اس سے قبل حکم مذکور کے خلاف اپنے جاری کردہ ایک فتوے پر افسوس وندامت کا اظہار کیا اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں: ا ب ج د ہ ایک مسجد ہے، ا مسجد، ب صحن مسجد، ج نالی مسجد برائے وضو، د نالی مسجد، ہ متعلق صحن مسجد۔ سوال یہ ہے کہ مقام ہ پر نماز پڑھنا اسی قدر ثواب رکھتا ہے جس قدر مکان ا پر نماز پڑھنے سے ثواب ہے کیونکہ مقام ہ جمیع اہلِ محلہ کی رائے سے بڑھایا گیا ہے۔

الجواب

جبکہ وہ زمین متعلق مسجد تھی اور جمیع اہلِ محلہ کی رائے سے جزوِ مسجد کرلی گئی تو اب وہ مسجد ہوگئی اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں۔

فی الهندیة عن المضمرات عن الکبرٰی مسجد اراد اهله ان یجعلوا الرحبة مسجدا فلهم ذٰلك اھ[2] وفیها عن الخلاصة وقف علی مسجد والارض بجنب ذٰلك

ہندیہ میں مضمرات سے بحوالہ کبرٰی مذکور ہے کہ ایک مسجد والوں نے چاہا کہ برآمدہ کو مسجد بنالیں تو انھیں یہ اختیار ہے۔ اسی میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ایک زمین مسجد پر وقف ہوئی اور مسجد کے پہلو میں ایک وقف

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۷۰
[2] فتاوٰی ہندیہ ر الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۶

المسجد واراد اهله ان یزیدوا فی المسجد شیئا من الارض جاز لکن یرفعون الامر الی القاضی لیاذن لهم ومستغل الوقف کالدار والحانوت علی هذا[1] اھ ومثله فی ش عن البحر عن الخانیة وفیه عن الفتح ولو ضاق المسجد وبجنبه ارض وقف علیه حانوت جاز ان یؤخذ ویدخل فیه[2] اھ ومعلوم ان الجماعة کالقاضی حیث لا قاضی وفی الدر المختار لم یخص ثواب الصلٰوة فی مسجده صلی الله تعالٰی علیه وسلم بما کان فی زمنه[3]۔ والله تعالٰی اعلم۔

زمین خالی پڑی ہے مسجد والوں نے چاہا کہ اس خالی زمین کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرکے مسجد میں اضافہ کرلیں تو جائز ہے، لیکن وُہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں تاکہ وُہ انھیں ایسا کرنے کا اذن دے دے، اور وقف آمدنی کے لئے گھر اور دکان کا بھی یہی حکم ہے اھ اور اسی کی مثل ش میں بحر سے بحوالہ خانیہ ہے اور اسی میں فتح سے منقول ہے کہ اگر کوئی مسجد تنگ ہو اور اس کے پہلو میں اسی مسجد کے لئے ایک وقف زمین ہے جس پر دکان بنی ہوئی ہے تو اس کو (بغرض توسیع) مسجد میں داخل کرلیا جائز ہے اھ اور یہ بات معلوم ہے کہ جہاں قاضی نہ ہو وہاں جماعت مسلمین قاضی کی مانند ہے، اور درمختار میں ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب صرف اسی مسجد کے ساتھ مختص نہیں جو عہد رسالت میں تھی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۲: از ضلع کھیری ڈاکخانہ مونڈا سمو داراں مقام نجیب نگر مسئولہ سردار محبوب رحمان خان تعلقدار
۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

عالیجناب حاجی مولوی احمد رضا خان صاحب زاد فیوضکم، پس از تسلیم مسنون نیاز مشحون! گزارش مدعایہ ہے کہ راقم نے جو مسجد جدید تعمیر کرائی اس میں ایک مختصر سا باغیچہ ہے جس میں اکثر اشجار ثمردار ہیں اور مرچیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ آپ کی خدمت میں التماس ہے کہ براہِ کرم حکم شرع شریف سے معزز فرمایئے کہ ان اشیاء کا استعمال جائز ہے یا نہیں، اگر استعمال جائز ہے تو کس طریقے سے، جواب سے معزز

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶
[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۲
[3] درمختار

کیا جاؤں۔

الجواب

خاص مسجد میں باغیچہ ہونے کے تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر یوں ہے کہ جس زمین کا ایک قطعہ مسجد کیا ہے اُس کے دوسرے قطعہ میں باغیچہ ہے تو اس صورت میں اگر باغیچہ مسجد پر وقف نہ کیا گیا تو وہ ملک اصل مالک پر باقی ہے اسے اختیار ہے کہ اُس کے پھل جو چاہے کرے، اور اگر وہ بھی مسجد پر وقف کردیا ہے تو اب اپنے صرف میں لانا اُسے جائز نہیں بلکہ پھل بیچ کر مسجد کے صرف میں لائے۔ اور اگر واقف نے یوں کیا ہے کہ جس زمین میں باغیچہ ہے خود اُسی کو مسجد کردیا ہے یعنی باغیچہ کو وقف علی المسجد نہ کیا بلکہ خود اُس کی زمین کو مسجد کردیا تو اس کے پھل توڑ کر اپنے صرف میں لائے اور درخت کاٹ کر زمین ہموار کرکے مسجد بنائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۲۳: مسئولہ منشی حاجی محمد ظہور صاحب ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اہلسنت وجماعت تابع شرع زین محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک مسجد لب سڑک شارع عام جس کے تین طرف راستہ اور دو دوکانیں شرقی وجنوبی متصل بازار ہے اس کے بانی جو تھے وہ لاوارث گزرگئے ہیں اب وہ صفائی ونگرانی اہل محلہ کرتے ہیں، چند عرصہ ہوا ایک مساۃ نے از قول پنجابیان اس قدر مسجد میں اضافہ کیا ہے یعنی ایک درجہ مع مسافرخانہ زیر وبالا وچاہ اندرون مسجد ودو غسل خانہ مسقف وسقایہ ودو کار دروازہ مسجد وبلندی مینار ہائے مع کلس طلائی واز سر نو فرش واستر کاری والماریاں وحجرہ ودکانات زیریں برائے صرف مسجد تعمیر کرگئیں، ملحقہ مسجد مکان ایک شخص کا ہے جس نے بعد اس کی تعمیر کے چند عرصہ کے بعد اپنے مکانات کو بلند کیا اور دیوار پاکھانے مسجد پر اپنے بالاخانہ کی دیواریں اور دروازے لگائے جس میں مینار مسجد کے آگئے اور بذریعہ ایک دروازہ کے جو چھت مسجد پر ہے آمد ورفت آدمیوں اور عورتوں کی اکثر چھت مسجد پر رہتی ہے اور مسافرخانہ کی چھت پر اپنی کھپریل رکھ لی اور حجرہ مسجد کی چھت کو اپنے بالاخانہ کے صحن میں ڈال لیا اس شخص کو ہر چند منع کیا مگر نہ مانا، زبانی ور تحریر کے ذریعہ سے اس نے ظاہر کیا کہ یہ مسجد وقف نہیں ہے یہ مسجد دار کا حکم رکھتی ہے مثل حمام اور چاہ کے میرے مورثان کی ہے اور اب میری ہے یہ مال موقوف نہیں ہے میری جائداد ہے حالانکہ اس مسجد میں نمازیں باجماعت پنجگانہ اور تراویح رمضان شریف وختم قرآن مجید ونماز جمعہ وعیدین بہ ہجوم نمازیان محلہ ودیگر مسلمانان مدام پڑھتے ہیں اور پابندی امامت وموذنی وقیام طلبا ومسافران کی رہتی ہے تو ایسی صورتوں میں یہ مسجد حکم وقف کا رکھتی ہے یا مکان کا جو وراثۃً پہنچ سکتا ہے مع حوالۂ کتاب وصفحہ کے جواب عطا فرمایا جائے۔

الجواب

وہ مسجد یقیناً مسجد ہے، شخص مذکور کا اُسے گھر دار میں جانا اور اپنے مورثوں کی ملک ٹھہرانا ظلم و غصب ہے اور واحد قہار کی ملک دبا بیٹھنا ہے جب وہ عام طور پر مسجد مشہور ہے، مدتوں سے پنجگانہ جماعتیں جمعے، عیدیں، تراویح وغیرہا مثل عام مساجد ہوتی ہیں، کوئی حق ملک اس میں غیر خدا کے لئے ثابت نہیں تو اُسے مسلمان تو مسلمان جو غیر مذہب والا بھی دیکھے گا مسجد ہی جانے گا، شخص مذکور کے باپ دادا کی دار ہونے کا صلاً گمان بھی نہ کر سکے گا، صورت مسجد کی صفت مسجد کی برتاؤ مسجد کا، شہرت مسجد کی، ایسے روشن ثبوتوں کے بعد بھی کسی غاصب کا دعویٰ مالکیت سُنی لیا جائے تو ظالم لوگ تمام جہان کی مسجدیں دبا بیٹھیں، جس کے گھر کے پاس جو مسجد ہو وہ کہہ دے کہ اس کے باپ کا دار یا دادا کا حمام ہے، آج کل دو چار آنے تک گواہیاں سستی ہوگئی ہیں، آٹھ آنے میں دو گواہ دے دے، چلئے فراغت شد، اللہ واحد قہار کی مسجد اُن کے باپ دادا کا ترکہ ہوگئی، تمام ہندوستان میں وہ گنتی کی نئے مسجدیں ہیں جن کے باضابطہ وقفنامے لکھے گئے ہیں اور وہ دستاویزیں محفوظ ہوں اور اُن کے شاہد موجود ہوں تو یہ وہ ظالمانہ طریقہ ہے جس سے دنیا بھر کی تمام مسجدیں ظالموں غاصبوں کا گھر بن جائیں، اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا اور ظلم بھی کیسی حماقت کا جسے مسلمین تو مسلمین کوئی مجنون یا غیر مذہب بھی قبول نہیں کرسکتا، بھلا مسجد تو مسجد ہے جس کی صورت جس کی محراب جس کے منارے وغیرہا دور دور سے گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ واحد قہار کا گھر ہے۔ تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ عام وقفوں کے ثبوت کو صرف شہرت کافی ہے پھر اس سے زیادہ اور شہرت کیا ہوگی کہ تمام مسلمان اسے مسجد جانتے ہیں، مسجد کہتے ہیں، اذانیں ہوتی ہیں، پنجگانہ جماعتیں ہوتی ہیں۔ جمعہ عیدین تراویح یا ختم کی امامتیں ہوتی ہیں۔ مسلمان اپنے مصارف سے اس کی مرمت، اُس میں اضافہ، اس کی عمارت کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں اس کے مسجد ہونے میں وہی شبہہ کر سکتا ہے جو نرا مجنون ہو یا جن کا تازہ پکڑا ہوا جس نے کبھی مسجد کا نام نہ سنا یا پکا بے دین بے حیا جو ساری دنیا کی آنکھوں پر اندھیری ڈال کر خدا کا مال غصب کرنا چاہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ درمختار جلد ۳ صفحہ ۴۲۳ میں ہے:

تقبل فیہ الشہادۃ بالشہرۃ حفظاً للاوقاف القدیمۃ عن الاستھلاک[1] — وقف میں شہادۃ شہرت بھی مقبول ہے تاکہ اوقاف قدیمہ ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں۔ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں جلد چہارم ص ۲۲۳ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹

اذا شهد الشهود بما تجوز به الشهادة بالسماع وقالوا لم نعاين ذلك ولكنه اشتهر عندنا جازت شهادتهم[1]۔

جب گواہوں نے ان معاملات میں گواہی دی جن میں شہادت سماعت جائز ہے، اور کہا کہ ہم نے معائنہ نہیں کیا لیکن یہ ہمارے نزدیک مشہور ہے تو ان کی گواہی جائز ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری جلد سوم ص ۴۳۰ میں ہے:

وتقبل الشهادة فی الوقف بالتسامع وان صرحا به لان الشاهد ربما يكون سنه عشرين سنة وتاريخ الوقف مائة سنة فيتيقن القاضی ان الشاهد يشهد بالتسامع لا بالعيان فاذن لا فرق بين السكوت والافصاح اشار ظهير الدين المرغينانی الى هذا المعنى كذا فی الفصول العمادية[2] ملتقطا۔

وقف میں شہادتِ تسامع یعنی سماعت کی گواہی مقبول ہے اگرچہ گواہ سماعت کی تصریح کردیں کیونکہ بسا اوقات گواہ کی عمر بیس سال ہوتی ہے اور وقف سو سال سے ہوتا ہے، چنانچہ قاضی کو یقین سے علم ہوتا ہے کہ گواہ سنی ہوئی گواہی دے رہا ہے ذکر دیکھی ہوئی، لہٰذا اس صورت میں سماع سے خاموشی اور تصریح کرنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ ظہیر الدین مرغینانی نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ فصول عمادیہ میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ جلد دوم ص ۲۰ میں ہے:

فی الكنز ولا يشهد بما لم يعاينه الا فی النسب والموت والنكاح والدخول وولاية القاضی واصل الوقف ومثله فی اسعتاد وتنوير الابصار والحاصل من هؤلاء اطلق فعم المتقادم وغيره[3] الخ۔

کنز میں ہے کہ جب تک گواہ نے معاینہ نہ کیا ہو وہ گواہی نہیں دے سکتا سوائے نسب، موت، نکاح، دخول، ولایتِ قاضی اور اصل وقف کے، اور مختار و تنویر الابصار میں بھی اسی کی مثل ہے اور ان سب نے مطلق رکھا قدیم و جدید کو عام ہیں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الشہادات فصل فی الشاہد یشہد الخ نولکشور لکھنؤ ۵۵۵/۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب السادس فی الدعوی نورانی کتب خانہ پشاور ۴۳۰/۲

[3] فتاوٰی خیریۃ کتاب الشہادات دار الفکر بیروت ۲۹/۲

ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۲ و ۱۰۵ میں ہے:

اما الوقف فالصحیح انہ تقبل الشہادۃ بالتسامع فی اصلہ دون شرائطہ لان اصلہ ھو الذی یشتہر[1]

صحیح یہ ہے کہ شہادۃ تسامع اصل وقف میں جائز و مقبول ہے نہ کہ شرائط وقف میں، کیونکہ اصل وقف ہی شہرت پذیر ہوتا ہے۔ (ت)

بالجملہ شخص مذکور کا قول محض مدفوع و سخت باطل و نامسموع ہے، اس پر فرض ہے کہ مسجد کے مناروں دیواروں اور اس کی اور اس کے حجرہ وغیرہ کی چھتوں کو اپنے ظالمانہ تصرفوں سے فوراً پاک کردے، جو کچھ عمارت مسجد کے پیچھے وغیرہ کسی پر بنائی ہے فوراً ڈھادے، جتنی راہیں اس کے یا کتوں کے آنے جانے کی مسجد یا حجرہ مسجد کی سقف پر ہیں فوراً بند کردے، وہ نہ مانے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ باضابطہ چارہ جوئی کرکے اس کا دستِ تعدی مسجد سے کوتاہ کریں اور بالجبر ان ناپاک تصرفات کو مسجد سے دور کرادیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: مرسلہ حکیم سراج الحق صاحب بریلی مسجد بدر الاسلام ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۲۰ھ دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عرصہ ۳ سال سے خارج از مسجد یعنی حوالی مسجد کی اراضی میں مکان بنالیا ہے، اس میں رہتا ہے، اس نے پہلے سے یعنی [illegible] سے اس مکان میں کچھ مرغیاں کے بچے واسطے اپنے کھانے کے خرید کرکے پرورش کری جب اس کو فہمائش کی گئی تو اس نے فوراً مرغیوں کو علیحدہ کردیا اور بحضوری قلب اللہ تعالٰی سے توبہ کی دل سے کہ علاوہ اس کے اور جو الزام کہ مجھ سے [illegible] کے لگائے گئے تھے ان سے بھی توبہ کرتا ہے، اور کہا کہ یہ محض مجھ پر جھوٹا اتہام ہے آیا اس توبہ بحضوری قلب سے نزدیک خداوند عالم کے پاک ہوگیا یا نہیں؟

الجواب

اللہ توبہ قبول کرتا ہے اگر اس نے سچے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ تعالٰی کے نزدیک اس گناہ سے پاک ہوجائے گا مگر حوالی مسجد یعنی فنائے مسجد میں جدید مکان بطور خود بنالینا اور اس کو اپنا مسکن کرلینا اور وہیں پاخانہ پیشاب کرنا یہ بھی حرام ہے اس کی توبہ بھی جب ہے کہ اپنے ان تصرفات کو بھی زائل کرے اور مسجد کو گھر نہ بنائے حوالی مسجد کا حکم بھی مثل مسجد ہوتا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

بمسجد اذا جعل حانوتا او مسکنا تسقط

یعنی مسجد کو اگر دکان یا مکان بنالیا جائے تو اس کی

---

[1] الہدایۃ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۹-۱۵۸

حرمتہ وھذا لایجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی[1]۔	حُرمت ساقط ہوگی بے ادبی بے حرمتی ہوگی اور یہ حرام ہے اور فنائے مسجد تابع مسجد ہے تو اس کا حکم بھی مثل حکم مسجد ہے، ایسا ہی محیط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے۔

اور یہ خیال کہ بہت مساجد میں مکان پیش امام ومؤذن کی سکونت کو بنے ہوئے ہیں نفع نہ دے گا، علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد بن جانے سے پہلے اگر بانی مسجد ایسا کوئی مکان بنا دے تو جائز ہے اور اس کے بعد اگر خود بانی مسجد آئے اور بنانا چاہے تو اجازت نہ دیں گے اگرچہ وہ یہ ظاہر کرے کہ اول ہی سے میری نیت اس کے بنانے کی تھی، درمختار میں ہے:

لو بنی فوقہ بیتا للامام لایضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیۃ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اگر مسجد کے اوپر واقف نے امام کے لئے مکان بنایا تو حرج نہیں کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن جب مسجدیت تام ہوجائے پھر اس پر مکان بنانا چاہے تو اس کو منع کیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ میں نے پہلے سے اس کا ارادہ کیا تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود

واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہوسکتی ہے، لہذا ایسے مکان کو گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از احمد آباد گھیسا محلہ خانشہ مرسلہ عبدالرحمن صاحب مع جماعت ۱۰ شعبان ۱۳۲۹ھ

حضرت مولانا ومخدومنا فاضل اجل عالم بے بدل مولوی احمد رضا خاں صاحب! بعد آداب وتسلیمات کے آپ کی خدمت فیضدرجت میں دست بستہ ملتمس ہوں کہ یہاں احمد آباد میں اسلام میں رخنہ اندازی ہورہی ہے آپ کو اللہ عزوجل نے وارث انبیاء کیا ہے واسطہ اسلام میں اتفاق رکھنے کے بجائے اس کے اسلام میں نفسانیت کی وجہ سے نااتفاقی ازحد پھیل رہی ہے، کئی فتووں پر آپ کی مُہر دیکھی جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر دو جانب کی گفت وشنید نہیں سنتے، ایک ہی طرف کی بات سُن کر حکم لگانا ناانصافی ہے، خیر یہاں ایک جھگڑا پڑا ہے، مسجد ایک مدت سے بن گئی تھی اور

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۶۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

ایک مسجد اب بن رہی ہے، ہر دو جانب کے فتوے نکلے ہیں مذکورہ دو فتوے آپ کی خدمت اقدس میں روانہ ہیں بغور ملاحظہ فرما کر جو حکم صحیح ہو روانہ کریں، آپ کی حق تحریر آنے سے ان شاء اللہ العزیز شر مٹ جانے ایسی امید ہے، والسلام۔

نقل فتوائے بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر احمد آباد میں محلہ تاجپور، پانچ پیلی میں سنت جماعت چھیپوں کی جماعت میں عرصہ چند روز کا ہوا اختلاف دنیویہ کی وجہ سے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں، ایک طرف آٹھ سو گھر ہیں اور ایک طرف پچاس گھر ہیں، دونوں فرقوں نے مکان مسجد بنانے کے لئے خرید کئے، چھوٹی جماعت نے مسجد کی بنیاد ڈالنی شروع کی، ان کو بڑی جماعت کی جانب سے سمجھایا گیا کہ تمہاری مسجد کی مغرب کی جانب بڑی جماعت کا مکان ہے، ان دونوں مکانوں کو مسجد بناؤ اور بنانے میں ہم دل کی مدد میں شریک رہیں گے، انھوں نے یہ وعدہ کیا کہ ہم فی الحال مسجد بناتے ہیں اور جب مغرب کی جانب مسجد بڑی جماعت والوں کی بنے گی تو ہم بیچ کی دیوار توڑ ڈالیں گے اب بڑی جماعت کی بھی مسجد قریب تیار ہونے کے ہے، اب چھوٹی جماعت کو کہا جاتا ہے کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کر دو، اب چھوٹی جماعت کے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کرنا ناجائز ہے، اب علمائے اہلسنت ہم فہم کی خدمات عالیہ میں عرض ہے کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کرنے سے نمازیوں کو گنجائش نماز کی اچھی طرح سے ہو جائے گی، اب اس صورت میں بیچ کی دیوار کو توڑ کر مسجد کو ایک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کی دیوار چھوٹی جماعت والے توڑنے کا انکار کریں تو ان کی مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

ہاں اہل محلہ کو اختیار ہوتا ہے کہ نماز کے لئے دو مسجدوں کو ایک کر دیں، اس کو ناجائز کہنا محض غلط و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

لهم ای لاهل المحلة نصب متولی وجعل المسجدین واحدا وعکسه لصلٰوة لا لدرس او ذکر فی المسجد[1] اھ۔

اہل محلہ کو اختیار ہے کہ وہ مسجد کا متولی مقرر کریں، اور یہ بھی اختیار ہے کہ دو مسجدوں کو ایک یا ایک کو دو کرلیں نماز کے لئے نہ کہ درس وذکر کے لئے اھ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب ما یفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

مگر چھوٹی جماعت والے اگر خوف نزاع وجدال وغیرہ کسی مصلحت صحیحہ شرعیہ کے باعث دیوار توڑ کر مسجدیں ایک کرنے سے انکار کریں تو ان پر بھی جبر نہیں پہنچتا کہ جب ایک مسجد کو دو کرلینا جائز ہے کما تقدم عن الدرر ان لھم جعل مسجد واحد مسجدین (جیسا کہ درر کے حوالے سے گزرا کہ ایک مسجد کو دو کرنے کا اہل محلہ کو اختیار ہے۔ ت) تو دو کو دو رکھنا کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے، ہاں اگر اصلاً کوئی وجہ شرعی نہ ہو صرف ضد کے سبب تفریق جماعت کریں تو ان کی بات نہ سنی جائے گی کہ اس صورت میں وہ متعنت یعنی بیجا ہٹ کرنے والے ہیں اور متعنت کا قول مسموع نہیں ہوتا،

فی الھدایۃ وغیرھا من القسمۃ الاول منتفع به فیعتبر طلبه والثانی متعنت فلا یعتبر[1]

ہدایہ وغیرہ میں قسمت کے باب میں ہے کہ اول اس سے نفع حاصل کرنے والا ہے لہذا اس کا مطالبہ معتبر ہے اور ثانی ہٹ دھرمی کرنے والا ہے اس کا مطالبہ معتبر نہیں (ت)

درمختار میں قبیل استصناع ہے:

الاصل ان من جری کلامه تعنتا فالقول لصاحبه بالاتفاق[2]

قاعدہ یہ ہے کہ جس کا کلام تعنت یعنی ہٹ دھرمی پر مبنی ہو اس کے مخالف کا قول بالاتفاق معتبر ہوگا۔ (ت)

تو حسب صوابدید اکثر اہل جماعت اس دیوار فاصل کو علیحدہ کردیا جائے گا، ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیۃ سئل ابو القاسم عن اھل مسجد اراد بعضھم ان یجعلوا المسجد رحبۃ والرحبۃ مسجدا او یتخذوا له بابا او یحولوا بابه عن موضعه وابی البعض ذلک قال اذا اجتمع اکثرھم و افضلھم لیس للاقل منعھم[3]

تاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابوالقاسم سے یہ سوال کیا گیا کہ بعض اہل مسجد ایک مسجد کو صحن اور صحن کو مسجد بنانا، مسجد کا دروازہ بنانا اور سابق دروازہ کو اس کی جگہ سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں جبکہ بعض اس کا انکار کرتے ہیں تو کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا کہ اکثر و افضل حضرات متفق ہیں تو اقل کو اختیار نہیں کہ انھیں منع کریں (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ٤/ ٤١١

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ٤٩

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٨٣

یوں ہی اگر اُس دیوار و تعدد کے باعث اہلِ محلہ پر مسجد میں تنگی کرتی ہیں کہ ایک تو دیوار نے جگہ گھیری دوسرے دو اماموں کے باعث کمی ہوتی کہ خود امام ایک صف کامل کی جگہ لیتا ہے اس وجہ سے اہلِ محلہ دونوں مسجدوں میں پورے نہیں آتے اور دیوار توڑ کر ایک جماعت کردینے سے وسعت ہوجائیگی تو اس صورت میں وہ دیوار تو ہی نخواہی جدا کردی جائیگی کہ تنگی مسجد کی ضرورت سے اُس کے قریب کی زمین یا مکان یا دکان مملوک بلا رضامندیِ مالک بقیمت لینے کا اختیار حاکم کو ہے تو مسجد کو مسجد میں ملا لینا بدرجۂ اولٰی، درمختار میں ہے :

لو ضاق المسجد و بجنبه ارض و دار و حانوت بجنب مسجد ضاق علی الناس بالقيمة كرها درر وعمادية[1]	مسجد اگر تنگ ہو تو اس کے پہلو میں جو زمین ، مکان یا دکان ہے وہ قیمت دے کر جبراً مسجد میں داخل کی جاسکتی ہیں ، درر و عمادیہ ۔ (ت)

اور بہرحال چھوٹی جماعت والوں کے انکار رکھنے سے اُن کی مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں خواہ ان کا انکار سنا جائے یا نہیں کہ آخر وہ مسجد ہی ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ عبدالنبی نواب مرزا عفی عنہ — الجواب صحیح ۔ واللہ تعالٰی اعلم

نقل فتوائے دہلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس میں پنجگانہ نماز ۳۰ برس سے ہورہی تھی متصل اُس کے دوسری ثانی مسجد بنائی گئی اس ضد پر کہ محلہ والوں کے دو گروہ ہوجائیں اور آپس میں تفرقہ پڑجائے اور اگلی مسجد کی آبادی میں فرق آئے پس اس ثانی مسجد کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا اس میں نماز جائز ہے یا نہیں اور اس کو مسجد کی تعمیر کا حکم دیا جائے یا نہیں ؟

---

[1] درمختار — کتاب الوقف — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۳۸۲

الجواب

صورتِ مسئولہ میں مسجد ثانی مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے یعنی اس میں نماز پڑھنا منع ہے، اور حاکم وقت کو چاہئے کہ اس کو مسجد کی صورت میں نہ رہنے دے خواہ اس کو منہدم کرادیا جائے یا کوئی مکان دوسرا بنادے جیسا کہ تفسیر جامع البیان میں آیۂ والذین اتخذوا مسجدا ضرارا[1]۔ اور وہ لوگ جنھوں نے ضرر کے لئے ایک مسجد بنائی (ت) کی تفسیر میں لکھا ہے عبارت اس کی بلفظہ یہ ہے:

فلما اتموا بناءہ اتوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین رجع من تبوک وقالوا انا بنینا مسجدا للضعفاء واھل العلۃ واللیلۃ المطیرۃ ونحن نحب ان تصلی فیہ وتدعو بالبرکۃ فنزلت فیھم فامر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھدمہ فھدموہ واحرقوہ (لا تقم فیہ) فی ذلک المسجد ابدا[2]

جب انھوں نے مسجد کی تعمیر مکمل کرلی تو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام تبوک سے واپس تشریف لائے اور کہا کہ یا رسول اللہ! ہم نے کمزوروں، بیماروں اور رات کی تاریکی میں نماز پڑھنے والوں کی خاطر مسجد بنائی ہے۔ ہماری تمنا ہے کہ آپ اس میں برکت کے لئے دعا فرمائیں تو اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کی تکذیب میں یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی، چنانچہ رسول کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس مسجد کے گرانے کا حکم دیا لہٰذا لوگوں نے مسجد کو گرا کر جلادیا، اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں کبھی بھی نماز کے لئے قیام نہ فرمائیں۔ (ت)

محمد عبدالحق

نقل فتوائے ایران

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص محض بغرض نفسانیت اور عداوت در ضرر مسجد قدیم (یعنی جو پہلے بنی ہوئی ہو) مسجد بنائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور ایسی مسجد بنائی جائے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[2] جامع البیان تحت آیۃ ۹/ ۱۰۷ دارنشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ۱/ ۳۰۶

الجواب

ھو اللہ تعالٰی اعلمھم بالحق والصواب ، بلا شبہ جو مسجد بغرض نفسانیت وعداوت کے بوضرر مسجد قدیم کے تیار کی جائے حکم مسجد ضرار رکھتی ہے اور ایسی مسجد کی بناء موجب ثواب نہیں بلکہ موجب نکال ہے ، چنانچہ تفسیر مدارک وکشاف میں اس آیت کے نیچے مرقوم ہے :

والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ولیحلفن ان اردنا الا الحسنٰی واللہ یشھد انھم لکذبون[1]

اور جنھوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضرر پہنچانے اور کفر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور تھانگ اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور رسول سے آگے کا اور اب قسمیں کھائیں گے کہ بھلائی چاہتے تھے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ۔

قیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار انتھی[2]

کہا گیا ہے کہ جو مسجد بھی تفاخر ، ریاکاری ، مشہوری یا طلب رضاء الٰہی کے علاوہ کسی غرض کے لئے بنائی جائے یا ناپاک مال سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار سے ملحق ہوگی انتہی ۔ (ت)

اور کشاف میں ہے :

عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی ید عمر امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی مدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ[3] انتھی ۔

حضرت عطاء سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ بہت سے شہر فتح فرمائے تو آپ نے مسلمانوں کو مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ایک شہر میں دو مسجدیں نہ بنانا تاکہ ایک سے دوسری کو ضرر نہ پہنچے ۔ انتہی (ت)

اور صاحب تفسیر احمدی نے لکھا ہے :

---

[1] القرآن الکریم ٩/ ١٠٧

[2] تفسیر النسفی (المدارک) تحت ٩/ ١٠٧ دار الکتاب العربی بیروت ٢/ ١٣٥

[3] الکشاف (تفسیر) " " انتشارات آفتاب تہران ایران ٢/ ٢١٣

فالعجب من البعض المتعصبين فی زماننا یبنون فی کل ناحیۃ مساجد طلبا للاسم والرسم واستعلاء لشانھم واقتداء بآبائھم ولم یتاملوا فی ھذہ الآیۃ والقصۃ مع شناعۃ حالھم وسوء فعالھم[۱] انتہی

ہمارے زمانے کے متعصب مشائخ پر تعجب ہے کہ شہرت و رسم، اپنی رفعتِ شان اور اپنے آباء و اجداد کی اقتداء کے لئے ہر کونے میں مسجدیں بنالی ہیں اور اس آیت کریمہ اور ان لوگوں کی بد افعالی اور بدحالی کے قصے میں غور نہیں کیا انتہی (ت)

کتبہ العبد بدیع الدین ابن سید شرف الدین صاحب مشہدی ثم الاحمد آبادی عفا اللہ تعالٰی عنہما

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم۔

مکرم کرم فرمایان سلمکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ مع فتاوٰی فریقین ملا، فقیر نے آپ کے فرمانے سے یہاں کے فتوے پر مکرر نظر کی، دوسری طرف کے فتاوٰی کو بھی دیکھا جو یہاں سے لکھا گیا خالص حق و صحیح ہے اس میں بحمد اللہ تعالٰی کسی کی طرفداری نہیں حکم شرعی بیان کیا ہے کسی کے مخالف موافق ہو اس سے بحث نہ کی جاسکتی ہے کیا آپ نے اُس میں یہ لفظ نہ دیکھے کہ چھوٹی جماعت والے اگر غربت وبدحالی وغیرہ کی مصلحت شرعیہ کے باعث دیوار توڑ کر مسجدیں ایک کرنے سے انکار کریں تو اُن پر جبر بھی نہیں پہنچتا، کیا آپ نے اس میں یہ لفظ نہ دیکھے کہ بہرحال چھوٹی جماعت والوں کے انکار سے اُن کی مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اُن عبارات کو دیکھ کر آپ حضرات نے فریق اول کی طرفداری سمجھی، ان عبارات کو دیکھ کر وہ فریق آپ کی طرفداری سمجھا، خلاصہ یہ ہوگا کہ دونوں فریق کی طرفداری ہے یعنی کسی کی طرفداری نہیں صرف بیان حکم سے غرض ہے والحمد للہ رب العالمین۔ اور یہ الزام کہ آپ ہر دو جانب کی گفتگو نہیں سنتے ایک ہی طرف کی بات سن کر حکم لگانا ناانصافی ہے اگر آپ انصاف فرمائیں تو یہ الزام محض بے محل ہے یہاں فتوٰی دیا جاتا ہے دارالقضا نہیں کہ فریقین کے بیان سننا تحقیقات امر واقع کرنا لازم ہو مفتی تو صورتِ سوال کا جواب دے گا اس سے اُسے بحث نہیں کہ واقع کیا ہے نہ فریقین کا بیان سننا اس پر لازم نہ اُس کا کام۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ سوال اگر ظاہر البطلان ہو تو اس کا جواب نہ دے اور دے تو اس کی غلطی ظاہر کردے تاکہ وہ اپنے فتوے سے باطل کا مددگار نہ بنے، یہاں بحمدہ تعالٰی اس کا لحاظ رہتا ہے جس سوال پر بریلی سے جواب گیا اُس میں کوئی

---

[۱] التفسیرات الاحمدیہ تحت ۹/۱۰۷ المطبع الکریمی بمبئی انڈیا ص ۴۰۰

امر ایسا نہ تھا کہ صورت سوال کو غلط سمجھا جاتا مگر افسوس کہ اُس طرف کے فتووں میں اس امر کا لحاظ اصلاً نہ ہوا، اُن کے سوالوں میں صورت یہ فرض کی تھی کہ دوسری مسجد کی بنا مقصد سے کہ آپس میں تفرقہ ہو اور اگلی مسجد کی آبادی میں فرق آئے محض نفسانیت و عداوت و ضرر مسجد قدیم کے لئے بنائی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بنانے والوں کے قلب پر حکم تھا کہ ان کی نیت یہ ہے اور نہ صرف یہ بلکہ صرف یہی ہے، حالانکہ نیت کا جاننا اللہ عزوجل کا کام ہے اور مسلمان پر بدگمانی سخت حرام ہے تو مفتی صاحب کا منصب نہ تھا کہ اس صورت باطلہ کی تقدیر مان کر مسجد کے بنانے کو موجب عذاب ٹھہرائے اور حاکم وقت کو معاذ اللہ خانۂ خدا کے ڈھانے پر ابھارے، ایسی جگہ صرف صورت پر جواب کا حیلہ یا اس کہہ دینے کی آڑ کہ جو چیز ایسی ہے اس کا حکم یہ ہے اہل عقل و علم و واقفیت حال زمانہ کے نزدیک ہرگز کافی نہیں جبکہ صراحۃً معلوم ہے کہ ایک فریق بنا واقعی حکم شرعاً وہ صورت گمان یا فرض کرکے فتوٰی لینا چاہتا ہے جس کے فرض و گمان کا شرعاً اسے استحقاق نہیں نہ دوسرے کو جائز کہ اس کی بدگمانی مقرر رکھے۔

لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنٰت بانفسھم خیرا۔[1] ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنوں پر اچھا گمان کرتے۔(ت)

اور وہ اپنے اس فرض باطل سے ایک فریق مسلمان کو بذریعہ فتوٰی ضرر پہنچانا چاہتا ہے تو صرف اس صورت کا حکم بتانا اور اس کا حکم نہ بتانا صراحۃً باطل کو مدد دینا ہے جو ایک جاہل مسلمان کے لائق بھی نہیں مفتی تو مفتی،

ومن لم یکن عالما باھل زمانہ فھو جاھل۔[2] جو اپنے اہل زمانہ کے احوال کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔(ت)

اور حقیقت یہ کہ نہ صرف فریق دیگر بلکہ خود اس فریق کی بھی بدخواہی ہے بلکہ اس کی بدخواہی سخت تر ہے، فریق اول کی نیت اگر صحیح ہے تو ان کے فرض باطل یا ناقہم مفتیوں کے اقوال دلیل سے ان کا کیا ضرر، مگر اس فریق کو جو بدگمانی اور مسلمانوں کو ایذا رسانی کی بیماری تھی وہ مفتیوں کی تقریر و عدم انکار کے بعد پختہ ہوگئی،

فھلکوا واھلکوا وانما الدین النصح وہ خود ہلاک ہوئے اور دوسروں کو ہلاک کیا دین تو

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۲

[2] درمختار کتاب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

لکل مسلم[1] محض ہر مسلمان کی خیرخواہی کا نام ہے (ت)

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مریض نے براہِ ناواقفی اپنا مرض اُلٹا تشخیص کیا اور اُس کے لئے طبیب سے دوا پوچھی، طبیب اگر اس کا اصل مرض جانتا اور سمجھتا ہے کہ یہ دوا اُسے نافع نہیں بلکہ مضر ہوگی تو اسے ہرگز حلال نہیں کہ اُسے مرض کی اُلٹی دوا بتا کر اس کی علت کو اور بڑھا دے اور اس کے ہلاک پر معین ہو اور یہاں اتنا کہہ دینے سے کہ مرض فلاں کی دوا یہ ہے یا جسے یہ مرض ہو اس کی دوا یہ ہے طبیب الزام سے بری نہیں ہوسکتا جبکہ وہ جانتا ہے کہ اسے نہ یہ مرض نہ یہ اس کی دوا بلکہ یہ اس کے مرض کو اور محکم کردے گی، حاشا یہ وہی کرے گا جو یا تو خود ہی طب نہیں جانتا اور خواہی نخواہی لوگوں کا گلا کاٹنے کو طبیب بن بیٹھا یا دیدہ و دانستہ مریض کی غلط تشخیص مقرر رکھ کر خلافِ مرض دوا دے کر اُسے ہلاک کیا چاہتا ہے، دونوں صورتیں سخت بلا ہیں، ایک دوسرے سے بدتر، تو صاف روشن ہوا کہ انھیں فتووں میں سخت ناانصافی اور نہ ایک فریق بلکہ دونوں کی سخت بدخواہی ہوئی اگرچہ بظاہر فریق دوم کی طرفداری نظر آئے اگر کسی ذی علم عاقل خیرخواہ مسلمان سے یہ سوال ہوتا تو وہ یوں جواب دیتا کہ بنا ہو اس کی بنا محض نیت پر ہے اور نیت عمل قلب ہے اور قلب پر اطلاع اللہ عزوجل کو، تم نے کیونکر جانا کہ اس فریق نے یہ مسجد اللہ کے لئے نہ بنائی بلکہ محض نفسانیت و عداوت و افتراق مسجد سابق کا ارادہ اس کے دل میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہلا شققت عن قلبه[2] تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا، باہم تفرقہ کے بعد اس کی بناء سے غایت یہ کہ تفرقہ باعث بنا ہو نہ کہ غایت بنا، باعث و غایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے جس کی تفصیل ہمارے فتاوی کے باب الوقف میں ہے، اور مسلمان پر بدگمانی حرام قطعی، اس بیان ضروری کے بعد چاہتا تو یہ بھی لکھتا کہ ہاں اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو جاتا کہ ان کی نیت افتراق ہی اور اسی غرض سے انھوں نے مسجد بنائی تو ضرور اس کے لئے مسجد ضرار کا حکم ہوتا مگر حاشا اُس کے ثبوت کا کیا طریقہ اور اس کی طرف راہ کیا۔

آپ کے سوال کا جواب یہ تھا نہ وہ جو ایرانی و دہلوی صاحب نے دیا، بہرحال فقیر آپ صاحبوں کا ممنونِ احسان ہے کہ اپنے نزدیک جو طبیب اپنے ہر سنی مسلمان یعنی اس فقیر میں سمجھا اُس سے مطلع فرمایا، مجھ پر فرض تھا کہ بات ٹھیک ہوتی تو تسلیم کرتا اب کہ باطل ہے اُس کا بطلان آپ کو دکھا دیا، مانا آپ صاحبوں کا کام ہے، سنیوں بھائیوں کو آپس میں ایک رہنا لازم ہے، سنیوں پر دشمنانِ دین کے الام کیا تھوڑے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵
[2] " " باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ " " " ۱/ ۶۸

بندے رہے ہیں کہ آپس میں بھی خانہ جنگی کریں اور نہ ہو سکے تو اتنا ضرور ہے کہ دنیوی رنجش جانے دیں۔ انما المؤمنون اخوۃ[1] (بیشک تمام مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ت) پر نظر فرما کر گلے مل لیں، فریق اول کو اپنی نیت معلوم ہے اور اللہ تعالٰی اس سے زائد اس کی نیت جانتا ہے اگر واقع میں مسجد انھوں نے محض براہِ نفسانیت بقصد اضرار مسجد سابق بنائی ہے تو ضرور وہ مسجد ضرار ہے اُسے دور کردیں اور تائب ہوں مگر فریق دوم کو ہرگز حلال نہیں کہ مسلمانوں پر ایسی سخت بدگمانی کرکے معاذ اللہ مسجد ڈھانا چاہیں اور ایسے بے معنی ناموں کے فتووں کی آڑ لیں جو اس سے زیادہ اور کیا ظلم کریں گے کہ مسجد گرانے کا حکم دیتے اور حاکم وقت کو بربادیِ خانۂ خدا پر ابھارتے ہیں والعیاذ باللہ رب العلمین ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (اللہ تعالٰی رب العالمین کی پناہ، بلندی وعظمت والے اللہ تعالٰی کی عطا کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت۔ ت) فقیر اپنے اس خط کی نقل فریق اول کو بھی بھیجے گا کہ میں نے دونوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کی ہے اور اصلاح کی توفیق دینے والا خدا ہے والسلام علی جمیع اخوننا اھل السنۃ والجماعۃ (تمام اہلسنت وجماعت پر سلامتی ہو۔ ت) فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۰ شعبان المعظم یوم الاحد ۱۳۲۹ ہجریہ قدسیہ علی صاحبہا وآلہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ آمین!

مسئلہ ۱۵۶: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مسئولہ جناب سید علی شاہ حسن میاں صاحب غرہ ماہ مبارک ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد مسقف میں شدت گرما کے سبب مصلیوں کو تکلیف ہوتی ہے اور پسینہ کی کثرت وحبس کی وجہ سے ادائے فرض میں نقصان اور خلل ہوتا ہے ایسی حالت میں اس کے انسداد کے لئے اگر مسجد میں سقفی بادکش لٹکایا جائے تو یہ بھی جو بحالت معذوری ومجبوری کیا گیا ہے خلاف آداب مسجد ومنافی احکام شریعت تو نہ ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب

موسم گرما ہمیشہ سے آتا ہے اور عرب شریف میں آتا تھا اور مکہ معظمہ میں گرمی یہاں سے سخت تر تھی اور ہے، اس میں نہ کوئی معذوری ہے نہ مجبوری، ورنہ ہر زمانے اور ہر مقام میں اس کا علاج ضرور ہوتا کہ انسان سے معذور ومجبور کبھی نہیں رہا جاتا، نماز عبادت وبندگی ہے اور بندگی کمال تذلل وفروتنی زکہ مخدومی ثنا اور عین دربارِ بے نیاز میں خادم کو مقرر کرنا کہ ہم کو پنکھا جھلے کچہریوں میں جو فرشی پنکھے ہوتے ہیں اسی میں

---

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۱۰

اصل مقصود حاکم ہوتا ہے کہ خود وہ ایک عاجز و محتاج ہے جیسے گرمی سردی سب ستاتی ہے بلکہ اور بہت سے جفاکشوں کی نسبت وہ زیادہ محتاج ہے پنکھا اس کے لئے لگاتے ہیں خادم اس کے لئے کھینچتے ہیں حاضرین بالتبع اس سے ہوا پاتے ہیں اس سبب سے وہ بے ادبی خلافِ ادبِ دربار نہیں گنا جاتا۔ یوں دیکھئے جلکہ یوں کہ کوئی شخص دربار شاہی میں حاضر ہو اور اپنا خادم مقرر کرے کہ بادشاہ کے سامنے مجھے دستی جھلا کیا اُسے بے ادب نہ کہا جائے گا؟ بیشک کہا جائے گا، اور اب مسئلہ میں قدرے زیادہ بیان اور ادائے فرض میں عذر خلل و نقصان کا جواب فقیر کے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۷: از احمد آباد محلہ پانچ پیلی تاجپور ۱۴ رمضان ۱۳۲۹ھ

ایک مسجد جنگل میں ہے جس کی تولیت چھیپوں کی جماعت کرتی ہے اور وہ منہدم و مسمار ہوگئی ہے اور اس کی صرف ایک محراب ہی باقی ہے اور اس مسجد کے تمام پتھر لوگ چرا لے گئے، اب اس صورت میں وہ محراب دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ اُس مسجد شہید شدہ کا آباد کرنا فرض ہے ناممکن ہوگیا ہو اور اس کی طرف کوئی راہ میسر نہ ہو اور چور اس کے مال پر دست درازی کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں اس ضرورت میں اُس کی محراب دوسری مسجد میں لگا دینے کی اجازت ہوگی کما بینہ العلامۃ الشامی فی ردالمحتار وفصلناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ علامہ شامی نے اس مسئلہ کو ردالمحتار میں بیان فرمایا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۸: از الٰہ آباد بنگلہ مہابلی پرشاد سوداگر بنارسی مرسلہ حاجی منشی محمد ظہور رضا صاحب جوہری بریلوی ۱۰ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ مسجد میرے مورثان نے بغرض نماز اپنے اور اپنے خاندان کے باستثناء عورات کے بنوائی اور اس کے ساتھ متصل اس کے اپنا مکان بنوایا اور ایک طرف کی کڑیاں مسجد کے ایک سمت کی دیوار پر اُسی وقت میں رکھ لیں اب تیس سال ہوئے جو اس نے اجازت عام نمازیوں کو واسطے نماز کے دے دی اب نماز پنجگانہ اور نماز عیدین ہوتی ہے اب اس کی اولاد میں ایک شخص نے اپنے مکان کی نیچی چھت کو ڈیڑھ گز اونچا کیا اور وہاں کڑیاں یا شہتیر اٹھا کر دیوار پر دیوار کو بلند کرکے ڈال لیں اور بجائے ایک کڑا کے دو کڑا کی جانب مسجد اضافہ کی اور دیوار کو اونچا کرکے سائبان ٹین کا اپنی طرف کو ڈال لیا جس کا نگر مسجد کے دیوار پر رہا (خلاصہ) جب خانہ خدا وہ مسجد

عام نمازیوں کے واسطے وقف ہو گئی تو وہ دیوار مسجد جس پر کڑیاں یا شہتیر رکھا ہوا اور دو مینار بھی اسی دیوار پر ہوں تو وہ دیوار بھی وقف ہوئی یا نہیں اور اس دیوار سے کڑیاں اٹھا کر اور دیوار بلند کر کے پھر دوبارہ کڑیاں رکھنے یا دیوار مسجد پر دیوار بنانے یا اضافہ کرنے کا کوئی حق ہے یا نہیں وارثان بانی مسجد کو از روئے شرع شریف اور وہ حق یا تعلق جو بانی مسجد نے رکھا تھا بعد علٰحدہ کرنے کے باقی رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وہ مسجد روز اول سے عام مسلمانوں کے لئے خانۂ خدا ہو گئی خاص ایک قوم کے لئے نیت کرنے سے خاص نہیں ہو سکتی نہ بانی کو اس میں اپنے لئے کوئی حق یا تعلق رکھنے کا اختیار ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد ۲ ص ۱۲۷ میں ہے:

اتفقوا على انه لو جعل مسجدا على انه بالخيار جاز الوقف وبطل الشرط كذا في مختار الفتاوى وفي وقف الخصاف اذا جعل ارضه مسجدا وبناه واشهد ان له ابطاله وبيعه فهو شرط باطل ويكون مسجدا كما لو بنى مسجدا لاهل محلة وقال جعلت هذا المسجد لاهل هذه المحلة خاصة كان لغير اهل تلك المحلة ان يصلي فيه هكذا في الذخيرة[1]

یعنی سب علماء کا اتفاق ہے کہ اگر مسجد بنائی اس شرط پر کہ مجھے اختیار رہے تو مسجد صحیح ہو گئی اور وہ شرط جو لگائی باطل و بے اثر ہے۔ ایسا ہی مختار الفتاوی میں ہے۔ وقف خصاف میں ہے جب اپنی زمین کو مسجد کیا اور مسجد تعمیر کی اور لوگوں کو گواہ کر لیا کہ اس کا باطل کرنا اور بیچنا مجھے جائز ہوگا تو یہ شرط باطل ہے اور وہ مسجد ہو جائیگی اسی طرح اگر مسجد کسی محلہ والوں کے لئے بنائی اور کہا کہ میں نے خاص اس محلہ والوں کے لئے اسے مسجد کیا تو یہ شرط بھی باطل ہے اور وہ عام مسجد ہو جائیگی ہر شخص کو اس میں نماز کا اختیار ہوگا اگرچہ وہ غیر محلہ کا ہو۔ ذخیرہ میں یونہی ہے۔

اور جب وہ دیوار مسجد کی ہے خود بیان کرنے والا کہہ رہا ہے کہ مسجد کی دیوار پر کڑیاں رکھیں اور اس دیوار پر مسجد کے دو منارے ہونا روشن دلیل ہے کہ وہ مسجد کی دیوار ہے تو اس دیوار کے وقف و مسجد ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، بانی مسجد کو حرام تھا کہ مسجد کی دیوار پر اپنی کڑیاں رکھے، یونہی اس وارث نے جو تصرفات مذکورہ کئے سب حرام ہیں اور واجب ہے کہ کڑیاں اتار دی جائیں اور زمین جدا کر دیا جائے، مسجد کی

---

[1] فتاوی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲ / ۵۸-۴۵۷

دیوار ان تصرفات سے پاک کر دی جائے۔ درمختار مطبع قسطنطنیہ جلد ۳ ص ۳۷۵ میں ہے :

لو بنى فوقه بيتا للامام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق تاتارخانية فاذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد[1]

یعنی اگر مسجد کی چھت پر امام کے لئے گھر بنایا تو نقصان نہیں کہ یہ بھی مصالح مسجد سے ہے مگر مسجد پوری ہونے کے بعد اگر امام کے لئے بھی گھر بنانا چاہے گا نہ بنانے دیں گے اور اگر کہے گا میری پہلے سے یہی نیت تھی جب بھی نہ مانیں گے۔ تاتارخانیہ میں ہے تو جب یہ حکم خود بانیِ مسجد پر ہے تو دوسرے کا کیا ذکر، تو اس کا ڈھا دینا واجب ہے اگرچہ مسجد کی فقط دیوار ہی پر کچھ بنایا ہو۔

بحرالرائق مطبع مصر جلد ۵ ص ۲۷۱ میں ہے :

واذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فمن بنى بيتا على جدار المسجد وجب هدمه[2]

یعنی جب خود بانیِ مسجد کو ممانعت ہے تو غیر بانی کیا چیز ہے تو جو شخص مسجد کی دیوار پر کوئی عمارت بنائے اس کا ڈھا دینا واجب ہے۔

ردالمحتار مطبع استنبول جلد ۳ ص ۳۷۵ میں ہے :

نقل في البحر قبله ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وان كان من اوقافه اھ قلت وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره فانه لا يحل ولو دفع الاجرة[3]۔

یعنی بحرالرائق میں اس سے پہلے نقل فرمایا ہے کہ مسجد کی دیوار پر کڑی نہ رکھی جائے اگرچہ وہ کڑی خود مسجد ہی کی کسی وقفی مکان کی ہو اور یہیں سے معلوم ہوا کہ مسجد کے زیرِ سایہ رہنے والے بعض لوگ جو مسجد کی دیوار پر کڑیاں رکھ لیتے ہیں یہ حرام ہے اگرچہ وہ کرایہ بھی دیں جب بھی اجازت نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار — کتاب الوقف — مطبع مجتبائی دہلی — ۳۷۹/۱
[2] بحرالرائق — " — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۲۵۱/۵
[3] ردالمحتار — " — دار احیاء التراث العربی بیروت — ۳۷۱/۳

مسئلہ ۱۵۹: مسئولہ مولوی صلاح الدین صاحب عرف حاجی داد ساکن ضلع پشاور ۲۱ صفر ۱۳۳۰ھ

مسجد میں درخت بونا جائز ہے یا نہیں، اگر بو لیا گیا تو وہ کس کی ملک شمار ہوگا؟

الجواب

مسجد میں درخت بونا ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اگرچہ درخت پھلدار ہو (سوا اس ضرورت کے کہ زمین مسجد سخت نمناک ہو جس کے باعث اس کی عمارت کو ضرر پہنچے ستون نہ ٹھہریں یا دیواریں پھول لیں اس لئے بوئے جائیں کہ اُن کی جڑیں پھیل کر رطوبت کو جذب کرلیں)، خلاصہ میں ہے:

غرس الاشجار فی المسجد لاباس به اذا کان فیه نفع للمسجد بان کانت المسجد ذانز والاسطوانات لا تستقر بدونها وبدون هذا لایجوز[1]۔ ولعل الامام ظهیر الدین بعد ذکر الحاجة المذکورة فحینئذ یجوز والا لا[2]۔ وقال فی منحة الخالق قوله والا لا دلیل علی انه لایجوز احداث الغرس فی المسجد ولا ابقاؤه فیه لغیر ذلک العذر ولو کان المسجد واسعا ولو قصد به الاستغلال للمسجد[3] الخ۔

مسجد میں درخت لگانا جائز ہے جبکہ مسجد کے نفع کے لئے ہو جیسے زمین مسجد نمناک ہو اور درختوں کے بغیر اس کے ستون قرار نہ پکڑتے ہوں اور اس ضرورت کے بغیر درخت لگانا ناجائز ہے اھ حاجت مذکورہ ذکر کرنے کے بعد امام ظہیر الدین نے یُوں فرمایا کہ اگر یہ حاجت ہو تو جائز ورنہ ناجائز اھ منحۃ الخالق میں فرمایا کہ امام ظہیر الدین کا قول والا لا (ورنہ ناجائز ہے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عذر مذکور کے بغیر مسجد میں ابتداءً درخت لگانا بھی ناجائز اور لگے ہوئے درختوں کو باقی رکھنا بھی ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اور اگرچہ اس سے مسجد کے لئے کرایہ لینا مقصود ہو الخ (ت)

ہاں اگر درخت مسجد کے مسجد ہونے سے پہلے رکھا گیا تو عدم جواز مذکور کے تحت میں داخل نہیں کہ اس تقدیر پر یہ درخت مسجد میں نہ بویا گیا بلکہ مسجد زمین پُر درخت میں بنائی گئی اس صورت میں اگر درخت بونے والا وہی مالک زمین وبانی مسجد ہے تو درخت مسجد پر وقف ہوگا نہ کسی شخص کی ملک۔

فی ردالمحتار یدخل فی وقف الارض ——— ردالمحتار میں ہے زمین کے وقف میں وُہ درخت جو

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۲۸

[2] بحرالرائق بحوالہ الظہیریہ کتاب الصلوٰۃ فصل لما فرغ من بیان الکراہۃ فی الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۵

[3] منحۃ الخالق علی البحرالرائق " " " " " " " " " "

ما فیہا من الشجر والبناء[1] الخ عمارت بھی داخل ہوگی جو اس زمین موقوفہ میں ہے۔(ت)

اور اگر درخت دوسرے کا ہے تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر مسجد پر اس کا وقف تسلیم کرے گا تو وقف ہوجائے گا ورنہ تفریغ مسجد کا حکم کیا جائے گا۔ رہا یہ کہ مسجد میں درخت بویا علماء نے فرمایا کہ درخت مسجد کے لئے ہوگا۔ ردالمحتار میں خانیہ سے ہے:

لو غرس فی المسجد یکون للمسجد لانہ لا یغرس فیہ لنفسہ[2]۔ اگر کسی نے مسجد میں درخت بویا تو وہ مسجد کا ہی ہوگا کیونکہ وہ اپنے لئے نہیں بوسکتا۔(ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

اذا غرس شجرا فی المسجد فالشجر للمسجد[3]۔ جب کسی نے مسجد میں درخت لگایا تو وہ درخت مسجد کے لئے ہوگا۔(ت)

اسی میں محیط سے ہے:

سئل نجم الدین عن رجل غرس فالۃ فی مسجد فکبرت بعد سنین فاراد متولی المسجد ان یصرف ھذہ الشجرۃ الی عمارۃ بئر فی ھذہ السکۃ والغارس یقول ھی لی فانی ما وقفتہا علی المسجد، قال الظاہر ان الغارس جعلہا للمسجد فلا یجوز صرفہا الی البئر ولا یجوز للغارس صرفہا فی حاجۃ نفسہ[4]۔ نجم الدین سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے مسجد میں پودا لگایا جو چند برس میں بڑا درخت بن گیا، متولی مسجد کا ارادہ ہے کہ وہ اس درخت کو اسی کوچے کے کنویں کی تعمیر میں صرف کرے، اور درخت لگانے والا کہتا ہے کہ یہ میرا ہے کیونکہ میں نے اس کو مسجد پر وقف نہیں کیا، تو امام نجم الدین نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ اگر درخت بونے والے نے مسجد کے لئے بویا تھا تو اس کو کنویں کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی بونے والا اپنی ضرورت میں اس کو صرف کرسکتا ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۴۳
[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ ؍ ؍ ؍ ۳/۴۲۹
[3] فتاوٰی ہندیہ ؍ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۳۴۳
[4] ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ۲/۴۴۴

درمختار میں ہے :

ولو غرس فی المسجد اشجارا تثمر ان غرسها للسبیل فلکل مسلم الاکل والا فتباع لمصالح المسجد[1]

واقف نے مسجد میں پھلدار درخت بوئے اگر تو اس نے فی سبیل اللہ وقف کے طور پر بوئے ہیں تو ہر مسلمان کو پھل کھانا جائز ہے ورنہ ان پھلوں کو مصالح مسجد کے لئے فروخت کیا جائے گا (ت)

ردالمحتار میں ہے :

ای وان لم یغرسها للسبیل بان غرسها للمسجد او لم یعلم غرضه بحر عن الحاوی[2]

یعنی اگر اس نے فی سبیل اللہ وقف کے طور پر نہیں بوئے بایں طور کہ مسجد کے لئے ان کو بویا ہے یا اس کی غرض معلوم نہیں ہوسکی، بحر بحوالہ حاوی (ت)

اصل یہ ہے کہ بنا یا غرس زمین وقف میں اگر متولی کرے تو مطلقاً وقف کے لئے ہے مگر یہ کہ اپنے ذاتی مال سے کرے اور بنا و غرس سے پہلے گواہ کرلے کہ اپنے نفس کے لئے کرتا ہوں یا یہ کہ متولی خود واقف ہو اور وقف کے لئے اس کی نیت رکھے اور مسجد میں بنا ولاۃً مسجد کے لئے ہوتا ہے کہ کوئی مسجد میں اپنے لئے نہیں بوتا، یہ اس فرع کی تفصیل ہے۔ درمختار میں ہے :

المتولی بناؤه وغرسه للوقف مالم یشهد انه لنفسه قبله[3]

متولی کا زمین وقف میں عمارت بنانا یا درخت لگانا وقف کے لئے ہی ہوگا جب تک وہ عمارت بنانے یا درخت لگانے سے قبل اس پر گواہ نہ قائم کردے کہ میں اپنی ذات کے لئے کر رہا ہوں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

ان کان البانی المتولی بمال الوقف فوقف، سواء بناه للوقف او لنفسه او اطلق وان من ماله للوقف او اطلق فوقف، الا اذا کان

عمارت بنانے والا اگر خود متولی ہو اور مال وقف سے بنائے تو وہ وقف کے لئے ہے چاہے وقف کیلئے بنائے یا اپنے لئے بنائے یا مطلق رکھے، اور اگر اپنے مال سے وقف کے لئے بنائے یا مطلق رکھے

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ١/٣٩٠
[2] ردالمحتار " " " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ٣/٤١٥
[3] درمختار " " " " " " مطبع مجتبائی دہلی ١/٣٩٢

هو لو قف واطلق فهو له كما في الذخيرة وان من ماله لنفسه واشهد انه له فهو له كما في القنية والمجتبى وان لم يكن متوليا فان بنى باذن المتولي ليرجع فوقف، والا فان بنى للوقف فوقف، وان لنفسه او اطلق فله رفعه ان لم يضر[1]

تب بھی وقف کے لئے ہوگی ہاں اگر وہ خود واقف ہو اور مطلق رکھے تو وہ اس کے اپنے لئے ہوگی (ذخیرہ) اور اگر اس نے اپنے مال سے اپنی ذات کے لئے عمارت بنائی اور اس پر گواہ بھی قائم کرلئے کہ اپنی ذات کے لئے بنارہا ہوں تو وہ اسی کی ہوگی جیسا کہ قنیہ و مجتبٰی میں ہے۔ اگر بانی خود متولی نہ ہو تو اگر اس نے متولی کی اجازت سے عمارت بنائی تاکہ متولی سے خرچہ کا رجوع کرسکے تو وہ وقف کے لئے ہے ورنہ اگر وقف کے لئے بنائی تو پھر بھی وقف ہے اور اگر اپنے لئے بنائی یا مطلق رکھی تو اس کو اٹھانے کا اختیار ہے جبکہ وقف کو نقصان نہ پہنچے (ت)

اشباہ میں ہے:

وان اضر فهو المضيع ماله فليتربص الى خلاصه[2]

اور اگر اس کو اٹھا لیجانے میں وقف کو نقصان ہے تو نہ اٹھانے دیں گے کیونکہ اس نے اپنا مال خود ضائع کیا اب وہ انتظار کرے یہاں تک کہ وہ عمارت وقف سے خلاص ہوجائے۔(ت)

اقول مگر یہ بناء و غرس جائز میں ہے ناجائز کے لئے حکم ہدم و قلع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس لعرق ظالم حق[3] (عرق ظالم کا کوئی حق نہیں۔ت)

درمختار میں ہے:

و بنى فوقه بيتا للامام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدية

اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن تمام

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۳-۳۰۲

[3] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴

سنن ابو داؤد کتاب باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

السنن الکبرٰی کتاب الغصب باب لیس لعرق ظالم حق دار صادر بیروت ۶/ ۹۹

ثم اراد البناء منع، ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیہ، فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ، فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد۔[1]

مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے روکا جائے گا اگرچہ وہ کہے کہ میرا شروع سے یہ ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہوسکتی ہے لہٰذا ایسی عمارت کو گرا دینا واجب ہے اگرچہ وہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی فتاوی قاری الھدایۃ استاجر دارا اوقفا وجعلھا طاحونا ان لم یکن انفع ولا اکثر ریعا الزم بھدم ما صنع اھ مختصرا۔[2]

فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے کہ ایک شخص نے مکانِ وقف کو کرایہ پر لے کر اس میں آٹا پیسنے کی چکی بنادی اگر وہ وقف کے لئے زیادہ نفع و خوبی کا حامل نہیں تو جو کچھ اس نے بنایا اس کو گرانے پر مجبور کیا جائے گا اھ مختصرا (ت)

اور ہم بیان کرچکے کہ بلا ضرورت مذکورہ مسجد میں رہنا جائز نہیں لاشتغالہ موضع الصلوۃ ولشبہ البیع والکنائس (کیونکہ اس طرح نماز کی جگہ بھی مشغول ہوگی اور گرجا اور کلیسا سے مشابہت بھی ہوگی۔ ت) اور یہ کہ اس کا باقی رکھنا جائز نہیں تو یہ فروعِ خانیہ صورتِ جواز پر محمول ہوں گی۔

الا تری انہ ممنوع والوقف قربۃ وانہ مقلوع والوقف مؤبد فدل ذلک وضاحا انہ لایکون للمسجد۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ممنوع ہے جبکہ وقف عبادت ہے اور اس کو اکھاڑنا لازم، جبکہ وقف کو ہمیشہ باقی رکھنا لازم ہے، یہ دونوں دلیلیں ہیں اس پر کہ وہ مسجد کے لئے نہیں (ت)

اور فرعِ مذکورِ حجرہ و حاوی و درمختار فنائے مسجد میں ہو تو اس پر بھی محمول ہوسکتی ہے اور اگر ثابت ہو کہ فنائے مسجد میں رہنا بھی دلالۃً مسجد میں رہنا بنتا ہے تو جملہ فروعِ مذکورہ کا یہ دوسرا عمدہ محل ہے ھذا ما ظھر لی (یہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۷۲

مسئلہ ۱۶۰: از میرٹھ ۳۰ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک رنڈی نے اپنے پیشہ کے ذریعہ سے کچھ دکانیں خریدیں، چند روز کے بعد وہ رنڈی مرگئی، بعد مرنے کے وہ دکانیں وراثۃً اس کی بہن کو پہنچیں جو اپنے پیشہ سے تائب اور کسی کے نکاح میں ہے، اب اس کی بہن اپنی طرف سے اُس جائداد کو جو وراثۃً اس کو ملی ہے کسی مسجد کے نام وقف کرنا چاہتی ہے، اس صورت میں مہتممان مسجد کو ان دکانوں کا لینا اور اُن کے کرایہ سے مسجد کے مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ وہ دکانیں بعینہا رنڈی کو اُجرتِ زنا یا غنا میں نہ ملی تھیں بلکہ اس نے خریدیں، اگرچہ خریداری اسی زرِ خبیث سے ہو، تو از انجا کہ عام عقود رائجہ میں یہ قاعدہ نہیں کہ روپیہ دکھا کر کہا جاتا ہو اس روپے کے عوض بیع کرے یا خریدے بلکہ مطلق بیع ہوتی ہے تو عقد و نقد زرِ حرام پر جمع نہیں ہوتی اور مذہب کرخی مفتی بہ پر ایسی حالت میں اس شئ مشتری میں خباثت بھی نہیں آتی، تو وہ دکانیں خود اس رنڈی کے لئے اس صورت میں حرام نہ ہوں گی نہ کہ بعد انتقالِ وراثت۔ لہٰذا وقف مذکور نہ فقط صحیح بلکہ جائز و موجب ثواب ہوگا اور متولیوں کو ان کا لینا اور اُن کا کرایہ مسجد میں صرف و خرچ کرنا ہر طرح جائز ہوگا

والمسئلۃ قد فصلناها فی فتاوٰنا ثم ان کان خبث بالاجتماع لو فرض لم یکن فیه الا کراهة والوراثة ناقلة والوقف اخراج عن الملک والابحاث طویلة الاذیال وانما یفتی فی الوقف بما هو الانفع له کیف والصحة لا شک فیها قطعا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس مسئلہ کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کردیا ہے، پھر اگر بالفرض عقد و نقد کے اجتماع سے خبث آئے بھی تو اس میں صرف کراہت آئے گی جبکہ وراثت نقل کرنے والی اور وقف ملک سے اخراج کا نام ہے اور اس میں طویل مباحث ہیں اور بلاشبہ وقف میں فتوٰی اسی پر ہوتا ہے جو اس کے لئے زیادہ نفع بخش ہو تو یہاں کیونکر ایسا نہ ہوگا جبکہ اس کی صحت میں قطعاً شک نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۱: از موضع ملک پور تھانہ کٹرہ ضلع شاہجہانپور مسئولہ جملہ مسلمانان موضع ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عیدگاہ موضع ملک پور میں ہے وہ بہت چھوٹی ہے اور عیدین میں بفضلہ تعالٰی اس قدر مسلمان جمع ہوجاتے ہیں کہ نماز پڑھنے اور کھڑے ہونے کی

جگہ نہیں رہتی عیدگاہ سے باہر نمازکے واسطے کھڑے ہوتے ہیں اور عیدگاہ قبرستان میں واقع ہے اگر بیرون وسعت دی جائے تو قبریں اندر آنے کا احتمال ہے اور جبکہ بھی تحفظ کی نہیں ہے، مویشی وغیرہ پیشاب وغیرہ کرتے ہیں، ایسی حالت میں عیدگاہ قدیم چھوڑ کر دوسری جگہ اگر بہت بلند ہے اور فضا کی جگہ ہے اور ہر قسم کا تحفظ ہے، مویشی وغیرہ بھی وہاں نہیں جاسکتے، وسعت دے کر تعمیر کرائی جائے یا نہیں؟ اور عیدگاہ قدیم میں بحالت چھوڑنے قبرستان بناسکتے ہیں یا نہیں؟ از روئے شرع شریف سرفراز و ممتاز فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ یہ موضع ایک گاؤں ہے، اور ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب میں گاؤں میں عیدین جائز نہیں تو وہاں عیدگاہ وقف نہیں ہوسکتی کہ محض بے حاجت و بے قربت بلکہ مخالف قربت ہے، تو وہ زمین و عمارت ملکِ بانیان ہیں انھیں اختیار ہے اس میں جو چاہیں کریں خواہ اپنا مکان بنائیں یا زراعت کریں یا قبرستان کرائیں اور اب وہاں دوسری عیدگاہ بنائیں گے اس کی بھی یہی حالت ہوگی۔ درمختار میں ہے:

فی القنیۃ صلوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای اشتغال بما لا یصح [1]	قنیہ میں ہے کہ گاؤں میں نمازِ عید مکروہ تحریمی ہے یعنی ایسی چیز میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں (ت)

اُسی کی کتاب الوقف میں ہے:

شرطہ ان یکون قربۃ فی ذاتہ [2]	شرطِ وقف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت مقصودہ ہو (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲: از اسکول جام اسلامی مرسلہ مولوی یعقوب علی ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا پیشہ ڈھولک فروخت کرنے کا ہے، مڑھے ہوئے اور بغیر مڑھے ہوئے دونوں قسم کے ڈھولک فروخت کرتا ہے۔ عمرو کا پیشہ حکمت طبابت بد چلنی کا کرتا ہے اور قماربازی بھی کرتا ہے اور دھوکا دہی کرکے مریضوں سے روپیہ لیتا ہے۔ زید و عمرو یہ لوگ کچھ روپیہ مسجد کی مرمت یا مسجد بنوانے میں دیں تو ان کا روپیہ لے کر مسجد میں صرف کیا جائے

---

[1] درمختار — باب العیدین — مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] ایضاً — کتاب الوقف — ایضاً ۱/ ۳۷۰

یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب

جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص روپیہ جو ہم کو دیتا ہے وجہِ حرام سے ہے اس کا لینا اور مسجد میں صرف کرنا جائز ہے کچھ حرج نہیں،

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ کما فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن الامام محمد۔ واللہ تعالٰی اعلم

اور ہم اسی کو قبول کرتے ہیں جب تک کہ کسی معین شے کے حرام ہونے کا ہمیں علم نہ ہو جیسا کہ ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۳ تا ۱۶۵: از شمس آباد ضلع کیمبل پور پنجاب علاقہ مرسلہ مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۵ رجب مرجب ۱۳۳۳ھ

الاستفتاء فی حضرت مجدد المائۃ الحاضرۃ الفاضل البریلوی غوث الانام مجمع العلم والحلم والاحترام امام العلماء ومقدام الفضلاء لازال بالافادۃ والافاضۃ والعزۃ والاکرام۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک مسجد کا امام تھا بعد اس کی موت کے اُس کا برادر حقیقی ایک مدت تک امام رہا جب وہ بھی انتقال کر گیا تو زید کا بیٹا بکر امام ہوا مگر چونکہ وہ دوسری مسجد میں ملازمت کرتا تھا اس لئے عدم فرصت کی وجہ سے اُس نے برضائے مقتدیان اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اُس کے لئے معلومات امامت سے ایک شے قلیل مقرر کی اور باقی کا خود لینا ٹھہرایا چنانچہ کئی برس تک جو خلیفہ یکے بعد دیگرے آیا اسی شرط کا پابند رہا یہاں تک کہ خالد نام مولوی زید کے شاگرد علم دینی نے اپنے استادزادے بکر سے کہا کہ مجھ کو اسی مسجد میں آپ امام مقرر کیجئے میں آپ کا خلیفہ رہوں گا اور آپ کے وظائف مقررہ معہودہ میں کوئی نقصان نہ کروں گا پس بکر نے خالد کو اسی اقرار پر خلیفہ مقرر کیا اور تخمیناً سترہ اٹھارہ برس تک خالد یہ پابندی شرط کار امامی کرتا رہا اور امور مقررہ میں کبھی چون وچرا نہ کی، اب چونکہ بکر کا بیٹا بالغ ہوگیا ہے اور علم امامت سے بہرہ مند ہے لہذا بکر خالد کو برطرف کرکے اپنے بیٹے کو امام کرنا چاہتا ہے اور ابتدائے تقرر خالد کے وقت خالد نے تسلیم کرلیا تھا کہ آپ کے بیٹے جب بالغ قابل امامت ہوں یا اور کسی امر سے جب کبھی آپ مجھ کو موقوف کردیں گے تو مثل خلفائے سابقین کے مجھ کو عذر نہ ہوگا اب خالد اپنے اقرار سے فرار کرکے کہتا ہے کہ میں تمہارا کوئی خلیفہ نہیں کیونکہ جب میں نماز فرض وتراویح وعید وغیرہ خدمات مسجد مراعات اہل محلہ ختم ودعا درود سب بذاتِ خود کرتا رہا تو میں امام مستقل ہوگیا تم کو میرے عزل کا کوئی اختیار

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

نہیں اور قبل ہی سے جو کچھ میں نے تم کو دیا یا لینے دیا وہ شرم و حیا کی وجہ سے تھا ورنہ تمھارا کوئی استحقاق نہیں ہے
کہ امامت تو میں کراؤں اور منافع تم لو، خلافت اور اصالت کے کیا معنی لیس بکر نے علمائے اطراف کو جمع
کیا تھا کہ مسئلہ سے تحقیق کریں اور فہمائش کر کے اس کو برطرف ہونے کا حکم دیں مگر خالد ذرا چالاک آدمی ہے علماء
سے کبھی امامت کی تعریف کبھی خلیفہ کے معنی کبھی وظیفۂ امامت کا معنی دریافت کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ امام
کی تعریف میرے پر صادق آتی ہے یا کہ بکر پر۔ غرض کہ ایسی باتوں میں وقت ٹال دیتا ہے۔ یہاں کے علماء
کو یہ مسئلہ مصرح طور پر اور مفصل کسی کتاب میں نہیں ملتا اور ایسی طاقت نہیں کہ اجزائے مسئلہ کو ابواب مختلفہ
و نظائر متفرقہ سے استنباط کر کے فیصلہ کریں، چونکہ حضور پر نور بفضلہ تعالیٰ نے مذہب مہذب حنفی کے علاوہ جمیع
مذاہب حقہ کے مجتہد ہیں اور موافق و مخالف سب کے مسلم ہیں لہذا التماس ہے کہ خالد باوجود دینے وثیقہ
امامت کے بکر کو یہ اقرار خلافت سولہ سترہ برس تک مثل خلفائے چشتیہ کے شرعاً مستقل امام متصور ہوگا۔
حالانکہ مقتدی لوگ کل سوائے دو چار آدمیوں کے خالد کے اس قرار بلا اقرار سے سخت ناخوش ہیں یا مثل خلفائے چشتیہ کے
خالد بھی خلیفہ ہی ہوگا۔ واضح ہو کہ اس ملک میں کئی جگہ دستور ہے کہ ایک شخص ایک مسجد کا امام ہوتا ہے اور باقی مساجد میں خود امامت
کا مباشر تو نہیں ہوتا مگر ایسا تصرف رکھتا ہے کہ ان مساجد کے عمدہ عمدہ منافع خود لے لیا کرتا ہے اور
معمولی قسم کی آمدنی خلیفہ کو دیا کرتا ہے اور جب چاہتا ہے تو اسے موقوف کر دیتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ
قائم کر دیتا ہے اور چونکہ اول ہی سے یہ بات قرار داد بین الاصل والخلیفہ ہوا کرتی ہے اور مقتدی لوگ بھی
کے اس تصرف پر کسی طرح کے معترض نہیں ہوتے، کچہری انگریزی میں بھی ایک آدھ مقدمہ اس امر کا کیا گیا
جس میں اصل ہی کامیاب ہوا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ مسئلہ تین مسائل پر مشتمل، اول آیا امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے،
دوم اگر کر سکتا ہے تو وظائف امامت کا مستحق وہ اصل ہوگا اور نائب صرف اسی قدر لے سکے گا
جو اصل نے اس کے لئے بتایا یا از انجا کہ فعل و خدمات امامت یہ نائب بجالاتا ہے، یہی جملہ معلومات
کا مستحق ہوگا اور اصل معزول سمجھا جائے گا۔
سوم اگر اصل معزول نہیں بلکہ وہی اصل امام اور یہ اس کا مقرر کیا ہوا نائب ہے تو آیا
امام اصل کو اس نائب کے معزول کر دینے اور اس کی جگہ دوسرا نائب مقرر کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟
بحمد اللہ یہ تینوں مسائل واضح و مصرح ہیں۔
مسئلہ اولیٰ ہاں امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے، فتاویٰ خلاصہ میں ہے:

لامام یجوز استخلافہ بلا اذن بخلاف القاضی وعلی ھذا لاتکون وظیفتہ شاغرۃ وتصح نیابتہ۔[1]

امام کے لئے بلااجازت نائب مقرر کرنا جائز ہے بخلاف قاضی کے، اسی بنیاد پر اس کا وظیفہ غیر معطل رہتا ہے اور نیابت صحیح ہے (ت)

مسئلہ ثانیہ وظائف امامت کا مستحق اصل ہوگا اور نائب صرف اس قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لئے معین کیا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

یجب العمل بما علیہ الناس وخصوصا مع العذر، وعلی ذٰلک جمیع المعلوم للمستنیب ولیس للنائب، الا الاجرۃ التی استاجرہ بھا۔[2]

اس پر عمل واجب ہے جو لوگوں میں معروف ہے خصوصاً عذر کی صورت میں، لہذا تمام معلومات اصل امام کے لئے ہوں گے، نائب کے لئے فقط اتنی ہی اجرت ہوگی جس پر اصل نے اس کو رکھا ہے۔ (ت)

مسئلہ ثالثہ صورت مذکورہ میں وہ نائب جبکہ اس کے لئے اصل کچھ مقرر کرے اصل کا اجیر ہوتا ہے پھر اگر وہ اجرت معینہ ہے تو اجارہ صحیحہ ورنہ فاسدہ، اور اگر کچھ مقرر نہ کرے نہ نصاً نہ عرفاً، تو اجیر بھی نہیں محض بیگاری ہوتا ہے، صورت اخیرہ میں تو ظاہر ہے کہ نائب کوئی استحقاق اصلاً نہیں رکھتا اس کا کام اصل کی طرف سے ایک مفت استخدام ہے جب اصل اس کو ختم کرنا چاہے ختم کر سکتا ہے نہ اس صورت میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے، ایسی ہی صورت پر قنیہ میں ہے:

ان النائب لایستحق شیئا من الوقف لان الاستحقاق بالتقریر ولم یوجد۔[3]

بیشک نائب وقف میں سے کسی شیئ کا مستحق نہیں ہوتا کیونکہ استحقاق تو مقرر کرنے سے ہوتا ہے جو پایا نہیں گیا۔ (ت)

اور صورت سابقہ میں وہ نائب اجیر ہے، بحرالرائق میں ہے: النائب وکیل بالاجرۃ[4] (نائب وکیل

۱؎ ردالمحتار بحوالہ الخلاصہ کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۲۶
فتاوٰی خیریہ " " کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۵۱

۲؎ " " " " " " " " " "

۳؎ ردالمحتار بحوالہ القنیہ کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۰۸
العقود الدریۃ بحوالہ البحرالرائق کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۲۲۵

۴؎ بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۳۱

بالاجرۃ ہوتا ہے۔ت) پس صورت ثانیہ میں کہ اجارہ فاسدہ ہے آپ ہی ہر وقت اختیار فسخ ہونا در کنار خود وجوب فسخ ہے کہ اجارہ فاسدہ معصیت ہے اور معصیت کا ازالہ فرض، یہاں تک کہ اصل و نائب باہم فسخ نہ کریں تو حاکم پر فرض ہے کہ جبراً اسے فسخ کردے کما عرف ذٰلک فی البیوع (جیسا کہ بیوع میں معلوم ہوچکا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

ولذا لایشترط فیہ قضاء قاض لان الواجب شرعا لایحتاج للقضاء[1]۔

اسی واسطے اس میں قضاء قاضی شرط نہیں کیونکہ جو شرعاً واجب ہو وہ قضاء کا محتاج نہیں ہوتا۔(ت)

اور صورت اولٰی میں جبکہ عام رواج یہی ہے کہ کوئی مدت اجارہ معین نہیں کی جاتی کہ سال بھر کیلئے تجھے امام کیا یا چھ مہینے کے لئے بلکہ صرف امامت اور اس کے مقابل ماہوار اتنا پانے کا بیان ہوتا ہے تو اجارہ صرف پہلے مہینے کے لئے صحیح ہوا اور ہر ماہ اجیر و مستاجر ہر ایک کو دوسرے کے سامنے اس کے فسخ کردینے کا اختیار ہوتا ہے۔درمختار میں ہے:

اجر حانوتا کل شہر بکذا صح فی واحد فقط وفسد فی الباقی لجہالتہا واذا تم الشہر فلکل فسخہا بشرط حضور الاٰخر لانتہاء العقد الصحیح[2]۔

دکان کرایہ پر دی کہ ہر ماہ اتنا کرایہ ہوگا تو فقط ایک ماہ کے لئے اجارہ صحیح ہوا باقی مہینوں میں بسبب جہالت کے فاسد ہے اور جب مہینہ پورا ہوگیا تو دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موجودگی میں اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہے کیونکہ عقد صحیح ختم ہوگیا(ت)

بہرحال اصل کو ہر ماہ پر اس نائب کے معزول کردینے اور دوسرے کو اس کی جگہ نائب کرنے کا اختیار ہے۔یہ مسئولہ سائل کا تو جواب یہ ہے اور یہاں ایک امر ضروری الحاظ یہ ہے کہ بعض جگہ معلومات وظائف امامت ایسے مقرر ہوتے ہیں جو شرعاً جائز یا صحیح نہیں ان کا استحقاق نہ اصل کو ہوگا نہ نائب کو بلکہ صرف اجرت مثل کا، مگر نائب ان میں بھی اصل سے اپنے لئے منازعت نہیں کرسکتا نہ وہ اسے بھی حلال نہیں صرف اپنی اجرت مثل لے سکتا ہے فلیتنبہ(پس آگاہ رہنا چاہئے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۸

مسئلہ ۱۶۶: از نینی تال بڑا بازار مرسلہ فدا حسین صاحب سادہ کار ۹ رمضان مبارک ۱۳۳۱ھ

بعالیخدمت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب! جناب من! یہاں مسجد نینی تال میں گیس کی لالٹین روشن کی گئی ہے خاص اندرون مسجد، جس وقت وہ روشن کی جاتی ہے اسپرٹ شراب ڈال کر گرم کی جاتی ہے تب وہ روشن ہوتی ہے اور ایک ہندو اُن کو جلانے کے واسطے اندر جاکر جلاتا ہے جس کے پیر دُھلائے جاتے ہیں اور ناپاکی سے اس کی کچھ مطلب نہیں، یہ کام جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

اسپرٹ شراب ہے اور شراب ناپاک ہے اور ایسی ناپاک چیز مسجد میں لیجانا منع ہے ہرگز اجازت نہیں، ولہٰذا فتاوٰی عالمگیری و درمختار وغیرہ معتبر کتابوں میں تصریح فرمائی کہ تیل کسی طرح ناپاک ہوگیا ہو تو مسجد میں اُسے جلانا ہرگز جائز نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

یکرہ الوطی فوقہ والبول والتغوط وادخال نجاسۃ فیہ فلایجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ[1]

مسجد کی چھت پر وطی کرنا، پیشاب، پاخانہ کرنا اور اس میں نجاست کو داخل کرنا مکروہ ہے لہٰذا ایسا چراغ مسجد میں جلانا ناجائز ہے جس میں نجس تیل ڈالا گیا ہو۔ (ت)

اور کافر کا اس میں جانا بھی بے ادبی ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا بتوفیقہ تعالٰی (جیسا کہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کر دی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۷: ۸ رمضان مبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی سالار بخش نے محلہ بانخانہ میں مسجد تعمیر کرائی اور اس کا فرش تھوڑا درست کرا کر چھوڑ دیا اور چہار دیواری وغیرہ بھی ٹھیک طور پر درست نہ کرائی، عرصہ قریب چھ سال کے گزر گیا مگر چند مرتبہ سالار بخش سے کہا گیا انھوں نے کچھ خیال نہ کیا اب اور چند لوگوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہ مسجد ہنوز ایسی نہیں ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے، چنانچہ اس کو درست کریں تاکہ نماز پڑھی جائے، مسمی سالار بخش کو یہ بات ظاہر ہوئی کہ اور لوگ اس مسجد کو درست کرانا چاہتے ہیں فوراً ان لوگوں سے یہ لفظ کہا کہ اس کو میں خود درست کراؤں گا آپ لوگ اس میں ایک حبہ نہیں لگا سکتے ہیں اور نہ میں کسی کو روپیہ لگانے دوں گا جس وقت میرے پاس روپیہ

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

ہوجائیگا میں خود درست کرادوں گا۔ اب وہ مسجد اسی طرح پڑی ہے نہ تو کسی کو مرمت کرانے دیتے ہیں اور نہ خود درست کراتے ہیں، امیدوار کہ بعد ملاحظہ جو کچھ حکم شرع شریف ہو تحریر فرما کر مُہر ثبت کردی جائے۔

الجواب

اگر سالار بخش نے مسجد کی بنا ڈالی ہے اور ابھی یہ نہ کہا کہ میں نے اسے مسجد کردیا جب تو وہ ابھی وقف نہ ہوئی سالار بخش کی ملک ہے دوسروں کو اُس میں دست اندازی نہیں پہنچتی اور اگر اسے وقف کرچکا یہ کہہ چکا ہے کہ میں نے اسے مسجد کردیا جب بھی اس کے بنانے کا حق اُسی کو ہے اُسے چاہئے کہ خود بنائے ورنہ جو مسلمان بنانا چاہتے ہیں اُن کو اجازت دے اور اگر یہ راضی ہوں تو یوں کریں کہ اُن مسلمانوں سے کہے تم بناؤ اور جو کچھ اس میں صرف ہو وہ میرے ذمہ ہے اس کا حساب لکھتے رہو میں ادا کروں گا یوں مسجد بن بھی جائے گی اور وہ سب مسلمان بھی اس کے بنانے کا پورا ثواب پائیں گے اور ساری مسجد اسی کے روپے سے بنے گی سب مطلب حاصل ہوجائیں گے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۱۹۸ از مارہرہ شریف سرکار خورد مرسلہ حضرت سید شاہ میاں صاحب ۹ رمضان مبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس کا صحن مسقف ہے اور اُس سقف کے نیچے سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے اب اس سقف کو بالائی حصہ مسجد میں بطور صحن شامل کرلیا ہے ایسی حالت میں حسب مذہب اہلسنت وجماعت اس مسقف صحن میں نماز جائز ہے یا نہیں اور حصہ زیریں جو مرتب ومسقف ہے بدستور رکھا جائے یا بجراؤ ڈال کر صحن بنالیا جائے، ایسی صورت میں کہ سقف دور کی جائے اور ایک بنی بنائی عمارت مسمار کردی جائے شرعاً خلاف ہے یا نہیں، بحوالہ کتب و روایات جواب لکھا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سوال میں حصہ بالائی وحصہ زیریں کہنے سے ظاہر کہ مسجد دو طبقہ ہے، علو وسفل یعنی بالاخانہ و منزل زیریں۔ اور یہ الفاظ کہ ایک مسجد جس کا صحن مسقف ہے اور اس سقف کے نیچے سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ سرے سے بانی مسجد نے طبقہ سفل کا کوئی صحن نہ رکھا بلکہ اس کے دونوں درجہ اندرونی و بیرونی مسقف ہی بنائے اور بعد کے الفاظ کہ اب اُس سقف کو بالائی حصہ مسجد میں بطور صحن شامل کرلیا ہے یہ بھی سقف کا حدوث نہیں بتاتے بلکہ اس کا پہلے سے ہونا اور اسے طبقہ علو کے لئے بجائے صحن قرار دینے کا حدوث۔ لیکن سفل جب اصل سے دو درجہ مسقف ہو اور درجہ اندرونی پر علو ہو تو درجہ بیرونی کی سقف خود ہی اس علو کے لئے بجائے صحن ہوگی، اب بطور صحن شامل کرلیا ہے

کا کیا محصل ہوگا، یہ ظاہراً حدوث سقف کی طرف ناظر ہے مگر یہ کہ اس سقف پر نماز پہلے نہ پڑھی جاتی ہو اب پڑھنے لگے بایں معنی شامل کرنے کا حدوث ہے یا یا ہو نیز صحن کا مسقف کہنا بھی حدوث سقف کا پتا دیتا ہے کہ صحن کبھی مسقف نہیں ہوتا، مسقف کو صحن کہیں مگر باعتبار کہ پہلے جو صحن تھا بعد کو مسقف کر لیا ہے، اسی طرح عبارت سوال کہ اس مسقف صحن میں نماز جائز ہے یا نہیں نظر بالفاظ اسی وجہ بیرونی منزل زیریں سے سوال ہے کہ وہی صحن مسقف ہے اور اوپر اسی کو اس لفظ سے تعبیر کیا بھی تھا مگر وہاں تو سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے اور اس میں عدم جواز کا کوئی منشا بھی نہیں، ہاں سقف کو جو حصہ بالا میں اب شامل کیا گیا اُسے صحن حادثات بتایا اور یہاں سوال کے لئے منشا بھی ہے شاید اسے مسقف بایں معنی کہا ہو کہ یہ درجہ زیریں کی سقف کیا گیا ہے مع یہ کہ اس پر سقف بنائی گئی بہر حال ہم ہر احتمال پر کلام کریں۔ یہ سقف اگر حادثات ہے بانی مسجد نے منزل زیریں کے سامنے صحن رکھا تھا بعد کو کسی نے اسے بھی مسقف کر دیا، جب تو ظاہر ہے کہ اس درجہ بیرونی میں جو پہلے صحن تھا اور اب مسقف ہے عدم جواز نماز کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ بدستور مسجد ہے سقف نے اسے مسجدیت سے خارج نہ کیا ہاں اس سقف پر بلا ضرورت نماز کی اجازت نہیں کہ سقف مسجد پر بے ضرورت چڑھنا ممنوع و بے ادبی ہے اور گرمی کا عذر مسموع نہ ہوگا، ہاں کثرت جماعت کہ طبقہ زیریں کے دونوں درجے بھر جائیں اور لوگ باقی رہیں سقف پر اقامت نماز کی اجازت ہوگی۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولہذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہا الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ۔[1]	ہر مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے یہی وجہ ہے کہ شدید گرمی کے باوجود مسجد کی چھت پر باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر جب مسجد نمازیوں کے لئے تنگ پڑ گئی تو مجبوراً چھت پر چڑھنا مکروہ نہیں (ت)

اور اگر یہ سقف قدیم ہے خود بانی مسجد ہی نے طبقہ زیریں کے دونوں درجے مسقف بنائے تو ب نظر لازم ہے اگر ثابت اور تحقیقاً معلوم ہو کہ بانی نے اصل مسجد علو کو رکھا اور نیچے یہ دو درجے وقت ضرورت کے لئے بنائے کہ اگر جماعت کثیر ہو تو ان میں قیام کریں تو اس صورت میں ظاہراً سقف پر نماز مطلقاً جائز ہے کہ درجہ زیریں حسب نیت بانی اصل مسجد نہیں بلکہ تابع و معین مسجد ہے اور زیر سقف تو مطلقاً جواز تو ظاہر ہے کہ وقت ضرورت کی نیت اس کے غیر میں ممانعت نہیں کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) اور اگر ثابت ہو کہ بانی نے اصل مسجد طبقہ زیریں کو کیا اور طبقہ بالا وقت ضرورت یا وقت گرمی کے لئے بنایا یا دونوں کو اصل مسجد کیا تھا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۲

اختلافِ موسم کے خیال سے طبقۂ زیریں بالکل مسقف اور طبقۂ بالا صحن بنایا یا کچھ ثابت نہ ہو تو ان تینوں صورتوں کا حکم مثل ممّی سب سے پہلی صورت حدوث سقف کے چاہیے کہ دو صورت پیشین میں تو طبقۂ زیریں کا مسجد ہونا خود ہی ثابت و مراد ہے تو یہ سقف سقفِ مسجد ہوئی اور سقفِ مسجد پر بے ضرورت صعود ممنوع، اور صورت اخیرہ میں اگرچہ نصاً ثبوت نہ ہو عرفاً ثبوت ہے کہ منازل میں منزل زیریں ہی اصل ہے اور بالاخانہ تابع کہ اس کا قیام اس پر موقوف اور صحن نہ رکھنا عدمِ ارادۂ اصالت کا موجب نہیں جیسے صورت ملحوظہ میں گزرا بالجملہ زیر سقف نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے اور چھت پر بحالِ ضرورت تو مطلقاً اور بلا ضرورت صرف اسی صورت میں کہ بانی سے تحقیقی طور پر ثابت ہو کہ مسجد صرف علو کو کیا اور اُسے تابع رکھا، باقی صورتوں میں چھت پر نماز سے احتراز ہو۔ رہا بجراؤ ڈالی کہ حصّہ زیریں کو نیست و نابود کر دینا یہ کسی صورت جائز نہیں جن صورتوں میں یہی مسجد یا یہ بھی مسجد ہے جب تو ظاہر کہ یہ مسجد کا اعدام اور معاذ اللہ اس وعیدِ شدید پر اقدام ہوگا۔

ومن اظلم ممن منع مسٰجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعٰی فی خرابها۔[1]

اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو لوگوں کو مساجد میں ذکرِ الٰہی سے منع کرے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ (ت)

اور اگر نہیں تو لااقل وقفِ صحیح تابعِ مسجد ہے اور وقف کی ہیئت بدلنا تو جائز نہیں نہ کہ بالکل مسدود و مفقود کر دینا۔ عالمگیریہ میں سراج وہاج سے ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن هیأته فلا یجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا الا اذا جعل الواقف الی الناظر ما یری فیه مصلحة الوقف[2] اھ ھذا کله ما ظهر لی، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا مکان کو باغ، سرائے کو حمام اور اصطبل کو دکان نہیں بنایا جائے گا ہاں اگر واقف نے خود متولی کو مصلحت وقف کے لئے تبدیل کا اختیار دیا ہو تو جائز ہے اھ یہ تمام میرے لئے ظاہر ہوا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۹: ۱۰ ذی القعدۃ الحرام ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک زمین مسجد کہ اس میں اور مسجد میں راہ وغیرہ کوئی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب رابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

فاصل نہیں، کثرتِ جماعت کے وقت اس میں نماز بھی ہوتی ہے اور ویسے وضو وغیرہ ضروریاتِ مسجد کے لئے ہے کیا متولی یا دیگر مسلمین کو یہ جائز ہے کہ اُسے مسجد سے توڑ کر شارعِ عام میں شامل کردیں یا بالعوض خواہ بلاعوض سڑک بنانے کے لئے دے دیں اور ایسا کرنا حقوقِ مسجد پر دست درازی کرنا ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیشک ایسا کرنا حرامِ قطعی اور ضرور حقوقِ مسجد پر تعدی اور وقفِ مسجد میں ناحق دست اندازی ہے شرعِ مطہر میں بلاشرطِ واقف کہ اُسی وقف کی مصلحت کے لئے ہو وقف کی ہیأت بدلنا بھی ناجائز ہے اگرچہ اصل مقصود باقی رہے تو بالکل مقصدِ وقف باطل کرکے ایک دوسرے کام کے لئے دینا کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ سراج وہاج و فتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ہیأتہ فلایجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا الا اذا جعل الواقف الی الناظر مایری فیہ مصلحۃ الوقف[1]۔

وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں لہٰذا مکان کو باغ، سرائے کو حمام اور اصطبل کو دکان نہیں بنایا جائے گا مگر اس وقت یہ تبدیلی ناجائز نہ ہوگی جب واقف نے خود متولی کو اختیار دیا ہو کہ مصلحتِ وقف کے لئے جو تبدیلی بہتر سمجھیں کرلیں (ت)

فتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہ کتب میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ[2]۔

وقف کو اپنی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے (ت)

خصوصًا ایسی تبدیلی جس سے خاص مسلمانوں کا حق عام آدمیوں مسلم غیر مسلم سب کے لئے ہوجائے جب وہ سڑک ہوئی تو اس میں مسلم کافر سب کا حق ہوجائے گا اور پہلے وہ صرف حقِ مسلمانان تھی تو کیونکر جائز ہوکہ مسلمانوں کا حق چھین کر عام کردیا جائے، کیا کوئی ہندو گوارا کرسکتا ہے کہ اس کے شوالے یا مندر کا کچھ حصہ توڑ کر مسلمانوں کو اس میں حقدار کردیا جائے تو تعجب اُس مسلمان سے کہ اپنے دین پر ایسے ظلم کا مرتکب ہو، یا اگر کوئی مسلمان کسی زمینِ مندر یا ہندو کسی زمینِ مسجد کے ساتھ ایسا کرے تو گورنمنٹ اسے روا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

رکھے گا ہرگز نہیں بلکہ ضرور اُسے اُس مسلم یا ہندو کی جبر و تعدی اور مذہبی دست اندازی قرار دے گا علی الخصوص ایسی زمین کہ اگر عین مسجد نہیں فنائے مسجد ہے۔ قنیہ میں ہے:

فناء المسجد هو المكان المتصل به ليس بينه طريق[1]

فنائے مسجد وہ مکان ہے جو مسجد کے متصل ہو اور درمیان میں راستہ نہ ہو۔ (ت)

اور فنائے مسجد کی حرمت مثل مسجد ہے۔ فتاوٰی عالمگیری کتاب الوقف باب ۱۱ میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قيم المسجد لا يجوز له ان يبني حوانيت في حد المسجد او في فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لا يجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد[2]

متولی کو مسجد کی حد یا مسجد کے فناء میں دکانیں بنانے کا اختیار نہیں کیونکہ مسجد کو جب دکان یا رہائش گاہ بنالیا جائے تو اس کا احترام ساقط ہوجاتا ہے جو کہ ناجائز ہے اور فنائے مسجد چونکہ مسجد کے تابع ہے لہذا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو مسجد کا ہے۔ (ت)

جب فنائے مسجد میں خود مصلحتِ مسجد کے لئے دکان بنانا متولی مسجد کو حرام اور مسجد کی بے ادبی اور اُس کی حرمت کا ساقط کرنا ہے تو فنائے مسجد کو عام سڑک کے لئے دے دینا کس درجہ سخت حرام اور مسجد کی بے حرمتی اور اس کی عظمت کا منہدم کرنا ہوگا۔ وہ جو بعض کتب میں ہے کہ ضرورت و مجبوری کے وقت مسجد کو راستہ بنانا جائز ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ بضرورت مسجد میں ہوکر دوسری طرف کو نکل جانا جائز ہے کہ مسجد میں دوسری طرف جانے کے لئے چلنا حرام ہے مگر ضرورت کہ راستہ گھرا ہوا ہے اور مسجد ہی میں سے ہوکر جا سکتا ہے جیسے موسمِ حج میں مسجد الحرام شریف میں واقع ہوتا ہے اس کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی جنب یا حائض یا نفساء کو نہیں نیز گھوڑے یا بیل گاڑی کو نہیں، ہوکر نکل جانے کیلئے بھی ان کا جانا لے جانا ہرگز جائز نہیں، نہ یہ کہ معاذ اللہ اُسے مسجدیت سے خارج کرکے گزرگاہ عام کردیا جائے کہ مسلم کافر جانور پاک ناپاک سب کے لئے شارع عام ہوجائے یہ ہرگز حلال نہیں ہوسکتا۔

اشباہ والنظائر احکام المسجد میں ہے:

---

[1] قنیۃ المستملی فصل فی احکام المسجد سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۶۲

لایجوز اتخاذ طریق فیہ للمرور الا لعذر[1]

سوائے ضرورت کے مسجد میں سے گزرنے کیلئے راستہ بنانا ناجائز ہے (ت)

اس کی شرح غمز العیون والبصائر میں ہے:

قولہ ولایجوز اتخاذ طریق فیہ للمرور یعنی بان یکون لہ بابان فاکثر فیدخل من ھذا ویخرج من ھذا[2]۔

ماتن کے قول "مسجد سے گزرنے کے لئے راستہ بنانا ناجائز ہے" کا معنی یہ ہے کہ مسجد کے دو یا دو سے زیادہ دروازے ہوں تو ایک دروازے سے داخل ہوکر دوسرے سے نکل جائے (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ وفتاوٰی خلاصہ میں ہے:

رجل یمر فی المسجد ویتخذ طریقا ان کان لغیر عذر لایجوز وبعذر یجوز ثم اذا جاز یصلی فی کل یوم مرۃ لا فی کل مرۃ[3]۔

ایک شخص مسجد سے گزرتا ہے اور اس کو راستہ بناتا ہے اگر عذر سے ہے تو جائز ہے بلاعذر ہے تو ناجائز ہے پھر اگر اس کو گزرنا جائز ہو تو ہر روز ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھے نہ کہ ہر بار جب بھی گزرے (ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للامام الزیلعی وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا جعل فی المسجد ممرا فانہ یجوز لتعارف اھل الامصار فی الجوامع وجاز لکل واحد ان یمر فیہ حتی الکافر الا الجنب والحائض والنفساء ولیس لھم ان یدخلوا فیہ الدواب[4]۔

اگر مسجد میں سے کوئی حصہ مسلمانوں کے لئے عام راستہ گزرگاہ بنادیا جائے تو جائز ہے کیونکہ شہروں کے لوگوں میں جامع مسجدوں میں ایسا متعارف ہے اور ہر ایک کو اس راہ گزر سے گزرنے کی اجازت ہوگی حتی کہ کافر کو بھی، مگر جنبی اور حیض ونفاس والی عورتوں کو گزرنے کی اجازت نہیں اور لوگوں کو یہ اختیار نہیں کہ اس راستے سے اپنے جانوروں کو لے کر جائیں۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱
[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ " " " " " " " " "
[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الفصل السادس العشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۹
[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

محیط امام برہان الدین و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

ان ارادوا ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذلک وانہ صحیح۔[1]

اگر لوگوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لئے گزرگاہ بنادیں تو کہا گیا ہے کہ انھیں ایسا کرنے کا اختیار نہیں، اور بیشک یہی صحیح ہے (ت)

اسی طرح فتاوٰی امام فقیہ ابو اللیث پھر فتاوٰی تاتارخانیہ وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ از محلہ کوٹ پرگنہ سنبھل ضلع مرادآباد مکان مولوی لئیق احمد صاحب مرسلہ مظہر حسین صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

جلسہ چندہ واسطے مصارف خیر کے مساجد میں خصوصا جامع مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے جبکہ چپقلش نہ ہو اور کوئی بات خلاف ادب مسجد نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از گونڈہ محلہ نبی گنج مکان مولوی نوازش احمد صاحب مرسلہ حافظ محمد اسحٰق صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

مسجد قدیم کہنہ کو شہید کرکے اسی مقام پر یا کچھ فاصلہ سے ہٹ کر دوسری جگہ مسجد جدید کوئی بنوائے تو اس بارے میں شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب

مسجد کو اس لئے شہید کرنا کہ وہ جگہ ترک کردیں گے اور دوسری جگہ مسجد بنائیں گے مطلقا حرام ہے قال تعالٰی :

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا۔[2]

اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے (ت)

اور اگر اس لئے شہید کی کہ یہیں از سرِ نو اس کی تعمیر کرائے تو اگر یہ امر بے حاجت وبلا وجہ صحیح شرعی ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۶
[2] القرآن الکریم ۲/۱۱۴

تو لغو وعبث و بے جرم ہے مسجد و تضییع مال ہے اور یہ سب ناجائز ہے

قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللّٰہ تعالٰی کرہ لکم ثلثا قیل وقال وکثرۃ السؤال و اضاعۃ المال[1] ، وقال تعالٰی ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند بنایا: قیل وقال، کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنا۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں (ت)

ہدایہ میں ہے : العبث حرام[3] (فضول خرچ کرنا حرام ہے ۔ ت) اور اگر مصلحت شرعی ہے مثلاً اگر اُس میں اور زمین شامل کرکے توسیع کی جائے گی یا بنا کمزور ہوگئی ہے محکم بنائی جائے گی تو اصل بانی مسجد ورنہ اہل محلہ کو اس میں اختیار ہے کما فی الھندیۃ والدرالمختار وغیرھما (جیسا کہ ہندیہ اور درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از علیگڑھ سوسائٹی کارڈنی مسئولہ حمید الدین خاں بی اے ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ معرفت سید برکت علی صاحب

معظمی زاد عنایتہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! تھوڑا عرصہ ہُوا جب مجھے آپ کے ہمراہ جناب مولانا صاحب قبلہ سے شرف قدم بوسی حاصل ہُوا تھا اس روز میں نے مولانا صاحب کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ ایک صاحب نے مسجد کے متعلق چند کتب احادیث کی اسناد پر یہ مواد جمع کیا ہے کہ راستہ کی فراخی کے لئے مسجد میں سے کچھ حصہ بشرط گنجائش لینا جائز ہے جس میں آنجناب مولانا صاحب قبلہ نے یہ فرمایا تھا کہ وہ غلطی پر ہیں بلکہ اُس مسئلہ کا منشا بحالت ہجوم مسجد کے کسی حصہ میں سے گزرنے کا جواز ہے اس پر میں نے اُن صاحب کو اُن کی غلطی پر بذریعہ خط متنبہ کیا عرصہ کے بعد اُن کا جواب آیا افسوس ہے کہ وہ اپنی جائے قیام پر نہیں ہیں اس وجہ سے اُن کے پاس وہ اُن کا رسالہ اور وہ کتب جن سے مواد جمع کیا تھا موجود نہ تھیں مگر جو انھوں نے مجھے اپنی یادداشت سے لکھ بجنسہٖ نقل کرکے ارسال خدمت کرتا ہوں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب النہی عن کثرۃ المسائل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۶-۲۷

[3] الہدایۃ کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۸

نام کتاب جس میں سے مواد حاصل کیا :

اشباہ والنظائر مصنفہ امام ابراہیم باب فوائد شتّی ص ۴۰۳ و ۴۰۵ مطبوعہ ۱۲۰۳ھ مطبع نظامی یا مصطفائی کانپور

عبارت نمبر :

جو حوالہ میں نے آپ کو لکھا تھا وہ اس طرح ہے :

لوضاق الطریق علی المارۃ والمسجد واسع فلھم ان یوسعوا الطریق من المسجد۔

اگر راستہ گزرنے والوں کے لئے تنگ ہو اور مسجد وسیع ہو تو انھیں مسجد کا کچھ حصہ لے کر راستہ میں توسیع کرنے کا اختیار ہے (ت)

اور دوسری جگہ :

ماضاق المرور ولو کان مسجدا واسعا یجوز انھدامہ۔

جب گزرنا دشوار ہو اور مسجد وسیع ہو تو اس کا انہدام جائز ہے (ت)

قریب قریب ایسی ہی عبارت جو مجھے کل اور اچھی طرح یاد نہیں ہے، عبارت بالا اشباہ و النظائر میں صاف لکھی ہے اور صاحب رد المحتار نے اسی کو مرجح اور معتمد لکھا ہے حکم بالا میں مسجد کے متعلق ہے فناء مسجد یعنی وضوخانہ، حجرہ، غسل خانہ میں تو بحث ہی فضول ہے۔ یہ عبارت انھوں نے مجھے لکھ کر بھیجی ہے غالبًا یہ کتاب آنجناب مولانا صاحب کے وسیع کتب خانہ میں ضرور موجود ہوگی اور اس کو دیکھ کر آں جناب ضرور اس کی صحت اور موقع پر غور فرماسکیں گے والسلام۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ جناب مولانا صاحب قبلہ کے فیصلہ سے مجھے بھی مطلع فرمائیں تو باعث کمال عنایت ہوگا علاوہ اضافہ معلومات مجھے ان حضرت کو بھی لکھنے کا موقع مل سکے گا میرا پتہ حسب ذیل ہوگا :

محمد حمید الدین خاں بی اے، سوسائٹی کاروان علیگڈھ

الجواب

استغفر اللہ العظیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم الحکیم، نہ کتاب مستطاب اشباہ و النظائر کے مصنف امام ابراہیم نہ اشباہ میں معاذ اللہ کہیں ان کا پتہ کہ لوکان مسجدا واسعا یجوز انھدامہ (اگر مسجد وسیع ہو تو اس کا انہدام جائز ہے۔ ت) نہ کوئی مسلمان ایسا کہہ سکے نہ کوئی

عربی داں ایسی عبارت لکھے نہ کہ علامہ زین بن نجیم مصری مصنفِ اشباہ۔ اُن کی نسبت یہ محض تہمت ہے یا زا اشتباہ۔ کسی شخص کے اپنے تخیل میں یہ لفظ پیدا ہوئے ہوں گے جس کی عربیت فاسد اور معنی باطل۔ کوئی آدمی ابراہیم نامی وہاں موجود یا مخیل ہوگا اور کتاب اشباہ کہیں رکھی ہوگی سب تصورات جمع ہو کر یہ یاد رہا کہ امام ابراہیم نے اشباہ میں ایسا لکھا اگرچہ نظر بواقع وہی مثال ہے کہ ؎

چہ خوش گفتست سعدی در زلیخا — الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

(کیا خوب کہا سعدی نے زلیخا میں، خبردار اے ساقی! جام کو گردش دے اور عطا کر۔ ت)

بلکہ اس سے بھی ہزار درجہ بدتر ہے کہ اگرچہ نہ کتاب زلیخا شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالٰی کی تصنیف نہ مصرع دوم اُن کا، نہ اس کتاب کا، مگر آخر ہے تو ایک عارف کا قول بخلاف اس کے کہ مسجد ڈھانے کی صحت اور اشباہ کی طرف اس کی نسبت۔ افسوس کہ ناقل نے جس کتاب کے صفحہ ۳۰۴ سے یہ عبارت نقل کی اس سے گیارہ ہی ورق اوپر صفحہ ۲۸۱ میں اس کے معنی کی صریح تشریح نہ دیکھی کہ لایجوز ان یتخذ طریقًا فیہ للمرور یعنی بان یکون لہ بابان فاکثر فیدخل من ھذا و یخرج من ھذا[1] یعنی مسجد میں راستہ بنانا ناجائز ہے اور عذر کی صورت میں جس کی اجازت دی گئی ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ مسجد کے دو یا زیادہ دروازے ہوں ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائے بحمد اللہ تعالٰی اس یعنی نے معنی کو صاف کر دیا اور جب خود اسی کتاب میں جو عبارت تھی نظر نہ آئی اور جو نہ تھی وہ متشکل ہو گئی تو اس کی کیا شکایت کہ خود انھیں امام مصنفِ اشباہ کی دوسری جلیل و عظیم کتاب بحرالرائق نہ دیکھی جس میں انھوں نے صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ مسجد کو راستہ بنانے سے یہی مراد ہے کہ مسجد بحال خود قائم و برقرار رہے اور کسی کام کے لئے اس میں ہو کر نکل جائے اور صریح تصریح فرما دی ہے کہ یہ ناپاک مرد یا عورت کے لئے حلال نہیں، نہ اس میں گھوڑا یا بیل وغیرہ جانور لے جا سکتے ہیں، عبارت یہ ہے

بحرالرائق مطبع مصر جلد پنجم ص ۲۴۶:

ومعنی قولہ کعکسہ انہ اذا جعل فی المسجد ممرا فانہ یجوز لتعارف اھل الامصار فی الجوامع وجاز لکل واحد ان یمر فیہ حتی

یعنی مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں ہو کر مرور کے لئے جگہ ٹھہرا لے تو روا ہے کہ شہروں کی جامع مسجدوں میں اس کا عام رواج ہو رہا ہے اور اس میں

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۳۱

الکافر الا الجنب والحائض والنفساء لما عرف فی موضعہ ولیس لھم ان یدخلوا فیہ الدواب[1]

ہو کر ہر شخص کو گزر جانے کی اجازت ہوگی یہاں تک کہ کافر کو مگر جنابت والے مرد و عورت اور حیض والی عورت اور نفاس والی ان میں کسی کو وہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوسکتی کہ مسجد میں ان کا جانا حرام ہونا اپنی جگہ یعنی کتاب الطہارۃ میں معلوم ہوچکا ہے اور یہ بھی انھیں اختیار نہیں کہ اس جگہ جانور لے جائیں (ت)

بعینہٖ اسی طرح تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی و درر الحکام و درمختار و فتاوی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے اس ارشاد علماء کو ایمان کی نگاہ سے دیکھنے والے پر آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ مسجد کو راستہ بنانے کے معنی خود انھوں نے کیا ارشاد فرمائے اور کیا مراد بتائی، آیا یہ کہ معاذ اللہ مسجد توڑ کر سڑک میں ڈال لو جس میں آدمی جنب، حائض، نفسا، گھوڑے، گدھے، غلیظ کی گاڑیاں سب گزریں اور سب کا حق مساوی ہو اور کسی کو منع نہ کرسکو، نہ وہاں منڈھی ڈال کر بیٹھ سکو کہ جو آدمی گزرے اس سے پوچھو تجھے نہانے کی حاجت تو نہیں، جو عورت گزرے اس سے دریافت کرو تجھے حیض تو نہیں، اور جو ایسا کرے بھی تو مجنون کہلائے اور فائدہ کچھ نہیں کہ کسی کو روک سکو اور روکو تو روز فساد ہو، استغفر اللہ کیا ایسی بے معنی بیہودہ بات علماء نے اپنی مراد بتائی یا یہ کہ مسجد اپنے حال پر قائم و برقرار رہے اس کے تمام آداب بدستور فرض و مقرر ہیں نہ اس میں کوئی جانور جاسکے، نہ جنب، نہ حائض، نہ نفاس والی، اور ان کے علاوہ اور آدمی ہو کر گزر جائے، یہ بھی پیش نظر رہے کہ وہ جس امر کی اجازت دے رہے ہیں اسے صاف بتا رہے ہیں کہ عام شہروں کی جامع مسجدوں میں اس کا رواج ہے، اب یہ دیکھ لیجئے کہ جامع مسجدوں کا عام دستور کیا ہے، آیا یہ کہ مسجدیں توڑ کر سڑک میں ڈال لی جاتی ہیں، حاشا کوئی اندھا بھی ایسا نہیں کہہ سکتا تو بس جتنی بات کا عام شہروں کی جامع مسجدوں میں رواج چلا آتا ہے اسی کی وہ اجازت دے رہے ہیں اور وہی ان کی مراد ہے اس سے زیادہ باطل وادعا ہے واللہ یقول الحق ویھدی السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل (اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے اور وہی مجھے کافی اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف فصل لما اختص المسجد باحکام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۵۵

مسئلہ ۱۶۳ تا ۱۶۴: مسئولہ محمد علاؤ الدین صاحب مالگذار رئیس تحصیل ملتائی ضلع بیتول ملک متوسط ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اس مختصر قصبہ ملتائی میں قریب سو سال سے
ایک مسجد قدیمی بزرگوں کی تعمیر کرائی ہوئی موجود ہے جس میں نماز پنجگانہ وجمعہ ہوا کرتا ہے یہاں مسلمانوں
کی آبادی بہت کم ہے قریب ستر پچھتر مکان ہوں گے ان میں بھی صوم وصلوٰۃ کے پابند صرف معدودے چند
اشخاص ہیں تاہم تفرقہ انداز نفوس موجود ہیں امسال رمضان شریف میں روزہ جلد افطار کرنے کی کج حجتی پر
بھی متولی مسجد کے یوم غیم میں کچھ دیر کرکے روزہ افطار کرنے کی تنبیہ پر زید وبکر وخالد وعمرو نے مسجد قدیمی سے
کنارہ کشی اختیار کرکے اور دس بیس آدمیوں کو ورغلا کر مسجد میں تراویح پڑھنے وقرآن شریف سننے سے جو حافظ صاحب
نماز تراویح میں پڑھتے تھے خود بھی باز رہے اور دیگر لوگوں کو بھی باز رکھا اور ترک جماعت کرکے ایک دوسری جگہ
نماز پنجگانہ وتراویح ونماز جمعہ پڑھتے رہے اور اپنی ضد وتفرقہ اندازی کی غرض سے اور چند جاہل مسلمانوں کو
اکسا ورغلا کر اپنا ہم خیال بنا کر جابجا سے چندہ وصول کرکے ایک دوسری مسجد تعمیر کرانے کی فکر کر رہے ہیں بلکہ
ایک ویران خانگی مسجد کو جو ایک خاندان کے لئے مخصوص تھی جس میں اب کوئی علامت مسجد کی باقی نہیں
نہ دیوار و در ثابت ہیں نہ منبر وغیرہ کا نشان نظر آتا ہے پچاس ساٹھ برس سے بالکل ویران پڑی ہوئی ہے
اُسی کو باجازت اُس کے متولیوں کے [illegible] تعمیر کرا کر مسجد جامع بنانے کی نیت سے اس مسجد سے
بالکل کنارہ کشی کر بیٹھے ہیں اور اس اپنی منافقانہ وکافرانہ حرکت وضد کو قرین ثواب وجائز قرار دے کر
یہی پرچار کرتے ہوئے ہیں کہ ہم دوسری مسجد بنا کر رہیں گے حالانکہ سب کے سب علم دین سے محض نابلد و
جاہل ومطلق ہیں کہ آیہ کریمہ قرآن پاک پ ۱۱ رکوع ۲ میں جو اس قسم کی مسجد ضرار کے بارہ میں احکام نہی صاف
روشن ہیں اس کا ترجمہ دیکھ کر اس کے معنی اُلٹے سمجھتے ہیں کہ یہ یہود ونصاریٰ سے متعلق ہے انہیں کیلئے
نازل ہوئی ہے لہٰذا ان کے منافقانہ تفرقہ اندازی سے باز رہنے کے لئے حسب ذیل امور کیلئے علمائے دین
موجودہ حال لکھنؤ کے مشاہیر سے مثبت فتوی درکار ہے اور دفع شر کے لئے ایسے فتوے کی اشد ضرورت ہے
اللہ جل شانہ نے آپ صاحبوں کو علمی فضیلت دی ہے نہایت عاجزی سے ملتجی ہوں کہ براہ عنایت و
تحصیل ثواب فتوی مستند وجلد ارسال فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور رہوں گے

(۱) کیا مذکورہ بالا اشخاص ایک مسجد قدیمی کی ضد پر جو موجودہ حال و آبادی سے قریب ومتصل ہے اور
اس میں پوری گنجائش نمازیوں کی کافی طور سے ہوتی ہے اور جس میں عرصہ قریب سو سال سے
نماز پنجگانہ وجمعہ ادا ہوتی ہے بلکہ مذکورہ بالا اشخاص وبستی کے مسلمان صرف ایک مسجد کو بھی پورے طور
سے آباد نہیں رکھ سکتے ہیں باہم نفاق ڈالنے کی نیت سے بلا ضرورت دوسری مسجد تعمیر کرانا اور چندہ

انجان مسلمانوں کو ترغیب دے کر اُس قدیم مسجد سے باز رکھنا اور اپنی ایک جُدا گانہ جماعت قائم کرنا
یہ فعل ان کا منافقانہ و داخل کفر و ناروا ہے یا نہیں ؟

(۲) دیگر بے شرو بے اوث مسلمانوں کے لئے اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا کیا ؟

(۳) ان سے رہ و رسم ، سلام مسنون یا ان میں سے بطور قاضی کے کسی کا نکاح پڑھانا جائز ہے یا کیا ؟

(۴) مسجد ضرار جو ایک مسجد کی ضد پر بنائے فساد قائم کی جائے اس کے گرا دینے و منہدم کرنے کا حکم
ہے یا نہیں ؟

(۵) کیا ایسا شخص مذکورہ بالا جو ایسے شر و نفاق کا بانی مبانی ہو امامت کے قابل ہو سکتا ہے ؟ کیا اس
کی امامت جائز ہے ؟

(۶) کیا ایسی مسجد کی تعمیر کے لئے جس کی بنا فساد و نفاق پر ہو اور جو ضرار کی تعریف میں داخل ہو کچھ چندہ دینا
یا دیگر طریقہ سے مدد دینا جائز ہے ؟

(۷) کیا ذابح بقرہ و غنم کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یعنی جو شخص اجرت لے کر ذبیحہ کرتا ہو وہ امامت کر سکتا ہے
یا نہیں ؟

(۸) کیا نماز جمعہ ایسی جگہ جہاں مسلمانوں کے صرف پچیس مکان ہوں اور نمازی بمشکل تیس چالیس جمع
ہوتے ہوں نماز جمعہ دو جگہ ہو سکتی ہے ؟

(۹) جو شخص بستی و قوم میں ہر طرح معزز و رئیس ہو اور وہ متولی مسجد بھی ہو اُس کے خلاف برگشتہ ہو کر
معمولی حیثیت کے مسلمان کا ایسا شر پیدا کرنے کا طرز عمل جائز ہے ؟ بینوا توجروا یا
اولی الالباب -

الجواب

(۱) اگر فی الواقع اُن کی نیت جماعت مسلمین کی تفریق اور مسجد قدیم کی تخریب ہو تو ضرور وہ مرتکب سخت کبیرہ
ہیں اور اس تقدیر پر اُن کی مسجد مسجد ضرار ہوگی مگر اتنی بات پر حکم تکفیر نا ممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جب اُن پر حکم کفر نہیں تو اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ کیوں نادرست ہوگا ؟

(۳) جو لوگ اس تقدیر پر فساق و مرتکب کبائر ہیں اُن سے ابتداءً سلام ناجائز ہے اور بغرض زجر و تنبیہ
ترک رہ و رسم بہتر ہے اور جب راہ و رسم نہ ہوگی تو اپنی شادیوں میں بلانا اور نکاح پڑھوانا بھی
نہ ہوگا لیکن اگر وہ نکاح پڑھائیں تو اس نکاح میں کوئی جرم لازم نہ آئے گا۔

(۴) ضرور ہے مگر جبکہ ضرار ہونا یقیناً ثابت ہو۔ دو جماعتوں میں رنجش ہوئی اور ایک جماعت دوسری کی

مسجد میں بخوفِ فتنہ آنا نہ چاہے اور مسجد میں نماز پڑھنا ضرور، لہٰذا وُہ اپنی مسجد جدا بنائے تو اُسے
مسجدِ ضرار نہیں کہہ سکتے، مسجدِ ضرار اُسی صورت میں ہوگی کہ اُس سے مقصود مسجد کو ضرر دینا اور جماعت
مسلمین میں تفرقہ ڈالنا ہو، نیت امرِ باطن ہے محض قیاسات و قرائن کا لحاظ کرکے ایسی سخت بات کا
حکم نہیں دے سکتے خصوصاً اُس حالت میں جبکہ وہ جدا مسجد بنانا نہیں چاہتے بلکہ جو مسجد پہلے موجود تھی
اُس کا احیاء چاہتے ہیں۔

(۵) ایسے شخص کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی جبکہ صورت واقعہ یہ ہو جو سائل نے
ذکر کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اگر امر مذکور ثابت ہو تو اُس میں کسی طرح مدد دینا جائز نہیں۔

(۷) یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے ذبح کا بوجہ کوئی لزوم نہیں، نہ اس پر اُجرت لینا ممنوع، تو اس وجہ سے
امامت میں کیا حرج ہو سکتا ہے۔

(۸) نماز جمعہ کے شرائط سے ایک شرط یہ ہے کہ خود سلطانِ اسلام پڑھائے یا اس کا نائب یا اُس کا ماذون
اور جہاں یہ نہ ہوں وہاں بضرورت مسلمانوں کا کسی امام مقرر کر لینا معتبر رکھا ہے ایسی بستی میں جبکہ جمعہ
قائم ہے اور ایک امام مقرر کردہ مسلمین موجود ہے تو بلا وجہ شرعی چند شخصوں کا دوسرے کو امام جمعہ
مقرر کرنا صحیح نہ ہوگا اور وہاں نماز جمعہ ادا نہ ہو سکے گی۔

(۹) شر پیدا کرنا کسی کو کسی کے مقابل جائز نہیں اور دینی معظم کی بلا وجہ شرعی مخالفت اور بھی شر ہے
ہاں جو عقیدہ وغیرہ وجاہت رکھتا ہو اُسے معزز اور اس کے مقابل اور مسلمانوں کو معمولی مسلمان
کہنا یہ بھی جائز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۸۲: مسئولہ سید کمال الدین احمد صاحب جعفری وکیل ہائیکورٹ الٰہ آباد ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ
عیدگاہ یا مسجد میں وعظ یا چندہ اسلامی مذہبی کاموں کے لئے کرنا عام مسلمانوں کو جائز ہے متولی
کو اُس کے روکنے کا حق ہے یا نہیں!

الجواب

مسجد میں کارِ خیر کے لئے چندہ کرنا جائز ہے جبکہ شور و تشویش نہ ہو خود احادیث صحیحہ سے اس کا جواز
ثابت ہے، مسجد میں وعظ کی بھی اجازت ہے جبکہ واعظ عالم دین سُنّی صحیح العقیدہ ہو اور نماز کا وقت نہ ہو،
ان دونوں باتوں کو کہ منکرات سے خالی ہوں متولی یا کوئی منع نہیں کر سکتا، ہاں اگر چندہ امرِ شر کے لئے ہو اگرچہ
اُسے کیسا ہی امرِ خیر کہا جائے جیسے نیچریوں کے کالج یا وہابیوں کے مدرسہ کے لئے یا اُس میں شور و غل ہو

یا واعظ بدمذہب یا بے علم یا روایات موضوع کا بیان کرنے والا ہو یا لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور اس نے وعظ شروع کردیا کہ اُن کی نماز میں خلل آتا ہو تو ایسی صورت میں متولی اور ہر مسلمان کو روک دینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۳ ازموضع منصور پور متصل ڈاکخانہ قصبہ شیش گڑھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ محمد شاہ خاں

۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دیوار شمال وجنوب کی ہے اس کی بنیاد سے ملا کر کسی قدر اونچائی کی شکل چبوترہ قائم کیا گیا اور اس دیوار پر چھپر رکھوا کر وہ جگہ نماز کے واسطے مخصوص کردی گئی چنانچہ جگہ مذکور پر بلاناغہ اذان ونماز ایک مدت سے ہورہی ہے یہاں تک کہ نماز جمعہ بھی ہوتی ہے، منبر لکڑی کا برائے خطبہ جگہ معینہ پر موجود ہے، بایں صورت فرمائیے کہ اس کو مسجد کہا جائے یا کیا؟

الجواب

مالک زمین نے اگر کہا کہ میں نے اس کو مسجد کردیا اور اس میں نماز پڑھ لی گئی تو وہ مسجد ہوگئی اگرچہ اُس میں عمارت اصلاً نہ ہو خالی زمین ہو، یونہی اگر اُس کے کلام سے مسجد کردینے پر دلالت پائی گئی مثلاً کہا میں نے یہ زمین مسلمانوں کی نماز کے لئے کردی کہ ہمیشہ اس میں نماز ہوا کرے جب بھی مسجد ہوجائیگی اور اگر ایک مدت خاص کی تحدید کی مثلاً سال دو سال نماز پڑھنے کے لئے دیتا ہوں تو مسجد نہ ہوگی، وہ اگر زبان سے لفظ نہ ہمیشہ کا کہا نہ کسی وقت محدود کا تو دل میں اگر نیت ہمیشگی کی ہے مسجد ہوگئی ورنہ نہیں۔ عالمگیری میں ہے:

رجل لہ ساحۃ لابناء فیہا امر قوما ان یصلوا فیہا بجماعۃ فہذا علی ثلثۃ اوجہ احدہا اما ان امرہم بالصلوۃ فیہا ابدا نصا بان قال صلوا فیہا ابدا او امرہم بالصلوۃ مطلقا ونوی الابد ففی ہذین الوجہین صارت الساحۃ مسجدا لو مات لا یورث عنہ،

ایک شخص کی خالی زمین پڑی ہوئی تھی جس میں کوئی عمارت نہیں اس نے لوگوں کو اس زمین میں باجماعت نماز پڑھنے کو کہا تو اس کی تین صورتیں ہیں (پہلی یہ کہ) اس نے امر نماز کی تابید کی تصریح کی ہو بایں طور کہ یوں کہا ہو کہ تم اس میں ہمیشہ نماز پڑھا کرو، یا (دوسری صورت یہ کہ) اس نے انھیں مطلقاً نماز پڑھنے کو کہا اور نیت ہمیشگی کی کرلی ان دونوں صورتوں میں وہ زمین مسجد ہوگئی اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری نہ ہوگی، اور (تیسری

واما ان وقت الامر باليوم او الشهر او السنة ففى هذا الوجه لايصير الساحة مسجدا لومات يورث عنه[1] والله تعالٰى اعلم۔

صورت یہ ہو کہ) اگر اس نے امر نماز کو دن مہینے یا سال سے مقید کیا تو اس صورت میں وہ زمین مسجد نہ ہوگی اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی۔ واللہ تعالٰی علم (ت)

مسئلہ ۱۸۳ مسئولہ عبدالرحیم و کریم احمد صاحبان متولیان مسجد مچھلی بازار کانپور ۱۲ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ مسجد مچھلی بازار کانپور فنڈ میں تین عنوانوں سے آیا ہے:

(۱) کچھ تو امداد مجروحین و مقتولین کے لئے۔

(۲) کچھ مقدمۂ مسجد کے لئے۔

(۳) کچھ حفاظت اور تعمیر حصہ منہدمہ مسجد کی غرض سے

اب بعد ختم ہو جانے مقدمہ کے اس کا صحیح مصرف از روئے شرع شریف کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

امداد مجروحین و مقتولین مقدمہ ختم ہونے سے ختم نہیں ہو جاتی، امداد مقتولین سے ان کی بیواؤں اور یتیموں کی امداد مراد ہے اور وہ ہنوز باقی ہیں، مقدمہ اگر ختم ہوا تو ماخوذین کا نہ مسجد کا کہ اس کا جو فیصلہ مولوی صاحب فیصلہ کنندہ نے کیا محض باطل و خلاف شرع ہے مسلمانوں کو اس پر سکوت جائز نہیں فرض ہے کہ اپنے تحفظ حقوق مذہبی کے لئے گورنمنٹ سے جائز چارہ جوئی کو انتہا تک پہنچائیں۔ اس کے مصارف میں یہ روپیہ اٹھائیں اس کا روشن بیان ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری میں ہے جو اصل رسالہ چھپ گیا اور روزنامہ میں بھی شائع ہو چکا اور اس کا ذیل زیر طبع ہے، واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۵

رسالہ

اَبَانَةُ الْمُتَوَارِی فِی مُصَالَحَةِ عَبْدِ الْبَارِی ۱۳۴۱ھ

(عبد الباری کی مصالحت میں چھپی ہوئی (خرابی) کا اظہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۵۸ از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی سلامت اللہ صاحب نائب منصرم مجلس مؤید الاسلام ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ________ گورنمنٹ کے حکام

ع۔ مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوٰی احسن کا سوال لکھنؤ فرنگی محل سے آیا اور دارالافتاء نے جواب دیا اور بکمال وضوح ثابت کیا کہ مولوی صاحب نے جو فیصلہ مسجد مچھلی بازار کانپور کے متعلق دیا وہ سراسر مخالف احکام اسلام ہے۔ اس پر مسلمانوں کو مطمئن ہونا سخت گناہ و حرام ہے۔ ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ در بارۂ حفظ حقوق مذہبی گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی سے نفع لیں اور اپنے منصب کے لائق جائز چارہ جوئی میں پوری کوشش کریں۔ مولوی صاحب کی یہ شخصی کارروائی اگر مقبول ٹھہر گئی تو ہمیشہ کے لئے مساجد ہند پر اس کا بہت بُرا اثر پڑے گا اور ہر مسلمان کہ جائز کوشش کرسکتا تھا اور نہ کی اس کے وبال میں ماخوذ ہوگا "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" کا بھی اس میں رد بلیغ ہے۔

نوٹ، علامہ امجد علی صاحب اعظمی نے "قامع الواھیات من جامع الجزئیات ۱۳۴۱ھ" کے نام سے اس پر ایک عربی تذییل تحریر فرمائی ہے جو کہ مولوی صاحب فیصلہ کنندہ کی اسی مجہول عربی تحریر بنام "جامع جزئیات فقہ" جو اس نے اس فیصلہ کو مطابق شرع بنانے میں تحریر فرمائی تھی کے رد میں ہے اعلیٰحضرت احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے اس رسالہ میں پچاس دلائل قاہرہ پیش کئے جبکہ علامہ امجد علی صاحب اعظمی نے مزید دو سو دلائل پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ یہ فیصلہ مطابق شرع نہیں ہے اور نہ ہی مسجد توڑ کر راستہ بنالینا روا ہے۔

کا بیان ہے کہ جزء متنازعہ مسجد کانپور خارج از مسجد ہے اور اس کو بعض ٹرسٹیان نے ہم کو دے دیا تھا
اس بنا پر انھوں نے اس کو منہدم کر دیا اُس کے چند دنوں کے بعد بغیر اجازت چند لوگوں نے اُس زمین پر
جس کو میونسپلٹی نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا تعمیر کرنا شروع کیا اس وجہ سے پولیس نے روکا اور فساد برپا
ہوئی کچھ مسلمان قتل کئے گئے کچھ مسلمان جن میں بے قصور بھی ہیں قید کئے گئے گورنمنٹ نے اپنے طرز عمل
سے باور کرا دیا کہ وہ کسی طرح قیدیوں کو نہ چھوڑے گی اور اُس زمین کو جس پر میونسپلٹی نے قبضہ کر لیا ہے
مسلمانوں کو واپس نہ دے گی بعد چندے اُس نے مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا اپنے ملکی فوائد کے اعتبار
سے اس امر کی خواہش کی کہ تصفیہ ایسا ہو جائے کہ مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے اور اس زمین پر چھتا پاٹ
کے مسجد میں شامل کر دیا جائے اس کو چند معتبر حضرات کے روبرو اُس نے پیش کیا ایک عالم نے اس
امر کی کوشش کی کہ وہ زمین جس کو اکثر مسلمان جزء مسجد کہتے ہیں محفوظ مسجد کے کام میں رہ جائے ایک
مخلص کی صورت یہ نکالی کہ ادھر ہی مسجد کا دروازہ کر دیا جائے وہ زمین اُس دروازہ مسجد کے کام لے
گورنمنٹ کے ممبران متعلقہ نے اس امر کو نہیں مانا کہ زمین پر قبضہ مسلمانوں کا ہو بلکہ صاف کہہ دیا کہ یہ کسی
طرح ممکن نہیں، بعد رد و قدح کے اس عالم کی رائے سے یہ طے پایا کہ سر دست ملک اس زمین پر کسی
کی نہ ثابت کی جائے کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وقف ہے بعد زمین پر مسجد ہی کا دلایا جائے حق آسائش
حقیقتہً مسلمانوں کو حاصل ہے۔ اگر علانیاً تشدداً گورنمنٹ عام اجازت گزر کی دے تو ہم اس کی وجہ
قطع مصالحت نہ کریں گے بلکہ صورت بنا اس کی میونسپلٹی کے سپرد کر دی جائے جس میں بظاہر اقوی امید ہے
کہ موافق قوانین اسلام تصفیہ ہو جائے۔ والسرائے نے بھی تاکید کر دی کہ بننے کے وقت مسلمانوں کی خوشی
اور ان کے قواعد کا لحاظ کیا جائے۔ سوال طلب یہ امر ہے کہ جس عالم نے مدبر تفصیل مصالحت کی مخالفت
نہیں کی اور منازعت کو قطع کر دیا وہ خاطی ہے یا مصیب، اور مسلمانوں کو آئینی امن عام کے اندر رہ کے
استحقاق کی چارہ جوئی کرنی چاہئے جیسا کہ اس عالم کی رائے ہے یا جوش و ہنگامہ دکھانا اور خلل اندازی
امن عامہ کرنا شرعاً ضروری ہے اور جو امر دوم کی کوشش کرے وہ حق پر ہے یا جو امر اول کے طرز کو
مسلمانوں کے لئے مفید سمجھے۔ بَیِّنُوا تُوجَرُوا۔

جواب از دار الافتا

سوال بہت مجمل ہے کچھ نہ بتایا کہ،
(۱) مصالحت کیا کی۔

(۲) وہ امر جس پر مصالحت کی تجویز گورنمنٹ تھا جسے عالم مذکور نے قبول کیا یا اس عالم نے پیش کیا اور اسے گورنمنٹ نے مان لیا۔

(۳) گورنمنٹ نے خود ہی مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا ملکی فوائد کے اعتبار سے قیدیوں کو آزاد کیا جیسا کہ عبارتِ سوال سے ظاہر ہے اُس کے بعد کی منازعت سوال میں مذکور نہیں کہ کیا تھی اور عالم مذکور نے کیا اور کس طرح قطع کی۔

(۴) بعد اس کے کہ ممبرانِ متعینۂ گورنمنٹ نے زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہرگز نہ مانا اور صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں جیسا کہ سائل کا بیان ہے پھر عالم مذکور کی سعی سے یہ کیونکر طے پایا کہ قبضہ زمین پر مسلمانوں کو دلایا جائے، آیا صرف عالم مذکور کا اپنے خیال میں ایک مفہوم تخیل کرنا یا یہ کہ بعد رد و قدح عالم نے ممبرانِ گورنمنٹ سے یہ امر طے کرالیا۔

(۵) نیز اس کی رائے سے طے پایا کہ سردست اس زمین پر کسی کی ملک ثابت نہ کی جائے ایک مفہوم تھا کہ اس کے اپنے ذہن میں رہا یا گورنمنٹ نے عالم مذکور کی رائے سے اسے طے کیا۔

(۶) سردست کے معنی کیا لئے اور وہ بھی عالم مذکور کے خیال میں رہے یا گورنمنٹ سے طے کرلئے۔

(۷) عالم مذکور کو گورنمنٹ سے صلح مجبور یہ تھا یا مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا تھا وہ بطور خود گیا تھا۔

جب تک ان سب باتوں کی تفصیل معلوم نہ ہو ایک نہایت مجمل گول بات کا جواب کیا دیا جائے۔ ہاں اتنا امر واضح و روشن ہے کہ فتنہ پردازی اور امن عام میں خلل اندازی اور مسلمانوں کو بلا اور اسلام کو توہین کے لئے پیش کرنا ہرگز نہ شرعًا جائز ہے نہ عقلًا ٹھیک۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے: والفتنۃ اشد من القتل[1] (فتنہ فساد تو قتل سے بھی سخت ہے۔ ت) اور فرماتا ہے: لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[2] (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ ت) نہ یہی کسی طرح روا ہے کہ کسی حکم مخالف شرع کو بلا جبر و اکراہ خود ایک امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند کریں یا اس میں دشواری لیں اور آئندہ کے لئے بھی اسے نظیر بنائیں، بلکہ حدود و سلامت روی کے اندر رہ کر گورنمنٹ پر اس امر کا خلاف قوانینِ اسلام ہونا ظاہر کریں اور گورنمنٹ کا مستمر قانون کہ مذہبی دست اندازی نہ کرے گی یاد دلا کر بلا ضرر و اضرار فائدہ پائیں جو اس طریق پر چلے مصیب ہے اور جو ان دو طریقوں میں سے کسی پر چلے وہ خاطی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ بار دوم از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی صاحب موصوف سوم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

مولٰنا المعظم دام بالمجد والکرم، السلام علیکم، استفتا موصول ہوا مشکور فرمایا، گو ہم کو اصل مسئلہ کے متعلق جناب کی رائے سے آگاہی ہوگئی مگر جناب کے استفسارات کے باعث ضرور ہوا کہ امور مستفسرہ کا جواب دیا جائے اُن کو مفصل لکھ کر ارسال کرتا ہوں امید کہ اب جواب شافی عام لوگوں کے فائدہ کی غرض سے تحریر فرمایا جائے۔

امور مستفسرہ مع تصریح

س (۱) مصالحت کیا کی،

ج (۱) عالم نے مصالحت یہ کی کہ گورنمنٹ مقدمات اُٹھا لے اور کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو، یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے، مسجد کی زمین پر گورنمنٹ اپنی ملکیت ثابت نہ کرے مسلمان کو اس پر قبضہ دلا دے، اگر چہ گورنمنٹ اس کے مرور کو مشترک کرتی ہے تو وہ عالم ہے خلاف احکام اسلامیہ ہے اس سے مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا، وہ موقع موقع اُس کے لئے کوشاں رہیں گے البتہ مقدمات دیگر امور کے متعلق دربارہ ہنگامہ کانپور مسلمان کچھ نہ کریں گے۔

س (۲)، وہ امر جس پر مصالحت کی تجویز گورنمنٹ تھا جسے عالم مذکور نے قبول کیا یا اس عالم نے پیش کیا اور اسے گورنمنٹ نے مان لیا۔

ج (۲) گورنمنٹ نے خود مصالحت کی خواہش کی اس امر پر کہ مسلمانوں کے اوپر جو مقدمات ہیں گورنمنٹ کی طرف سے اور مسلمانوں کو جو گورنمنٹ سے دعاوی ہیں ان کے بارے میں کوئی سمجھوتا ہو جائے تاکہ گورنمنٹ کو مسلمانوں سے بدظنی اور مسلمانوں کو گورنمنٹ سے بے اعتباری نہ ہو اور بے چینی دفع ہو۔

س (۳) گورنمنٹ نے خود ہی مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا ملکی فوائد کے اعتبار سے قیدیوں کو آزاد کیا جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے اس کے بعد کی منازعت سوال میں مذکور نہیں کہ کیا تھی اور عالم مذکور نے کیا اور کس طرح قطع کی۔

ج (۳) گورنمنٹ نے بلحاظ مراحم خسروانہ یا باعتبار فوائد ملکی خود خواہش تصفیہ کی کی نہ کہ قیدیوں کو بلا متعلق بلا کسی امر کے چھوڑ دینا چاہا بلکہ اسی کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں اور مسجد کی

زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت تعمیر کریں گورنمنٹ سے اور مسلمانوں سے مقدمات اور اُس کے ضمن میں باہم
کشیدگی و منازعت بھی جس کو کہ عالم مذکور نے قطع کر دیا۔

س (۴) بعد اس کے کہ ممبران متعینہ گورنمنٹ نے زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہرگز نہ مانا اور صاف کہہ دیا کہ یہ
کسی طرح ممکن نہیں جیسا کہ سائل کا بیان ہے پھر عالم مذکور کی رائے سے یہ کیونکر طے پایا کہ قبضہ زمین
پر مسلمانوں کو دلا دیا جائے آیا صرف عالم مذکور کا اپنے خیال میں ایک مفہوم متخیل کر لیا یا یہ کہ بعد رد و قدح
عالم نے ممبران گورنمنٹ سے یہ امر طے کرا لیا۔

ج (۴) گورنمنٹ کے متعینہ ممبروں نے ابتداءً مسجد کی زمین پر کسی قسم کا قبضہ دینے سے انکار کیا عالم کی انتہائی
جد و جہد سے اُس نے کہا کہ ہم عمارت کی اجازت دیں گے جو قانوناً و عرفاً قبضہ ہے اگرچہ گورنمنٹ لفظ
قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں یہ عالم کا متخیلہ نہیں بلکہ ممبر متعینہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہی قبضہ ہے
غرضکہ قبضہ خود ممبر متعینہ کی زبان سے طے کرا لیا۔

س (۵) نیز اس کی رائے سے طے پایا کہ سردست اس زمین پر کسی کی ملک نہ ثابت کی جائے ایک
مفہوم تھا کہ اُس کے اپنے ذہن میں رہا یا گورنمنٹ نے عالم مذکور کی رائے سے اسے طے کیا۔

ج (۵) زمین کی ملکیت جو گورنمنٹ پی ڈبلیو ڈی کی ان کے بارے میں صرف عالم کا تخیلہ نہ تھا بلکہ ممبر متعینہ
سے اس نے صاف صاف کہہ دیا اور لکھوا لیا تھا کہ ملک وقف میں کسی کے لئے ثابت نہیں ہوتی اس
واسطے ہم اپنے لئے بھی ثابت کرنے کے درپے نہیں ہیں بلکہ مشیر قانونی نے بھی یہی کہا کہ ہماری ملک
غصب سے چلی نہیں گئی کہ ہم اپنی ملک کے ثابت کرنے کو کہیں بلکہ ہم اسی قدر چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ بھی
اپنی ملک ثابت نہ کرے چنانچہ گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔

س (۶) "سردست" کے معنی کیا لئے اور وہ بھی عالم مذکور کے خیال میں رہے یا گورنمنٹ سے طے کرلئے۔

ج (۶) سردست کے معنی ممبر متعینہ سے صاف کہہ دئے گئے کہ ہم مجلس شرکت مرور کے لئے ہمیشہ چارہ جوئی
کرتے رہیں گے اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوں گے جب تک کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی خواہش پوری کردے
بلکہ ممبر متعینہ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ جب قانون بن جائے گا تو خواہ مخواہ یہ مسئلہ بھی طے
ہو جائے گا اس وقت جس قدر عالمگیر جوش ملک میں ہے اور اس سے اندیشہ فریقین کے لئے
مشکلات کا ہے وہ دفع کر دیا ہے ، اور ہم اس وقت اسی خواہش کو پورا نہیں کر سکتے ہیں ورنہ
ہم کو اس میں بھی کوئی عذر نہ ہوتا۔

س (۷) عالم مذکور کو گورنمنٹ نے عملاً مجبور کیا تھا یا مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا تھا یا وہ بطور خود

گیا تھا۔

ج (۷) عالم مذکور کو عام مسلمانوں نے طلب نہیں کیا تھا نہ وہ از خود گیا تھا بلکہ مقدمہ کے کارکنوں نے
باصرار عالم مذکور کو خود بلایا تھا اور مجسٹریٹ نے اُس سے اس معاملہ میں گفتگو شروع کی جس کے
اثنا میں اُس نے صاف کہہ دیا کہ میرا کام مسئلہ بتا دینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر
نہیں ہے جس طرح وہ چاہے اور اس کا حکم ہو جتنا چاہئے نہ کہ جس طرح میں یا آپ چاہیں علماء کو
جمع کر لینا چاہیے مسلمانوں کو جس سے اطمینان ہو وہ صورت اختیار کرنا چاہیے تو مجسٹریٹ نے کہا کہ ہم کو
تمہاری رائے پر اعتماد ہے ہم علماء کی مجلس نہ جمع کریں گے تم اپنی رائے کہہ دو اور ہم بالکل گفتگو
منقطع کرتے ہیں اور صرف ایک گھنٹہ کی مہلت ہے چنانچہ اس عالم نے بعد بحث گفتگو کے مشورہ دیا
کہ ملک سے سروکار نہ رہنا چاہیے قبضہ مسلمانوں کا ثابت کر دیا جائے حق مرور اگر مشترک ہو تو ہم اس
کی وجہ سے اس وقت منازعت باقی رکھنا نہیں چاہتے اپنے قیدی چھڑا لیتے ہیں اور اشتراک
مرور کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے اور حسب قاعدہ پبلسٹی بڑھایا جائے تاکہ ہم اس سے بہتر تجویز
اپنے تحفظ جزو مسجد کی کر سکیں جس کی کامل توقع ہے ان سب امور کا تصفیہ مجسٹریٹ نے کر دیا گیا
جو یک مجمع میں مسلمانوں کے ہوا اور ان سب باتوں کی تصدیق وہ عام کرا سکتا ہے اس نے کسی حکم
مخالف شرع کو بلا جبر و اکراہ خود امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ
جس کو جمہور علماء ناجائز کہتے تھے اس کو اس نے بھی ناجائز قرار دیا اور صاف ظاہر کر دیا کہ جو اس
کی چارہ جوئی جائز طور پر کی جائے گی کسی قسم کی دشواری نہیں پیدا کی کیونکہ بے قاعدہ حرکات کو
کوئی نہیں روک سکتا اور باقاعدہ احکام اسلامیہ کی چارہ جوئی ہر وقت ہو سکتی ہے دیوانی کے مقدمات
ہر طرح کے دائر کئے جا سکتے ہیں اور آئندہ کے لئے نظیر تو درکنار ایک مختصر قانون تحفظ معابد کا بنایا جانا
قرار دلوا دیا گیا ہے جس سے خود حسب تقریر مجسٹریٹ اس متنازعہ فیہ حصہ کا بھی مسلمانوں کے موافق ہونا
متوقع ہے اس عالم کی رائے ہے کہ یہ قبضہ و حق مشترک مرور قابل اطمینان نہیں بلکہ حدود و
سلامت روی کے اندر رہ کر گورنمنٹ پر اس امر کا خلاف قوانین اسلامیہ ہونا ظاہر کریں اور گورنمنٹ
کا مستمر قانون کہ مذہبی دست اندازی نہ کرے گی یاد دلا کر بلا ضرر و اضرار فائدہ پائیں اس صورت
میں عالم مصیب ہے یا نہیں، امید ہے بر تقدیر صدق مستفتی جواب صاف صاف عطا
فرمایا جائے۔

جواب از دار الافتاء

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جواب استفسارات باعثِ مشکوری ہے حرماء و جرح منظور نہیں بلکہ انکشافِ حق جس کے لئے ہر مسلمان کو مستعد رہنا چاہیے، لاسیما اہلِ علم، جواباتِ مذکور کافی ہیں نہ مفید برئیت اگرچہ مجھ سے صرف بر تقدیرِ صدق مستفتی جواب چاہا گیا اور منصبِ فتاویٰ کی یہی ذمہ داری تھی کہ صورتِ مستفسرہ پر جواب دے دیا جاتا مگر میں نے ایک مدت تک تعویق کی، اخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر بر واقعات اس کارروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہو سکے مگر افسوس کہ جتنا خوض و تفتیش سے کام لیا اس کی شناعت ہی بڑھتی گئی، ناچار جواب خلافِ احباب دینا پڑا کہ اظہارِ حق لازم تھا، عالم مذکور سے مراسم قدیم حفظ حرمتِ اسلام و رفع غلط فہمی عوام پر بحمد اللہ تعالیٰ غالب نہ آسکتے تھے کہ ہمارے رب عزوجل نے فرمایا:

یٰایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم[1]	اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو۔ (ت)

بلکہ حقیقۃً حقِ دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

اُنصُر اخاک ظالما او مظلوما قالوا یا رسول اللہ وکیف ذٰلک قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یک ظالما فاردده عن ظلمه و ان یک مظلوما فانصره[2]، رواہ الدارمی	اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ کیسے؟ حضور نے فرمایا: ظالم ہونے کی صورت میں اسے ظلم سے روک دو اور مظلوم ہونے کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۵

[2] صحیح البخاری	کتاب الاکراہ	قدیمی کتب خانہ کراچی	۲/ ۱۰۲۴
صحیح مسلم			
سنن الدارمی	باب ۴۰ انصر اخاک الخ	نشر السنۃ ملتان	۲/ ۲۲۰
مختصر تاریخ دمشق	ترجمہ ۲۹۰ حسن بن فرج	دار الفکر بیروت	۷/ ۵۹
تہذیب تاریخ دمشق	ترجمہ " "	دار احیاء التراث العربی بیروت	۴/ ۲۳۱

وابن عساکر عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

صورت میں اس کی مدد کرو۔ اسے دارقطنی اور ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

لہٰذا امید واثق ہے کہ جواب سوال میں اظہار حق سنگ راہ مراسم قدیمہ نہ ہوگا اور زیادہ خوشی اس بات کی ہوتی کہ ہمارے قدیم دوست عالم نے اسی معاملہ پر ایک تقریر کی ابتداء میں (جو روزانہ ہمدرد ۱۲ ذی الحجہ میں چھپی) یوں داد حق گوئی دی کہ "میں ان لوگوں کا دل سے اور خدا کی قسم دل سے مشکور ہوتا ہوں جو میرے عیوب مجھ سے خواہ لوگوں سے کہہ کر میرے اوپر مربیانہ شفقت کا احسان رکھتے ہیں، یہ لوگ میرے محسن ہیں" جب بیان عیوب اور وہ بھی ابتداءً اس درجہ موجب شکرگزاری ہے تو بیان مسئلہ شرعیہ میں اظہار حق اور وہ بھی بعد سوال مراسم قدیمہ میں کیا خلل انداز ہوسکتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

جواب استفسار اول پر نظر

(۱) [ف: قبضۂ زمین کی بحث] اس سوال کے جواب میں کہ عالم نے مصالحت کیا کن باتوں پر تسلیم ہونی بتائی تھی ارشاد ہوا "اس معاہدہ کی نسبت یہ ہے کہ مسجد کی زمین پر گورنمنٹ مسلمانوں کو قبضہ دلادے" کسی بات پر مصالحت ہونا فریقین میں اس کا طے ہوکر قرار پانا ہے، اگر یہ امر قرار پاتا تو اسی کے مطابق وقوع میں آتا مگر ایسا نہ ہوا جواب ایڈریس میں گورنمنٹ کے لفظ جو روزانہ ہمدرد ۱۶ اکتوبر میں چھپے صاف یہ ہیں "میں اس امر کو بھی واضح اور اہم خیال نہیں کرتا کہ وہ زمین جس پر دالان تعمیر ہوگا کس کے قبضہ میں رہے گی"۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(یہ تفاوت دیکھ کہ راستہ کہاں سے اور تو کہاں)

(۲) ہاں اس پر چھتا بنا کر چھت پر قبضہ اور زمین کو سڑک کر دینا ٹھہرا ہے کیا چھت اور زمین دو مترادف لفظ ہیں یا چھت کا قبضہ زمین پر بھی قبضہ ہوتا ہے، علو و سفل کے مسائل جو عام کتب فقہیہ میں مذکور ہیں علاوہ بریں جواب ایڈریس مذکور میں ہے کہ "کامل غور کے بعد میں اس فیصلہ پر پہنچا ہوں کہ آٹھ فٹ بلند ایک چھتا اور اس پر دالان تعمیر کر دیا جائے نیچے ایک سڑک نکل آئے جس سے عمارت میں مداخلت نہ ہو"۔

(۳) عالم نے اس مصالحت میں زمین پر قبضۂ مسلمانان سے صرف مسلمانوں کا خالص قبضہ مراد لیا یا قبضہ عام خلائق کے ضمن میں عامہ کے ساتھ انہیں بھی ایک حق دیا جانا، بر تقدیر دوم یہ درخواست کتنی بے جا تھی

زمین سڑک میں ڈال لینے پر بھی عام کے ساتھ مسلمانوں کو حق مرور رہتا گورنمنٹ نے کس دن کہا تھا کہ یہ سڑک
خاص کفار کے لئے ہے کوئی مسلمان اس پر نہ چل سکے گا۔ بر تقدیر اول کون سا خاص قبضہ مسلمانوں
کو طنا تھا جبکہ جواب ایڈریس مذکور کے صاف لفظ یہ ہیں: یہ ضروری ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے
بطور سڑک استعمال کرنے کے مجاز ہوں۔

(۴) قبضۂ زمین کا حال جواب استفسار میں خود ہی کھول دیا کہ قبضہ دلا دینے کے بعد متصلاً کہا اگر جبراً
گورنمنٹ اس کے مرور کو مشترک کرتی ہے تو خلاف احکام اسلامیہ ہے، اس سے مسلمانوں کو اطمینان
نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے۔ صاف کھل گیا کہ قبضہ ہوا پر ٹھہرا ہے زمین مرور مشترک
کے لئے چھوڑی ہے جسے دوسرے لفظوں میں شارع عام یا سڑک کہئے اس کا مطالبہ دور آئندہ پر
اٹھا رکھنا بتایا ہے حالانکہ یہی یہاں اہم مسئلہ بلکہ تمام اصل معاملہ تھا اسی کو نظر انداز کرنا اور عام کی
مصالحت سمجھنا کس قدر عجیب ہے مصالحت رفع نزاع ہے نہ کہ اصل بنائے نزاع محل و معطل
اور دور آئندہ کی امید موہوم پر محول نہ ابقائے نزاع ہے نہ قطع و رفع۔ ہاں اگر اس کے معنی یہ تھے کہ
عام نے مسجد سے دست برداری دی جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی وغیرہ نے اس کارروائی سے سمجھا
اور پسند کیا تو ضرور قطع نزاع [illegible] ۔
مگر بعد کے الفاظ کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے، اس تاویل
کو بھی نہیں چلنے دیتے تو اسے مصالحت مشہور کرنا مسلمانوں اور گورنمنٹ دونوں کو غلط بات باور کرانا ہے۔

(۵) [جب مصالحت خلاف حکم اسلام ہوئی اور گورنمنٹ پر بھی بدگمانی کی] جب خود کو اقرار ہے کہ یہ کارروائی خلاف
احکام اسلامیہ ہے تو اس پر مصالحت کرنا کیونکر روا ہو سکتا گورنمنٹ پر مصالحت و دلجوئی کی نہ زبردستی،
جبر و تعدی، اس وقت کیوں نہ دکھایا گیا کہ یہ طریقہ خلاف احکام اسلامیہ ہے اس میں مذہبی دست اندازی
ہے جس سے گورنمنٹ ہمیشہ دور رہنا چاہتی ہے نہ طے ہوتا تو اس وقت بسہولت ہوتا، نہ ہوتا تو عالم
بری الذمہ تھا۔ نہ یہ کہ اس وقت اصل معاملہ پس پشت ڈال کر بالائی باتوں پر صلح کر لیں اور اصل میں
یہ دشواریاں ڈالیں کہ تم لوگ صلح کر کے پھرتے ہو تم نائب سلطنت کے فیصلہ سے اور ایسے بے بہا فیصلہ
سے اب سرتابی کرتے ہو تم شکریہ کے جلسے اور روشنیاں کر کے پھر شکایت و منازعت پر اترتے ہو
نادرست ہی نہ ہوتا گزر چکا تھا کہ دہلی کا سا ہم ورکنا اینٹ چھینکے رہے شمار سر اڑ جاتے مکانوں کی
اینٹ سے اینٹ بج جاتی نہ کہ ہم چلے اور کانپور کا گڑبڑ اور بے تحقیق کسی سے مواخذہ نہ ہو، آج حفظ
حقوق مذہبی کا اس سے بہتر کیا موقع تھا، یہاں دنی کمزوری سے کام لینا موجودہ آزمودہ گورنمنٹ کو

خواہی نخواہی نادرشاہی ضد اور ہٹ کا پُتلا سمجھ کر ایسی عظیم حُرمتِ دینی کو پامالی کے لئے چھوڑ دینا کیونکر صواب ہو سکتا ہے۔

(۶) تمام دنیاوی سلطنتوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے قانون کی رُو سے جس فعل کو جرم بغاوت سمجھیں اُسے سب سے زیادہ سنگین بلکہ ناقابلِ معافی جانتی ہیں اُن کے یہاں انتہائی رسوخ والا وہ ہے کہ جسے انھوں نے باغی سمجھ کر اسیر کیا ہو اس کی رہائی کی سفارش کر سکے نہ کہ ان جبروتی شرائط کے ساتھ کہ کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو معافی مانگی کیسی، خود یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے، یہ تو شاید شخصی سلطنتوں میں صرف محبوب خاص سلطان کی مجال ہو جو ایاز و محمود کی نسبت رکھے اگر ایسا درجۂ اختصاص حاصل ہو، تھا تو اُسے حفظِ حُرمتِ اسلام میں صرف کرنا تھا جس پر باقی امور متفرع ہوتے تھے نہ کہ قیدیوں کے بارے میں یہ فضول و نامہ شرائط اور خاص حُرمتِ دینی سے اغماض کیا، یہ سے

ہر چہ شاہ آں کند کہ او گوید   حیف باشد کہ جز نکو گوید

(بادشاہ جس شخص کی بات مانتا ہے اگر وہ اچھی بات کے علاوہ کے تو ظلم ہے)

کا مصداق نہ ہوگا۔

(۷) [ف، معاملہ میں عجیب ثبات و تلون کی گتھیاں] ... اس سے اصل مقصد میں جو پیچیدگیاں پیدا ہوئیں اُن کی شرح طولانی چاہتی ہے ادنیٰ بات یہ ہے کہ قوم کے قلوب اس پر مطمئن ہو گئے تو پھر سے دعوی ہی گیا چارہ جوئی کون کرے اخباروں میں بکثرت مضامین اس پر اطمینان کے شائع ہوئے، از آں جملہ نواب مشتاق حسین صاحب امروہی کی بسیط تحریر کہ روہیلکھنڈ گزٹ بریلی یکم نومبر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی جس میں وہ عالم موصوف ہی کی ایک تحریر کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں جناب کی اس تحریر کے بعد اس مسئلہ کے مذہبی پہلو کے تحفظات سے ہم کو بالکل مطمئن ہو جانا چاہئے، اسی کی ابتدا میں ہے مسلمان پبلک نے بھی اس فیصلہ کی نسبت اپنا اطمینان ظاہر کیا۔ اس پر ایڈیٹر اخبار مذکور نے لکھا، لاما قبلہ نے اپنی تحریر میں نہایت اچھی طرح ثابت کر دیا کہ مذہبی نقطۂ خیال سے شرائط تصفیہ نہایت مناسب ہیں روزانہ زمیندار ۱۵ ذی القعدہ ۱۳۳۱ھ نے لکھا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسجد کے منہدم حصہ کا تصفیہ مسلمانوں کی منشا کے مطابق ہو گیا ہے، نیز لکھا وہ مسلمانوں کے لئے بالکل قابلِ اطمینان ہے، روہیلکھنڈ گزٹ کے پرچہ مذکور نے سکرٹری و نائب سکرٹری مسلم لیگ مراد آباد کی ایک مراسلت میں نقل کیا متشرع علمائے اسلام نے فقرہ پر کامل غور کر کے یہ فتویٰ دے دیا کہ شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں پھر بالخصوص عالم مذکور کا اطمینان دلانا لکھ کر کہا جس علمائے کرام کے اطمینان کے بعد مذہبی پہلو سے تصفیہ پر نکتہ چینی اور بے اطمینانی ظاہر کرنے کا کسی کو کوئی

حق نہیں۔ پھر نواب صاحب موصوف کی اسپیچ (SPEECH) سے نقل کیا ہمارے تمام اکابر قوم و علمائے کرام اس پر اظہار مسرت کر رہے ہیں۔ اس قسم کے مضامین اگر جمع کیے جائیں ورقوں میں آئیں تمام اقطار ہند میں شہروں شہروں جو جو ریزولیوشن (RESOLUTION) اظہار مسرت و اطمینان کے پاس ہوئے روشنیاں ہوئیں ان کے بیانوں سے اخباروں کے کالم گونج رہے ہیں ان تمام واقعات کو اس سے کس قدر تناقض ہے کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے۔

(٨) جب عالم کا قول وہ ہے کہ یہ کارروائی خلاف احکام اسلامیہ ہے اور اس عالم ہی کے اعتماد پر افراد قوم اسے بالکل مطابق احکام اسلام سمجھ لئے اور وہ الفاظ شائع کر رہے ہیں جن کا خفیف نمونہ گزرا تو عالم کا اس پر سکوت، معلوم نہیں کیا معنی رکھتا ہے۔

(٩) اس سے بھی زیادہ تعجب خیز وہ الفاظ ہیں جو خود عالم کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں تقریر مذکور نواب صاحب امروہی میں ہے: ١٩ اکتوبر کو جو تار جناب ممدوح نے خود میرے نام ارسال کیا ہے اس میں تصفیہ کانپور کی بابت حسب ذیل الفاظ تحریر فرماتے ہیں، میں معاملات کانپور کے تصفیہ کو پسند کرتا ہوں۔ تقریر مذکور اراکین مسلم لیگ مرادآباد میں عالم مذکور کی نسبت ہے، حضرت مولانا قبلہ نے اس فیصلے سے اطمینان بذریعہ اشارت بیان کروا دیا ہے۔ فیصلہ کو خلاف احکام اسلامیہ جانئے اور پھر اسے پسند کرنا اس پر اطمینان دلانا کیونکر صحیح ہوا اور اطمینان دلانا اور وہ بیان کہ اس پر اطمینان نہ ہوگا کس قدر متناقض ہیں۔

(١٠) اوروں کی نقل و نسبت کو نہ دیکھئے، خود عالم کی تقریر جس کا عنوان یہ ہے: "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" جو ہمدرد ١٩ اکتوبر اور زمیندار ٢١ ذی القعدہ میں شائع ہوئی اس میں فرمایا ہے، یہ مجلس سرور ہے ہم کو نہایت مسرت سے یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمانان ہند کو اطمینان اور دلجمعی نصیب ہوئی۔ اسی میں ہے، اول کے تینوں دفعات حسب دلخواہ طے ہوگئے۔ اسی میں ہے، ہمارے حسب دلخواہ مصالحت کرائی۔ اسی میں ہے، کل کا واقعہ نہایت مسرت خیز ہے اور اسلامی تاریخ کے زریں ایام سے کل کا روز ہے۔ اسی میں ہے، ہر طرح اسلام کا احترام قائم رکھا۔ لہذا انصاف عوام ان لفظوں کو سن کر کیوں نہ اطمینان کریں اور وہ بیانات و واقعات کہ نمبر ٣ میں گزرے کیوں نہ صادر ہوں، اور وہ وعدہ بے اطمینانی کہ حسب بیان سائل نفس مصالحت میں تھا کیوں نہ نسیاً منسیاً ہو، گورنمنٹ نہ تو مسلمان ہے،

عہ پھر خدا جانے کون سی بات خلاف احکام اسلامیہ ہوئی ١٢

نہ اسلامی شرع کی عالم جب عالم خود ہی خلاف احکام اسلامیہ کہہ کر پھر اسے حسب دلخواہ و موجب دلجمعی و اطمینان و نہایت مسرت خیز اور اسلامی تاریخ کا زریں دن کہے تو گورنمنٹ کا کیا قصور اور عوام پر کیا الزام۔

(۱۱) ان تمام صاف الفاظ سے گزر کیجئے تو عالم مذکور کا تار ۱۶ اکتوبر جو ہمدرد و دبدبۂ سکندری ۲۰ اکتوبر وغیرہ میں شائع ہوا اس میں اولاً فرمایا کہ یہ بات اگرچہ قابل تعریف نہیں ہے۔ اخیر میں یہی فرمایا ہے کہ یہ تصفیہ اصلی مفہوم کے لحاظ سے قابل اطمینان ہے۔ جب عالم کے نزدیک فیصلہ خلاف احکام اسلامیہ ہے تو احکام اسلامیہ سے بڑھ کر اور کون سا اصلی مفہوم ہے جس کے لحاظ سے قابل اطمینان ہے۔

(۱۲) بااینہمہ عالم مذکور نے تحریر جمیع جزئیات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اس سعی بے سود کا اتنا اثر ہوا کہ اس کارروائی کو جیسے بنے کشاں کشاں مطابق احکام اسلامیہ کر دکھائیں، بہرحال تصویر کے دونوں رخ تاریک ہیں نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے فضل و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ ت)

[ف: روایت امام محمد مطابق مذہب جمہور ہے] خط کہ اس سوال کے ساتھ یہاں بھیجا اس میں روایت سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے اور یہ کہ اس عالم نے بضرورت اپنی رائے میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ بخیال تحفظ مساجد بحیثیت اتباع جمہور رہا ہے یہ محض غلط فہمی ہے، روایت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہرگز خلاف جمہور نہیں وہ وہی فرمارہے ہیں جو جمہور ائمہ نے فرمایا ہے ان کی روایت میں ایک حرف بھی قول جمہور سے زائد نہیں، نہ ہرگز اس روایت خواہ کسی قول کسی روایت کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو سڑک میں ڈال لینا روا ہے یہ تمام ائمہ کے اجماع سے حرام قطعی و مناقض ارشاد خدا ہے۔ روایات ائمہ درکنار اقوال مشائخ مذہب بھی بنظر توفیق میں یہاں مختلف نہیں ہر ایک اپنے محل پر صحیح و بجا ہے اور بالفرض اختلاف ہے تو نہایت خفیف جو قطعی تحفظ کل ہر حصہ مسجد پر اجماع کے بعد صرف ایک زائد بات میں ہوا ہے جس سے حفظ جملہ اراضی مساجد پر معاذ اللہ کوئی اثر نہیں پڑسکتا ہم بتوفیق اللہ تعالٰی ان مباحث جلیلہ کو ایک مستقل فتوے میں رنگ ایضاح دیں گے۔

[ف: فقاہت کے کیا معنی ہیں] فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اُس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے، یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ و ضوابط محررہ و وجوہ تکلم و طرق تفاہم و تنقیح مناط و لحاظ انضباط و مواضع یسر و احتیاط و تجنب تفریط و افراط و فرق روایات ظاہرہ و نادرہ و تمیز درایات غامضہ و ظاہرہ و منطوق و مفہوم و صریح و محتمل و قول بعض و جمہور و مرسل و معلل و وزن الفاظ مفتیین و سبر مراتب

ناقلین و عرف عام و خاص و عادات بلاد و اشخاص و حالِ زمان و مکان و احوالِ رعایا و سلطان و حفظِ مصالحِ دین و دفعِ مفاسدِ مفسدین و علم وجوہ تجریح و اسبابِ ترجیح و مناہجِ توفیق و مدارکِ تطبیق و مسالکِ تخصیص و مناسکِ تقیید و مشارعِ قیود و شوارعِ مقصود وغیرہ کلام و نقدِ مرام فہمِ مراد کا نام ہے کہ تطلعِ تام و اطلاعِ عام و نظرِ دقیق و فکرِ عمیق و طولِ خدمتِ علماء و ممارستِ فن و تیقظِ وافی و ذہنِ صافی معتادِ تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے۔ اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل محض کرم سے اپنے بندہ کے قلب میں القا فرماتا ہے۔

وما یلقّٰھا الا الذین صبروا وما یلقّٰھا الا ذو حظ عظیم[1]

اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔ (ت)

صدہا مسائل میں اضطرابِ شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحبِ توفیق جب اُن میں نظر کو جولان دیتا اور دامنِ ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہِ تنقیح لیتا ہے توفیقِ ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محل پر منطبق ہے اور تمام مخالفت کی بدلیاں چھٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اُس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال کثرت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے ہیں، بحمد اللہ فقیر غفرلہ کے فتاوٰی میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی وللّٰہ الحمد تحدیثاً بنعمۃ اللّٰہ وما توفیقی الا باللّٰہ وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی من امدنا بعونہ وایدنا بنعمہ و علٰی اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم اٰمین والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

(۱۳) [ف: اس مصالحت کی تین نظیریں] کیا کوئی ہندو روا رکھے گا کہ اُس کا شوالہ توڑ کر سڑک کر دیا جائے جس پر عام مسلمان اور گوشت کے ٹکڑے لے کر قصاب گزرا کریں اور اُس پر ایک چھجیا چھتا بنے وہ ہندوؤں کے قبضے میں رہے کیا وہ اسے زمینِ شوالہ پر اپنا قبضہ سمجھے گا کیا وہ اس کارروائی کو حسبِ دلخواہ موجبِ اطمینان اور اُس دن کو نہایت مسرت خیز اور ہندو دھرم کی تاریخ کا زریں دن اور ہر طرح اُس کا احترام قائم رکھنے کے گا لیکن ایک اسلامی عالم نے مسجد کے ساتھ یہ کارروائی کی اور اُس کی نسبت ان تمام الفاظ سے مدح سرائی کی فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(۱۴) کیا اگر شوالہ کے ساتھ مسلمان ایسا کرتے تو گورنمنٹ اُن پر مداخلتِ مذہبی اور توہینِ مذہب کا جرم قائم نہ کرتی ضرور کرتی، کیا گورنمنٹ اپنے لئے مذہبی دست اندازی و توہینِ مذہب جائز رکھتی ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴۱/۳۵

ہرگز نہیں، مگر جب اسلامی عالم ہی اُسے نہایت مسرت خیز اور زریں دن اور احترامِ اسلام کا پورا قیام
کہے تو گورنمنٹ کی کیا خطا ہے۔

(۱۵) کیا اگر عالم کے مکان سکونت کے ساتھ یہ طریقہ برتا جائے کہ مکان کھود کر مسلمان یا ہندو سڑک یا
دنگل بنالیں اور اُس پر چھت پاٹ کر ہوادار حجرہ کے عالم کے بیٹھنے کو دیں تو عالم اُن ہندو یا مسلمانوں
پر نالشی نہ ہوگا کیا وہ اسے زمین مکان پر اپنا قبضہ قائم رہنا سمجھے گا کیا وہ اسے اپنے حق میں دست اندازی
تعدی نہ کہے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(۱۶) اور مصالحت میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت
نہ ہو یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے۔ لیکن اس مصالحت کے بعد جو ایڈریس پیش ہوا اُس کے
لفظ یہ ہیں، ہم اِن لوگوں کی کارروائی کو ملامت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں جنہوں نے قانون کی
خلاف ورزی کی۔ اگر قانون کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم نہیں تو اور کون ہے۔ پھر گورنمنٹ کا
جواب روزنامہ ہمدرد ۱۹ اکتوبر میں یہ ہے، اب میں اِن لوگوں کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں جنہوں نے
۳ اگست کو بلوہ کا ارتکاب کیا۔ اُسی میں ہے، گورنمنٹ کا فرض تھا کہ قیدیوں پر مقدمہ چلاتے اور
انہیں سزا دے مگر وہ کافی سزا بھگت چکے ہیں۔ اُسی میں ہے، میں اِن لوگوں پر بھی رحم کرتا ہوں جنہوں
نے بلوے کی اشتعالک دی اور اس طرح سے اُس نقصان رسانی کے مرتکب ہوئے جو اب تک
ہو چکا ہے اور اس لئے کسی خاص سلوک کے مستحق نہیں رہے۔ تو ضرور مجرم و سزاوار سزا ٹھہرا کافی سزا
بھگت کر رحم کئے گئے نہ یہ کہ اُن کو مجرم قرار ہی نہ دیا جائے۔

(۱۷) [ف۔ مصالحت مسجد سے دست برداری پر کی] اور مصالحت میں تیسری بات یہ ہے،
گورنمنٹ مقدمات اٹھالے مسلمان مرور کے لئے کوشاں رہیں گے البتہ مقدمات دیگر امور کے متعلق
کچھ نہ کریں گے۔ اس کا حاصل طرفین سے ترک مقدمات ہے مگر مسلمانوں کے لئے دعوی مسجد کا
استثنا۔ یہاں دو قسم کے دعوے تھے۔ دعوی دیوانی دربارۂ زمین مسجد کہ مسلمان کرتے دعوی فوجداری دربارۂ
بلوی کہ گورنمنٹ کی طرف سے دائر تھا مسلمانوں کو دعوی دوم میں اپنی ہی جان چھڑانی پڑی تھی نہ کہ وہ اُٹھے
اس میں مدعی بنتے، تو ادھر سے نہ تھا مگر دعوی مسجد اور مصالحت میں خود طرفین سے ترک مقدمات قرار پایا
تو حاصل مصالحت صرف اتنا نکلا کہ گورنمنٹ قیدیوں کو چھوڑ دے مسلمان مسجد چھوڑتے ہیں، اس سے زیادہ
محض الفاظ ہیں کہ یا تو مخیلہ سے باہر ہی نہ آئے یا زبان تک آکر نامعقول رہے، بہرحال ان کو یہ نہیں
کہہ سکتے کہ ان پر مصالحت کی، لہذا بعد کی عملی کارروائیاں اطمینان کے جوش اور خود عالم کی تقریریں جن کا

بیان اُوپر گزرا سب استثنائے مذکور کی غلطی پر دلیل ہیں جائیں پہ صلح ہوئی ہوتی تو یہی مجلس مؤید الاسلام کا جلسہ خالص مسرت اور نہایت مسرت کا جلسہ نہ ہوتا بلکہ مسرت ماتم آمیز کا ایک آنکھ ہنستی تو ایک روتی ، یہ نہ کہا جاتا کہ مسلمانانِ ہند کو اطمینان اور دلجمعی نصیب ہوئی۔ بلکہ یوں کہا جاتا کہ مسلمانو! فرع میں تمہاری فتح ہوئی اور اصل ہنوز باقی ہے اُٹھو اور اس کے لئے اپنا تمام جائز کوششیں کرو۔

(١٨) نیز اس کے غلط ہونے کی ایک کافی دلیل وہ ہے جو ہمارے سائل فاضل نے جواب استفتا سوم میں لکھا کہ گورنمنٹ نے قیدیوں کو بلا مقابلہ کسی امر کے چھوڑنا نہ چاہا بلکہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں۔ دیکھئے اس میں استثناء نہیں۔

(١٩) آگے گورنمنٹ کی دوسری شرط بتائی کہ مسلمان مسجد کی زمین پر بعینہٖ اُسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں۔ یہاں نفی استثنا ہو گئی اگر مسلمانوں کو دعویٰ زمین کی اجازت رہتی اور ضرور ممکن کہ وہ ڈگری پاتے تو بعینہٖ اسی طریقے کی عمارت بنانے سے کیوں ممنوع ہوتے اس کے صاف یہی معنی ہیں کہ ایسی عمارت بنالو جس کی چھت سے کام ہو اور زمین پر دعویٰ نہ کرو۔

(٢٠) [ف: گورنمنٹ نے اسلام کو فائدہ دینا چاہا مگر مصالحت والوں نے روک دیا] جواب ایڈریس میں ہے مجھے پورے طور پر بھروسا ہے کہ مسئلہ مسجد کا جو حل میں نے لیا ہے اس سے ہندوستان کی تمام مسلمان آبادی مطمئن ہو جائے گی۔ گورنمنٹ کے یہ الفاظ اور صلح میں اُس قرارداد کا بیان کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا۔ دونوں ملا کر دیکھئے صاف کھل جائے گا کہ وہ استثناء نہاں خانۂ خیال ہی میں تھا، یا کہا اور منظور نہ ہوا لاجرم تمام زوائد چھنٹ کر اصل بات نکل آئی جتنے پر عالم نے مصالحت ٹھہرائی کہ گورنمنٹ ہمارے آدمی چھوڑ دے ہم نے مسجد چھوڑ دی یہ وہی دلی کمزوری اور دہلی کے ہم کا تجربہ دیکھ کر بھی گورنمنٹ پر ضد اور جبر کی بدگمانی سے ناشی ہوا حالانکہ یہ بالکل وسوسہ تھا گورنمنٹ دونوں باتوں میں مسلمانوں کے صاف موافق تھی قیدیوں کی رہائی کے لئے جواب ایڈریس کے وہ لفظ دیکھئے: میں خاص شملہ سے اس غرض سے آیا ہوں تاکہ آپ کے واسطے پیغام امن لاؤں۔ آخر میں مکرر ہے، میں فاتحِ راستی سے آیا ہوں تاکہ پیغام امن لاؤں۔ اور مسئلہ احترام مذہبی کے لئے وہ قیمتی الفاظ پڑھئے: میرے لئے یہ بالکل غیر ضروری ہے کہ جو یقین میں نے کونسل کے اجلاس میں اس بارے میں دلائے ہیں کہ رعایا کے مذہبی عقائد کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی میں کوئی تغیر نہ ہوا اس کو دہراؤں اس لئے کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ ایک قطعی بات ہے۔ یہ لفظ تو عام آزادی مذہبی کے متعلق تھے اور خاص مسئلۂ مساجد کے متعلق سُنئے ، ممکن ہے کہ سڑکوں ریل نہروں کی تعمیر مذہبی عمارتوں کے ساتھ ٹکرائے لیکن آپ کو یقین رکھنا چاہئے کہ گورنمنٹ

کافی توجہ سے تمام مطالبات پر غور کرے گی اور ہمیشہ کوشش کرے گی کہ مسئلہ متنازعہ اس طور حل کرے جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہو۔ ایسی صورت میں صرف امر اول سے فائدہ لینا اور امر دوم کہ وہی اصل مرام و خاص مسئلہ احترام اسلام تھا۔ یوں چھوڑ دینا کیونکر صواب ہو سکتا ہے، فنسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

جواب استفسار دوم پر نظر

(۲۱) استفسار تو یہ تھا کہ جس امر پر صلح ہوئی وہ کس کی تجویز تھا، اس کا یہ جواب کیا ہوا کہ گورنمنٹ نے خود مصالحت کی خواہش کی اس امر پر کہ متعصبات اور دعاوی کے بارے میں کوئی سمجھوتا ہو جائے، کس سے پوچھا تھا کہ خواہش صلح کدھر سے ہوئی انہیں سمجھوتے ہی کو پوچھا تھا کہ کس کی رائے کا ایجاد تھا اس کا کچھ جواب نہ ہوا۔

(۲۲) [ف: فیصلہ کانپور پر ایک نظر کا رد بلیغ] سائل فاضل نے اگرچہ جواب استفسار نہ دیا مگر خود عالم کی تقریر کہ بعنوان "فیصلہ کانپور پر ایک نظر" ہمدرد وغیرہ میں چھپی وہ اس کے جواب کی کفیل ہے اس میں صاف اعتراف ہے کہ چھت بنا کر اس پر فصیل ملنے اور نیچے سے سڑک چلنے کی تجویز خود عالم نے اپنی طرف سے پیش کی وہی منظور ہوئی اس تجویز کا حال اوپر معلوم ہو چکا، اور یہ بھی کہ خود عالم کو اس کا خلاف احکام اسلامیہ ہونا مسلم ہے مگر عالم کی تقریر مذکور اس تجویز کی حالت اور بھی واضح کرتی ہے۔

[ف: عالم کی پہلی تدبیر نامنظور شدہ اور اس کا صریح باطل و خلاف شرع ہونا] تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم نے پہلے تو یہ تدبیر نکالی کہ اس زمین کو مسجد کا ممر بنا دیں اور اس کے لئے مسجد کا دروازہ اس طرف نکالیں کہ اصل ممر مسلمانوں کے لئے ہو پھر ضمناً کوئی دوسرا بھی اس طرف سے آئے گزر جائے تو ہم اس کو مانع نہیں ضرورت کے وقت اجازت ہو سکتی ہے بشرطیکہ احترام اس جز کا مثل احترام دیگر اجزائے مسجد کے قائم رہے، اور غالباً اسی تحفظ و احترام کے لئے یہ چاہا تھا کہ اس حصہ زمین کو سڑک سے مرتفع بنایا جائے یعنی تاکہ پیدل کے سوا اوروں کا گزر نہ ہو۔ اس تدبیر میں عالم کی نظر اس مسئلہ پر تھی کہ راستہ جب پیدل پر تنگی کرے تو بضرورت مسجد میں ہو کر لوگ ادھر سے ادھر گزر سکتے ہیں یوں کہ مسجد بحال خود برقرار رہے اس میں کوئی فرق اصلاً نہ آئے ولہذا شرط ہے کہ یہ مسجد میں ہو کر نکل جانے والے جنب و حائض و نفساء نہ ہوں نہ اس میں جانور لیجائیں کہ مسجد میں ان کا جانا اور ان کا لے جانا حرام ہے۔

[ف: مسئلہ ممر فی المسجد کی جلیل تحقیق اور یہ کہ وہ سلطنت اسلامیہ کے ساتھ خاص ہے] اقول

یہ گزر اصالۃً مسلمانوں کے لئے ہے کہ مسجدوں سے کافروں کو کیا علاقہ،

الاترٰی الی تعلیلھم بانھا للمسلمین[1] کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔

ان کا یہ علت بیان کرنا آپ نے نہ دیکھا کہ یہ مسلمانوں کے لئے ہے، جیسا کہ درمختار وغیرہ معتبر کتب میں ہے (ت)

مگر جبکہ راستہ پیدل پر تنگ ہے اور گزر کی حاجت کافر کو بھی ہے اور کافر ذمی بلکہ مستامن بھی تابع مسلم ہے تو بالتبع ضمنًا اسے بھی منع نہ کریں گے۔

وکم من شیئ یثبت ضمنا ولایثبت قصدا وھذا معنی قول العلماء حتی الکافر[2] فظھر الجواب عما اعترض بہ العلامۃ الطحطاوی علی جعلہ غایۃ[3] وللّٰہ الحمد ولاحاجۃ الٰی ما اجاب بہ العلامۃ الشامی وللّٰہ الحمد وظھر الجواب عما علی العلامۃ شیخی زادہ[4] فی مجمع الانھر من التعارض بین تعلیلھم بان کلیھا للمسلمین وبین قولھم حتی الکافر وللّٰہ الحمد۔

کئی چیزیں ضمنًا ثابت ہوتی اور قصدًا ثابت نہیں ہوتیں اور علماء کے قول (حتی الکافر) حتی کہ کافر کا یہی معنٰی ہے تو علامہ طحطاوی نے اس کو غایت قرار دے کر جو اعتراض کیا ہے اس سے اس کا جواب ظاہر ہوگیا، وللہ الحمد، اور علامہ شامی نے جو جواب دیا اس کی بھی حاجت نہ رہی وللہ الحمد، یہیں اس سے علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں اپنے خیال سے فقہاء کرام کی تعلیل کہ دونوں مسلمانوں کے لئے، اور فقہاء کرام کے قول "حتی الکافر" میں جو تعارض بھی اس کا جواب بھی ظاہر ہوگیا وللہ الحمد (ت)

مسئلہ تو بعونہٖ تعالٰی بجا وصحیح یا کم از کم ایک قول پر ٹھیک تھا مگر موقع سے اسے متعلق سمجھنے میں ایک دو نہیں بکثرت خطائیں ہوئیں جن میں تین خود عالم کے تین لفظوں سے ظاہر و مبین (۱) ضمنًا (۲) احترام (۳) ضرورت ظاہر ہے کہ اگر یہ صورت ہوتی تو **اوّلًا** کفار کا گزر ہرگز ضمنًا نہ ہوتا بلکہ اصالۃً جس کا انکار صریح مکابرہ ہے اور وہ نہ صرف اس عالم کے اقرار بلکہ یقینًا مراد علماء کے خلاف ہے، زمانۂ ائمہ میں مساجد تو مساجد دارالاسلام کی سڑک یا افتادہ زمین ہی پر چلنے والا کافر نہ ہوتا مگر ذمی کہ مطیع اسلام ہے یا مستامن کہ سلطانِ اسلام سے پناہ لے کر داخل ہوا، اور یہ دونوں تابع اسلام ہیں، آخر نہ دیکھا کہ انھیں عبارات میں علماء نے مساجد کی طرح مطلق راستوں کو بھی مسلمانوں کے لئے بتایا کہ اور یہی تو ضمنی و تابع ہیں۔

---

[1] و [2] درمختار، کتاب الوقف ۱/ ۳۸۲ [3] طحطاوی علی الدرالمختار کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۵۴۳

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الوقف فصل اذا بنی مسجدًا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۷۴۴

ثانیاً یہاں احترام نا ملکی تھا جنب و حائض کی ممانعت پر اصلاً اختیار نہ ہوتا خصوصاً کفار کو اجازت ہو کر، اور اس ممانعت کو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص کرنا محض ظلم ہے، صحیح یہ ہے کہ کفار بھی مکلف بالفروع ہیں۔ قال اللہ تعالٰی،

یتساءلون عن المجرمین ○ ماسلککم فی سقر ○ قالوا لم نک من المصلین ○ ولم نک نطعم المسکین ○ وکنا نخوض من الخائضین ○ وکنا نکذب بیوم الدین ○[1]

پوچھتے ہیں مجرموں سے تمھیں کیا بات دوزخ میں لے گئی، وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے اور بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکریں کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے (ت)

اور بالفرض وہ مکلف بالفروع نہ سہی ہم تو مکلف ہیں بحالِ جنابت و حیض مسجد میں جانا ضرور بیت اللہ کی بےحرمتی اور دربارِ ملک الملوک عزجلالہ کی بے ادبی ہے تو ہمیں کیونکر روا ہوا کہ ایسی شنیع تجویز خود پیش کریں اور بیت اللہ کی حرمت پامال کرائیں، جانور تو بالاجماع مکلف نہیں، کیا مسلمان کو روا ہے کہ کتے یا سور بلکہ نا سمجھ بچے یا مجنون کو مسجد میں جانے دے اور جیسا تمھارا ہے کہ وہ تو مکلف ہی نہیں حاشا حفظِ مسجد پر یہ تو مکلف ہے اور ترکِ منع اس کا گناہ ہے کہ بے ادبی مسجد پر راضی ہوا یا کم از کم ساکت رہا، حدیث میں ارشاد ہوا:

جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم[2]۔ رواہ ابن ماجۃ وعبدالرزاق عن واثلۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اپنی مسجدوں کو بچوں اور دیوانوں سے بچاؤ۔ اسے ابن ماجہ اور عبدالرزاق نے واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

جب احتمالِ بے ادبی پر غیر مکلفوں کو نہ روکنا خلافِ حکمِ حدیث ہے تو مساجد کو بےحرمتی یقینی کے لئے خود پیش کرنا کس درجہ جرمِ شنیع و خبیث ہے۔

ثالثاً اس میں جانوروں کا نہ جانا بھی ہرگز نہ ہوتا اگرچہ کہہ دیا جاتا کہ یہ پیدل کے لئے ہے، معہود و معروف یہ ہے کہ پختہ سڑک جسے گولا کہتے ہیں اصالۃً صرف بگھیوں، ٹمٹموں کے لئے بنتی ہے اور اس کے پہلوؤں پر جو راہ پیادوں کے لئے چھوڑی جاتی ہے بیل گاڑیوں، چھکڑوں، گائے بیلوں گدھوں

---

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۰ تا ۴۶
[2] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

کے لئے وہی ہوتی ہے، ولہٰذا ان میں سے جو چیز سڑک پر چل رہی ہے اور کوئی بگھی آجائے تو ان سب کو اُسی پیادہ کی راہ میں چلنا ہوتا ہے ان کا استحقاق اسی میں سمجھا جاتا ہے اور معروف مثل مشروط ہے تو پیدل کے لئے کہنے کے یہ معنی ہیں کہ گھوڑا گاڑی کے سوا سب کے لئے ہے، آخر نہ دیکھیں کہ جب آپ نے اس زمین کو سڑک سے کچھ مرتفع رکھنا چاہا یہ منظور نہ ہوا کہ اس میں گاڑیوں کی ممانعت تھی اور چھت آٹھ فٹ بلند ٹھہری کہ پیادہ کی حاجت سے بہت زائد ہے، لطف یہ کہ آپ اب بھی اُسے زیرِ مسئلہ مذکورہ لانا چاہتے ہیں فاعتبروا یااولی الابصار۔

رابعاً بفرضِ غلط اگر ممانعت ہوتی تو سواریوں کے لئے مگر گائے، بکری، بھیڑ کے گلے کوڑے اونٹوں کے گدھے نہ سوار ہیں نہ سواری یہ قطعاً پیادہ ہی میں شامل رہتے۔

خامساً یہی نہ سہی پیادہ گوروں اور جنٹلمینوں کے کتوں کا استثناء کیونکر ممکن تھا وہ تو ضرور پیادہ ہیں اور یہ ان کے دم کے ساتھ۔

سادساً جانے دو بھنگنیں کہ ٹوکرے لئے نکلتی ہیں وہ تو ہر طرح پیادہ آدمی ہیں اُن کی ممانعت کس گھر سے آئی، تو آفتاب سے زیادہ روشن کہ یہ مسئلہ صرف اسلامی سلطنت کے ساتھ خاص ہے جہاں کفار تابع مسلمین ہوتے ہیں اور جہاں ہر طرح ہم احترام مساجد قائم رکھنے پر قادر ہیں غیر اسلامی عملداری میں اس کا اجراء خود اصل مسئلہ کا ابطال اور مسجدوں کی صریح بےحرمتی و ابتذال ہے۔

سابعاً یہاں ایک نکتہ جلیلہ دقیقہ اور ہے جس پر مطلع نہیں ہوتے مگر اہلِ توفیق، وما یعقلہا الا العٰلمون[1] (اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔ ت) وہ یہ کہ مسجد میں کسی امر کا جواز اور بات ہے اور اُس کا استحقاق اور۔ صورتِ مذکورہ علماء میں حکمِ جواز ہے نہ حکمِ استحقاق کہ مساجد تو جمیع حقوق عباد سے ہمیشہ کے لئے منزّہ ہیں، قال اللہ تعالٰی وان المسٰجد للہ[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ ت) تو حکم صرف سلطنت اسلامیہ میں چل سکتا ہے غیر اسلامی سلطنت میں جو قہر بنایا جائیگا ضرور اس میں کفار خصوصاً حکّام کا مرور بطورِ دعوٰی و استحقاق ہوگا اور یہ قطعی ابطالِ مسجدیت و ہتک حرمتِ اسلام و خلافِ کلامِ ذی الجلال والاکرام ہے اگرچہ بفرضِ محال ہر طرح کا احترام قائم ہی رہے تو سلطنت غیر اسلامیہ کے لئے یہ مسئلہ قرار دینا صریح جہل و ظلمِ عظیم ہے انہیں سات وجوہ پر نظر رکھنے سے واضح ہوسکتا ہے کہ معنیٰ انّی فی علٰی کا ترجمہ جان لینا فقاہت نہیں فقاہت چیزے دیگر است۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۹/۴۳ [2] القرآن الکریم ۷۲/۱۸

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک عطا فرمانے والا عطا نہ فرمائے)

ثامناً [ف، ضرورت کی بحث] رہی ضرورت تنگی، اس کا حال ظاہر ہے کہ پہلی تو پیدل گذرنے کے لئے وسیع سڑک موجود ہے، علماء نے یہاں یہی ضرورت تحریر فرمائی ہے اور یہی حکم جواز فی نفسہ کا کفیل ہے ضرورت یا اکراہ شرعی نہ یہاں متحقق نہ اس میں یہ صورت صادق، اس سے جواز شے فی نفسہ نہیں ہوتا رفع اثم ہوتا ہے۔ وہ بھی صرف مکرَہ سے، وہ بھی صرف وقت اکراہ، وہ بھی صرف اتنی بات پر جس پر اکراہ ہوا، اگر بعض اوہام نے چلے تو ان شاء اللہ الکریم اس وقت ان مباحث جلیلہ کی تفصیل کر دی جائے گی جس سے روشن ہوگا کہ یہاں ادعائے ضرورت اکراہ کیسا محل شدید تھا، بالجملہ یہ تدبیر بھی محض باطل و ناصواب تھی اور اتنا خود عالم کو اسی تقریر میں اقرار ہے کہ بہایت تنزل اور بقول ضعیف اور تخلص کے طور پر صورت مجوزہ ہے بہر حال وہ بھی مجبوروں نے منظور نہ کی اس وقت عالم نے یہ دوسری تجویز نکالی جس پر تصفیہ ہوا کہ چھت مسجد اور زمین سڑک۔ تقریر مذکور میں ہے: اس گفتگو میں تمام وقت صرف ہو گیا مصالحت کی امید منقطع ہوگئی اس وقت میں نے یہ صورت پیش کی کہ سر دست ہم کو دالان کی چھت پر قبضہ دے دیں کہ ہم بنا لیں۔ اس کے بعد ایک فقرہ دھوکا دینے والا ہے کہ اور زمین بھی دے دیں اس کو بھی ہم ہی بنائیں [illegible] تمام [illegible] کے واسطے عام ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ زمین ہم کو واپس مل جائے ہم اس پر پہلی سی عمارت بنالیں، اس سے آسان تر کہ تدبیر اول میں تھا وہ تو مجبوروں نے مانا نہیں اس کے بعد اس کے کہنے کی کیا گنجائش ہوتی اور کہا جاتا تو مانا کیوں جاتا اور یہ کہا گیا جو مانا گیا کہ اس کی نسبت تقریر مذکور میں ہے: غرضکہ تینوں دفعات حسب دلخواہ طے ہوگئے پھر بارہا لی گورنمنٹ اور ہز ہائینس کا ذکر کرکے کہا: اس کے بعد والی تجویز دی ہو وہ تینوں مقاصد ہمارے حاصل ہوئے۔ یعنی جواب ایڈریس ان کے مطابق تو زمین دے دیں اس کو بھی ہم ہی بنائیں کے وہ معنی ہیں جو جواب ایڈریس میں ہے کہ متولیوں کو ایک چھت دار محراب بنا لینی چاہئے اور ان عمارات کے نیچے ہی ایک گزرگاہ تعمیر کر لینی چاہئے جو میونسپل بورڈ کی مجوزہ تجاویز کے عین مطابق ہے۔ غرض تجویز پیش کردہ عالم کا یہ حاصل تھا کہ ہم کو ایک چھتا بنا لینے دیا جائے جو مسجد ٹھہر کر ہمارے قبضہ میں رہے اور اس کے نیچے سڑک چلے اور یہ سعادت بھی ہمیں کو بخشی جائے کہ زمین مسجد پر یہ سڑک ہم ہی تعمیر کریں جو بعینہٖ تجویز چنگی ہے۔

(ف، تجویز دوم کی شناعتیں) اس تجویز کا حال خود مجوز کا قول بتا رہا ہے تدبیر اول کرنا منظور ہوئی اسے نہایت تنزل بتایا تھا اور نہایت کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا تو یہ تجویز کہ اس سے بدرجہا گری ہوئی ہے کسی تنزل پر بھی دائرہ حکم شرعی میں نہیں آسکتی بلکہ حکم کی صریح تبدیل ناقابل تاویل ہے۔

تدبیر اول کو بقول ضعیف کہا تھا تو اس کے لئے کوئی ضعیف روایت بھی نہیں محض باطل و ایجاد بندہ ہے تدبیر اول کو
مخلص کے طور پر کہا تھا تو یہ مخلص بھی نہیں بلکہ محبس ہے یعنی مسجد کو ہتک حرمت کے لئے پھنسانا۔ اور تقریر
میں اقرار ہے کہ میں نے یہ صورت پیش کی۔ یہاں ہمارے استفسار دوم کا جواب کھلا، ایسی باطل و حرام
ہتک اسلام صورت اگر ادھر سے پیش ہوتی اور عالم بلا جبر و اکراہ تام اُسے تسلیم کرلیتا تو شرعاً سخت کبیرہ عظیمہ
شدیدہ کا مرتکب تھا نہ کہ خود اپنی تجویز سے ایسی صورت نکالنا اور اُسے پیش کرنا اس پر منظوری لینا اس کی شناعت
کا کیا اندازہ ہو، فنسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

(۲۳) پھر یہ نہیں کہ عالم نے اُس وقت کم علمی یا نافہمی سے اس صورت کا باطل و خلاف شرع ہونا نہ سمجھا اور نادانی سے
اُس وقت مجوز ہو بیٹھا۔ نہیں نہیں بلکہ اُس وقت بھی حکم شرعی معلوم تھا تقریر مذکور میں اس تجویز کے پیش کرنے
سے پہلے کا بیان ہے کہ مسجد کے دیکھنے اور وہاں کے احوال سننے سے تسلیم کرلینا پڑا کہ جزو متنازعہ جزو مسجد ہے
اس کے بعد بے مخلص نکالنا سخت دشوار ہوگیا ہیں ہرگز کسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمانوں کو کسی جزو مسجد کو
کسی دوسرے مصرف میں لانا جائز ہے تو دیدہ و دانستہ ارتکاب ہوا۔

(۲۴) پھر یہی نہیں کہ اُسے صرف ابتدائی درجہ کا ارادہ جانا ہو بلکہ وہیں تقریر یہ ہے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اس
جزو کو اصل مسئلہ سے زیادہ اس کے اعزاز اسلام سے بنام کردیا اور یہ واقعہ ہائلہ ۳ اگست نے تو احترام اسلام
کا سوال پیدا کردیا اور شعار اسلام کے ہتک ہونے میں کسی کو بھی شبہہ نہ رہا۔ یارب یہاں تک جان کر پھر
ہتک اسلام کی آپ تجویز پیش کرنے کو کیا سمجھا چاہئے فانا للہ وانا الیہ راجعون اس قول عالم کے معنی
یہ ہیں کہ ہتک حرمت مسجد ضرور ہتک شعار اسلام ہے خصوصاً غیر مسلم سے خصوصاً حکومت کہ اس کا ہتک
حرمت اسلام ہونا خود ہی واضح تر ہے جسے واقعہ ۳ اگست نے سب پر ظاہر کردیا۔ اس عبارت عالم کا
یہ مطلب ہے ورنہ اگر عالم کے نزدیک اصل معاملہ میں ہتک حرمت اسلام نہ تھی تو واقعہ ۳ اگست کہ محض
بربنائے قانون شکنی تھا اسے ہتک حرمت اسلام نہ کردیتا۔ خانہ جنگی وغیرہ میں کتنے مسلمان خون ریز
ہوتے ہیں اُسے کوئی ہتک حرمت اسلام نہیں سمجھتا کہ اصل معاملہ حرمت اسلام کا نہ تھا۔ عالم کا یہ قول
یاد رکھنا چاہئے کہ خود اس کے منہ اس کی کارروائی کا حاصل کھلتا ہے فنسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

(۲۵) پھر یہ نہیں کہ عالم اُس وقت حالت اکراہ میں ہو کہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان[1] (مگر جو مجبور
کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ ت) سے فائدہ لے سکے وہ ابھی ابھی تدبیر اول پیش کرکے زیادہ
کے لئے صاف جواب دے چکا تھا تقریر مذکور میں ہے: میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ احکام مذہبی میں کوئی

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

کچھ دخل نہیں دے سکتا حقیقۃً جس طرح وہ حصہ لیا گیا ہے اسی طرح واپس کیا جائے نہایت تنزل صورت مجوزہ ہے اگر اس پر بھی رضامندی نہیں ہوتی پھر حکام کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ عالم کی اس تقریر کو ہمارے سائل فاضل نے جواب استفسار ہشتم میں یوں بیان کیا: "گفتگو کے اثنا میں اس نے صاف کہہ دیا کہ میرا کام مسئلہ بتا دینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں ہے جس طرح وہ چاہے اور اس کا حکم ہو بننا چاہیے نہ کہ جس طرح میں یا آپ چاہوں علماء کو جمع کرنا چاہیے مسلمانوں کو جس سے اطمینان ہو وہ کرنا چاہیے۔" یہ تمام کلمات حق تھے انھیں کہہ کر پھر حق سے ایسے شدید ناحق کی طرف عدول کیوں ہوا۔ عبر اگر نہ مانتے اتنے ہی پر ختم کرنا فرض تھا نہ عالم پر الزام رہتا نہ معاملہ میں یہ سخت پیچ پڑتا، مگر مشیت تھی سامنے آئی اور عالم سے جو نہ ہونا تھا ہوا، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(٢٦) پھر اس سے بھی اشد ظلم یہ کہ اسی حرام شرعی کو حسب دلخواہ اور نہایت مسرت خیز و موجب اطمینان و دلجمعی مسلمانان اور مسئلہ شرعیہ کی صورت سے بھی بہتر اور اس کے دن کو اسلامی تاریخ کا زریں دن کہا گیا اور خود شعار اسلام کا ہتک بتا کر بقائے احترام اسلام کہا یہ باتیں بہت سخت تر ہیں فنسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

(٢٧) پھر اس کا یہ شدید ضرر تھا عمرو رہا بلکہ عام عوام مسلمین تک متعدی ہوا انھوں نے اس عالم ہی کے بھروسے حرام کو حلال، ماتم کو مسرت، ہتک حرمت اسلام کو اسلام کا احترام سمجھا۔

(٢٨) ان وجوہ نے معاملہ کی سختی بہت کڑی کر دی اور اس زرے زبانی بیان کو کہ مسلمانوں کو اطمینان ہو گا موقع موقع کوشاں رہیں گے اگر محض برائے گفتنی تھا حرف غلط کر دیا مریض جب مرض کو شفا سمجھے پھر اس علاج جنون ہے۔

(٢٩) پھر اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے نظیر ہو گیا اسلامی عالم جیسے قومی لیڈر اور گویا تمام مسلمانان ہند کا وکیل سمجھا گیا اس کی ایجاد کی ہوئی تجویز اسی کی پیش کی ہوئی تجویز پھر گورنر جنرل کی منظوری پھر تمام اسلامی حلقوں میں اس پر اظہار مسرت و خوشی پھر عالم کا اسے اسلامی تاریخ میں زریں دن اور بقائے احترام اسلام اور موجب دلجمعی و اطمینان و نہایت مسرت خیز کہنا اسے پتھر کی لکیر کر گیا، مسجد یا کا شہر کوئی دیہاتی شہروں سے تصادم نہ کوئی نئی بات نہ کبھی ختم ہونی جیسا کہ خود جواب ایڈریس میں مذکور ہے مگر اس پر کتنے اطمینان بخش وہ الفاظ گورنمنٹ تھے کہ گورنمنٹ ہمیشہ کوشش کرے گی کہ مسئلہ متنازعہ کو اس طور پر حل کرے جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہو عالم اور عوام کی ان کارروائیوں نے انھیں کتنے ہی برے معنی کی طرف پھیر دیا انھوں نے چیخ و پکار اور جلسوں روشنیوں کی بھرمار سے بتا دیا کہ یہ صورت

ہمارے لئے نہایت قابلِ اطمینان ہے جب تصادم ہو مسجدیں توڑ کر ہوا پر کردو اور نیچے سڑکیں رہیں نہریں دوڑا دو۔ بس مسئلہ اس طور پر حل ہو جائے گا جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابلِ اطمینان ہے۔ کیا عالم اور عوام کو کوئی عُذر رہا ہے کہ اس وقت کچھ شکایت کریں یا چارہ جوئی کا نام لیں۔ کیا اُن سے مدد کہا جائے گا کہ عقل کے ناخن لو یہ وہی تو نہایت مسرت خیز و موجب اطمینان و احترام اسلام اور اسلامی تاریخ کا زرّیں دن ہے جسے تم آپ پیش کر کے منظور کرا چکے ہو۔

(۳۰) پھر نری نظیر ہی نہیں بلکہ جو قانونی معاہدہ جتنا بنایا جاتا ہے اس کے لئے کافی مادہ ہے احترام مساجد کی یہی دفعہ بس ہوگی کہ اُن کا زمین پر رکھنا کچھ ادب نہیں بلکہ چھتوں پر اٹھا کر سروں سے اونچی کر دی ہیں اور اصل مسجد یعنی زمین پر جو چاہیں بنائیں عالم و عوام اس اپنی ہی پیش کردہ پسندیدہ دفعہ کا دفع کہاں سے لائیں گے۔ افسوس کہ یہ شدید ہتک اسلام خود فرزندانِ اسلام کے ہاتھوں ہو انا للہ وانا الیہ راجعون یہیں سے ظاہر ہُوا کہ یہ جو بہلاوے دیے جاتے ہیں کہ ایک مستقل قانون تحفظ معاہدہ کا بنایا جانا قرار دلوا دیا گیا ہے جس سے حسب تصریح لبرل اس تنازع فیصلہ کا بھی مسلمانوں کے موافق ہونا متوقع ہے اور فیصلہ پر ایک نظر میں ہے کہیں نکو ستہ عاذ بنا کہ اس کی تعبیر میں احکام اسلامیہ کے احترام کو ہر طرح مدِ نظر رکھنا چاہئے۔ حسب روش قانونی بھی وقعت نہیں رکھتے۔ مانا کہ قانون ضرور بنے۔ مانا کہ تاکیدی حکم بیشک ہُوا مگر احترام کے معنی تو آپ نے بتا دیے کہ ہم اسے احترام اسلام کہتے ہیں جسے خود اپنے منہ سے ہتک حرمت اسلام کہہ چکے ہیں۔ بس اسی پر قانون بنوا لیجئے اور اسی کی نسبت تاکیدی حکم تصور کیجئے حالہ

خویشتن کردہ را علاج نخواہ
(اپنے کئے کا کوئی علاج نہیں)

یارب! معنی خود اُلٹے ٹھہرانا اور خالی لفظ پر عوام کو بہلانا کس لئے۔

(۳۱) { عذرِ بدتر از گناہ کے رد } طرفہ تر عذرِ بدتر از گناہ سُنئے، تقریرِ مذکور میں ہے۔ میں نے اس لئے اس کو اپنی صورت مجوزہ (یعنی تدبیرِ اول نامنظور) سے بھی بہتر خیال کیا کہ تو مدیر میونسپلٹی سے ممکن ہے کہ ہم کو بہتر موقع اس کے حاصل کر لینے کا ہو۔ ایسے عوام و ہتک اسلام کو اپنے منہ پیش کر کے منظور کرانا اور اس امید موہوم کو کہ ممکن ہے میونسپلٹی ہمیں واپس دے اُس کے ارتکاب کی نہ صرف تجویز بلکہ تحسین کا موجب ٹھہرانا عجیب فہم و عقل تازہ شریعت ہے۔ کیا جیسا کہ کہا جاتا اور مراسلات کا مرید وغیرہ میں بیان ہوا ہے یہ میونسپلٹی وہ نہیں جس نے کثرت رائے کا بھی خیال نہ کیا اور مسجد کے خلاف ہی فیصلہ دیا۔

لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین[1] مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ (ت)

خاص گورنمنٹ، کون گورنمنٹ؟ وہ وہ جس نے کہا میں تمھارے لئے پیام امن لایا ہوں، وہ وہ جس نے کہا مذہبی باتوں کے متعلق وہی پالیسی ہے اس میں کوئی تغیر نہیں، وہ وہ جس نے کہا حقوقِ مساجد کا ہمیشہ لحاظ رکھا جائیگا اور سب مسلمانوں کے اطمینان کے قابل فیصلہ کیا جائے گا، اسے چھوڑ کر میونسپلٹی کی رحمت پر بھروسا کرنا، وہاں اپنے منزحرمت اسلامیہ کو پامال کے لئے خود پیش کرنا اور اس کے ازالہ کی امید چونگی سے رکھنا کس درجہ بدقسمتی ہے۔

(۳۲) میونسپلٹی اگر موافق بھی ہوتی تو فیصلہ خاص گورنمنٹ کے بعد اس سے نقض کی امید کتنی غلط امید ہے۔

(۳۳) بالفرض غلط اگر میونسپلٹی آپ کو لکھ بھی دے کہ ہاں یہ زمین جامع مسجد کی ہے چونگی کا اس پر کچھ دعوٰی نہیں تو کیا وہ اس حکم حتمی گورنمنٹ کو بھی منسوخ کردے گی کہ یہ ضرور ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک کے استعمال کرنے کے مجاز ہوں اور جب یہ برقرار رہا تو وہ کیا ہے جسے آپ میونسپلٹی سے حاصل کرلیں گے جس کے سبب اُس اپنے اقراری اشد حرام و ہتک اسلام کو زائل کرلیں گے۔

(۳۴) بالفرض باطل یہ بھی ممکن سہی تو ایک اُمید موہوم کے لئے جس کا نہ وقوع معلوم نہ سال دو سال دس سال مدت معلوم، اس وقت ایسا حرام آپ تجویز کرنا اس وقت حرمت اسلام کو ہتک کے لئے خود پیش کرنا کس شریعت نے جائز کیا ہے۔

(۳۵) موہوم ہونے کی یہ حالت ہے کہ خود بھی اس کے حصول پر اطمینان نہیں تقریر میں عبارت مذکورہ کے متصل ہے اگر نہ ملا تو ہم مجبور ہیں ویسا ہی تصور کرینگے جیسا اس وقت دہلی کی جامع مسجد میں انگریزوں کو جوتا پہنے آنے سے روک نہیں سکتے۔ مجبور کس نے کیا، آپ تجویز نکالو، آپ پیش کرو، آپ منظور کراؤ، آپ خوشیاں مناؤ، اور پھر مجبور کے مجبور۔ انگریزوں کا جوتا پہنے پھرنا اگر وہاں کے مسلمانوں کی خوشی سے ہے تو ان پر بھی الزام ہے اگرچہ آپ پر اشد ہے کہ کہاں نادر ڈ گا ہے ماہے کسی انگریز کا آنا اور کہاں یہ شبانہ روز کی پامالی، مگر بربید مثالی، اور اگر مسلمانوں نے اس کی اجازت نہ دی تو یہ آپ کی تو خود کردہ ہے اس کا اس پر قیاس کیسا!

(۳۶) سب جانے دیجئے امید و موہوم و مظنون سب سے گزر کر بالفرض محال میونسپلٹی سے آپ کا استحصال

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب لایلدغ المؤمن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۵
سنن الدارمی باب لایلدغ المؤمن من جحر مرتین نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۲۶

اور مرور، استعمال کا بالکلیہ زوال سب قطعی و یقینی ٹھہرا لیجئے پھر الزام کیا دفع ہوا، کیا کوئی گناہ حلال ہو سکتا ہے جبکہ ایک زمانہ کے بعد اس کا زوال یقینی ہو یوں تو شراب و زنا بھی حلال ہو جائیں گے کہ ہمیشہ کے لئے نہ وہ مستقر نہ یہ مستقر، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ ہے وہ تقریر مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" جس پر عوام کو وہ کچھ وثوق وہ کچھ ناز ہے واستغفر اللہ العظیم۔

الحمدللہ دو استفسار چشیں کے جواب میں یہی چھتیس ۳۶ نظریں کافی و وافی ہیں جن میں اس فیصلہ پر ایک نظر پر بھی پندرہ ۱۵ نظریں ہو گئیں، اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مسئلہ و فیصلہ کے پہلوؤں پر کافی روشنی پڑ گئی جس کے بعد عاقل کو امتیاز حق و باطل کے لئے ان شاء اللہ العظیم زیادہ کی حاجت نہ رہی جواب باقی استفسار کا حال بھی یہیں سے کھل گیا لہذا اُن پر بالاجمال دو چار لفظ لکھ کر کلام تمام کریں وباللہ التوفیق۔

متعلق جواب استفسار سوم

اس کے فقرے فقرے کا رد اوپر گزر چکا، گورنمنٹ نے خود خواہش تصفیہ کی، بہت اچھا کیا، مگر تصفیہ میں یہ تجویز جو خود عالم کے اقرار سے حرام اور بلاشبہہ ہتک حرمت اسلام ہے، عالم نے آپ ہی پیش کی بہت برا کیا، پھر اُسے نہایت مسرت خیز و [illegible] رو روئدہ و غیرہ کہا اور سخت تر کیا۔

(۳۷) [اس تجویز نے کیا دبا اور کیا لیا اس کا موازنہ] نہ کہ قیدیوں کو بلا مقابلہ کسی امر کے چھوڑ دینا چاہا۔ جواب ایڈریس میں کسی مقابلہ کا اشارہ تک نہیں، لکھنؤ کے ایک انگریزی اخبار میں ہے کہ بلا شرط چھوڑا گیا، ممکن ہے کہ باہم خفیہ گفتگو میں ذکر شرط آیا ہو، اب سوال یہ ہے وہ شرط کیا تھی اور جزا کے ساتھ ہم قیمت تھی یا بہت گراں، ہمارے سائل فاضل کا بیان ہے کہ جلد اس کا شرط دیا کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات چلائیں، یعنی زمین مسجد سے دست بردار ہو جائیں (دیکھو ہمارے بیانات میں نمبر ۱ تا ۲۰) اور مسجد کی زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں یعنی جس سے وہ مسجد کے لئے محفوظ رہے اور سڑک کے کام میں نہ آسکے ورنہ عمارت کی کسی حیثیت معینہ سے بحث کے کوئی معنی نہیں تو حاصل شرط مسجد کی مسجدیت کا ابطال اور اس کی زمین کا سڑک میں استعمال اور اس کی حرمت کا استخفاف و ابتذال تھا، اسی کی پابندی سے عالم نے یہ اخیر ناشدنی تجویز نکالی جو منظور ہو کر نظیر ہو گئی اور جس نے ہمیشہ کے لئے تمام مساجد ہند کی حرمت بیچ ڈالی۔ اب اس کا اور جزا یعنی رہائی ملزمان کا موازنہ کر لیجئے خاص اشخاص کی قید ضرر خاص تھا اور وہ بھی جسمانی اور وہ بھی منقطع اور مساجد کی بے حرمتی و ابطال مسجدیت اور اس کے خود پیش کرنے پھر منظور کرانے پھر اس پر اظہار رضا و مسرت سے ہمیشہ کے لئے اس کا نظیر بننا کتنا سخت ضرر عام تھا اور وہ بھی دینی اور وہ بھی مستمر، اسی کو عالم نے خود کہا تھا

کہ شعارِ اسلام کے ہتک ہونے میں کسی کو شبہہ نہ رہا، ایک مسجد کا ضرر ضررِ عام ہے کہ مسجد عام مسلمانوں کی عبادتگاہ ہے نہ کسی خاص کی، اور ضررِ عام ضررِ خاص سے اقوٰی، اسی پر مبنی ہے فتح القدیر و بحرالرائق و درر و غرر و تنویر الابصار و درمختار وغیرہا معتمدات اسفار کا مسئلہ کہ مسجد ضاق و بجنبہ ارض لرجل[1] الخ (جب مسجد تنگ ہوجائے اور اس کے پہلو میں ایک شخص کی زمین ہو) جب صرف نمازیوں پر جگہ کی تنگی ایسا ضرر مہم گنی گئی تو مسجد کی مسجدیت کا ابطال شعارِ اسلام کا وہ ہتک و ابتذال اور پھر نہ ایک مسجد کے بلکہ قاعدہ مستمرہ مساجد کیلئے کس درجہ اشد و اشنع ضررِ عام مسلمین و ضرر نفسِ اسلام و دین ہے جبکہ نقل و عرف و شرع کا قاعدہ تو وہ تھا کہ ضررِ عام سے بچنے کو ضررِ خاص کا تحمل کرتے ہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام[2]	عام ضرر سے بچنے کے لئے خاص ضرر کو اپنایا جاسکتا ہے۔ (ت)

یہاں چند روزہ خفیف ضررِ خاص چند اشخاص سے بچنے کو اتنا عظیم ضررِ عام و اضرار اسلام مستمر و دائم گوارا کیا، اب سوا اس کے کیا کہیے کہ یلیت قومی یعلمون[3] (کسی طرح میری قوم جانتی۔ ت)

(۳۸) عموم و خصوص ضرر سے قطع نظر آخر اتنا تو عالم کو بھی اقرار ہے کہ اس میں ہتک حرمتِ اسلام ہے پھر کون سی شریعت ہے کہ بعض اشخاص کو ضرر سے بچانے کے لئے مسجدیں بھینٹ چڑھانا اور ان کی حرمتیں پامال کرانا اور اس پامالی کو ہمیشہ مستمر بنانا حلال ہے، زید کا باپ بیمار تھا اور بھائی کو زکام، ایک بڑا ڈاکٹر جس کے ہاتھ میں اللہ عزوجل نے ان بیماریوں کا یقینی علاج رکھا تھا دور سے اسے سن کر آیا اور آیا بھی کیسا یہ کہتا آیا میں تمہارے لئے پیام شفا لایا ہوں اور خاص تصریحاً برادر و پدر دونوں کا نام لے کر کہا کہ اسے بھی دوا دوں گا اور اس کا بھی خاص توجہ سے پورا اطمینان بخش معالجہ کروں گا، بایں ہمہ زید نے اپنے وہم خواہ کسی کمپونڈر کے کہنے سے یہ خیال دل میں پکا لیا کہ باپ جب تک زندہ ہے بھائی کو دوا نہ دی جائیگی لہذا بھائی کا زکام جانے کے لئے باپ کو قتل کردیا، ایسی صورت کو کیا کہیں گے، یا نہ سہی یہی فرض کیجئے کہ ڈاکٹر نے وہ کچھ کہہ کر خود ہی بھائی کے علاج کو باپ کی موت پر مشروط کردیا، کیا اس صورت میں بھائی کا

---

[1] فتح القدیر کتاب الوقف فصل اختص المسجد باحکام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۳۵
بحرالرائق " فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۵۵
الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الوقف مطبعۃ احمد کامل ۲/۱۳۲
[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول تنبیہ یتحمل ضرر الخاص لاجل دفع ضرر العام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۲۱
[3] القرآن الکریم ۳۶/۲۶

نکاح کھونے کو باپ کا قتل روا ہے۔

(۳۹) استفسار یہ نہ تھا کہ ملزم شرط پر چھوٹے یا بلا شرط جس کا یہ جواب دیا گیا، بلکہ سوال یہ تھا کہ اُن کی آزادی کے بعد اور کیا منازعت رہ گئی تھی جسے عالم نے قطع کیا اور کیونکر قطع کی، یہاں بھی بعض اصحاب نے استفسارات کو دیکھ کر کہا تھا کہ ان کی حکمت سمجھ میں نہ آئی کس کس غرض سے یہ امور دریافت کئے ہیں ہمارے استفسار دوم کی حکمت اوپر معلوم ہو چکی۔ اس سوم کا فائدہ یہ تھا کہ یہاں دو ہی نزاعیں تھیں، گورنمنٹ کا ملزموں پر دعوی، مسلمانوں کا زمین مسجد پر دعوی۔ گورنمنٹ نے عالم سے مصالحت کی، مصالحت یک طرفہ تو تھی نہیں اور رہائی ملزمان کوئی فعل مشترک نہ تھی کہ فریقین نے کیا اور طرفین سے قطع نزاع متحقق ہوا۔ وہ تو تنہا فعل گورنمنٹ تھا کہ خود ہی وہ اُسے بجالائی اور اپنی طرف سے قطع نزاع کی۔ اُس کے بعد دوسری نزاع کیا تھی کہ دھر سے قطع کی گئی، لاجرم اس کا جواب یہی تھا کہ گورنمنٹ نے قیدی چھوڑے مسلمانوں نے مسجد چھوڑی، ولہٰذا سائل فاضل نے استفسار دوم کی طرح سوم کے جواب سے بھی پہلو تہی کی اور وہ زائد بات لکھ کر اس گول مبہم پر قناعت فرمائی کہ گورنمنٹ اور مسلمانوں سے مقربات اور اس کے ضمن میں باہم کشیدگی و منازعت تھی جس کو عالم نے قطع کر دیا۔ سوال تھا منازعت کیا تھی کیونکر قطع کی؟ جواب ہوا کہ تھی اور قطع کی غرض یہاں کے بعض اصحاب فائدہ استفسارات وہ گئیں مگر سائل فاضل نے خوب کی اور اپنی احتیاط کا حق ادا کیا۔

متعلق جواب استفسار چہارم

قبضہ کی کافی بحث اور ہرگز ہرگز زمین پر قبضہ دینا نہ ٹھہرا بلکہ ہوا پر۔

(۴۰) [زعم حصول قبضہ کا رد] رہا ممبروں کا کہنا ہم عمارت کی اجازت دیں گے جو قانوناً و عرفاً قبضہ ہے اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں، شرعاً راستہ پر چھجا نکالنے چھتا پاٹنے کا ہر شخص کو حق ہے اگرچہ غیر نافذہ ہو تو سب اہل کوچہ کی اجازت سے، اور شارع عام ہو تو سلطان کی اجازت سے بلکہ بلا اجازت سلطان بھی نکالنے سے گنہگار نہ ہوگا اگرچہ مزاحمت کے بعد اتار دینا واجب ہوگا عالمگیریہ میں ہے:

ان اراد احداث الظلة فی سکة غیر نافذۃ یعتبر فیہ الاذن من اھل السکة وھل یباح احداث الظلة علی طریق العامة ذکر الطحاوی انہ یباح ولا یاثم قبل ان یخاصمہ

اگر کوئی بند گلی میں چھتہ بنانا چاہے تو گلی والوں کی اجازت معتبر ہوگی اور کیا شارع عام پر کوئی چھتہ بنا سکتا ہے، تو امام طحاوی نے مباح کہا ہے اور اس وقت تک گنہگار نہ ہوگا جب تک کوئی مخاصمت نہ کرے اور مخاصمت کے

احد و بعض المحاصمة لایباح الاحداث و الانتفاع ویاثم بترك الظلة کذافی الفصول العمادیة، ولیس لاحد من اهل الدرب الذی هو غیر نافذ ان یشرع کنیفا و لامیزابا الا باذن جمیع اهل الدرب اضرذلك بهم اولم یضرهکذا فی الخلاصة۔[1]

بعد بنانا مباح ہوگا اور نہ ہی اس سے انتفاع جائز ہوگا اور اس کو باقی رکھنے سے گنہگار ہوگا، جیسا کہ فصول عمادیہ میں ہے، اور کسی کو تنگ بند گلی میں کوڑا ڈالنا ہو یا پرنالہ لگانا گلی والوں کی اجازت کے بغیر جائز نہیں خواہ گلی والوں کو ضرر ہو یا نہ ہو، خلاصہ میں یونہی ہے۔ (ت)

اور غالباً انگریزی قانون میں بھی چونگی کی اجازت سے ایسا ہو سکتا ہے اسے کوئی شاقل راہ یا سڑک کی زمین پر قبضہ نہ کہے گا اور دُور کیوں جائیے لکھنؤ میں بام نشینان بازار کی کثرت سُنی جاتی ہے شرعاً عرفاً قانوناً کسی طرح وُہ دکانوں پر قابض نہیں۔

(۴۱) جواب ایڈریس کا وہ جملہ کہ میں اس کو کچھ وقیع و اہم نہیں خیال کرتا کہ زمین کس کے قبضہ میں رہے گی اس کے سمجھنے میں بہت غلطی کی گئی بحث قبضہ وقیع نہیں یعنی فضول ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قبضہ کسی خاص کا ہو اس سے ہمیں غرض نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم کسی خاص قبضہ کو ہرگز روا نہ رکھیں گے لہذا اس کی بحث فضول ہے، وہ بات کہ اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں معنی اول بتاتی ہے حالانکہ مراد قطعاً معنی ثانی میں ہے کہ اس کے متصل ہی جواب ایڈریس میں ہے تحریر ضروری ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک کے استعمال کرنے کے مجاز ہوں یعنی قبضہ عام ہونا ضروری ہے خصوصیت کی بحث لایعنی ہے، تو ذکر نفی قبضہ کو نفی ذکر قبضہ پر حمل کرنا صریح مغالطہ یا کھلی غلطی ہے۔ ممبر متعینہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہی قبضہ ہے یعنی اور میں نے مان لیا کہ سایہ مرادف موجب ہے ایسا قبضہ عالم صاحب یا کوئی مسلمان ممبر صاحب اپنے گھر کے لئے بھی گوارا کریں گے یا یہ خاص اللہ عزوجل کے گھر کے لئے ہے غرضکہ قبضہ خود ممبر متعینہ کی زبان سے طے کرالیا۔ جی نہیں بلکہ خود اپنی زبان سے قبضہ کا قضیہ طے کر دیا کہ چھت ہماری اور مسجد کی زمین پر سڑک جاری، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الجنایات الباب الحادی عشر فی جنایۃ الحائط نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۰

متعلق جواب استفسار پنجم

(۴۲) [مصالحت اس پر کی کہ مسجد مسجد کیا بلکہ وقف بھی نہ ٹھہرے] عالم کی پیش کردہ دوسری تجویز جس پر فیصلہ ہوا اقرار مذکور عالم میں صرف ان لفظوں سے ہے: اس وقت میں نے یہ صورت پیش کی کہ سر دست ہم کو دالان کی چھت پر قبضہ دے دیں الخ، اس میں کہیں کسی کی ملک نہ ہونے کا تذکرہ نہیں مگر سائل نے اسے ان لفظوں سے بیان کیا تھا کہ بعد ردّ و قدح عالم کی رائے سے یہ طے پایا ہے کہ سر دست ملک اس زمین پر کسی کی ثابت نہ کی جائے کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وقف ہے قبضہ زمین پر مسلمانوں کا دلایا جائے اس پر یہ استفسار پنجم تھا کہ یہ کسی کی ملک ثابت ہونے کی قرارداد صرف عالم کے تخیل میں رہا یا باتفاق فریقین طے ہوا اس کا یہ جواب ہے کہ زمین کی ملکیت گورنمنٹ اپنی ہی سمجھتی تھی لہٰذا عالم نے صاف کہہ دیا اور لکھوا لیا کہ ملک وقف میں کسی کے لئے نہیں ہوتی اسی واسطے ہم اپنے بھی ثابت کرنے کے درپے نہیں۔ اس جواب میں بہت غلط مبحث ہے۔ ملک کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے اول اختصاص مانع کہ ابتداءً اس کے لئے قدرت تصرف شرعی ثابت کرے اور اس کے غیر کو بے اس کی اجازت کے تصرف سے مانع ہو جیسے زید کا مکان زید کی ملک ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

الملك هو قدرة يثبتها الشارع ابتداءً على التصرف فخرج نحو الوكيل۔[1]	ملکیت وہ قدرت ہے جسے شارع نے تصرف کے لئے ابتداءً ثابت کیا ہو تو وکیل جیسے تصرف خارج ہوگئے (ت)

اشباہ میں ہے:

وعرفه في الحاوي القدسي بانه الاختصاص الحاجز۔[2]	اور حاوی قدسی نے اس کی تعریف یوں کی ہے وہ اختصاص جو دوسرے کی مداخلت سے مانع ہو (ت)

بایں معنی تمام اوقاف علی الصحیح المفتی بہ اور خصوصًا مساجد باجماع امت اللہ عزوجل کے سوا کسی کی ملک نہیں قال اللہ تعالٰی وان المسجد للہ[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ ت) دوم بمعنی قدرت تصرف شرعی۔ عنایہ میں ہے: الملك هو القدرة على

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۵۶
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۰۲
[3] القرآن الکریم ۷۲/۱۸

التصرف فی المحل شرعاً (ملکیت، یہ محل میں تصرف شرعی کی قدرت ہے۔ ت) بایں معنی متولی کو مالک اوقات کہہ سکتے ہیں۔ خزانۃ المفتین و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو ادعی المحدود لنفسہ ثم ادعی انہ وقف الصحیح من الجواب انہ کان دعوی الوقفیۃ بسبب التولیۃ یحتمل التوفیق لان فی العادۃ یضاف الیہ باعتبار ولایۃ التصرف والخصومۃ۔	اگر پہلے محدود رقبہ کا دعوٰی اپنے لئے کیا پھر وقف ہونے کا دعوٰی کیا تو صحیح جواب یہ ہے کہ اگر وقف کا دعوٰی تولیت کی بناء پر کیا تو پھر اس کے دونوں دعووں میں موافقت پیدا کی جاسکتی ہے کیونکہ عادتاً وقف متولی کی طرف تصرف اور منازعت میں منسوب ہوتا ہے (ت)

یہ دونوں معنی خود اسی جواب استفسار میں موجود، اول کہا ملک وقف میں کسی کے لئے نہیں ہوتی۔ اس کے متصل ہی اپنے مشیر قانونی کا قول نقل کیا کہ ہماری ملک غصب سے نہیں چلی گئی۔ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ ہرگز کسی وقت اس حصہ مسجد میں اپنی ملک بمعنی اول کی مدعی نہ ہوئی اس پر یہ کبھی نہ کہا گیا کہ یہ گورنمنٹی زمین ہے تم نے اسے مسجد کرلیا تھا اب گورنمنٹ اسے واپس لیتی ہے بلکہ دعوٰی اگر تھا تو اختیار تصرف کا اس کی نفی امر طے شدہ میں، ہرگز عام سے کی دعوٰی ہے کہ۔۔۔ نہ صاف بلکہ صاف اُس کے اثبات پر فیصلہ ہوا کہ یہ امر ضروری ہے کہ عام پبلک الخ۔

(۴۳) ہر قوم اپنی اصطلاح پر کلام کرتی اور سمجھتی ہے قانون اور اہل قانون کی اصطلاح میں زمین مسجد یا وقف مسجد کو ملک مسجد کہتے ہیں بلکہ اس اصطلاح کا پتا شرع مطہر میں بھی ہے۔ واقعات حسامیہ و خزانۃ المفتین و فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لایمکن تصحیحہ تملیکا بالھبۃ للمسجد فاثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح۔	مسجد کو ہبہ کرنے سے تملیک کی تصحیح ممکن نہیں جبکہ اس طریقہ سے مسجد کے لئے ملکیت کا اثبات صحیح ہے (ت)

تو یہ طے کرنا کہ ملک اس زمین پر کسی کی نہ ثابت کی جائے یہ طے کرنا ہے کہ اسے مسجد کی شے نہ مانا جائے

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۵۵
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب السادس فی الدعوی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۳۱
[3] " " " الباب الحادی عشر فی المسجد " " ۲/۴۶۰

اوراب یہ کہنا ضرور صحیح ہے کہ چنانچہ گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔

متعلق جواب استفسار ششم

(۴۴) یہاں "سردست" کے معنی جس حکمت کے لئے دریافت کئے تھے وہ کارگر ہوئی بتانا پڑا کہ سردست کے معنی
ممبر متعینہ نے صاف کہہ دیے گئے کہ ہم تخلیص شرکت مردود کے لئے ہمیشہ چارہ جوئی کرتے رہیں گے، یعنی اس
وقت ہماری یا مسجد کی ملک ثابت ہوجائے گی فی الحال کسی کی نہ رکھو تو صاف کھل گیا کہ ملک سے وہی معنی
مراد لئے جو اصطلاح قانون ہے یا معنی دوم بہر حال مطلب یہ ہوا کہ فی الحال زمین مسجد کو وقف نہ ٹھہرایا جائے
آئندہ ہم کوشش کریں گے کہ وقف قرار پائے ایک اسلامی عالم کہ اہل گھر کی حمایت کو چلا ہو اُس کے لئے اس سے
زیادہ شنیع بات اور کیا ہوگی کہ اپنے منہ سے مسجد درکنار سرے سے فی الحال اُسے وقف ہی نہ ٹھہرانے کی تجویز
پیش کرے۔ رہی آئندہ کی کوشش اس کا متحصل حال اور گزرا کہ یہ محض نہانخانہ خیال میں رہا یا کہا اور منظور
نہ ہوا اس کا قرارداد ہرگز نہ ہوا، اور جو کچھ برائے گفتن تھا تصفیہ ہوتے ہی اسے خود منسوخ و مسموح کر دیا
اور اُس کا خیال تک مسلمانوں کے دلوں سے چھیل ڈالنے کا ذرا ذمہ لیا فاعتبروا یااولی الابصار۔ ممبر متعینہ
نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ جب قانون کی حاجت ہو تو خواہ مخواہ یہ مسئلہ کی طے ہو جائے گا۔ یہی مسئلہ
تو ابھی طے ہوگیا اور وہی قانون کے لئے مادہ ہوگیا دیکھو نمبر ۲۶ تا ۳۰ ہم اس وقت اس خواہش کو پورا
نہیں کرسکتے یعنی مسجد کو مسجد بالائے طاق وقف بھی نہیں مان سکتے۔ یہ سب جو عالم نے طے کیا ہے۔
فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

متعلق جواب استفسار ہفتم

(۴۵) [یہ مصالحت ایک شخصی کارروائی ہے اور اس کے روشن ثبوت] یہاں تک بعض استفساروں کے
منشا کو سائل فاضل نے سمجھ لیا اور جواب سے اعراض یا ابہام کی طرف عدول کیا جیسے استفسار دوم وسوم
اور باقی میں جواب صحیح کی راہ ہی نہ تھی اُن میں طریق اعتذار لیا اور بن نہ پڑا۔ اس ہفتم میں بظاہر منشاء سوال
خیال میں نہ آیا، منشا یہ تھا کہ عالم نے جس بات پر فیصلہ کیا قطعاً اُسی کے اقرار سے خلاف احکام و ہتک
حرمت اسلام ہے۔ اب الزام کے لئے تین صورتیں ہیں: ایک معافی وہ صورت جبر و اکراہ شرعی ہے، یہ
استفسار کی شق اول تھی کہ عالم کو گورنمنٹ نے حکماً مجبور کیا، دوم اشتراک کہ الزام تام ہے مگر نہ صرف عالم بلکہ
مسلمانان ذی تعلق پر جبکہ اُنھوں نے اِس کارروائی کے لئے عالم کو وکیل بنا کر بھیجا ہو یہ دوسری شق تھی کہ یا

مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا اور اُس میں عالم کا قطع یہ تھا کہ اگرچہ کبیرہ شدیدہ واقع ہوا مگر اوروں کو عالم پر سخت تشنیع و ملامتیں کرنے کا (جس کی شکایت اس سوال کے ساتھ خط میں آئی) موقع نہ ہوگا کہ وہ خود بھی اسی بلا میں مبتلا ہیں۔ سوم عالم دین محمد کا انفراد اور انفرار اسلام میں استبداد، یہ تیسری شق تھی کہ یا وہ بطور خود گیا، اس کے جواب میں وہ شق اخیر کی صراحۃً اور اول کی ضمناً نفی کی کہ عالم کو عام مسلمانوں نے طلب نہ کیا نہ وہ از خود گیا بلکہ مقدمہ کانپور کے کارکنوں نے باصرار بلایا یہاں سے ظاہر کہ وہ کارکن عام مسلمانوں کے صحیح نائب مناب نہ تھے ورنہ اُن کا بلانا عام مسلمانوں کا طلب کرنا کیوں نہ ہوتا اور جب ایسے نہ تھے اور معاملہ عام مسلمانوں کا تھا ذکر تنہا اُن خاص کا، تو خاص کے بلانے پر جانا عام کا قائم مقام کیونکر کر دے گا، تو مآل وہی ہوا کہ خود گیا۔

(۴۶) بالفرض وہ کارکن عام مسلمین کے صحیح قائم مقام تھے یا خود عام مسلمانوں نے عالم کو بھیجا تو کیا انھوں نے کہدیا تھا کہ اصل معاملہ پر پانی پھیر دینا فیصلہ پر ایک نظر میں مسلمانوں سے گفتگو اور عالموں سے مشورہ تک تو صرف تدبیر اول تھی بھیجنے والوں نے اسی کے لئے بھیجا تھا جب ممبر نے اُسے نا منظور کیا عالم کی وکالت ختم ہو چکی اُسے اپنی رائے سے ایسی تدبیر حرام و خلاف احکام و ہتک اسلام نکالنے اور اُسے مسلمانوں کے سر ڈالنے کا کیا اختیار تھا، لاجرم اشتراک ہرگز نہیں خود امر بر سلام میں استبداد ہے پھر ملامت مسلمانان کی شکایت کیوں ؎

تشکی المحب وتشکو وھی ظالمۃ ۔ کالقوس تصمی الرمایا وھی مرنان

(محب کو ہلاک کرتی ہے اور شکایت کرتی ہے حالانکہ خود ظالم ہے کمان کی طرح کہ تیر ہلاک کریں اور یہ جنبش دے)

(۴۷) عالم نے خود ممبر سے یہ کہہ کر کہ میرا کام مسئلہ بتا دینے کا ہے خدا کے حکم کا معاملہ ہے میرا حکم نہیں اور تقریر عالم میں ہے احکام مذہبی میں کچھ نہیں دخل دے سکتا اگر رضا مندی نہیں ہوتی حکام کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا، اپنی وکالت کو ختم کر دیا تھا، پھر خود رائی کا اُسے کیا اختیار تھا اس کا عذر یہ بتایا ہے کہ مگر ممبر متعینہ نے کہا ہم کو تمھاری رائے پر اعتماد ہے ہم علماء کی مجلس جمع نہ کریں گے تم اپنی رائے کہہ دو۔ الحمد للہ ظاہر ہو گیا کہ اب یہاں سے عام مسلمانوں کا وکیل نہ تھا بلکہ فریق ثانی کا جس نے اس پر اعتماد کیا، تو اُس کی یہ کارروائی ہرگز مسلمانوں کی نہیں ٹھہر سکتی بلکہ ایک وکیل گورنمنٹ عالم ایک وکیل ممبر کی کارروائی ہے جس کا اثر صرف ممبر کی ذات تک محدود ہے۔

(۴۸) علماء سے مشورہ نہ لینے کو ممبر کے سر رکھا جاتا ہے مگر فیصلہ پر ایک نظر کی تقریر تو صاف کہہ رہی ہے کہ عالم خود ہی اُس سے باز رہا اور بالقصد اُس سے انحراف اور اپنی ہی رائے پر توکل کیا تقریر مذکور میں ہے

میں نے چاہا کہ عام طور پر علمائے مشورہ ہوں مگر مجھے اخفائے راز کی ذمہ داری اس سے مانع ہوئی اپنا ذاتی خانگی معاملہ ہوتا تو ایک بات تھی عام مسلمانوں کا معاملہ اور انھیں سے اخفاء گورنمنٹ کا اگر کوئی راز تھا تو کیا ضرور تھا کہ گورنمنٹ کا نام لیا جاتا اس کا کوئی خفیہ ارادہ ظاہر کیا جاتا در بارۂ مسئلہ علماء سے استشارہ کہ فلاں صورت کا کیا حکم ہے کون سا افشائے راز تھا شرعی مسئلہ اور خاص حرمتِ اسلام سے متعلق اور عام مسلمانوں سے اس کا تعلق اور راز کی کوٹھری میں بند۔ بحمد اللہ یہ تو صاف ہوگیا کہ یہ صرف ایک شخص کی شخصی کارروائی ہے جس میں عام مسلمین شریک نہ علماء کو خبر۔ ایسی کارروائی جس قابل ہے ظاہر ہے۔

(۴۹) آگے ممبر کا قول لکھا ہم بالکل گفتگو منقطع کرتے ہیں اور صرف ایک گھنٹے کی مہلت ہے یہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ جلدی کی اور مہلت نہ دی اور گھبرا لیا اس لئے ہم نے مسجد نہ ایک مسجد بلکہ ہندوستان کی سب مسجدیں نذر کردیں، اس عذر کی خوبی ظاہر ہے نزاع میں فریق ثانی سب کچھ کرتا ہے گھبرا لینے پر گھبرا جانا کیوں، ہوا المہلت کے جواب میں کیوں نہ انھیں الفاظ کا اعادہ کیا جن کا کہنا پہلے بتایا جاتا ہے کہ یہ سے گھر کا معاملہ نہیں میں تنہا کچھ نہیں کرسکتا علماء و مسلمین سے مشورہ لینے کے لئے کافی مہلت ضرور ہے ورنہ گورنمنٹ کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، یہ کہہ کر دکھاتا تو ہوتا کہ آشتی خواہ گورنمنٹ کیا کبھی حرمتِ اسلام کیسی برقرار رہتی، حفظ حقوق مذہب میں گورنمنٹ کی ماسبق پالیسی کیا کچھ نہ پہنچاتی، وہ امن جس کا پیام ہی لے کر گورنمنٹ کا آنا ہوا تھا کیسا کچھ مبارک رنگ دکھاتی، اسی لئے تو حدیث میں ارشاد ہوا:

التأنی من الرحمٰن والعجلۃ من الشیطان[۱]۔ تاخیر رحمان کی طرف سے ہوتی ہے اور عجلت شیطان کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ غالب مددگار کی پناہ۔ والعیاذ باللہ العزیز المستعان۔

اس کے بعد جو کچھ کہا گیا اس کے فقرے فقرے کا رد اوپر آگیا و باللہ التوفیق۔

(۵۰) غرض الزامات شرعیہ قطعیہ یقینیہ قائم ہیں اور بشدت قائم، کبائر شدیدہ عدیدہ کے ارتکاب قطعاً لازم ہیں اور بلعنت لازم۔ اس سب پر ظلم بر ظلم برات کی فکر و کاوش اور اس کارروائی ہتک حرمت اسلام کو صحیح و صواب بنانے کی کوشش ہے حاشا حق طلبی کی یہ راہ نہیں ہے

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی   کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

(اے مسافر مجھے معلوم ہے کہ تو کعبہ نہیں پہنچے گا کیونکہ جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان کا ہے)

فنسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

---

[۱] جامع الترمذی ابواب البر باب ما جاء فی التأنی امین کمپنی دہلی ۲/۲۲

کنز العمال حدیث ۵۹۷۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۱۰۱

بلکہ سبیل نجات اس میں منحصر کہ

اولاً عالم اور جو جو مسلم اس کارروائی میں شریک تھے سب اس شنیع و سخت فظیع کبیرۂ خبیرہ صدہا حرام وہتک حرمت اسلام سے بصدقِ دل توبہ کریں ربّ المساجد جل جلالہٗ کے حضور خاکِ مذلّت پر ناک رگڑیں اپنے سروں پر خاک اُڑائیں، سر برہنہ با دلِ گریاں و چشم بریاں اُس کے حبیب قریب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر دستِ ضراعت پھیلائیں اور ہر ایک کہے: اللّٰھم انی اتوب الیک منھا لا ارجع الیھا ابدا (الٰہی! میں اُن تمام حرکاتِ شنیعہ سے تیری طرف توبہ کرتا ہوں اب ایسا نہ کروں گا۔)

ثانیاً بکثرت اخباروں اشتہاروں میں صاف صاف بلاتاویل اپنے جرائم کا اعتراف اور اپنی توبہ اور اس کارروائی کی شناعت کی خوب اشاعت کریں کہ جس طرح عالم کے اعتقاد پر عوام میں اس کی خوبی کا ڈنڈ(شور) ہند کے گوشہ گوشہ میں بجا یوں ہی بچّہ بچّہ کے کان تک عالم کی توبہ اور اس کی شناعت کا اعلان پہنچے، حدیث میں ارشاد ہوا:

اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ۔[1] رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب بسند حسن جید عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جب تو بُرائی کرے تو اسی وقت توبہ کر، مخفی کی مخفی اور علانیہ کی علانیہ۔ اس کو امام احمد نے کتاب الزہد میں اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حسن جید سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا۔ (ت)

ثالثاً گورنمنٹ کو جو ایسا عظیم مسئلہ غلط باور کرایا ہے جس سے ہمیشہ کے لئے مسجدوں کو سخت خطرہ کا سامنا ہے اپنی تمام ہستی ساری حیثیت پوری کوشش جگہیں طاقت اُس کے رفع میں صرف کریں اور شرعی دلائل، فقہی مسائل، ائمہ کے ارشاد، علماء کے فتاوٰی بیش از بیش جمع کرکے یقین دلادیں کہ وہ کارروائی جو پہلے ہم نے بتائی محض باطل و حرام و ہتک حرمتِ اسلام تھی کسی مسجد کی کوئی زمین ہرگز ہرگز راستہ، سڑک، ریل، نہر غرض کسی دوسرے کام کے لئے نہیں کی جاسکتی، مسجد حقیقۃً زمین کا نام ہے

---

[1] الزہد لامام احمد بن حنبل دارالریان للتراث القاہرۃ ص ۳۵

چھت اس کا بدل نہیں ہوسکتی نہ ہرگز کسی دوسری زمین یا دس لاکھ روپے، گو قیمت خواہ کسی شے سے اُس کا بدلنا روا ہوسکے۔ اگر ایسا نہ کیا تو یہ مسجد اور اس کے سوا جب کبھی کسی مسجد کو ظالم اور اس کے ساتھی مسلمانوں کی اس کارروائی سے صدمہ پہنچے گا ہمیشہ ہمیشہ تا بقائے دنیا اس کی ایک ایک بےحرمتی کا روزانہ گناہِ عظیم اُن کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوا کرے گا اللہ کی پناہ اُس حالت سے کہ قبر میں ہڈیاں بھی نہ رہیں اور ہر ہر لمحہ پر

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا۔[1]

اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ (ت)

کا وبالِ عظیم دُنیا سے قبر اور قبر سے حشر تک پیچھا نہ چھوڑے، اور یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ ہمیں اس کام کے لئے آدمی نہیں ملتے جیسا کہ یہاں خط میں لکھ کر بھیجا کام آپ کا بگاڑا ہوا ہے آپ پر اُس کی تلافی فرض ہے اگرچہ کوئی ساتھ نہ دے بگاڑنے کو آپ تھے بنانے کو کوئی اور آئے، اُس وقت کا استبداد کہ نہ علماء سے پوچھا نہ مسلمانوں سے کہنا اب بھی کام میں لائیے اور اپنی عاقبت بنائیے اور خدمت کعبہ کی اُلٹی بات اُلٹا کر سیدھی دکھائیے، راہ یہ ہے اور توفیق اللہ عزوجل کی طرف سے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس میں اپنی ذلت نہ سمجھئے اللہ عزوجل کے نزدیک عزت کہ اُس کی طرف رجوع لائے اُس کے گھر کی بےحرمتی کرنے سے باز آئے، وہ فرماتا ہے: ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون[2] (اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں۔ت) مسلمانوں کے نزدیک عزت کہ اُن کے دین پر تعدی چھوڑی حفظِ حقوقِ مذہب کی طرف باگ موڑی گورنمنٹ کے نزدیک عزت کہ ایسی عظیم حرمتِ اسلام کی پامالی جو اُس کی ناقابلِ تبدل پالیسی کے بالکل خلاف اس کے مستمر وعدوں کے بالکل مناقض سات کروڑ رعایا کا دل دکھانے والی روش برطانیہ کو مذہبی دست اندازی کا عیب لگانے والی تھی اُٹھادی اور رجوعات غلط یا زور کرائی تھی حق و انصاف سے بدل دی، والامر بید اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ (معاملہ اللہ تعالٰی کے دستِ قدرت میں ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ت) میں ان صاحبوں خصوصاً اپنے قدیمی دوست عالم کو اللہ عزجلالہ کی پناہ دیتا ہوں اس سے کہ انہیں بات کی پچ الٹی راہ دکھائے معاذ اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم[3] (اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ت) کی شامت آڑے آئے، اور اگر خدا ناکردہ ایسا ہو تو علماء پر فرض ہے کہ اُس کارروائی کا خلافِ شرع و مضرِ اسلام ہونا دلائلِ ساطعہ سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴
[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۵
[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۶

واضح کریں اوہام خلاف کا رد بالغ فرمائیں، اسلامی اخباروں پر فرض ہے کہ اُن تحریرات علماء کو نہایت کثرت اہتمام سے شائع کریں، ایک ایک گوشہ میں اُن کی آواز پہنچائیں، اسلامی انجمنوں پر فرض ہے کہ اُن کی تائید میں جلسے کریں بکثرت ریزولیوشن پاس کریں گورنمنٹ کو اُن کی اطلاعیں دیں، مسلمان امراء و حکام و اہل وجاہت پر فرض ہے کہ گورنمنٹ کو اس طرف پے درپے توجہ دلائیں، مسلمان قانون پیشہ صاحبوں پر فرض ہے کہ اس کے استغاثے منتہی کو پہنچائیں، غرض ہر طبقے کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے منصب کے لائق اس میں سعی جمیل بجالائیں اور بے تکان انتھک جائز کوششیں کرکے اپنی مساجد کو بے حرمتی سے بچائیں۔ ایسا کروگے تو ضرور حضرت عزت عزجلالہ سے ان شاء اللہ القدیر المستعان کامیاب ہوگے دنیا میں سرخرو، آخرت میں مثاب ہوگے کہ وہ فرماتا ہے،

وکان حقا علینا نصر المؤمنین[1]، ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین[2]۔ | اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا، بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ت)

والحمد للہ رب العلمین، وصلی اللہ تعالٰی وبارک وسلم علی سیدنا ومولٰنا وملجئنا وماوٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمدن النبی الامی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مسئلہ مسئولہ مولوی نور احمد صاحب ہزاروی از کانپور مدرسۃ البنات

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد اہل محلہ پر تنگ ہے اور اس کے گرد اگرد جگہ نہیں مل سکتی یا مل سکتی ہے لیکن لوگوں میں اس قدر طاقت نہیں کہ وہ اتنا روپیہ دے سکیں اور پھر مسجد بنوادیں کیونکہ روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے اور وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ دوسری جگہ مسجد وسیع تیار کرسکتے ہیں بشرطیکہ پہلی مسجد کی لکڑی وغیرہ دوسری مسجد میں لگادیں ورنہ دوسری بھی بمشکل تمام نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۳۰/۴۷

[2] القرآن الکریم ۹/۱۲۰ و ۱۱/۱۱۵ و ۱۲/۹۰

ہو سکتی، کیا اس صورت میں اہلِ محلہ دوسری جگہ نئی مسجد اپنے محلہ میں پہلی مسجد کے سامان سے اور روانہ روپیہ لگا کر بنا سکتے ہیں یا نہ، اگر بنا سکتے ہیں تو پہلی مسجد کی جگہ کی کس طور سے حفاظت رکھی جائے، مدلل میزان طور پر تحریر و بیان فرمایا جائے۔

الجواب

مسجد جب تک مسجد ہے قرآن عظیم کی نصِ قطعی، ہمارے ائمہ کرام کے اجماع سے اسے ویران کرنا سخت حرام و کبیرہ ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ومن اظلم ممن منع مسجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا اولٰئک ما کان لہم ان یدخلوہا الا خائفین لہم فی الدنیا خزی ولہم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم[1]

اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نامِ الٰہی کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ایسوں کو ان میں جانا ہی نہ پہنچتا تھا مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

ہمارے ائمہ کرام نے بلاخلاف تصریح فرمائی کہ مسجد اگر تنگی کرے اور اس کے قریب اگر کسی شخص کی زمین ہو اور وہ دینے پر راضی نہ ہو تو حکم سلطان ہے اس کی مرضی کے بے لے کر مسجد میں داخل کرلی جائے اور مالک کو بازار کے بھاؤ سے قیمت دے دی جائے کما نص علیہ فی البزازیۃ والفتح والبحر والدر وغیرہا (جیسا کہ اس پر بزازیہ، فتح، بحر اور در وغیرہ میں نص فرمائی گئی۔ ت) اگر تنگی کی وجہ سے یہ مسجد ویران کرکے دوسری جگہ بنا لینا جائز ہوتا تو جبر ہرگز حلال نہ ہوتا اور وہ صورت کہ سوال میں فرض کی گئی اس کی بنا خود ہی متزلزل ہے جب وہ دوسری مسجد اس سے بڑی بنا سکتے ہیں اگرچہ اس میں اس کے ملبے سے بھی مدد لینا چاہتے ہیں تو مہربانی فرما کر بڑی نہیں ایک چھوٹی ہی مسجد دوسری بنا لیں کہ دونوں مسجدیں مل کر حاجت پوری کردیں، کس نے واجب کیا ہے کہ سب ایک ہی مسجد میں نماز پڑھیں، غرض جو اللہ سے ڈرے اور اس کی حرمتوں کی تعظیم کرے اللہ اس کے لئے آسانی کی راہ نکال دیتا ہے اور جو بے پروائی کرے تو اللہ تمام جہان سے بے پروا ہے،

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا[2] — جو اللہ تعالٰی سے ڈرے تو وہ اس کیلئے راہ بنا دیتا ہے

---

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۴
[2] " " ۶۵/۲

26
26

ومن یتول فان اللّٰہ ھو الغنی الحمید۔[1] اور جو منہ پھیرے تو اللہ تعالٰی ہی بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

واللہ تعالٰی عمو۔

مسئلہ ۱۸۰ تا ۱۸۹: مسئولہ قاضی سید احمد علی مدنی مہتمم مدرسہ اسلامیہ از بمبئی بھنڈی بازار ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسی صورت میں کہ ایک درگاہ شریف کے قریب ایک مسجد واقع ہے، مسجد کے متولی صاحب نے درگاہ شریف کی زمین جبراً دبالی، اس کو شامل مسجد کرنا چاہتے ہیں، متولی درگاہ نے روکا کہ شرع شریف میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، مگر نہیں مانتے، سوا ایسا کرنا جائز ہے؟

(۲) کیا ایسی جبراً مغصوبہ زمین پر مسجد بنانا درست ہے اور کیا اس میں نماز درست ہوگی حالانکہ متولی صاحب درگاہ برابر معترض ہوا کئے ہیں۔

(۳) کیا ایسے متولی مسجد جو خلافِ شرع زمین غصب کرکے اس پر مسجد بنادے تو وہ عندالشرع قابل تدارک گنہگار ہیں یا نہیں؟ جواب صحیح ازروئے کتب فقہ صاف بخش جائے۔ بینوا توجروا

الجواب

سوال بہت مجمل ہے کچھ نہ لکھا کہ متولی اس زمین کو مسجد میں کس وجہ سے شامل کرنا چاہتے ہیں، آیا مسجد نمازیوں پر تنگ ہوتی ہے یہ ضرورت لاحق ہوتی ہے یا کچھ اور۔ نہ یہ لکھا کہ وہ زمین درگاہ پر وقف ہے یا نہیں، اور ہے تو کس طرح وقف ہے جسے وقف صحیح شرعی کہا جاسکے گا یا نہیں۔ نہ یہ کہ اس زمین کے شامل مسجد کرلینے سے درگاہ میں کیا نقصان ہوگا، اگر مسجد نے تنگی نہ کی تو متولیوں کو اس زمین کے لینے کا کوئی اختیار نہیں وہ غاصب ہوں گے اور اتنے پارہ زمین پر نماز ناجائز ہوگی، اور اگر مسجد تنگ ہوگئی ہے اور اس کے اپنے متعلقات کی زمینوں سے بڑھانے کی گنجائش نہیں، تو اگر وہ زمین درگاہ وقف صحیح شرعی نہیں یا اس کے لے لینے سے درگاہ کو ضرر نہیں پہنچتا تو بقیمت لے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۰ تا ۱۹۳: مسئولہ مولوی صابر علی صاحب از مدرسہ رفاہ المسلمین فرنگی محل لکھنؤ ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، ایک مسجد قدیم کسی شیعہ کی تھی

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۴

مگر کچھ عرصے سے ویران پڑی تھی، اسی حالت ویرانی میں چند قدم کے فاصلے پر ایک سُنی نے دوسری مسجد بنوائی اور اس نئی سنی کی مسجد میں مسلمان سنی نماز پنجوقتہ پڑھتے تھے اس کے پانچ چھ برس کے بعد پرانی شیعہ کی مسجد کو ایک شخص نے ایک سنی کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تو اس سنی نے اس کی مرمت وغیرہ کرا کے پنجوقتہ اذان وجماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کردئے۔ اس کو بھی پانچ چھ برس کا عرصہ گزر گیا اب اس سُنی مشتری مذکور نے اپنا ایک مکان مسجد کے مدرسہ اسلامیہ کے لئے وقف کر دیا ہے اور مسجد مذکور میں بیٹھ کر لڑکوں کو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتا ہے اور مسجد مذکور میں بہت سی زمین ایسی پڑی ہے جس پر جوتا پہن کے چلتے ہیں تو اس زمین پر مدرسہ کیلئے کمروں کے بنانے کی بھی اجازت دیتا ہے تو ایسی صورت میں حسب ذیل سوالات کے جوابات مرحمت ہوں:

اوّل یہ دونوں مسجدیں حکم مسجد میں ہیں یا نہ؟ اور مسلمانوں کو دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ثواب مسجد حاصل ہوگا یا نہ؟ اور اگر نہ حاصل ہوگا تو پھر اس مسجد کو کس کام میں لا سکتے ہیں؟

دوم طلبہ مدرسہ اسلامیہ کا اس مسجد کے اندر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہ؟

سوم احاطہ مسجد کے اندر جو زمین صحن مسجد کے علاوہ جہاں جوتا پہن کے چلتے ہیں اس پر مدرسہ کے روپیہ سے کوئی کمرہ وغیرہ طلبہ کی تعلیم کے لئے یا دفتر مدرسہ کے لئے یا طلبہ کے رہنے کے لئے بنانا جائز اور اس میں ان کاموں میں سے کوئی درست یا جائز ہے یا نہ؟

چہارم مشتری مسجد کی یہ بھی تجویز ہے کہ مسجد کے اندر سے جہاں جوتا پہن کے چلتے ہیں ایک راستہ مدرسہ کے اندر جانے کا نکالا جائے کہ طلبہ وملازمین مدرسہ کو مدرسہ میں جانا آسان ہو جائے ورنہ چکر کھا کے گلیوں میں سے جانا ہوگا تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں، جواب جلد اور مدلل فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

وہ مسجد کہ سُنی نے بنوائی تھی بلاشبہ مسجد ہے اور اس کا رکھنا فرض ہے اور اس میں نماز کا ثواب وہی ہے جو مسجد میں نماز کا ثواب ہے، روافض زمانہ مرتد ہیں کما حققناہ فی رد الرفضۃ (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق رد الرفضہ میں بیان کی ہے۔ت) تو وہ مسجد بنانے کے اہل نہیں۔

قال اللہ تعالٰی ما کان للمشرکین ان یعمروا مسٰجد اللہ شٰھدین علٰی انفسھم بالکفر (الٰی قولہ تعالٰی) انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم

اللہ تعالٰی نے فرمایا مشرکوں کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالٰی کی مساجد تعمیر کریں اس حال میں کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت دینے والے ہیں (اللہ تعالٰے کے اس ارشاد تک) کہ بیشک اللہ تعالٰے کی مسجدیں تو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ تعالٰے

الآخر[1] الاٰیۃ — اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (ت)

خصوصاً بعد موت کے مرتد کے سب اوقاف باطل ہوجاتے ہیں کما فی الدر المختار وغیرہ (جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) تو وہ مسجد کہ سُنّی نے خریدی اسے مرمت وغیرہ کرا کے اگر اس خیال سے نماز کے لئے دی کہ یہ پہلے سے مسجد ہے تو وہ خیال باطل تھا اور وہ مسجد بدستور ایک مکان ہے جس میں ان تمام تصرفات مذکورہ فی السوال کا اختیار ہے۔ اور اگر سُنّی نے خرید کر از سرِ نو اپنی طرف سے اسے مسجد کردیا یعنی یہ کہہ کر کہ یہ مسجد نہیں میں اسے مسجد کرتا ہوں نہ یہ سمجھ کر کہ یہ مسجد تھی اسے کار مسجد کے لئے چھوڑتا ہوں، اس صورت میں اگر شرائے صحیح ہے سُنّی کے لئے اس کی ملک ثابت ہوگئی تھی تو یہ بھی مسجد ہوگئی مگر یہ بہت بعید ہے اس کے لئے صرف ایک صورت ہے کہ غالباً وہ واقع نہ ہوئی ہوگی، وہ صورت یہ کہ زمین جسے رافضی نے مسجد کیا اس کے زمانہ اسلام کی ملک تھی، اس کے بعد اس نے رفض اختیار کیا، یہ مسجد بنائی اور مرگیا اور اس کے قریب بعید وارثوں میں کوئی شخص سُنّی مسلمان ہے کہ وہی اس کے کسب اسلام کا وارث ہوکر اس مکان کا مالک ہے اور اس نے اس سُنّی کے ہاتھ بیچا، الا تو یہ شرا صحیح ہوا اور یہ سُنّی اس مکان کا مالک ہوگیا اور اب جو اس نے اسے اپنی طرف سے مسجد کیا مسجد ہوگئی اس صورت میں یہ وہ تصرفات مذکورہ سب ناجائز ہوں گے فانہ لایجوز تغییر الوقف عما ھو لہ (کیونکہ وقف کو اس کے مصرف سے تبدیل کرنا جائز نہیں۔ ت) مگر طلبہ کا پڑھنا جائز جبکہ اطفال نہ ہوں اور نماز کے وقت نماز کی جگہ نہ گھیریں نہ ان کے پڑھنے سے نمازیوں کو تشویش ہو اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ وہ مکان اس کے زمانہ رفض ہی کی ملک تھا تو یہ بیع جس شخص نے کی ہرگز مثبت ملک مشتری نہیں کہ بائع خود ہی مالک نہ تھا مرتد کے زمانہ ارتداد کی ملک اس کی موت کے بعد فئی للمسلمین ہوجاتی ہے اس کے کسی وارث کو نہیں پہنچ سکتی اگرچہ اس کا بیٹا ہو مسلم ہو خواہ اسی کی طرح مرتد یا اور قسم کا کافر، تو جب شرا صحیح نہ ہو تو اس سُنّی کا اسے مسجد کرنا صحیح نہ ہوا بلکہ وہ بدستور ایک زمین عام مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں کی مرضی سے اس میں مسلمین کی منفعت کے تصرفات کرسکتے ہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں مبسوط سے ہے:

المرتد اذا قتل او مات او لحق بدار الحرب فما اکتسبہ فی حال اسلامہ ھو میراث لورثۃ المسلمین اما ما اکتسبہ فی حالۃ الردۃ یکون

مرتد جب قتل ہوجائے یا مرجائے یا دارالحرب سے لاحق ہوجائے تو جو کچھ اس نے حالتِ اسلام میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان وارثوں کو بطور میراث ملے گا اور جو کچھ بحالتِ ارتداد کمایا وہ مال غنیمت ہے

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

فیأ یوضع فی بیت المال[1] واللّٰہ تعالٰی اعلم جو بیت المال میں رکھ جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۴ تا ۱۹۵ از علی گڑھ محلہ مدار دروازہ مرسلہ علی احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

(۱) ایک مسجد ہے جو زمین سے ۳ گز اونچی ہے اور اونچائی ٹھوس ہے اور صحن مسجد کا کل چوڑائی میں ۱۳ فٹ ہے جس میں ۵ فٹ چوڑائی میں زینہ اور جوتیوں کی جگہ سقاوا اور غسل خانہ ہے اور ۸ فٹ جگہ میں نماز ہوتی ہے اس مسجد میں کنواں نہیں ہے، سقہ سقاوے میں پانی باجرت ڈالتا ہے اور نہ کوئی آمدنی مسجد کی ہے جو تیل وغیرہ میں صرف ہو، اس مسجد سے ۲۰ قدم کے فاصلہ پر ایک اور مسجد ہے اس کے دس قدم پر ایک کنواں ہے گویا اس مسجد سے ۳۰ قدم پر ہوا۔ زید کہتا ہے کہ صحن مسجد جو ٹھوس ہے اس کو شہید کرکے اس میں دو دکانیں نکالی جائیں اس کی چھت صحن مسجد ہوجائے گا، اور وہ تیل بتی کو اس کی آمدنی کافی ہوگی۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ صحن مسجد تحت الثرٰی تک حکم مسجد رکھتا ہے، اگر دکانیں سابق سے بنائی جاتیں تو درست تھیں، عمرو کی رائے ہے کہ ۵ فٹ جگہ جس میں زینہ وغیرہ ہے اس میں کنواں زینہ وغیرہ بن سکتا ہے اور ایک چھوٹی دکان بھی نکل آئے گی اور صحن بھی برقرار رہے گا اس میں عمرو کو زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ نمازیوں کو پانی کی تکلیف جاتی رہے گی۔ کیا حکم شریعت ہے اور کیا کرنا چاہئے؟

(۲) کنواں بننے کی حالت میں زمین سے ۳ گز اونچا ہوکر مسجد میں ملے گا، زید کہتا ہے کہ زمین پر بھی ایک کھڑکی رکھی جائے جس سے عوام پانی بھریں اور مسجد کو اوپر سے پانی ملے۔ عمرو کہتا ہے کہ اوپر ہی رکھنا چاہئے کیونکہ نیچے کھڑکی رکھنے سے ہندو بھی پانی بھریں گے شاید ہندو کا پانی بھرنا ناجائز ہو۔ شریعت کا کیا حکم ہے اور کس میں زیادہ ثواب ہے؟

الجواب

دکانیں بنانے کی اجازت نہیں ہے، اگر پہلے سے ہوتیں حرج نہ تھا اب نہیں بن سکتیں،

کما نص علیہ فی النوازل والتجنیس و الخانیۃ والمحیط السرخسی و تھذیب الواقعات[1] الاسعاف والبحر والنھر و الھندیۃ وغیرھا۔ جیسا کہ اس پر نوازل، تجنیس، خانیہ، محیط سرخسی، تہذیب الواقعات، اسعاف، بحر، نہر اور ہندیہ وغیرہ میں نص فرمائی گئی (ت)

۳۰ قدم کا فاصلہ کچھ ایسا دور نہیں اگر بغیر کنویں کے کارروائی چل سکے تو یونہی چلنے دیں اور اگر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۵

نہ چل سکے اور اس کی وجہ سے ویرانی مسجد کا احتمال قوی ہو تو اس پانچ فٹ میں ایک کنارہ کو کنواں بنالیں۔

(۲) نیچے کوٹھڑی نہ رکھیں کہ مسجد کے کنویں میں ہندو کی شرکت سخت معیوب ہے ان کی نجاست سے کنویں کی طہارت ہمیشہ معرض خطر شدید میں رہے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۶: از شیر پور ڈاکخانہ خاص تحصیل پورن پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ ظہیر الدین

۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹے موضع میں ایک مسجد قدامت سے تھی اور عرصہ دس بارہ سال سے ایک دوسری مسجد اور تیار ہوگئی اور اب دونوں مسجدیں چھپر پوش اور بوسیدہ حالت میں ہیں اب مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ بجائے دو مسجدوں کے ایک مسجد پختہ چندہ سے تعمیر کرائی جائے اور ایک مدرسہ کے واسطے دے دی جائے، اس کی بابت شرع کیا حکم دیتی ہے؟ اور سرمایہ بہت قلیل ہے جس سے دونوں مسجدیں تیار نہیں ہوسکتی ہیں، لہذا آپ بموجب شرع احکام صادر فرمائیے۔

الجواب

مسجدوں کا پختہ کرنا فرض نہیں، اور ان کا آباد رکھنا فرض ہے، مسجد نہ مدرسہ کو دی جاسکتی ہے نہ دوسرے کام میں صرف ہوسکتی ہے، یہ سب ناجائز وحرام ہیں۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ[1] وقف کی حیثیت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔

واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۷: ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسجد کا فرش اور لکڑیاں جو خراب ہوجاتی ہیں سوا مسجد کے اور کسی کام میں تصرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ آخر کیا کرنا چاہئے؟ تحریر فرما کر مشرف فرمائیں۔ فقط

الجواب

فرش جو خراب ہوجائے کہ مسجد کے کام کا نہ رہے جس نے وہ فرش مسجد کو دیا تھا وہ اس کا مالک ہوجائے گا جو چاہے کرے اور اگر مسجد ہی کے مال سے تھا تو متولی بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

لگادے اور مسجد کی لکڑیاں یعنی چوکھٹ، کواڑ، کڑی، تختہ، بیرنیچ کر خاص عمارت مسجد کے کام میں صرف ہو۔ لوٹے، رسّی، چراغ، بتی، فرش چٹائی کے کام میں نہیں لگاسکتے، پھر ان چیزوں کی بیع کافر کے ہاتھ نہ ہو بلکہ مسلمان کے ہاتھ۔ اور مسلمان ان کو بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۸ تا ۲۰۱ مرسلہ مولوی عبدالمطلب صاحب از باتوہ کاٹھیاواڑ ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ۔

(۱) ایک شخص مرگیا اور اپنی ایک عورت اور ایک لڑکی اور باقی وارث چھوڑے اور اس متوفی کی عورت نے وارثوں کے حق کو تلف کرکے ایک مسجد تعمیر کرائی اور جس زمین پر اس نے مسجد تعمیر کرائی ہے وہ زمین نیز وراثت میں داخل ہے تو اس میں نماز پڑھنا اور اس کو مسجد کہنا شرعًا درست ہے یا نہ؟

(۲) اور اگر اب بعض وارث انہیں میں سے اپنے حق کو معاف کردیں اور بعض نہ کریں تو نماز پڑھنا اس مسجد میں درست ہوجائے گا یا نہ؟

(۳) اور اگر وہ وارث جانتے ہیں کہ اب جو پیسہ تھا وہ مسجد میں خرچ ہوگیا اب ہمیں ملنے والا نہیں ہے اور لوگوں کی شرم سے معاف کردیں تو درست ہے؟

(۴) اور اگر شرع حکم دے کہ نماز اس میں درست نہیں ہے تو اس میں رہنا گھر بناکر یا کرایہ وغیرہ پر دینا درست ہوگا؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب سے سرفراز کریں۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں باجماع مسلمین وہ ہرگز مسجد نہیں بلکہ ایک زمین ہے بدستور اپنے مالکوں کی ملک پر باقی، کہ جب یہ عورت تنہا اس کی مالک نہیں جیسا کہ بیان سائل ہے تو وہ ساری زمین اس کے وقف کئے سے وقف نہیں ہوسکتی لان شرط الوقف الملك[1] کما فی الھندیۃ وغیرھا (کیونکہ شرط وقف یہ ہے کہ وہ واقف کی ملک ہو جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) نہ یہ ممکن کہ اس میں سے اس کے حصہ کو مسجد ٹھہرادیں باقی ملک دیگر ورثہ سمجھیں کہ جب وہ غیر منقسم ہے تو اس کا حصہ متعین نہیں اور مسجد بالاجماع مشاع نہیں ہوسکتی لان من شرطه انقطاع حقوق العباد عن جميع جوانبه فضلا عن نفسه[2] كما في الهداية وغيرها (کیونکہ شرائط وقف میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی تمام جوانب حقوق العباد سے منقطع ہوجائیں چہ جائیکہ خود وقف جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ اللہ تعالٰی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۲ - ۵۳

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۲۵

قال تعالیٰ وان المسٰجد للّٰه[1] (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں۔ ت)

ہاں اگر باقی ورثہ سب عاقل بالغ ہوں اور سب بالاتفاق اس وقت مسجدیت کو جائز کردیں تو اب جائز ہوجائے گی اور کسی کی شرم سے ایسا کرنا مانع صحت نہ ہوگا فان الحیاء لیس باکراہ (کیونکہ حیا جبر واکراہ نہیں ہے۔ ت) جب تک ایسا نہ کریں وہ ایک مکان ہے کہ مالکوں کو اس میں وہ بناء بسا کر یہ پر دینا سب جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۰۲، ۲۰۳

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ میں،

(۱) زید نے (مسلمان کہلائے جانے کی حالت میں) کچھ قطعہ زمین صحن مسجد اپنے مکان کی بنا میں دبالیا، بعض لوگ مانع آئے مگر نہ مانا، ایسی صورت میں زید کے ساتھ کیا معاملہ شرعاً کیا جائے اور متولیان مسجد و دیگر اہل اسلام کو مواخذہ کا حق حاصل ہے یا نہیں، اگر ہے تو ان پر یہ حق واجب اور ضروری ہے جس کے ترک سے عاصی ہوں گے یا کیا؟ یا زید بعوض زمین مغصوبہ بر زر نقد بطور جرمانہ ادا کرے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں، در یں صورت زید مواخذہ عنداللہ سے بری ہوسکتا ہے؟

(۲) جو شخص رہا خوار مسلمان ہے زکوٰۃ بھی نہیں دیتا اس کا کیا حکم اور اس سے مخالطت و مرابطت و مواکلت مکروہ ہے کہ نہیں؟ نقد صریح اور عام الفہم عبارت میں جواب ارشاد فرما کر عنداللہ ماجور و عنداالناس مشکور ہوں۔

الجواب

اس صورت میں زید سخت گناہ کبیرہ و ظلم شدید کا مرتکب اور اس آیہ کریمہ کی وعید کا مستوجب ہے،

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰه ان یذکر فیها اسمه وسعٰی فی خرابها اولٰئك ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین لهم فی الدنیا خزی و لهم فی الاٰخرة عذاب عظیم[2]

اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں سعی کرے انہیں روا نہ تھا کہ اس میں قدم رکھیں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

مسجد کا ہر ٹکڑا مسجد ہے تو جتنا پارہ زمین اس نے دبالیا اسے نماز سے روکا اور اس کی ویرانی میں

---

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

ساعی ہوا اور دنیا میں رُسوائی اور آخرت میں عذابِ عظیم کا استحقاق لیا، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں فرمایا ہے کہ "جو بالشت بھر زمین ناحق دبا لے گا قیامت کے دن اتنا حصہ زمین کے ساتوں طبقے توڑ کر اس کے گلے میں طوق ڈالے جائیں گے۔"[1] ہر مسلمان خصوصاً متولیانِ مسجد کو اس پر حقِ مواخذہ حاصل ہے اور فرض ہے کہ ہر جائز چارہ جوئی اس سے زمین نکال کر شاملِ مسجد کرنے کے لئے حد کو پہنچائیں جو باوصف قدرت اس سے باز رہے گا شریکِ عذاب ہوگا تا حدِ قدرت ہرگز حلال نہیں کہ اس سے کچھ روپیہ اس کے عوض لے کر چھوڑ دیں کہ یہ مسجد کا بیچنا ہوگا اور مسجد کی بیع باطل و حرام و ناممکن ہے قال اللہ وان المسٰجد للّٰہ[2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مساجد اللہ عزوجل کی ہیں۔ت) اگر وہ لاکھ روپے ہرگز کے بدلے دے جب بھی لینا حرام ہے، نہ ہرگز زید کسی طرح عنداللہ مواخذہ سے بری ہوگا جب تک زمین مسجد مسجد کو واپس نہ دے۔ زید اگر ایسا نہ کرے تو مسلمان اس سے میل جول، سلام کلام، نشست برخاست قطع کر دیں۔

قال اللہ تعالٰی واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا اور اگر شیطان تجھے بھلاوے تو یاد آنے پر قوم ظالمین کے ساتھ مت بیٹھو۔ت)

یونہی رشوت خوار متولی بھی اسی آیہ کریمہ کے حکم میں داخل ہے، تفسیرات احمدیہ میں ہے: والقعود مع کلھم ممتنع[4] (ان سب کے ساتھ مجلس کرنا ممنوع ہے۔ت) اس سے بھی قطع علاقہ چاہئے، واللہ تعالٰے اعلم۔

مسئلہ ۲۰: مرسلہ حاجی سیٹھ یوسف بن ابراہیم بمقام گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ چہار شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس معاملہ میں کہ بعض لوگوں نے مسجد بڑھانے یا پرانی کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کے لئے مسلمان جماعت کو روپے دئے ہیں اور کہا ہے کہ جس طرح چاہیں مسجد میں خرچ کریں __________ مگر فی الحال مسجد میں خرچ کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ روپے امانۃً پڑے ہیں، اب مذکورہ روپیہ بیوپار کی کمپنی میں ڈال کر ان کا نفع بڑھا دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ مگر

---

[1] صحیح البخاری باب ماجاء فی سبع ارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۴
[2] القرآن الکریم ۷۲/۱۸
[3] " ۶/۶۸
[4] التفسیرات الاحمدیہ تحت ۶/۶۸ مطبع کریمی بمبئی انڈیا ص ۳۸۸

یہاں کی کمپنیوں میں لین دین سُود کا ہوتا ہے تو ان کا کیا حکم ہے، اگر اس طور وہ روپیہ بڑھ نہ سکتا ہو تو اور
کوئی طریقہ ان روپوں کے بڑھنے کا ہے اور بڑھ سکتے ہیں یا نہیں یا اسی طرح سے جماعت کسی امین شخص کے
پاس امانت رہنے دے اور امانت رکھنے میں چوری ہونے کا خوف ہے کہ مبادا مسجد کے روپے ضائع
ہو جائیں تو ان روپوں کا مکان خرید کرکے اس کے کرایہ سے نفع اٹھایا جائے اور وقتِ ضرورت روپیہ
وہ مکان فروخت کیا جائے، مگر ان میں جماعت والوں کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ صورت نہ کرنی چاہیے
اور بعض کہتے ہیں کہ اس طور کیا جائے تو ان کا حکم کیا ہے، وہ بطور مہربانی مفصل طور سے ارقام فرما کر
عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

الجواب

چندہ کے روپے چندہ دینے والوں کی ملک پر رہتے ہیں ان سے اجازت لی جائے، جو جائز بات
وہ بتائیں اسی پر عمل کیا جائے۔ وبیان المسئلۃ وتحقیقہ فی کتاب الوقف من فتاونا (اس مسئلے کا
بیان اور تحقیق ہمارے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں ہے۔ ت) ایسی کمپنی میں کہ سُود کا لین دین کرتی ہو شامل
کرکے بڑھانا حرام ہے اگرچہ چندہ دہندہ اجازت دیں، فلیس لاحد ان یحل ما حرم اللہ (کسی کو یہ اختیار
نہیں کہ اس چیز کو حلال قرار دے جسے اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۶: مرسلہ محمد صابر مدرس مدرسہ دارالعلوم قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ ۱۸ صفر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ کئی سو برس سے آباد ہے وہاں کے مسلمانوں کی
مردم شماری فی الحال تقریباً آٹھ ہزار ہے اور وہاں مسجدیں تخمیناً اسی کے قریب آباد ہیں، ان کے علاوہ اور بھی
مساجد ہیں، وہاں کے کل مسلمان بجز چند شیعہ کے ابتدا سے حنفی المذہب متفق الخیال متحد العقائد والمسائل
باہم شیر و شکر کی طرح ملے جلے رہتے تھے ان میں کسی قسم کا مذہبی جنگ وجدال و تخالف نہ تھا مگر تقریباً تیس بتیس
برس سے چند لوگ (غالباً فی الحال ان کی تعداد دو ڈھائی سو ہوگی) منکر مذہب غیر مقلد ہوگئے اور باہم سخت
منافرت و مخالفت پیدا ہوگئی حتی کہ بارہا فوجداری اور عدالت کی نوبت پہنچ گئی، غیر مقلدین نے اپنی عیدگاہ
اور جامع مسجد نئی بنوالی تھیں مگر بعض بعض ایسی ہی مسجدیں ہیں جن میں دونوں فریق نماز پڑھتے ہیں ایسی
مسجدوں پر اکثر مذہبی جھگڑے ہوجایا کرتے ہیں چنانچہ ان دنوں موجودہ ۱۳۳۳ھ ۱۲ محرم کو ایک مسجد میں دونوں
فریق جمع ہوگئے اور اسی میں مارپیٹ لٹھم لٹھا گھوسم گھوسا کر بیٹھے بلکہ ان کے ذریعہ سے دو فوجداریاں
اور بھی ہوگئیں جس سے قصبہ میں ہلچل مچ گئی، پولیس اگر روک تھام نہ کرتی تو نہیں معلوم کیا ہو جاتا آئے دن کی
مذہبی فوجداری سے دونوں فریق تنگ آگئے، اب فریقین اس امر پر راضی ہیں کہ باہم صلح کرکے جھگڑے کو

مٹادیں، چنانچہ برضامندی فریقین چند اشخاص حکم مقرر کئے گئے ہیں اور باتفاق فریقین اقرار نامہ ثالثی میں مضمون لکھا گیا ہے کہ ثالثان حسب شریعت وقانون و دیانتداری جو فیصلہ کر دیں گے ہم فریقین کو منظور ہے، اب علمائے حقانی سے یہ استفسار ہے:

(۱) چونکہ تیسوں برس کے تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس تعبیر میں جب دونوں فریق ایک زمانے مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں تو اکثر مذہبی شر وفساد کر بیٹھتے ہیں اگر اس شر وفساد و فتنہ و پرخاش کے مٹانے کے لئے ثالثین دونوں کو الگ کر دیں اور فریقین کے لئے خاص خاص مسجدیں نامزد کریں تو کیا یہ فیصلہ خلاف شریعت ہوگا؟

(۲) اگر کسی نمازی کے ذریعہ سے حفظ امن میں خلل واقع ہوتا ہو اور شر وفساد کا اندیشہ ہو، عام نمازیوں کو کسی قسم کی تکلیف اور اذیت پہنچتی ہو تو ایسے شخص کو بغرض حفظ امن و انسداد شر وفساد جماعت سے روک دینا کیا شرع کے خلاف ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

(۱) جو مساجد غیر مقلدوں کی بنائی ہوئی ہیں ان کے نامزد کر دی جاتیں مگر جو مساجد اہل سنت کی بنائی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی مسجد غیر مقلدوں کے لئے خاص کر دینا اور اہلسنت کو ان سے ممنوع کرنا شرعاً محض ظلم و حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مساجد میں اس کا نام لینے سے روکے۔ (ت)

جبکہ وہ مسجدیں اہلسنت کی ہیں اور ان کی بنائی ہوئی ہیں تو ان پر قبضہ چاہنا اور اس کے لئے فتنہ اٹھانا غیر مقلدوں کا فساد ہوگا اور کوئی مجبور نہیں ہو سکتا کہ دوسرے کے شورش بے جا کے سبب اپنے حق سے دست بردار ہو فتنہ غیر مقلدوں کا انسداد اگر یوں نہ ہو سکتا ہو تو کچہریاں کھلی ہوئی ہیں اور وہ اسی واسطے رکھی گئی ہیں کہ فتنہ والوں کا دست تعدی کوتاہ کریں اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ کرنے دیں جو شخص یہ رائے یا فتوٰی دے کہ دفع فتنہ کے لئے اپنی مسجد چھوڑ دو۔ کل اگر غیر مقلدین یا اور مفسدین ان کی جائداد اموال متاع مکانوں پر قبضہ چاہیں اور نہ دیجئے تو فساد اٹھائیں کیا دفع فتنہ کو وہ لوگ اپنے گھر بار، مال متاع اسباب جائداد سے دستبردار ہو جائیں گے ہرگز نہیں، تو وجہ کیا ہے کہ یہ آنکھوں میں دنیا کی قدر ہے دل میں دینا

---

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۴

کی محبت ہے جگر میں دنیا کا درد ہے وہاں دفعِ فتنہ کی یہ تدبیر نہ سوجھے گی نہ آیات دفع فساد کے یہ معنی ذہن میں آئیں گے اور نہ دین کی قدر نہ محبت نہ درد۔ لہٰذا محال اس کی طرح ہا کر دیں گے کہ میاں یہاں اپنی مسجدیں چھوڑ دو اپنے دینی حقوق سے دست بردار ہو جاؤ کسی طرح جھگڑا تو مٹے حالانکہ اوروں کے فتنہ فساد پر اگر اپنی جائداد و مکانات، مال اسباب چھوڑ دو تو صرف دنیوی نقصان ہے اور یہاں علاوہ اپنی دینی حق تلفی کے اس آیۂ کریمہ کی وعیدِ شدید میں داخل ہونا اور حرام کا ارتکاب اور بحکمِ قرآن عظیم استحقاقِ رسوائی و خواری و عذاب ہے۔

قال اللّٰہ تعالٰی لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم[1] والعیاذ باللّٰہ۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ اللہ تعالٰی کی پناہ۔ (ت)

(۲) یہاں شرعاً حکم ہے کہ ایسے لوگ مسجد سے باز رکھے جائیں،

قال اللّٰہ تعالٰی اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ انھیں مساجد میں داخل نہیں ہونا چاہئے مگر ڈرتے ہوئے (ت)۔

درمختار میں ہے:

یمنع منہ کل مؤذ ولو بلسانہ[3]

ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے روکا جائیگا اگرچہ وہ ایذا زبان سے پہنچاتا ہے (ت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں زیرِ حدیث فلایقربن مصلانا (وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئیں۔ ت) پھر ردالمحتار میں ہے:

واُلحق بالحدیث کل من اٰذی الناس بلسانہ وبہ افتی ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما وھو اصل فی نفی کل من یتأذی بہ[4]

اس حدیث کے ساتھ وہ شخص بھی ملحق ہے جو زبان سے لوگوں کو ایذا پہنچاتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی پر فتوٰی دیا اور یہ اصل ہے ہر اس چیز کی نفی میں جس سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] ؁ ؁ ؁

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[4] ردالمحتار ؁ ؁ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۳

مگر وقف محفوظ کا لحاظ ضروری ہے اگر خود منع کرنے میں اندیشہ فساد ہو چارہ جوئی کرکے بند کرا دیں، وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۱: مرسلہ نثار احمد زمیندار ساکن موضع پال نگر ڈاکخانہ امریہ ضلع پیلی بھیت ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں، ایک موضع جس میں پانچ چار گھر مسلمانوں کے اور پندرہ بیس گھر اہل ہنود کے ہیں، اور قدیم الایام سے ایک مسجد تعمیر خام خس پوش موجود ہے، کسی وقت میں یہ مسجد مسلمانوں کی آبادی کے اندر واقع تھی اور اس کے گرد و نواح میں مسلمان آباد تھے، رفتہ رفتہ تغیر و تبدل ہوتے ہوتے مسلمانوں کی آبادی اس مقام سے ہٹتی گئی اب صورت یہ ہے کہ مسجد کے گرد و نواح کوئی مسلمان کا گھر نہیں ہے اور وہ مسجد بالکل مسلمانوں کی آبادی سے ایک جانب ہنود کی آبادی کے ساتھ متصل ہے اور ہمیشہ خراب و خستہ اور ویران پڑی رہتی ہے اور عرصہ دس بیس سال سے نہ وہ آباد ہوئی نہ آبادی کی امید ہے، اب بفضلہ تعالٰی اہل اسلام میں سے ایک شخص کو خداوند تعالٰی نے توفیق عطا فرمائی ہے وہ مسجد پختہ بنانا چاہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ مسجد پختہ اسی مسجد قدیم کی جگہ تعمیر کی جائے کہ جو ایک مدت دراز سے غیر آباد ہے اور نہ آئندہ آبادی کی امید ہے، یا یہ کہ اس کو کسی طرح محفوظ و محدود کرکے دوسری جگہ مسلمانوں کی آبادی کے درمیان میں مسجد پختہ تعمیر کی جائے کہ جس سے اس مسجد پختہ جدید میں نمازیوں کا پہنچنا بھی آسان ہو اور مسجد آباد رہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حتی الامکان مسجد کا آباد کرنا فرض ہے اور ویران کرنا حرام۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعٰی فی خرابہا[1]۔

اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے۔ (ت)

ہندوستان کی آبادی کا قاعدہ ہے شہر ہو یا گاؤں کہ مکانات قریب قریب ہوتے ہیں، بیس پچیس گھر کا گاؤں اتنے فاصلہ کی آبادی نہ رکھے گا کہ مسلمانوں کو مسجد قدیم تک جانا دشوار ہو تو جو صاحب پختہ بنانا چاہتے ہیں اسی کو پختہ کریں اور آباد کریں جدا مسجد بنانے میں نفل کا ثواب پائیں گے اور اس مسجد کے آباد کرنے میں فرض کا ثواب

---

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۴

نفل کے ثواب کو فرض کے ثواب سے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی، بڑے گاؤں میں جو لوگ رہتے آبادی میں ہیں اور ان کی کاشت کے نمبر گاؤں کے ڈھری پر ہیں روزانہ جوتنے بونے کاٹنے کے لیے دو دو میل جاتے آتے ہیں اپنے رب کے فرض ادا کرنے کو دس قدم آگے جانا کیا دشوار ہے، اصل حکم یہ ہے اگر عمل اس پر واقعی نا ممکن ہو تو وجوہ دشواری سے مفصل اطلاع دیں اگر معقول ہوئیں تو چارہ کار بتایا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۰۹: مسئولہ حاجی محمد رمضان وابراہیم پیر بادہ وغیرہما انصاری سکنہ قصبہ پالی ماروار گیریہ محلہ ناڈی ۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ پالی ماروار محلہ ناڈی میں فقیر لونڈے شاہ نے اپنے مکان میں ایک چھوٹی سی مسجد خاص اپنے ہی واسطے نماز پڑھنے کے لیے متوالی در تا زیست خود اسی میں وہ نماز پڑھتا رہا عام لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی۔ جب لونڈے شاہ لاوارث مرگیا تو اس مکان کا قبالہ لعنی پٹہ سرکار راج مارواڑ نے بصیغہ لاوارثی بنام حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم کر دیا جس کا مضمون یہ ہے کہ لونڈے شاہ فوت ہو لاولد گیا لہذا اس کے مکان کا پٹہ یعنی قبالہ حاجی اعظم شاہ صاحب کے نام کر دیا گیا ہے۔ سو اب اس مکان پر قابض اور متصرف حاجی اعظم شاہ کی اولاد رہے گی کسی دوسرے کا کوئی حق اور ملکیت اس مکان پر نہیں ہے چنانچہ تخمیناً سو برس کا عرصہ ہوا آج تک اولاد حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم اس مکان پر قابض اور متصرف ہے، تھوڑا عرصہ ہوا کہ چند اشخاص ناحق شناس نے عدالت میں مسجد کو اپنے قبضہ وتصرف میں لانے کی غرض سے دعوٰی کیا مگر وقت پر سرکار کے عدالت نے حق اور ملکیت اس مکان اور مسجد پر اولاد حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم ہی کا بدستور قدیم قائم رکھا، اب وہی اشخاص مذکورین اولاد حاجی اعظم شاہ مرحوم کو تنگ کرتے ہیں کہ یا تو مسجد کو چھوڑ دو اور نہیں تو تم کو اسلام سے خارج کرا دیں گے۔ لہذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اس مسجد کو اولاد حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم سے جبراً لے لی جائے تو اس مسجد میں نماز عندالشرع صحیح و درست ہوگی یا کیا؟

دوم اگر اولاد حاجی اعظم صاحب مرحوم مسجد کو نہ چھوڑیں تو مخالفین ان کو اسلام سے خارج بحکم شرع شریف کر سکتے ہیں یا کیا؟

اور یہ امر بھی واضح رہے کہ مسجد متنازعہ عام مسلمانوں پر وقف نہ ہونے کی وجہ سے سرکار راج مارواڑ نے اس کا پٹہ بصیغہ لاوارثی بنام حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم کر دیا ہے، اور جو مسجدیں کہ عام مسلمانوں پر وقف کی گئی ہیں ان کا یہ سرکار راج مارواڑ بصیغہ لاوارث نہیں کرتی ہے، لہذا امیدوار کہ اس صورت میں جو امر حق ہو ارشاد فرمائیں اور عنداللہ وعندالناس ماجور ومشکور ہوں، فقط۔

الجواب

اس سوال میں چند باتیں معلوم ہونے کی ضرورت ہے ،

(۱) وہ مسجد مکان کے اندر کس حیثیت سے ہے ؟

(۲) مسجد تک راستہ مکان کی زمین مملوک میں ہے یا کس طرح ہے ؟

(۳) فوندے شاہ کے وقت میں اور بھی لوگ اس میں نماز پڑھتے تھے یا تنہا وہی پڑھتے تھے اگر اور لوگ بھی پڑھتے تھے تو کون اس محلے کے یا عام راہ گیر یا کیا ؟

(۴) اس مسجد کی ہیات کیا ہے ، اس میں محراب ، منبر ، برجیاں ، منارے وغیرہ ہیں یا نہیں ، بہتر ہو کہ اس مسجد اور مکان کا شارع عام تک پورا مفصل واضح نقشہ بنا کر بھیجئے ۔

(۵) اس کا کیا ثبوت ہے کہ فوندے شاہ نے وہ مسجد خاص اپنے لئے بنائی اور کسی کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی ؟

ان باتوں کا مفصل جواب اسی ورق کی پشت پر مع نقشہ لکھ کر یہ ورق واپس کیجئے تو جواب دیا جائے ان شاء اللہ ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۰: مسئولہ یعقوب علی خان نقشبندی قادری مقام کنہری ضلع گوڑگانوں ڈاکخانہ دھنیہ اسٹیشن مالوسانہ ۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں تیل خرچ سے زائد قریب تیس آثار کے عرصہ سے جمع ہے اس تیل کو فروخت کرکے قیمت اس کی اخراجات مسجد میں لائی جائے یا یہ کہ اس کو محتاجوں میں تقسیم کیا جائے ؟

الجواب

اگر مسجد کے لئے روزانہ تیل دوسری جگہ سے آتا ہے مسجد کو خریدنا نہیں ہوتا جس کے باعث یہ تیل مسجد میں کام آنے کی امید نہیں یا اس کی حفاظت میں وقت ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو اسے متولی و اکثر متدین اہل محلہ امانت و دیانت و اعلان کے ساتھ بیچ کر اخراجات مسجد میں صرف کردیں ، محتاجوں میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے ۔ وھو تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۱: بروز سہ شنبہ ۸ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ :

اوّلاً ایک مسجد کے ایک پہلو میں فرش صحن کے نیچے دکانات کے آثار تھے ، مگر ان کی چھت کی بلندی

صحن مسجد کی عام سطح سے کہیں ممتاز نہیں تھی یعنی دکانات کی چھت اور مسجد کا بقیہ صحن سب ایک سطح مستوی تھی اور یہ کل رقبہ ایک فصیل سے محاط تھا، اس فصیل کے اندر اندر کل اراضی مسجد اور مصلی تھی اب وہ دکانات دوبارہ تعمیر ہوئیں، فصیل گرا دی گئی، صحن مسجد کا وہ جزء جو دکانات کی چھت بنا ہوا تھا دکانات میں ڈال دیا گیا، اور وہ اتنی اونچی پاٹی گئیں کہ بقیہ صحن سے ایک قد آدم سے زیادہ بلند ہیں۔ اس چھت کے پرنالے مکانات کے چھجے پر یعنی صحن مسجد میں اتارے گئے اور صحن مسجد کے کنارے پر چھجے کی جڑ میں ایک غرض محدود کر دیا گیا جس پر وہ پرنالے گرتے ہیں اور اس نالے میں بھی لوگ وضو کرنے لگے، اس چھت سے متصل ایک بالاخانہ اور چھت کل کو ایک مکان کی حیثیت سے کرایہ پر اٹھا دیا گیا تاکہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ اب یہ چھت مسجد کے حکم میں ہے یا خارج از مسجد؟ اور اس پر ایسے تصرفات جائز ہیں یا نہیں جو مسجد پر ناجائز ہوتے ہیں، مثلاً بودوباش رکھنا نجاست ڈالنا وغیرہ اور مذکورہ بالا پرنالے اور نالی قابل قائم رکھنے کے ہیں یا نہیں؟

ثانیاً ایک مسجد کے صحن کا ایک جزء مصلے کاٹ کر موڑ پر سے محدود کر دیا گیا بدیں غرض کہ نمازی اس جگہ جوتا اتارا کریں، یہ تعرف اور اس جگہ جوتے اتارنا جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وہ چھت مسجد ہے اسے مسجد سے توڑ کر دکان میں ڈال دینا ایک حرام اور اسے بالاخانہ حجرہ کا صحن گزرگاہ کر دینا دوسرا حرام اور اسے کرایہ پر اٹھا دینا تیسرا حرام، اور اس کی آبچک کے لئے مسجد کا ایک حصہ توڑ لینا محدود کر دینا اور اس میں وضو ہونا چوتھا حرام۔ غرض یہ افعال حرام در حرام در حرام ہیں۔ فرض ہے کہ ان تمام تصرفات باطلہ کو رد کرکے مسجد مثل سابق کر دیں۔ درمختار میں ہے:

لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیة فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرة منه ولا ان

اگر واقف نے مسجد کی چھت پر امام کا حجرہ بنا دیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے مگر تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے منع کیا جائیگا اگرچہ وہ کہے کہ میں نے شروع سے اس کی نیت کی تھی اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی تاتارخانیہ تو جب خود واقف کا حکم یہ ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہو سکتا ہے چنانچہ اس عمارت کو گرانا واجب ہے اگرچہ وہ دیوار مسجد پر

یجعل شیئا منہ مستغلا ولا مسکنی بزازیۃ[1] بنائی گئی ہو اور اس کی اجرت لینا یا اس میں سے کسی حصہ کو ذریعہ آمدنی یا رہائش گاہ بنانا جائز نہیں، بزازیہ۔ (ت)

اسی طرح دوسرے سوال میں جو تصرف کیا گیا اور مسجد کے ایک حصہ کو مسجد سے خارج کر دیا گیا اور اسے جوتا اتارنے کی جگہ بنایا یہ بھی تصرف باطل و مردود و حرام ہے، اوقاف میں تبدیل و تغیر کی اجازت نہیں لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ[2] (وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ ت) مسجد کو جمیع جہات حقوق العباد سے منقطع ہے قال اللہ تعالٰی وان المسجد للہ[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ بیشک مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں۔ ت) یہاں بھی وہی حکم ہے کہ فوراً فوراً اس ظلم کی منذیر کو دور کرکے زمین مسجد شامل مسجد کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۳ تا ۲۱۵: مرسلہ سید ارحمٰن ناظم اتحاد و منتظم کمیٹی جامع مسجد پیلی بھیت ۸ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ چہارشنبہ

کیا حکم ہے شریعت غرا کا مسائل مندرجہ ذیل میں، جواب شافی سے مطلع و ممنون فرمایا جائے۔

(۱) مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا، کسی معذور، بیوہ یا کسی مسجد یا خاص اسی مسجد کی ضروریات کے لئے یا کسی قومی یا مذہبی ضرورت کے لئے چندہ وغیرہ مسجد میں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو مکان و زمین وغیرہ کہ وقف ہے یعنی کسی مسجد و مدرسہ کی ضروریات کے لئے وقف کی گئی ہے مرور ایام یا کسی اور وجہ سے اس میں ایسا تغیر واقع ہو گیا ہے کہ اس کو رکھنے میں فی الجملہ نقصان ہے اس کو اس نیت سے کہ آئندہ اور نقصان ہو گا فروخت کرکے اس کی قیمت اسی مسجد و مدرسہ میں داخل کرنا یا بجائے اس کے اس سے زیادہ نفع کی کوئی چیز اس مسجد و مدرسہ کے لئے خریدنا درست ہے یا نہیں؟ نیز مستعمل و بیکار چیزیں نیلام کرنا یا فروخت کرنا کیسا ہے؟

(۳) مقامی حالت کا اندازہ کرکے کسی مسجد وغیرہ کے انتظام و نگہداشت کے لئے چند مسلمانوں کو منتخب کرکے دوسرے لوگوں کو جو اس انتظام کے لئے مخصوص نہیں کئے گئے ہیں روکنا کہ وہ بطور خود مسجد میں دست اندازی نہ کریں جس سے مقررہ انتظام میں ابتری و برہمی پیدا ہونے کا خیال ہے یا بلفراغت ترک

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۹۰

[3] القرآن الکریم ۷۲/۱۸

ہر شخص کو وعظ کہنے کی اجازت دینا درست ہے یا نہیں،

الجواب

(۱) مسجد میں اپنے لئے مانگنا جائز نہیں اور اسے دینے سے بھی علماء نے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ امام اسمٰعیل زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے اسے چاہئے کہ ستر پیسے اللہ تعالیٰ کے نام پر اور دے کہ اس پیسہ کا کفارہ ہوں، اور کسی دوسرے کے لئے مانگنا یا مسجد خواہ کسی اور ضرورت دینی کے لئے چندہ کرنا جائز اور سنت سے ثابت ہے۔

(۲) وقف کو بیع کی اجازت نہیں ہو سکتی جب تک واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، فی الجملہ نقصان یا آئندہ اس کا احتمال اس کی اجازت کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ مسجد کی مستعمل چیزیں مثلاً چٹائیاں، دریاں، لوٹے صرف مستعمل ہونے کی وجہ سے بیچنے کے کوئی معنی نہیں، اور ایسی اشیاء بھی جو بیکار ہو جائے وہ دینے والے کی طرف واپس ہو جاتی ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے

(۳) بغیر امتیاز وعظ کی اجازت دینا جائز نہیں اور روکنا واجب ہے، ان کا انتظام اگر صحیح مطابق شرع و موافق مصالح مسجد ہو تو دوسروں کو اس میں دست اندازی کی وجہ نہیں اور وہ روکے جا سکتے ہیں اور اگر ان کا انتظام خلاف شرع ہو تو ہر مسلمان اس میں دست اندازی کر سکتا ہے اور اس کو روکنے کا حق کسی کو نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۱۶: آہرو ملک، دروازہ متصل ایرتوار، پیر محمد امیر الدین روز یکشنبہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ

پیش امام میں کون کون صفت ہونی چاہئے؟ آیا کہ مسجد کا تیل وہ گوشت و روٹی وغیرہ فروخت کرنا جب ان لڑکوں سے مار پیٹ کر روٹی منگانا وہ روکھی لائیں تو ان کو مارنا اور جمعے کے روز بھی لڑکوں کو اسی واسطے بلوانا کہ میری ریاض کی روٹیوں میں فرق نہ پڑ جائے اور مسافر بھوکا رہے تو رہے مگر روٹی مشکر وہاں نا فروخت ہوئے تو دوسری موضع جا کر فروخت کرنا اور پانی کے گھڑے جو مسجد میں وضو کے واسطے ہوتے ہیں وہ لے کر آئیں تو امام اپنے مکان پر پانی پہنچا دے وضو والے تکلیف اٹھاتے اور مسافر وغیرہ سب تکلیف اٹھاتے تو ایسے امام کا رہنا جائز ہے یا نہیں، اور یہی ساتھ والے ہو کر یہ بات کرے تو جائز ہے؟

الجواب

امام مسجد صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القراءۃ، غیر فاسق معلن، عالم احکام نماز و طہارت ہونا چاہئے جس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے جماعت کی قلت و نفرت پیدا ہو، مسجد کے گھڑے اپنے لئے فروخت کرنا حرام ہے اور مسجد کا تیل اگر دینے والوں کی اجازت ہو کر جو خرچ سے بچے

امام یا مؤذن یا مسجد کا خادم لے لیا کرے تو وہ بچا ہوا جمع کرکے بیچنا جائز ہے۔ مسجد کی روٹی دینے والے نے جیسے دی تھی اگر بطور تملیک دی تھی تو اسے اس کے بیچنے کا اختیار ہے اور اگر بطور اباحت دی جیسے کھانا سامنے لاکر رکھتے ہیں کہ جتنا پیٹ میں آئے کھالو اسے صرف کھانا جائز ہے بیچنا یا دوسرے کو دینا حرام۔ جبراً روٹی منگانا حرام ہے مگر جب کہ وہی نوکری کی اُجرت قرار پائی ہو۔ اور اس کے لئے لڑکوں کو مارنا جائز نہیں مگر جب کہ وہی اس واجب شدہ روٹی کے لانے میں قصور کرتے ہوں اور مارنا ہاتھ سے ہو نہ کہ لکڑی سے اور تین بار سے زائد نہ ہو اور منہ پر نہ ہو۔ اور جمعہ کو بھی روٹی منگا سکتا ہے جب کہ وہ اجرت میں ٹھہری ہو۔ اور روٹی کہ اس کی ملک ہوجائے اسے اس کے بیچنے کا اختیار ہے خواہ وہاں بیچے یا دوسری جگہ۔ جو پانی مسجد میں وضو کے لئے رکھا گیا اسے اپنے گھر لے جانا جائز نہیں اگرچہ کسی کو تکلیف نہ ہو اور تکلیف ہو تو دوہرا حرام۔ جو باتیں ان میں ناجائز بتائی گئی ہیں جو امام ان کا ارتکاب کرے اور باز نہ آئے اسے امام نہ رکھنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۷ تا ۲۱۹: ابوتراب محمد اسمٰعیل موضع چم سینگ ڈاکخانہ جعفر گنج، چہار شنبہ ۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں چار کنارہ پر چار مساجد مدت بیس یا تیس برس سے جاری ہیں اور ہر مسجد میں تخمینہ بیس یا پچیس آدمی نماز جمعہ کی پڑھتے چلے آتے ہیں اور ان چار مساجد میں ایک قدیم ہے لیکن وہ بھی موضع کے ایک کنارہ پر واقع ہے اب کوئی عالم صاحب بغرض ہدایت و اصلاح دین و دنیا و رضائے خدا و رسول اہل موضع کو بلاکر کہ بموجب حدیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

اتبعوا السواد الاعظم و ید اللہ علی الجماعة[1] | سوادِ اعظم کی پیروی کرو اور اللہ تعالٰی کا دستِ رحمت جماعت پر ہوتا ہے (ت)

ان چاروں جماعت کو اکٹھا کرکے نماز جمعہ کی بطور اکمل و اشرف ادا کیا کرو۔ اہل موضع بالاتفاق باہیں طور اس بات میں راضی ہوئے کہ گاؤں کے بیچا بیچ میں جامع مسجد ہو، بعدہٗ مسجد قدیم والے کچھ پس و پیش کرنے لگے کہ یہاں سب کیوں نہیں آتے مسجد قدیم کو کس طرح توڑوں، باقی تین مساجد والے بوجہ حرج مسافت و بُعد مسجد قدیم کے اس میں راضی نہیں۔ اس سوال میں یہ تین باتیں ضرورت طلب ہیں،

(۱) اوّل عالم صاحب مذکورۃ الصدر کو ان چاروں مسجدوں کے ٹین و ستونوں کو اکھیڑ کے موضع کے بیچ میں ایک مسجد جامع بناکر چاروں جماعت کرنے کے اس مسجد جامع میں نماز جمعہ کی پڑھنی جائز ہے

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۵ و ۱۱۶

یا نہیں، اور وہ عالم اس امر میں مستحق ثواب ہوگا یا عذاب؟
(۲) دوم، ان چاروں مسجدوں کا متروکہ بیت لیتی جاگیروں کا کیا حکم؟
(۳) سوم، مسجد قدیم والے کا عذر مذکورہ مکتوبہ از روئے شرع شریف و دین حنیف مسموع یا غیر مسموع مستحسن یا غیر مستحسن؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل نے گاؤں کے لفظ سے تعبیر کیا، اگر وہ واقع میں گاؤں ہے شہر یا قصبہ نہیں جب تو سرے سے مبنائے سوال باطل ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، اور اگر گاؤں سے بستی مراد ہے اور وہ بستی کم از کم قصبہ ہے جب یہ حرام ہے کہ اور مسجدوں کو برباد کرکے جامع مسجد بنائی جائے، نہ ان مسجدوں کے ثمن وستون اس کی طرف منتقل ہوسکتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لایجوز نقلہ ولا نقل مالہ الی مسجد اٰخر۔[1] | مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (ت)

نہ ان مسجدوں کی زمینوں کا کسی دوسرے تصرف میں لانا حلال ہوسکتا ہے، جو ایسا کرے گا سخت ظالم و مستحق سخت عذاب ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعٰی فی خرابہا۔[2] | اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کرتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے (ت)

اور جب کہ بعد مسافت کی وجہ سے حرج ہے تو لوگ مجبور نہیں کئے جاسکتے کہ جمعہ ایک ہی جگہ پڑھیں کہ مذہب صحیح معتمد مفتٰی بہ میں شہر میں تعدد جمعہ مطلقاً جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ اتوارہ پلوک ناگپور شہر ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ
مسجد کا جو پیسہ جمع ہے اسے کسی منفعت پر خرید و فروخت تجارت کرسکتے ہیں مسجد کے جمع مال افزود کے لئے؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

الجواب

تجارت میں نفع نقصان دونوں کا احتمال ہے اور کارکنوں میں امین وخائن دونوں طرح کے ہوتے ہیں اور مال وقف میں شرط واقف سے زیادت کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۲: از برٹش کانا مرار اپتر ک بال و نج ایسٹ بنک مسئولہ عبدالغفور ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں عالم ہوں اور مجرد مسجد ہونے کے ایک مکان میں پنجوقتی نماز اور عید کی نماز اور جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے، تو اس کا حکم کیا ہے، اور حال یہ ہے کہ اس مکان کے مالک نے عام اجازت دے دی ہے کہ جس کی خوشی ہو وہ آکر نماز پڑھے جمعہ اور عید اور پنجوقتی کی، آیا اس مکان کو پھر اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں، فقط۔

الجواب

اگر اس نے اس مکان کو نماز کے لئے وقف کردیا تو وہ مسجد ہی ہے اسے اس میں رہنا جائز نہیں تمام آداب مسجد لازم ہیں اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں ہے اور اگر صرف اتنا کہا کہ نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں مگر وقف نہیں کرتا، تو اس میں نماز جائز مگر اور ہے اگرچہ جمعہ وعیدین کی کہ ان کے لئے بھی مسجد شرط نہیں، مگر بلا عذر شرعی عیدین میں ترک سنت اور پنجگانہ میں ترک واجب ہے۔ یہ کہنا کہ میں عالم ہوں اگر کسی وقت کسی ضرورت ومصلحت شرعی کے سبب ہے تو حرج نہیں، قال سیدنا یوسف علی نبینا الکریم وعلیہ، انی حفیظ علیم[1] (بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔ ت) اور اگر بلا ضرورت ہے تو جہل اور خود نمائی ہے خود ستائی کے لئے ہے تو سخت گناہ ہے قال اللہ تعالٰی لا تزکوا انفسکم[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اپنی پاکیزگی مت بیان کرو۔ ت)

حدیث میں ہے:

من قال انا عالم فھو جاھل[3] واللہ تعالٰی اعلم

جو یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳: از مدرسہ منظر العلوم کچی باغ بنارس مسئولہ امان اللہ مدرس یکشنبہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

زید نے چند مسلمانوں سے کچھ روپیہ بطور چندہ جمع کیا یہ کہہ کر کہ اس روپیہ سے زمین مسجد بنانے کو خرید

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

[3] المعجم الاوسط حدیث ۶۸۴۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۳۳۳

کی جائیگی، اس نیت سے لوگوں نے چندہ دیا اور اس روپیہ چندہ کے ایک زمین خریدی گئی، وقت بنانے مسجد
قطب نما وغیرہ سے سمت قبلہ درست کرنے میں کچھ زمین خریدشدہ چندہ یا تقدریں بسبب کجی کے احاطہ مسجد سے
باہر رہ گئی مسجد محدود تیار ہو گئی اس میں جمعہ جماعت جاری ہے لیکن کسی مسلمان نے نہ زبانی اب تک یہ کہا
کہ یہ سب زمین خریدشدہ ہم نے وقف کی نہ ایسی تحریر کسی منتظم مسجد یا چندہ دہندگان کی طرف سے ہوئی ایسے
حال میں علمائے دین سے سوال ہے کہ وہ زمین احاطۂ مسجد سے باہر رہ گئی ہے زمین مسجد کی جائے گی اور اس
کا حکم مسجد کا ہوگا یا فقط زمین موقوفہ کی جائیگی حکم مسجد میں نہ ہوگی۔ اور بہر حال اس زمین کا بیع و شراء یا
اس میں تصرف مالکانہ کرنا جائز ہوگا یا شرعاً وہ ناجائز؛ منتظم مسجد نے اس زمین کو خارج مسجد کہہ کر جیسا یہ کے
ایک مسلمان سے کچھ روپیہ لے کر اس کو دے دی اور اس روپیہ کو مسجد کے متعلق خرچ کیا اور اس مسلمان نے
اس زمین سے زینہ اپنے مکان کی چھت کا بنایا اس سے عام مسلمان ناراض ہیں کہ زمین مسجد یا زمین وقف میں
کیوں ایسا تصرف کیا گیا، اب اس صورت میں حکم شرع کیا ہے؛ کیا وہ زینہ توڑ کر زمین واپس لے لی جائے یا
اس کے عوض میں جو روپیہ وہ مسلمان دے چکا ہے اس سے وہ زمین اس کی مملوک ہو گئی؟ زینہ توڑوانے اور
زمین واپس لینے کا حق شرعاً مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے اور اگر وہ مسلمان بلا نالش کرنے کے عدالت حاکم وقت
میں زینہ توڑنا اور زمین واپس دینا نہ چاہے تو عدالت میں نالش اور مقدمہ کا خرچ کس نے روپیہ لے کر زینہ بنانے کی
اجازت دی ہے یا عام مسلمانان کے ذریعہ وہ خرچ ہوگا بہر شش سوال کا جواب عام فہم مفصل مع دلائل و نقل
عبارات مستندات درکار ہے۔ بدون اس کے تشفی عام مسلمانان و صورت رفع نزاع متصور نہیں، فقط

الجواب

اگر چندہ دینے والے سب یا ان کا وکیل یا ماذون بعد خریداری زمین یہ کہہ دیتا کہ اس زمین کو مسجد کیا تو وہ
کل مسجد ہو جاتی اور اس میں سے کسی جزو کی بیع یا کوئی تصرف مالکانہ مطلقاً حرام ہوتا لیکن ظاہراً یہاں ایسا
واقع نہ ہوا بلکہ زمین خریدی گئی کہ اس میں مسجد بنائی جائے گی اور بنانے میں تصحیح سمت کے سبب ایک حصہ
چھوٹ گیا، جس قدر میں مسجد بنی وہی مسجد سمجھی گئی اور اس میں نماز جاری ہوئی، حصہ متروکہ کو اگر چندہ دہندوں
یا ان کے وکیل ماذون نے وقف علی المسجد کر دیا تو اب بھی اس کی بیع ناجائز ہوئی مگر سوال سے اس صورت
کا وقوع بھی ظاہر نہیں ہوتا، صرف اتنا ہوا کہ وہ چندہ دے کر اس روپے اور زمین سے بے تعلق ہو گئے اور
یہ ملک سے خارج ہونے کا موجب نہیں جب تک وقف شرعی نہ پایا جائے یہ بیع اور اس روپے کا مسجد
میں صرف کرنا اگر اجازت مالکان سے تھا یا بعد وقوع انہوں نے اجازت دے دی تو دونوں تصرف صحیح
ہو گئے، اور اگر مشتری کی خریداری اور زینہ بنا لینے کو ایک کافی زمانہ گزرا اور مالکوں نے تعرض نہ کیا تو یہ بھی

اجازت بھی جائے گی فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۳ تا ۲۲۵ از مقام قاضی کیری ڈاکخانہ زولیسی ضلع بھاگلپور بمکان شیخ شمس الدین صاحب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد خام تخمیناً بیس برس سے تھی بمشورہ مسلمان موضع پختہ بنانے کی راستے ہوئی، جس وقت نیو دیوار کھودی گئی قبر نکلی، دریافت کرنے سے جو ضعیف موضع تھے معلوم ہوا اُن سے کہ ہم نے اپنے والد وغیرہ سے سنا ہے کہ یہ سب قبرستان ہے بلکہ کل بستی قبرستان پر آباد ہے، اکثر مکانوں میں بھی قبر نکلتی ہے، نماز اس میں جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ مسجد کسی طرف ہٹ سکتی ہے یا پرتی میدان رہے گا، میدان رہنے میں ممکن ہے زمیندار کسی کو دے دے پھر اس کی حفاظت کی کیا صورت کی جائے؟

(۲) اس موضع کا مالک ایک کافر راجہ ہے وہ حتی الامکان دوسری جگہ مسجد بنانے سے مانع ہوگا اور یہاں رعیت کو اختیار بیع و فروخت ہے راجہ کچھ نہیں کرسکتا ہے صرف مالگزاری کا مستحق ہے اگر خلاف مرضی راجہ دوسری جگہ مسجد بنائی جائے تو مالگزاری جو مقرر ہے نہیں چھوڑے گا، پس اس صورت میں جبکہ مالگزاری برابر زمیندار لیں وہ حکم میں مسجد کے ہوگا یا نہیں؟ بصورت عدم جواز جو مسجد اس طرح بنی ہو کیا حکم ہے، منہدم کردیں یا کیا کریں؟

(۳) جب کہ کل موضع قبرستان پر آباد ہے تو جو لوگ نماز گھر میں پڑھیں جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ خبر کہ یہ سب قبرستان ہے بلکہ کل بستی قبرستان پر آباد ہے بہت بعید و شنیع امر کی خبر، اور خود اپنے مخبروں کی بے اعتباری و رد شہادت پر دلیل روشن ہے، جن اشخاص نے ایسا بیان کیا اگر بے نمازی ہیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا فسق و رد شہادت درکار، اور اگر نمازی ہیں تو قبروں پر نماز حرام ہے، یہ حرام خصوصاً علی الدوام کرکے بھی فاسق و مردود الشہادۃ ہوئے بلکہ سب بستی قبروں پر آباد ہے تو مقابر پر چلنا پھرنا، سونا بیٹھنا، پاخانہ پیشاب کرنا کس نے حلال کیا۔ دانستہ مدام ان کے ارتکاب سے بھی فسق ظاہر ہے، بہرحال خبر مردود و نامسموع ہے بلکہ بالفرض اگر یہ لوگ ان محرمات کے ارتکاب سے خود محفوظ بھی ہوتے تو اور مسلمان کو ان میں مبتلا دیکھ کر مدتوں یہ شہادت ادا نہ کرنا اور اب بتانا یہ خود کیا فسق کے لئے کافی نہیں۔ اشباہ و درمختار وغیرہما میں ہے:

یجب الاداء بلاطلب لو الشھادۃ فی ۔ بغیر طلب ادائے شہادت واجب ہے اگر وہ شہادت

حقوق اللہ تعالٰی ومن اخر شاھد الحسبۃ شہادتہ بلاعذر فسق فترد۔[1]

حقوق اللہ سے متعلق ہو اور شاہد حسبہ نے بلا عذر شہادت میں تاخیر کی تو وہ فاسق ہوگا اور اس کی گواہی مردود ہوگی (حسبہ وہ ہے جس سے ثواب آخرت کی توقع ہو)۔ (ت)

غرض ان کے کہنے پر کچھ نظر نہ کی جائے، مسجد بنائی جائے اور اگر قبریں نکلیں تو وہ ضرور مسجد ہے اور اس میں نماز جائز اور اس کی حفاظت واجب۔ قبر جو نکلی ہے اس پر نماز نہ پڑھیں نہ اس کی طرف پڑھیں۔ اس کے برابر آگے داہنے بائیں پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ اگر قبر کسی مقبول بندے کی ہے تو اس کی قربت سے نماز میں اور برکت آئے گی،

کما فی اللمعات ومجمع البحار وکثیر من الاسفار وقد بینا ہ فی فتاونا۔

جیسا کہ لمعات، مجمع البحار اور متعدد کتب جلیلہ میں ہے اور تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو تفصیلاً بیان کردیا ہے۔ (ت)

قبر کے شرقی جانب آدھ گز بلند ایک اینٹ کا سترہ قائم رکھیں پھر اس طرف بھی نماز جائز ہوجائیگی، اور اگران لوگوں کا اس مسجد کی نسبت بیان صحیح نکلے کہ اس میں جابجا قبور برآمد ہوں تو وہ بیشک مسجد نہیں

فان الوقف لایوقف اخری ولا یحل اتخاذ القبور مساجد ولا تباح الصلوۃ علیھا۔

وقف کردہ، دوبارہ وقف نہیں کیا جاسکتا اور قبور کو مسجدیں بنانا حلال نہیں اور نہ ہی قبور پر نماز پڑھنا مباح ہے۔ (ت)

اس صورت میں دوسری جگہ مسجد بنانی لازم، اور راجہ اگر مالگزاری نہ چھوڑے تو اس سے مسجد میں کچھ خلل نہ آئے گا فان غایتہ الظلم والظلم لایبطل الحق (کیونکہ نتیجہ یہ ظلم ہے اور ظلم حق کو باطل نہیں کرتا۔ ت)

اور پچھلی صورت میں پہلی عمارت کہ حقیقۃً مسجد نہیں ضرور منہدم کردی جائے کہ بوجہ قبور اس میں نماز جائز نہیں اور صورت مسجد باقی رہے گی تو ناواقف کو دھوکا دے گی وہ اس میں نماز پڑھے گا نماز بھی خراب ہوگی اور قبور پر چڑھنے سے ان کی بھی بے حرمتی ہوگی۔ یہ دو سوالوں کا جواب ہوا۔ تیسرے کی بنا اس پر ہے کہ وہ کل موضع قبرستان پر آباد مان لیا جائے اور ہم اوپر ثابت کرچکے کہ یہ خبر دوخ وناسموع ہے۔ اگر تسلیم کی جائے تو نہ صرف نماز وہاں چلنا پھرنا، رہنا، بسنا، پاخانہ، پیشاب سب حرام ہوجائے گا کما بیناہ فی الامر باحترام المقابر (جیسا کہ ہم رسالہ الامر باحترام المقابر میں بیان کرچکے ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۰

مسئلہ ۲۲۶: از ڈھاکہ محلہ مولوی بازار کوٹھی [۱] مسئولہ برکات احمد سوداگر ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کے، مسجد پختہ چندہ جمع کرکے بنانا کیسا ہے اور چندہ دینے والوں کو اس کا اجر کیا ملے گا؟ والسلام سنت اسلام۔

الجواب

صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من بنی للّٰه مسجدا زاد فی روایۃ ولو کمفحص قطاۃ بنی اللّٰه له بیتا فی الجنۃ [۱] زاد فی روایۃ من در و یاقوت [۲]

جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اگرچہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے گھونسلے کے برابر، اللہ عزوجل اس کے لئے جنت میں موتی اور یاقوت کا محل تیار فرمائے گا۔

اور اس میں ہر وہ شخص جو کسی قدر چندہ سے شریک ہوا داخل ہے، ساری مسجد بنانے پر یہ ثواب موقوف نہیں۔ مدینہ طیبہ میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنائی، پھر امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس میں زیادت فرمائی، پھر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب اس کی تعمیر میں افزائش فرمائی اس پر یہی حدیث روایت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۷: روز شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان خس پوش پیش مسجد ملکیت مسجد واقع ہے اس کو توڑ کر اراضی مسجد میں شامل کرلیا جائے اور اوقات نیک مثل نماز جنازہ وغیرہ کے واسطے محدود کردیا جائے، دوسرے ہر شخص کو وقت آمد و رفت مسجد کا دروازہ مسجد بھیڑ کر آنا جانا چاہئے یا نہیں؟ پس صورت مسئولہ میں حکم شرع شریف کا کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے اگر خلاف شرط واقف نہ ہو، مسجد کے کواڑ کبھی نہ بھیڑے جائیں مگر بعد فراغت نماز عشاء جبکہ کسی کے آنے کی امید نہ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[۱] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/۲۴۱

سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب من بنی للہ مسجدا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[۲] المعجم الاوسط حدیث ۵۰۵۵ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/۲۰

مسئلہ ۲۲۸: مسئولہ عبدالرب مرزا محلہ احاطہ امریا ضلع پیلی بھیت ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

گرد مسجد کس قدر زمین جنت سے ہے پیمائش مع حوالہ گز یا فٹ والے کی لکھی جائے، فقط۔

الجواب

مسجد کی نسبت ایک حدیث روایت کی جاتی ہے روزِ قیامت تمام مساجد کی زمین جمع کرکے داخل جنت کی جائے گی،

تذھب الارضون کلھا یوم القیٰمۃ الا المساجد فانھا ینضم بعضھا الی بعض[1] قال الشراح ای فتصیر بقعۃ فی الجنۃ[2]۔

قیامت کے دن تمام زمینیں ختم ہوجائیں گی سوائے مساجد کی زمینوں کے کہ ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملادیا جائے گا یعنی اکٹھا کردیا جائے گا۔ شارحین حدیث نے فرمایا کہ وہ جنت کا حصہ بنادی جائیں گی۔ (ت)

اور یہ تو صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ،

اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قیل وما ریاض الجنۃ یارسول اللہ قال المساجد قیل وما الرتع قال سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر[3]۔ رواہ الترمذی وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کی کیاریوں پر گزرو تو ان میں چرو ان کا میوہ کھاؤ، عرض کی گئی یارسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا مسجدیں۔ عرض کی گئی وہ چرنا کیا ہے؟ فرمایا یہ کہنا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ (اس کو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

مگر یہ حدیث محتاجِ تاویل ہے اور پہلی روایت میں سخت تعلیل ہے اور مسجد کے قریب اصلاً کسی حصہ کا جنت سے ہونا وارد نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: مرسلہ سید محمد حسین علی قاصی سید پور علاقہ اندور محلہ جالی پورہ اورنگر ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد پرانی ہے اور اس کو

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۴۰۲۱ مکتبۃ المعارف الریاض ۵/۱۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث مذکورہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۱/۴۳۶

[3] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/۱۸۹

بنانے کے لئے اُس کا پرانا سامان لکڑی وغیرہ نکالا کچھ سامان تو اسی میں لگ گیا اور کچھ سامان لکڑی بچ رہی اب اس کو کس کام میں لانا چاہئے اور اس میں بہت سی لکڑی ایسی ہے کہ وہ جلانے کے سوا اور کچھ کام میں نہیں آسکتی ہے سو اس لکڑی کا جلانا جائز اور درست ہے یا نہیں ؟ اور باقی جو کہ اچھی لکڑی ہے اس کو دوسرے شخص معتبر کے ہاتھ فروخت کرنا جائز و درست ہے یا نہیں ؟ خلاصہ جواب تحریر فرمایئے گا

الجواب

مسجد کا عملہ جو بچ رہے اگر کسی دوسرے وقت مسجد کے کام میں آنے کا ہو اور رکھنے سے بگڑے نہیں تو محفوظ رکھیں ورنہ بیع کر دیں اور اس کے دام مسجد کی عمارت ہی میں لگائیں ۔ لوٹے ، بوریہ ، تیل ، بتی وغیرہ میں صرف نہیں ہو سکتا ۔ یہ سب کام متولی اور دیانتدار اہل محلہ کی زیر نگرانی ہو ۔ بیع کسی ادب والے مسلمان کے ہاتھ ہو کہ وہ اسے کسی بے جا یا ناپاک جگہ نہ لگائے ۔ لکڑی کہ جلنے کے سوا کسی کام کی نہ رہی سقایہ مسجد کے صرف میں لائیں اور اگر بیع کر دیں تو خریدنے والا بھی اس کو جلا سکتا ہے مگر اُپلے کی معیت سے بچائیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۲ مرسلہ اسمٰعیل خاں کارندہ موضع ریونڈہ ڈاکخانہ مونڈھا تحصیل و ضلع مراد آباد ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص گانے بجانے کا کام کرتا ہے اور فونوگراف باجا بجرنے پر بھی اُجرت وتنخواہ پاتا ہے ۔ دوکانی ہے جو قلعی وغیرہ کی بھی ہے اور سود وغیرہ کی آمدنی بھی اس کو ہوتی ہے ایسے ایسے دونوں قسم کے اشخاص کے روپیہ سے مسجد کا وضوخانہ بنانا یا مسجد پر کلس چڑھانا شرعیہ قاعدہ سے جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

جو مال بعینہ حرام ہو وہ ان کاموں کے لئے لینا بھی حرام ہے اور جس کی نسبت یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص مال حرام ہے اس کے لینے میں مضائقہ نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۳ از راندیر ضلع سورت مسئولہ محمد اعظم ماخدا بروز شنبہ ۱۵ رجب ۱۳۳۴ھ

ما قولکم اندریں صورت کہ مسجد کے نقد روپے پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) جمع یعنی موجود تھے اور اسی روپے سے مسجد کی تعمیر کرنے والوں نے یعنی اہل محلہ نے ٹھہرا لیا یعنی مقرر کیا ہوا تھا مگر نصف کام ہو کر روپے تمام ہو گئے لہٰذا مسجد کی آمد کے لئے جو ملکیت واقف نے وقف کی ہوئی ہوں اس کی آمد سے دوسری ملکیت زیادہ کی ہوں یعنی آمد سے دوسری ملکیت خرید کی ہو ان کو متولی یعنی مہتمم مسجد اہل محلہ کی صلاح سے فروخت کر کے مسجد کو تمام کر دے یا بستی کے مسلمانوں کو بھی کمیٹی کر کے صلاح لے اور حاکم وقت کی منظوری درکار ہے کہ نہیں بر وقت نہ ہونے قاضی کے اور واقف کی کوئی شرط یا کہنا ایسا نہیں ہے جسے کوئی بیچ سکے ۔

دیگر سوال: مسجد کی تعمیر کی کوئی ضرورت نہ ہو اور مسجد کے خرچ و اخراجات سے آمد بہت زائد ہو تو کیا متولی یعنی مہتمم مسجد اہل محلہ سے اجازت لے کر کے مدرسہ اس فاضل آمدنی سے کھول سکتا ہے کہ نہیں؟ یا مہتمم مسجد اہل محلہ سے اجازت لے کر یا اہل بستی کے مسلمانوں کی کمیٹی کر کے ان کی رائے لے کر کے مدرسہ کھولے اور حاکم وقت کے حکم کی منظوری لانا ضروری ہے کہ نہیں؟ کیونکہ واقف کی نیت فقط یہی تھی کہ میرے وقف شدہ ملکیت کی آمدنی مسجد میں خرچ ہو اور کوئی دلیل نہیں کہ مدرسہ کھولیں تو اس وقت میں حاکم وقت کی منظوری کی ضرورت ہوگی کہ نہیں بوقت نہ ہونے قاضی شرع کے، فقط۔

سوال سوم: بنابرایں زائد آمدنی اس مسجد کی سے دوسری مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں کہ نہیں، فقط۔

الجواب

(۱) وہ کہ واقف نے مسجد پر وقف کیا ہے اسے کوئی نہیں بیچ سکتا، نہ متولی، نہ اہل محلہ، نہ حاکم، نہ کوئی، ہاں اس کی آمدنی سے جو جائداد متولی نے وقف کے لئے خریدی وہ مسجد کے لئے بیع ہو سکتی ہے۔ متولی اور اہل محلہ اور سنی دیندار عالم اور دیانتدار مسلمانوں کے مشورہ سے جس میں غبن اور تغلب کا احتمال نہ ہو۔

(۲) جب کہ واقف نے صرف مسجد کے لئے وقف کیا تو وہ مسجد ہی میں صرف ہوگا اس سے مدرسہ نہیں کھول سکتے، نہ خود، نہ باجازت حاکم۔

(۳) نہیں کر سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳۳: مرسلہ محمد ابراہیم ڈاکخانہ کنکشیہ ہائی اسکول ضلع فرید پور   رجب ۱۳۳۳ھ

مسجد کے پرانے اسباب یعنی خام اور ٹین اور بانس وغیرہ اپنے گھر کے کاروبار میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر لگا سکے تو کس کام اور کس طور پر لگایا جائے؟

الجواب

ستون اور ٹین کہ مثل سقف تھا اور بانس کہ سقف میں تھا اسی طرح کڑیاں اور اینٹیں، غرض جو اجزائے عمارت مسجد ہوں وہ اگر حاجت مسجد سے زائد ہو جائیں اور دوبارہ ان کے اعادہ کی امید نہ ہو تو متولی و معتبرین اہل محلہ کی اجتماعی رائے سے انھیں بیچ کر قیمت حاجت مسجد ہی کے کام میں صرف کی جائے مسجد کے بھی دوسرے کام میں صرف نہیں ہو سکتی، خریدنے والا انھیں اپنے صرف میں لا سکتا ہے مگر بے ادبی کی جگہ سے بچائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۳۵ تا ۲۴۴: از ذاکل ہوٹل لکھنؤ حبیب اللہ خان بروز شنبہ ۲۵ رجب ۱۳۳۴ھ

(۱) جو شخص حافظ کسی مسجد میں واسطے امامت وحفاظت کے مقرر ہو وہ مسلمانان اہل محلہ سے جو مسجد میں نماز کو آئیں ان سے ایسی بدخلقی کا برتاؤ کرے جس کی وجہ سے مسجد میں آنا ترک کردیں اور جماعت میں خلل پڑجائے، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۲) وہ شخص حافظ جو امام ومحافظ مسجد کا ہو اور مسجد میں پنجگانہ اذان نہ خود کہے نہ کہلوائے، نہ روزانہ صفائی مسجد کی کرے، اور دوسرے نمازیوں کو جو صفائی مسجد میں کریں ان کو مسجد کی خدمت کرنے سے منع کرے اور یہ کہے کہ مسجد کی خدمت کرکے کیا مسجد میں قبضہ کرنا چاہتے ہو، اس مسجد میں ہم جو چاہیں کریں تم لوگ کچھ نہیں کرسکتے ہو۔ اس پر کیا حکم ہے؟

(۳) جو شخص حافظ امام مسجد ہو اس حق سے مسجد کے درخت اور گملے جو عرصہ دراز سے مسجد کی زیب و زینت و رونق کے واسطے لگائے ہوئے ہوں اٹھاکر اور اکھاڑ کر اپنے گھر کو لے جائے اور اپنا قبضہ ہر چیز پر جو مسجد میں ہو اس پر ظاہر کرے اس پر کیا حکم ہے؟

(۴) وہ حافظ جو امام مسجد ہو اور مسجد میں جو کمپانی کا نل نمازیوں کے آرام اور خرچ مسجد کے واسطے لگا ہوا ہو اس کو اکھڑوا دے اور منع کرنے سے نہ مانے اور دوسرے مسلمان کو جو مسجد میں بمبا لگوانا چاہتے ہیں ان کو منع کرے اور نہ لگانے دے اور نمازیوں کی تکلیف پیش نظر رکھے اس پر کیا حکم ہے؟

(۵) مسجد میں مٹی کا تیل ٹین کی ڈبیہ میں جلائے جس سے مسجد میں بدبو اور سیاہی ہو اور چھت سیاہ ہوجائے اس پر کیا حکم ہے؟

(۶) موسم گرما میں نمازی صحن مسجد میں نماز پڑھنے کو چٹائی بچھانے کی خواہش کریں اور محافظ مسجد چٹائی حجرہ میں بند کردے بچھانے کو نہ دے اور نمازی باہم چندہ کرکے بخیال رفع تکلیف وآسائش نمازیوں کے چٹائی منگا کر بچھانا چاہیں تو ان کو نہ بچھانے دے اور کہے کہ جو کوئی اس مسجد میں چٹائی رکھے گا تو ہم اس چٹائی کو باہر مسجد کے پھینک دیں گے جس کی خوشی ہو اندر مسجد کے یا صحن مسجد میں بحالت موجودہ خواہ گرد ہو یا کچھ ہو نماز پڑھے یا نہ پڑھے اپنی چٹائی نہیں بچھا سکتا ہے۔ کیا مسجد میں چٹائی بچھا کر مسجد پر نمازی اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں جن کے بزرگوں کی مسجد بنوائی ہوئی ہے ان کی طرف سے ہم مقرر ہیں ہم چاہیں چٹائی مسجد میں ڈالیں یا نہ ڈالیں دوسروں کو ڈالنے کا اختیار ومجاز نہیں ہے، اس پر کیا حکم ہے؟

(۷) جو حافظ امام مسجد ہو اور اس طرح کا عمل مذکورہ بالا کرے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو اور

جماعت میں خلل پڑے اور ان کی وجہ سے مسجد میں آنا چھوڑ دیں اور وہ شخص مسجد کو اپنا مقبوضہ خیال کرے وہ شخص امام رہنے کے قابل ہے یا نہیں، اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اور اس کو کیا خلاف کرنا چاہئے، اور اس پر حد شرع کیا ہے؟ فقط۔

الجواب

(۱) اس صورت میں وہ گنہگار و مستحق عذاب ہے کہ بدخلقی وغیرہ تو بڑی بات ہے، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی مسجد میں ایک بار نماز عشاء کی قراءت طویل کی، وہ ایک مقتدی کو ناگوار ہوئی، اس کا حال حضور میں عرض کیا گیا اس پر ایسا غضب فرمایا کہ ایسی شان جلال کم دیکھی گئی تھی اور معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

افتان انت یا معاذ، افتان انت یا معاذ، افتان انت یا معاذ[1]	اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو، کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو، کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو۔

(۲) اذان سنت مؤکدہ اور شعار اسلام ہے اور بغیر اس کے جماعت مکروہ، یہاں تک کہ اگر امام مسجد آہستہ اذان کہلوا کر جماعت پڑھ جائے وہ جماعت ادا نہ ہوگی۔ بعد کو جو لوگ آئیں انھیں حکم کہ اعلان کے ساتھ اذان کہیں اور پھر از سر نو جماعت قائم کریں، اس کا تارک اور لوگوں کو اس سے منع کرنے والا صریح گمراہ و فاسق ہے، یونہی مسجد کی تنظیف کا بھی شرع میں حکم ہے۔ سنن ابوداؤد میں ہے:

امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان تنظف وتطیب[2]	نبی اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے محلوں میں مساجد بنانے اور انھیں پاک و صاف رکھنے کا حکم دیا ہے (ت)

جو نہ خود کرے اور نہ اوروں کو کرنے دے مسجد کا بدخواہ ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۲
صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ، باب القراءۃ فی العشاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۸
سنن نسائی کتاب الامامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۳
سنن ابوداؤد کتاب الصلٰوۃ باب تخفیف الصلٰوۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۵

[2] " " " باب اتخاذ المساجد فی الدور " " " ۱/ ۶۶

(۳) مسجد میں پیڑ بونا ممنوع ہے اور ان کا اکھاڑنا جائز مگر اس کے لگاتے ہوئے نہیں تو اپنے گھر لے جانے کا کوئی معنی نہیں۔ قبضہ اگر مسجد کی اشیاء پر متولیانہ نظر سے کرے تو حرج نہیں جبکہ متولی ہو اور مالکانہ ہو تو حرام۔

(۴) مسجد ہی کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ فنائے مسجد یعنی اس کے متعلق زمین اس کا بلاوجہ شرعی زائل کرنا اور نمازیوں کو تکلیف پہنچانا شرعاً ممنوع ہے، دوسرے یہ کہ عین مسجد میں اگر قبل تمام مسجدیت واقف نے لگایا تو باقی رکھا جائے گا اور اس کا ازالہ بھی ممنوع ہے اور اگر بعد تمام مسجدیت بانی نے خواہ اور کسی نے لگایا تو وہ لگانا حرام اور اکھاڑ دینا واجب۔

(۵) یہ حرام ہے اور اس کا ازالہ فرض اور کرنے والا مسجد کا بدخواہ اور دربار الٰہی کے ساتھ گستاخ

(۶) اس پر استحقاق لعنت ہے اور وہ خود ہی مسجد پر قبضہ مالکانہ کرنا چاہتا ہے دوسروں پر جھوٹا الزام رکھتا ہے

(۷) شنائع مذکورہ کے مرتکب فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی منع اور پڑھ لی تو پھیرنا واجب، اور مسجد سے اس قبضہ ظالمانہ کا اٹھا دینا لازم، اور شرفاء وہ ہر اس تعزیر کا مستحق ہے جو سلطان اسلام تجویز فرماتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۲ مسئولہ سیٹھ آدم جی پیر بھائی، از حضرت ۔ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) مسجد میں چراغ تمام شب جلانا چاہئے یا جہاں تک نمازیوں کی آمد و رفت ہو وہاں تک!

(۲) محراب مسجد کو یا دیوار قبلہ کو نقش و نگار اور سونے کا پانی چڑھانا اور رنگ دینا مکروہ ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

(۱) وہاں کے عرف معہود پر عمل کیا جائے جہاں شب بھر روشن رہتا ہے جیسے مساجد طیبہ، مدینہ طیبہ و مکہ معظمہ و بیت المقدس وہاں شب بھر روشن رکھنا چاہئے ورنہ نصف شب کے قریب تک۔

(۲) مکروہ ہے کہ باعث شغل قلب نمازیان ہے مگر واقف نے کیا ہو تو ویسا ہی کیا جائے گا اور اس میں نیت تعظیم مسجد ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۳ از وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ مسجد شیخ لعل نور عالم امام مسجد یکشنبہ ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

بخدمت حامی سنت، قامع بدعت، عالم اہلسنت و جماعت، مرجع علماء و فضلاء جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

ہماری مسجد بسبب کہنہ ہونے کے شہید کرا کر از سر نو تعمیر کرائی جارہی ہے، بعض اصحاب کا خیال ہے

کہ نیچے دکانیں اور اوپر مسجد تعمیر ہو تاکہ دکانوں کا کرایہ مسجد کے مصالح و مصارف پر وقتاً فوقتاً خرچ ہوتا رہے اور بعض اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسجد کا احاطہ تحت الثریٰ سے عرش معلیٰ تک قابلِ احترام ہے دکانیں بنانے میں احترام نہیں رہتا کیونکہ مسجد کا گرد اگرد ابھی قابلِ احترام ہے۔ ہاں اگر ابتداءِ بناء میں دکانیں بنائی جاتیں تو جائز تھا جیسا کہ لاہور میں مسجد وزیر خاں اور سنہری مسجد۔ مجوزین کہتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسجد کے اوپر امام کے لئے بالاخانہ جائز ہے، اور مسجد کا احترام جیسا کہ نیچے کے حصہ کا ویسا ہی اوپر کا، جب بالاخانہ بنانے سے احترام میں فرق نہیں آتا تو دکانیں بنانے میں کیا حرج ہے، حالانکہ فائدہ ہے۔ نیز مسجد تنگ ہو تو راہ کا کچھ حصہ اس میں ملا لینا اور راہ تنگ ہو تو مسجد کا کچھ حصہ راہ میں ملا دینا جائز ہے جب ضرورت کے وقت بلالحاظ احترام ایسا تغیر و تبدل جائز ہے تو دکانیں بنانے میں بھی چونکہ مسجد کے مصلحت کی ضرورت ہے کیوں جائز نہیں ہے اور عدم جواز کی کیا وجہ ہے؟ اور آج کل ضلع گوجرانوالہ میں ایک مسجد شہید کرا کر نیچے دکانیں بنائی گئی ہیں اکثر علماء نے فتویٰ جواز کا دے دیا ہے حتیٰ کہ فیصلہ عدالت حکام میں بطور نظیر رکھا گیا ہے اور فتویٰ جواز عند العلماء مسلّم ہو چکا ہے۔ غیر مقلدین جواز کے قائل ہیں مگر ہمارا اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ کتابوں میں عدم جواز ہی دیکھا ہے البتہ تذبذب و تشتت ہو گیا ہے۔ لہٰذا خدمت میں گزارش ہے کہ خدا کے واسطے مطابق کتاب و سنت اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر جلد مرحمت فرمائیں تاکہ اس جھگڑے سے ہمیں نجات ملے، جواز یا عدم جواز جو حق ہو دلائل قاطعہ سے مدلل فرما کر جلد روانہ فرمائیں کیونکہ عمارت رکی ہوئی ہے اور دیر ہونے میں حرج ہوتا ہے۔ جزاکم اللہ فی الدنیا والآخرۃ۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ دکانیں قطعی حرام، اور وہ بالاخانہ بھی قطعی حرام۔ ہاں وقتِ بنائے مسجد قبل تمام مسجدیت نیچے مسجد کے لئے دکانیں یا اوپر امام کے لئے بالاخانہ بانی بنائے اور اس کے بعد اسے مسجد کرے تو جائز ہے اور اگر مسجد بنا کر بنانا چاہے اگرچہ مسجد کی دیوار کا صرف اسارا اس میں سے اور کہے میری پہلے سے یہ نیت تھی ہرگز قبول نہ کریں گے اور اس عمارت کو ڈھا دیں گے۔ درمختار میں ہے:

لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیۃ فاذا کان ھذا فی الواقف

اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کے لئے حجرہ بنا دیا تو حرج نہیں کیونکہ وہ مصالحِ مسجد میں سے ہے لیکن تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اس کو منع کیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ میرا شروع سے ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی (تاتارخانیہ)

اور یہ صاحب طلبہ خورد سال کو جن کو اپنے پیروں کے ناپاکی سے بچانے کا خیال تک نہیں رہتا، جامع مسجد ہی میں درس دیتے ہیں اور طلبہ صبح سے لے کر چار بجے تک وہاں پر ہی حاضر رہتے ہیں ان کو منع کیا گیا کہ آپ مجبوراً یہاں کا سونا اور بچوں کو اس جگہ تعلیم دینا بسند کریں کیونکہ ان کے پیر ناپاکی میں آلودہ رہتے ہیں اور سونا مدرسہ اسلامیہ یا جس صاحب کے مکان پر رہتے ہیں یا جہاں پر علاوہ مسجد کے آپ پسند فرمائیں اختیار کریں جس سے نہایت غصہ میں آکر جواب وہ ہوئے کہ ہم نہیں مان سکتے تمہارا جو جی چاہے کر و ایسی شکل میں ہمارے واسطے مسجد میں سونا درست ہے یا نہیں؟ اب قصبہ میں یہ مرض مسلمانوں میں دیکھا دیکھی زیادہ ترقی پر ہے، مسجد میں بچے ہی رہتے ہیں، ایسی صورتہائے مذکورہ بالا میں ہمارے مذہب حنفی میں کیا حکم ہے؟ اس کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ بحوالہ حدیث صحیح کے نہایت شرح سے دیا جائے، فقط

الجواب

صحیح راجح یہ ہے کہ معتکف کے سوا کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔ درمختار وغیرہ میں ہے،

کی والنوم فیہ الا لمعتکف[1] الخ واستثنی بعضھم الغریب ولا حاجۃ الیہ لانہ یقدر علی ان ینوی الاعتکاف و یذکر اللہ تعالٰی قدر ما تیسر ثم یفعل مایشاء[2]

مسجد میں غیر معتکف کے لئے سونا جائز نہیں الخ بعض نے مسافر کو اس حکم سے مستثنٰی کیا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اعتکاف کی نیت کر کے حسب استطاعت اللہ تعالٰی کا ذکر کرے اور پھر جو چاہے کرے (ت)

مسجد میں نا سمجھ بچوں کے لے جانے کی ممانعت ہے، حدیث میں ہے،

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم[3]

اپنی مساجد کو اپنے نا سمجھ بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو۔ (ت)

خصوصاً اگر پڑھانے والا اُجرت لے کر پڑھاتا ہو تو اور بھی زیادہ ناجائز ہے کہ اب کارِ دنیا ہو گیا اور دنیا کی بات کے لئے مسجد میں جانا حرام ہے نہ کہ طویل کار کے لئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۴۴

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الصلوٰۃ باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

مسئلہ از شہر ظفر پور محلہ گلیانی حکیم ظہور الحق شنبہ ۱۸ شوال المعظم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک محلہ میں شہر کے ایک مسجد پختہ مدت دراز سے قائم ہے اور کوئی معتبر شخص نہیں کہتا ہے کہ یہ مسجد زر حلال یا حرام سے کس طرح روپیہ سے بنی ہے اور بنانے والا کون ہے۔ مگر بعض اشخاص غیر معتبر کہتے ہیں کہ یہ مسجد ایک عورت کی بنوائی ہوئی ہے جس نے ایک ملازم سرکاری سے عقد کیا تھا اور بعد عقد کے ظروف گلی کے بیچنے کا پیشہ کرتی تھی اور اپنی ظروف فروشی کے حلال روپیہ سے اس نے یہ مسجد بنوائی ہے چنانچہ قبر اس عورت کی صحن مسجد کے دالان میں موجود ہے اب مرمت وغیرہ مسجد مذکورہ کی مسلمانان محلہ کے خرچ و اہتمام سے ہوتی ہے اور برابر نماز پنجگانہ جماعت سے اس میں ہوتی ہے اور ایک شخص بمشورہ مسلمانان محلہ اذان دن اس کا متولی ہے اور اذان دیتا ہے اور نمازیں پڑھاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ مسجد ہماری نانی کی بنوائی ہوئی ہے مگر عندالناس یہ شخص شریف النسب نہیں ہے، پس اس صورت میں اس مسجد کو مسجد کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟ اور نمازیں اس میں جائز ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد ضرور مسجد ہے اور اس میں نمازیں بے شک جائز اور بنانے والے کا شریف النسب نہ ہونا اگر ثابت بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بانی کی شرافت نسب کوئی شرط مسجد نہیں،

قال اللہ تعالٰی انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ[1] الاٰیۃ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا، مسجدیں تو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (ت)

اور جب زر حرام سے ہونا معلوم نہیں تو شبہہ وہم کو دخل دینا بے معنی ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں فتاوٰی ذخیرہ سے ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

بہ ناخذ ما لم نعرف شیئا حراما بعینہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں جب تک ہمیں کسی معین شیئ کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر فی الہدایا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

مسئلہ ۲۴۸ تا ۲۵۰ از بریلی بازار صندل خاں مسئولہ نواب نثار احمد خاں صاحب یکشنبہ ۹ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان صورتوں میں کہ،

(۱) دو شخصوں نے ایک چاہ ومسجد بخیالِ آرام وآسائش ادائے نماز اپنی کے تعمیر کرائی اور وقف نہ کی نیز دیگر مکانات بھی اس میں پہلے بنانے والے کے تھی مسجد واقع تھے اور اب بھی ہیں، بنانے والے کے ورثا ہمیشہ سے پیچھے بعد دیگرے انتظام مسجد کرتے چلے آئے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں مگر اس میں دیگر اشخاص نماز ادا کرنے لگے، اب چند اہل محلہ ان مکانات وغیرہ کو متعلق مسجد خیال کرکے اس کی آمدنی اپنی رائے سے صرف خورد برد کرنا چاہتے ہیں اور وارثان مردو اشخاص جن کے مورثوں نے مسجد و چاہ تعمیر کرا کر وقف نہ کی وہ ان کے خورد برد سے آمدنی کو باز رکھنا چاہتے ہیں پس عند الشرع ایسے شخص غیر متعلق اپنی رائے سے آمدنی مسجد صرف وخورد برد کرسکتے ہیں یا نہیں، انتظام کس کی رائے سے ہونا چاہئے اور کس کی رائے سے نہ ہونا مناسب ہے، آیا غیر شخص کی رائے یا ان مورثوں کے ورثا کے ہاتھ سے جنھوں نے مسجد وچاہ تعمیر کرایا ہے، اور اب بھی حسبِ ضرورت خرچ مسجد وامام وغیرہ وہی کرتے ہیں، صورتِ بالا میں مسجد بلا ایما بنوانے والے کے وقف بھی جائیگی یا نہیں، اور بلا ایما بنوانے والے کے یا اس کے ورثاء کے غیر اشخاص کے ادائے نماز میں کوئی سقم واقع ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی شخص امام مسجد مثلاً طالب علم یا دیگر اہل محلہ سے مسجد میں جھگڑا کرے اور تکلیف دہ برتاؤ کرے ایسی باتیں کرے جس میں کہ تمام اہل محلہ وامام مسجد ملال ہو کر مسجد میں آنا ترک کردیں تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے دیا جائے یا نہیں؟ باوجود مدد کرنے زر نقد وروٹی وغیرہ کے اس پر اور اس کے ہم خیال وغیرہ پر کیا حکم شرع ہے؟

(۳) کا شانہ ولوٹا ورسی وغیرہ سامان مسجد سوائے اپنے یا اپنے میل کے اشخاص کے کسی دوسرے شخص کو دینا پسند نہ کرے، اور اگر لیں تو جھگڑا کرے تو ایسے شخص پر کیا حکم شرع ہے؟

(۴) عام پانی بھرنے والوں کو جو چاہ مسجد میں بھریں بُرا کہے اور روکے برخلاف اپنے میل کے اشخاص کے، تو ایسے شخص پر کیا حکم شرع ہے؟

الجواب

(۱) مسجد اگر بصورت مسجد بنائی اور راستہ اس کا شارع عام تک جدا کردیا اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بلاشبہہ وہ مسجد ہوگئی، اس کا یہ کہنا کہ بانی نے وقف نہ کی قابل قبول نہیں، یونہی اگر کنواں بنا کر متعلق مسجد کردیا اس میں نماز وارثان بانی کی محتاج اجازت نہیں، ہاں اگر بہ ثبوت شرعی ثابت ہو کہ بانی نے کہا تھا یہ مسجد میں اپنے لئے بناتا ہوں وقف نہیں کرتا، یا اس کا راستہ اسی کی ملک میں ہو کر ہو

اور اس نے مسجد کے لئے راہ جدا نہ کی تو وہ مسجد نہ ہوئی اگرچہ صورت اخیرہ میں اس نے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ میں نے اس کو وقف کیا یوں اس میں نماز مسجد کا ثواب نہیں، نہ بے اجازت مالکان دوسرا پڑھ سکتا ہے، رہے دیگر املاک متصل مسجد ثبوت شرعی سے ان کا مسجد پر وقف ہونا درکار ہے بے اس کے کوئی ان میں تصرف نہیں کرسکتا وہ وارثوں کی ملک ہے ان کو اختیار ہے۔

(۲) جو شخص ناحق فتنہ اٹھاتا ہو اور اس کے سبب لوگ مسجد میں آنا ترک کردیں اسے مسجد سے روکنا جائز ہے جبکہ باعث اثارت فتنہ نہ ہو، درمختار میں ہے:

ویمنع منه کل مؤذ ولو بلسانه[1]

مسجد سے ہر موذی کو روکا جائے گا اگرچہ وہ زبانی ایذا پہنچاتا ہو (ت)

اور اگر وہ کسی امر ضروری حق کی طرف بلاتا ہو اور لوگ اپنی جہالت کے سبب اس سے ناراض ہوں تو وبال انہیں پر ہے نہ کہ اس پر۔

(۳) مال وقف پر کوئی اپنا قبضہ نہیں کرسکتا، اگر ایسا کرے اور نمازیوں کو مسجد کی اشیاء سے انتفاع نہ کرنے دے تو وہ بھی موذی اور قابل اخراج۔

(۴) کنوئیں پر سے کسی مسلمان کے روکنے کا کسی کو حق نہیں جب تک کوئی خاص وجہ شرعی نہ ہو اور جو ایسا فساد کرتا ہو بطرز مناسب اس کا انسداد واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۲: از الٰہ آباد مدرسہ سبحانیہ محمد نصیر الدین محلہ سرائے گڈھا پنجشنبہ ۲۲ شوال ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد شاہی زمانہ کی لب سڑک تھی اس میں ایک درجہ پچھم جانب گنبد دار تھا اور مسجد کے پورب و دکھن جانب دکانات ہیں جن کی چھت مسجد کے فرش صحن سے اب مسجد مذا کی از سر نو تعمیر اس طور پر کی گئی کہ پچھم کی جانب بجائے ایک درجے قائم کئے گئے اور دکانات کی بھی چھت پر عمارت بنائی گئی جس کے ہر چہار طرف بڑے بڑے دروازے جواب بنائے گئے اور مسجد کی کرسی بھی اتنی بلند کی گئی کہ دکانوں کی چھت فرش مسجد سے برابر ہوگئی صرف چھ انگشت بمقدار دوسرے دکانات کی چھت سے فرش مسجد اونچی ہے مسجد ہی کی طرف سے اس چھت پر آمدورفت ہے، رمضان المبارک کے جمعوں میں اس قدر لوگوں کی کثرت ہوتی تھی کہ لوگ مسجد میں نہیں سماتے تھے سڑک پر صف قائم کرنے کی نوبت آتی تھی۔ اس ضرورت سے مسجد دو منزلہ بنائی گئی، مسجد کے اندر کے درجہ کی چھت پر ایک درجہ گنبدی بنایا گیا

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

اور اس برابر آگے کا درجہ اور تمام صحن مع عمارت بالائے سقف دکانات پاٹ دیا گیا گویا کہ نیچے اوپر دو مسجدیں ہوگئیں نیچے کی مسجد مع صحن و اپنے حوالی کے پٹی ہوئی ہوگئی اور اوپر ایک درجہ پٹا ہوا گنبدی اور اس کے سامنے بہت بڑا صحن کھلا ہوا نکل آیا اوپر کے درجے کے سامنے جو صحن ہے وہ محاذات مسجد سے دکھن جانب بڑھا ہوا ہے کیونکہ دکانات کی چھت کی عمارت کی سقف بھی شامل کرلی گئی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اوپر کی مسجد کا جو صحن بغرض وسعت دکھن کی طرف بالائے سقف دکانات بڑھا ہوا ہے وہ مسجد ہے یا نہیں ؟

دوم یہ کہ دکانات مذکورہ کی چھت پر یا اس کے بالائے عمارت کے سقف پر معتکف جا سکتا ہے یا نہیں ؟

سوم یہ کہ اوپر کی مسجد پر صحن میں جب امام محراب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو دکھن کی جانب صف بڑھ جاتی ہے ایسی حالت میں امام کچھ ہٹ کر دکھن کی جانب کھڑا ہوتا ہے کہ دونوں جانب صف برابر رہے یا خود محراب کے سامنے کھڑا ہو اور مقتدیوں کو زائد حصہ میں دکھن کی جانب کھڑے ہونے سے روکے اور اپنے دونوں طرف صف برابر قائم کرنے کا حکم دے کیونکہ امام کے پیچھے دُور تک بہت جگہ باقی رہتی ہے، فقط

الجواب

اگر وہ دکانیں متعلق مسجد اور اسی پر وقف ہیں اور مسلمانوں نے ان کی سقف کو داخل کرلیا تو وہ سقف بھی مسجد ہوگئی،

ولا یضرّ کون الحوانیت تحته لکونھا وقفا علیه وجاز اخذ ملک الناس کرھا بالقیمة عند ضیق المسجد فکیف بما ھو وقف علیه کما فی ردالمحتار۔

مسجد کے نیچے دکانوں کا ہونا مضر نہیں کیونکہ وہ مسجد پر وقف ہیں، اگر مسجد تنگ ہو تو لوگوں کی ملکوکہ جگہ قیمت کے بدلے جبراً لے کر مسجد میں توسیع کرنا جائز ہے تو جو مسجد پر وقف ہو اس کو شامل مسجد کرنا کیونکر جائز نہ ہوگا، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے (ت)

ان دکانوں کی چھت پر اور ان کی بالائی عمارت کی سقف پر معتکف جا سکتا ہے،

لانھا کانت من بناء المسجد ولا طریق فاصل بینھا فکیف وقد صارت من المسجد۔

کیونکہ وہ عمارت مسجد ہے اور درمیان میں کوئی راستہ جدائی ڈالنے والا نہیں اور کیسے ناجائز ہوگا جبکہ وہ مسجد ہی کا حصہ ہوگیا ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰ و ۳۸۲

اگر امام محراب کے سامنے کھڑا ہو اور اپنے توسط کے لئے صف پوری نہ کرنے دے تو گناہ و ناجائز ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ[1]۔

حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو صفوں کو ملائے اللہ تعالٰی اس کو وصل عطا فرماتا ہے اور جو صفوں کو قطع کرے اللہ تعالٰی اس کو منقطع فرماتا ہے۔ (ت)

اور خود محراب کے سامنے کھڑا ہو اور صف پوری ہو کر ایک جانب بڑھ جائے تو مکروہ اور خلافِ سنت ہے

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توسطوا الامام[2]۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ امام درمیان میں ہو۔ (ت)

بلکہ یہ چاہئے کہ صف پوری کی جائے اور صف کا جہاں وسط ہو امام محراب چھوڑ کر وہاں کھڑا ہو اس بیرونی حصہ کے لئے یہی جگہ محراب ہے نص علیہ فی ردالمحتار والتعمیم فی فتاونا (ردالمحتار میں (علامہ شامی نے) اس پر نص فرمائی اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) مگر یہ معلوم رہے کہ مسجد کی چھت پر بلا ضرورت جانا منع ہے اگر تنگی کے سبب کہ نیچے کا درجہ بھر گیا اوپر نماز پڑھیں جائز ہے اور بلا ضرورت مثلاً گرمی کی وجہ سے پڑھنے کی اجازت نہیں کما نص علیہ فی الفتاوی العالمگیریۃ (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیریہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳: مسئولہ شمس الدین از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف مسجد گودام دوشنبہ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص ایک مسجد میں خلافِ تہذیب و ناشائستہ حرکات کرتے ہیں مثلاً کسی وقت اس میں لڑے، گالی گلوچ تک نوبت پہنچی اور بہت شور و شغب کیا، کسی وقت مسخرہ پن کیا، ایک نے دوسرے کا تہبند کھول دیا، بعض وقت کسی کی مقعد میں انگلی کر دی، کبھی مؤذن کی آواز پر جیسے قہقہے اڑائے۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر ایک شخص نے ناصحانہ حیثیت سے محض نصیحت اور سمجھانے کے طور پر کہا کہ بھائیو! مسجد خانۂ خدا ہے اس کے اندر تم کو یہ افعال جائز نہیں ہیں، اور غور کرو کہ مسجد کی حرمت اور تعظیم ہم پر اور تم پر اور ہر مسلمان پر ہر وقت ضروری اور فرض ہے، تو ان لوگوں نے اس کی بات کو نصیحت اور خیر خواہی دیکھ کر تعصب اور نفسانیت تصور کرکے خلافِ منشاء ناصح کے جواب دیا، اس پر ناصح مذکور نے کہا کہ

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

[2] " " باب مقام الامام من الصف " ۱/۹۹

السنن الکبرٰی " " " " دار صادر بیروت ۳/۱۰۴

مسجد نماز اور ذکر خدا کے لئے بنائی گئی ہے بیہودہ باتوں کے لئے نہیں ہے۔ مسخرہ پن کرنا چاہتے ہو تو دوسری مسجد تلاش کرو۔ اس بات پر اڑ گئے کہ تم نے مسجد پر مالکانہ دعوی کیا اور ہم کو مسجد سے نکال دیا اور اب دوسری مسجد بنانا چاہتے ہیں اور مسجد اول کی ویرانی اور جماعت کم ہو جانے کا کچھ خیال نہیں کرتے، کیا باوجود تخریب مسجد اول اور تقلیل جماعت ان کو مسجد ثانی بنانا جائز ہے؟ یا دوسری مسجد ضرار کہلائے گی؟ فقط۔

الجواب

اگر یہ واقعہ اسی طرح ہے اور ان کی نیت شر ہے تو ضرور دوسری مسجد بنانے کی ان کو اجازت نہیں، بوجہ فساد نیت وہ مسجد حکم ضرار میں ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۵-۲۵۶: مرسلہ عبدالغنی، حاجی کریم بخش صاحب از مقام کپ ڈلیسہ علاقہ ریاست پالن پور، ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ

حضرات علمائے دین کی خدمت میں مسائل شرعی دریافت طلب پیش ہیں۔

مسئلہ اول: قدیم جامع مسجد کو ترک کرکے دوسری مسجد کو مسجد جامع قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور قدیم جامع مسجد ترک کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کی نسبت یہ اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ میں خود بخود منہدم ہو جائے کیونکہ اس کے دو جانب برساتی نالے فراخ ہوتے جاتے ہیں اور مسلمان اس قدر مقدرت نہیں رکھتے کہ نالوں کو پاٹ کر مسجد کو محفوظ کرسکیں اور اس کے علاوہ ان نالوں کو سوائے سرکار انگریزی کے دوسرے شخص کو بند کرانے کا مجاز بھی نہیں، اور جس مسجد کو مسجد جامع قرار دینا چاہتے ہیں وہ جامع مسجد سے محکم اور فراخ بھی ہے، تو ایسی صورت میں دوسری مسجد کو جامع قرار دینا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ: کسی ایسے ہندو یا انگریز حاکم کا روپیہ جو اسلام کی طرف قلبی توجہ رکھتا ہو مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب

(۱) جائز ہے، اور اس مسجد اول کی محافظت تا حد قدرت فرض ہے۔

(۲) ایسی ضرورت کی حالت میں جیسی اوپر مذکور ہوئی کہ مسجد شہید ہو جائیگی اور مسلمانوں میں طاقت نہیں جائز ہے لان الضرورات تبیح المحظورات[1] (کیونکہ مجبوریاں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

مسئلہ ۲۵۷ از کالا کانکر ضلع پرتاب گڑھ ۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان نے ایک مسجد کی بنا ایسی جگہ ڈالی ہے جہاں کبھی مسجد نہ تھی اور وہاں کے ہندو باشندے مسجد کے بننے کو روکتے، لیکن زید مسلمان نے اپنی خوشامد سے مسجد کی بنیاد قائم کردی لیکن اسی مقام کا عمرو خود اس امر کی کوشش اہلکاروں زمینداروں سے کی اور ملازم زمیندار کو اس موقع پر لاکر ظاہر کیا کہ اس مسجد کی بنیاد میرے گھر کی طرف چھ انگل بڑھی ہوئی ہے، اس مسجد کی دیوار چھ انگل ادھر بنانی چاہئے لیکن بانی مسجد زید نے بہ خوشی سے اور خوشامد کے باعث اپنی منزل مقصود کو پہنچے اور جب عمرو مسلمان اپنے مقصد کو نہ پہنچا تو ایک ہندو کو ورغلا کر اس امر پر آمادہ کیا کہ مسجد کی دیوار تیرے مکان کی دیوار کی طرف بڑھا کر اٹھائی جارہی ہے تو روک دے ورنہ تجھ کو اس مسجد کی دیوار کی وجہ سے بڑا نقصان ہوگا لیکن زید مسلمان نے اپنی چالاکی سے بمقابلہ ہندو اور عمرو مسلمان مسجد قائم ہی کردی اور عمرو مسلمان کی کچھ نہ چلی، ایسے شخص کے ساتھ از روئے حکم خدا و رسول کیا برتاؤ کیا جائے اور اس کے یہاں کا کھانا پینا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل نے نہ بتایا کہ واقع میں زید نے چھ انگل ملک عمرو زمین میں شامل کرکے اسے مسجد کرنا چاہا ہے یا واقع میں ایسا نہیں اور عمرو کا دعوٰی جھوٹا ہے اگر فی الواقع صورت اولٰی ہے تو مسجد مسجد نہیں، اور عمرو نے جو کچھ برتاؤ برتے اس صورت میں اس پر الزام نہیں اور اگر ایسا نہیں تو بلاشبہ عمرو بدخواہ مسجد اور سخت سے سخت ظالموں میں ہے۔

قال اللہ عزوجل ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعٰی فی خرابہا اولٰئک ما کان لہم ان یدخلوہا الا خائفین لہم فی الدنیا والاٰخرۃ عذاب عظیم[1]

اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں یاد الٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو نہیں پہنچتا تھا کہ اس میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

اس حالت میں اس کے ساتھ کھانا پینا، میل جول نہ چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

مسئلہ ۲۵۵: مرسلہ محمد حسن فاروقی ضلع پورنیہ ڈاکخانہ اسلام پور بوجھا گاؤں ۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد زمانہ دراز سے قائم تھی جس کو زید نے توڑ کر جگہ سابق سے دوسری جگہ پر یعنی دس بارہ ہاتھ یا ایک رسی کے فاصلہ پر بنادی ہے اور اس مسجد کی جو لکڑی پُرانی ہوگئی تھی اس کو اپنا کھانا پکانے میں جلادی ہے تو کیا مسجد ایک جگہ سے توڑ کر دوسری جگہ بنا دینا اور اس کی لکڑی کو اپنے تصرف میں لانا درست ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ جس جگہ پر وہ مسجد پہلی قائم تھی بعد توڑ دینے مسجد کے وہ جگہ جہاں پر وہ مسجد تھی ویسا ہی خالی پڑی رہے یا کہ اگر کوئی چیز پیدا ہو تو بوئی جائے۔

الجواب

یہ فعل کہ زید نے کیا حرام محض ہے، مسجد نہ توڑی جاسکتی ہے نہ بدلی جاسکتی ہے، نہ اس کی لکڑی وغیرہ کوئی چیز اپنے صرف میں لائی جاسکتی ہے۔

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعٰی فی خرابہا اولٰئک ما کان لہم ان یدخلوہا الا خائفین لہم فی الدنیا خزی وفی الاٰخرۃ عذاب عظیم[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں یادِ الٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو نہیں پہنچتا کہ اس میں جائے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لا یجوز نقلہ ولا نقل مالہ الٰی مسجد اٰخر[2]

مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

نہ اس میں کچھ بونا یا اور کوئی تصرف کسی طرح حلال ہوسکے بلکہ زید پر فرض ہے کہ اسے بدستور پہلی طرح بنادے۔

فان الضمان فی بناء الوقف باعادتہ

عمارت وقف میں ضمان یہ ہے کہ اس کو پہلے کی طرح

---

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۷۱

کما کان بخلاف سائر الابنیۃ[1] کما فی الدر دوبارہ بنائے بخلاف دیگر عمارات کے ضمان کے وغیرہ۔ جیسا کہ درّ وغیرہ میں ہے (ت)

یہ دوسری مسجد جو اس نے بنائی اگر اپنی زمین میں بنائی اور اسے مسجد کردیا تو یہ بھی مسجد ہوگئی اس کا بھی باقی رکھنا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۹: مرسلہ سعادت خاں نابینا مسجد منڈی قصبہ جہدوپور ریاست اندور ملک مالوہ یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

مسجد کے احاطے کے اندر کے درختوں میں سے یا مسجد کی ملک کے درختوں میں سے کسی درخت کا پھل یا پھول بلا ادائے قیمت کھانا یا لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ پیڑ مسجد پر وقف ہیں تو بلا ادائے قیمت جائز نہیں ورنہ مالک کی اجازت درکار ہے اگرچہ اسی قدر کہ اس نے اسی غرض سے لگائے ہوں کہ جو مسجد میں ہو وہاں سے تمتع کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۰: مرسلہ محمد نصیر الحق امام مسجد مالدہ محلہ بی بی گاؤں ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قدیم جامع مسجد نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ میں اضافہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ایک قطعہ زمین اسی مسجد کے ملحق ایک مسلمان زمیندار کا تھا اور اس کو زمیندار نے ایک شخص کے ساتھ دائمی بندوبست کچھ خزانہ معینہ پر کردیا تھا خزانہ باقی رہنے کی وجہ سے زمیندار نے نالش کرکے اسی زمین کو نیلام کرایا، اس کو ایک مسلمان نے خرید لیا اور پھر اس خریدار نے ایک حصہ اس زمین کا وقف کرکے مسجد کے ساتھ ملحق کردیا، کیا وہ حصہ ملحقہ مسجد کے حکم میں ہوا یا نہیں؟ یہاں کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوا حالانکہ خریدار اس زمین پر ہر قسم کے تصرف کرنے کا مجاز ہے، زمیندار کو بجز زرخزانہ معینہ کے نہ تو حق انتزاع رکھتا ہے نہ اپنی حقیت زمینداری کے باعث اس زمین پر کسی قسم کا تصرف کرسکتا ہے، اگر زمیندار اسی قطعہ زمین میں مسجد یا کنواں یا مسافرخانہ بلا مرضی خریدار کے بنانا چاہے تو بالکل نہیں بنا سکتا اور خریدار کو یہ سارے حقوق حاصل ہیں، ایسی صورت میں جو حکم شرع شریف ہو بحوالہ کتب وعبارت تحریر کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں وہ وقف صحیح اور وہ قطعہ مسجد ہوگیا۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹
ردالمحتار کتاب الغصب مطبوعہ بیروت ۵/ ۱۱۵

الصحیح الصحة ای اذا کانت الارض محتکرة کما علمت، وعن ھذا قال فی انفع الوسائل انہ لو بنی فی الارض الموقوفة المستاجرة مسجدا انہ یجوز، قال واذا جاز فعلی من یکون حکرہ، والظاھر انہ یکون علی المستاجر مادامت المدة باقیة، فاذا انقضت ینبغی ان یکون من بیت مال الخراج واخواتہ ومصالح المسلمین[۱] اھ فاذا کان ھذا فی ارض مستاجرة وما جعل مسجدا غیر بناء مجرد فما ظنک بارض مشتراة وقد جعلت ھی مسجدا فالحکر اذا لم یمنع ثم فیھما بالاولٰی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

صحیح تر صحت ہی ہے جبکہ زمین محتکرہ ہو (یعنی وہ زمین موقوف جس کی اجرت بطور ماہانہ یا سالانہ مقرر ہوگئی ہو) جیسا کہ تو جان چکا ہے اسی بنیاد پر انفع المسائل میں فرمایا کہ اگر اجرت پر لی ہوئی زمین موقوف میں کسی نے مسجد بنادی تو جائز ہے اور جب جائز ہوگئی تو حکر کس پر ہوگی اور ظاہر یہ ہے کہ جب تک مدتِ اجارہ باقی ہے مستاجر پر ہوگی اور اختتام مدت کے بعد خراج وغیرہ مصالح مسلمین کے لئے بنائے ہوئے بیت المال پر ہوگی اھ تو جب یہ حکم مستاجرہ زمین کا ہے اور اس میں بنائی گئی مسجد عمارت کے علاوہ کچھ نہیں تو خریدی ہوئی زمین کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے درانحالیکہ اسے مسجد بنادیا گیا ہو تو حکر جب وہاں مانع نہیں تو یہاں بدرجہ اولٰی مانع نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۱ تا ۲۶۲: مرسلہ حافظ عبدالستار صاحب چپل بازار کانپور ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کانپور کی ایک مسجد میں پاخانہ متعلق مسجد واقع ہے اور ایک کمرہ متعلق مسجد ہے اس کی نالیاں پانی بہنے کی اور پاخانہ کی سنڈاس کی کمانے کا راستہ سرکاری گلی میں جانب پچھم ہمیشہ سے جاری تھا، میونسپل بورڈ نے جانب پچھم اور دکھن کے مکانات توسیع سڑک کے لئے لے کر راستہ بطور سڑک بنالیا اور وہ گلی جانب پچھم کی کالعدم کردی اور مسجد کے پچھم کی بقیہ زمین بعد نکالنے جگہ سڑک کے فروخت کردی، اب میونسپل بورڈ متولی مسجد کو حکم دیتا ہے کہ جس قدر جگہ جانب پچھم پاخانہ سنڈاس کمانے کو اور نالیاں جاری رکھنے کو درکار ہے جانب دکھن میونسپل بورڈ دیتا ہے، متولی مسجد سنڈاس کا رُخ دوسری طرف پھیرے اور نالیاں بھی اس طرف سے جاری رکھی جائیں، اگر متولی کے پاس روپیہ مسجد کا نہ موجود ہو تو صرف رضامندی دے دی جائے تاکہ میونسپل بورڈ اپنے صرف سے نالیاں اور سنڈاس بنادے اور کسی قسم کا حرج مسجد کا نہ ہونے پائے۔

---

[۱] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

(۱) کیا متولی شرع کے مطابق ایسی رضامندی دے سکتا ہے کہ سرکار کی طرف سے بنائی جائے۔

(۲) کیا کمیٹی کی طرف سے جو نالیاں یا سڑک اس کمانے کا دروازہ ہے اس کے بدلے جانب دکھن سرکاری زمین لے کر مسجد کی آمدنی سے متولی اس کو درست کرا سکتا ہے اگر مسجد کی آمدنی نہیں صرف کر سکتا ہے تو چندہ کرکے اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔

الجواب

صورت مذکورہ میں جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے زمین وقف میں کوئی تبدیل نہیں، صرف رُخ پھرتا ہے اور کمانے کا راستہ اور پانی کا نکاس پہلے بھی زمین وقف میں تھا اس تبدیل کا جواز جائے تامل نہیں، مگر مسجد کی آمدنی مصالح مسجد کے لئے ہوتی ہے اور یہ کام مصالح شارع عام کے لئے ہے مصلحت مسجد اس سے متعلق نہیں، لہٰذا آمدنی مسجد اس میں صرف نہیں ہوسکتی۔ چندہ کا اختیار ہے اور اس میں حرج نہیں کہ میونسپلٹی کی سڑکوں کے مصالح اس سے متعلق ہیں اپنے صرف سے بنا دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۳: مرسلہ منشی ابراہیم صاحب قصبہ گودھرہ ضلع پنچ محل مدرسہ فیض عام ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۵ھ

حضرت مولانا ومقتدانا مولوی احمد رضا خاں صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک فتوٰی تصحیح کے لئے دو سوال جواب کے لئے خدمت والا میں بھیجے تھے ان کا جواب ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ مرسلہ خطوط جناب تک پہنچے یا نہیں، صاحب تفسیر بیان القرآن نے والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا[1] کے تحت میں مسئلہ کے یہ لکھا ہے کہ بعض علماء نے کہا جو فخر وریا سے مسجد بنائی جائے اس مسجد کو مسجد کہنا نہ چاہئے ان بعض علماء پر مجھ کو کلام ہے، بعض علماء سے مراد کشاف ومدارک واحمدی وغیرہ ہیں، اور اسی بنا پر یہ جواب لکھا گیا ہے جو مرسلہ خدمت والا ہے، صاحب بیان کا اعتراض درست ہے یا نہیں؟ کیا صاحب کشاف وغیرہ کے قول پر ان کے قول کو ترجیح دی جائے گی؟ جواب کا منتظر ہوں، مرسلہ سوال وجواب میں حضور کی کیا رائے ہے تحریر فرمائیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک محلہ کی مسجد میں عرصہ پندرہ بیس سال سے ایک امام مقرر تھا بعض لوگوں نے بعض وجوہ سے اس کو برطرف کیا، بعض لوگوں کو امام قدیم کا برطرف کرنا ناگوار معلوم ہوا، ہر چند اس فریق نے یہ چاہا کہ امام قدیم کو قائم رکھا جائے، لیکن فریق اول نے جنہوں نے امام قدیم کو برطرف کیا تھا نہ مانا، بنا بریں جھگڑے نے ترقی پکڑی یہاں تک کہ فریق اول نے جھگڑے کا اندیشہ

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

کی وجہ سے مسجد کے دروازہ پر پولیس کو لا کے بٹھا دیا تاکہ کسی قسم کا فتنہ نہ ہونے پائے۔ فریق ثانی نے پولیس کے خوف کے مارے اس وقت نماز وہاں نہ پڑھی، دیگر مساجد میں پڑھی، اور بعد میں بھی وہ کچھ عرصہ تک دیگر مساجد میں پڑھتے رہے اس لئے کہ یہ فریق جدید امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے تھے، آخر کار ایک قدیم مسجد جو کہ ویران پڑی ہوئی تھی (اس میں کبھی کبھی نماز باجماعت ہوتی ہے) اور یہ مسجد اتنی بڑی تھی کہ جس میں سو سوا سو آدمی نماز پڑھ سکیں غرضیکہ مسجد مذکور کو آباد کیا اور کچھ دنوں کے بعد اس مسجد کی قدیم بناء کو گرا کر اور کچھ زمین گرد سے لے کر کچھ وسعت کے ساتھ تیار کی۔ اب اول فریق یہ کہتا ہے کہ مسجد مذکور بطلب فخر میں بنی ہے اور حسد سے بنی ہے اس وجہ سے یہ مسجد ضرار ہے۔ اور فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ یہ مسجد وقف ہے، پس کیا یہ مسجد ضرار ہو سکتی ہے؟ اور اس کی بناء کو کھود کر پھینک دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت سوال ملاحظہ ہوئی، اس مسجد کو ضرار سے علاقہ ہونے کے کیا معنی، انھوں نے مسجد کا احداث بھی تو نہ کیا بلکہ مسجد قدیم کا احیاء کیا ہے اور مسجد قدیم معاذ اللہ ویران ہو جائے حتی الوسع اس کا احیاء فرض ہے، کہاں فرض اور کہاں ضرار، اور اگر بالفرض نئی مسجد بناتے جب بھی اسے ضرار سے کوئی تعلق نہ ہوتا کہ مسجد اللہ ہی کے لئے بنائی اور نماز ہی پڑھنی مقصود ہے نہ کہ دوسری مسجد کو نقصان پہنچانا، اور جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا اس کی تحقیق ہمارے فتاوی میں ہے، جو شخص بنام مسجد کوئی عمارت تیار کرے جس سے تقرب الی اللہ مقصود نہ ہو بلکہ محض ریا و تفاخر کی نیت ہو تو وہ بیشک مسجد نہیں ہو سکتی کہ مسجد وقف ہے اور اس کا قربت مقصودہ کے لئے ہونا ضرور، اور ریا و تفاخر قربت الی اللہ نہیں بلکہ بعد عن اللہ ہیں۔ امام نسفی صاحب مدارک نے ایسی ہی مسجد کو حکم ضرار میں فرمایا ہے، اور اگر مسجد بنائی اللہ ہی کے لئے اور وہی مقصود ہے اگرچہ اس کے ساتھ ریا و تفاخر کا خیال آ گیا تو وہ ضرور مسجد ہے اگرچہ اس کے ثواب میں کمی ہو یا نہ ملے۔ صاحب بیان القرآن کا شبہ ایسی صورت پر محمول ہے والتفصیل فی فتاونا (اور تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے۔ ت)

واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ آیا مسجد کی دیواریں ہمسایوں کے ساتھ مشترک کرنا شرعاً جائز ہے (الف) نصف لاگت دیواروں کی ہمسائے لگائیں اور نصف لاگت مسجد کا خرچ ہو (ب) کل لاگت مسجد کی ہو۔ مسجد قدیمہ کی دیواروں پر ایک ہمسایہ کی شہتیریں لگی ہوئی تھی اور (الف) اور نشانات اشتراک نہ تھے (ب) اور نشانات اشتراک کے تھے۔ کہنہ مسجد کو مسجد کی لاگت پر گرایا گیا اور مسجد کے

دونوں کا ایک وہی ہمسایہ تھا جس کے گھر مسجد کی دیواروں پر تھے۔ اس نے مسجد کی لاگت سے کل دیواریں اسی طرح بنوائیں جس سے بداہۃً اشتراک معلوم ہوتا ہے یعنی اپنی طرف جالی اور الماریاں حسب مرضی خود بلا رضامندی دیگر مصلیان کے رکھوالئے، کیا یہ فعل ہمسایہ کا شرعاً جائز ہے۔ بصورت (الف) و بصورت (ب) کیا ان دیواروں پر ہمسایہ مذکور بالاخانہ بنانے تیار کرسکتا ہے اور بطور ملکیت خود ان دیواروں کو استعمال کرسکتا ہے؟ بصورت (الف) و بصورت (ب) کیا بقول ہمسایہ نصف دیوار اس کی ہے نصف دیوار کی تحتہ زمین چھوڑ کر از سرنو دیواریں واحد ملکیت مسجد بلا اشتراک تحریری چڑھانا جائز ہے یا ضروری ہے کیا ایسے مشترک دیوار والی مسجد پر "الوقف لایملک" صادق آتا ہے اور ایسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے ثواب جو مسجد میں ادا کرنے پر وارد ہوتا ہے ملتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وان المسٰجد للہ[1] مسجدیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔

مسجد ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی شش جہت میں جمیع حقوق عباد سے منزہ ہو اگر اس کے کسی حصہ میں کسی کی ملک عبد باقی ہے تو مسجد نہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:

من جعل مسجدا تحتہ سرداب او فوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزلہ عن ملکہ، فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالٰی لبقاء حق العبد متعلقابہ[2]۔

جس شخص نے مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ یا اوپر کوئی مکان ہے اور مسجد کا دروازہ اس نے بڑے راستہ کی طرف کردیا اور اس کو اپنی ملک سے الگ کردیا تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اسے بیچ دے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی کیونکہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہیں ہوئی اس سے حق عبد متعلق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وکذٰلک ان اتخذ وسط دارہ مسجدا واذن للناس بالدخول فیہ، یعنی

اگر کسی نے اپنے گھر کے درمیان میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دے دی

---

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۲۳

له ان یبیعه ویورث عنه لان المسجد مالایکون لاحد فیه حق المنع (الی ان قال) فلم یصر مسجدا ولانه ابقی الطریق لنفسه فلم یخلص لله تعالٰی[1]

تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو مذکور ہوا یعنی اُسے فروخت کرسکتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث بھی جاری ہوگی کیونکہ مسجد وہ ہوتی ہے جس سے روکنے کا حق کسی کو نہ ہو (یہاں تک کہ فرمایا) پس چونکہ اس نے راستہ اپنے لئے باقی رکھا ہے لہٰذا وہ مسجد نہ ہوئی اس لئے کہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہ ہوئی۔ (ت)

پس اگر اس مسجد کی دیواریں واقع میں مشترک ہیں ان میں کچھ حصہ عبد کا بھی ہے تو وہ مسجد سرے سے مسجد ہی نہیں، نہ اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب، وہ بانی کی ملک ایک مکان ہے جسے وہ بیچ سکتا ہے اور مرجائے تو ترکہ میں تقسیم ہوگا کما مر عن الھدایۃ (جیسا کہ ہدایہ سے گزرا۔ ت) اور اگر واقع میں مشترک نہیں اس متولی نے غاصبانہ اشتراک کر رکھا ہے تو فرض ہے کہ اسے تولیت سے خارج کردیں اور وہ نشانات جو اس نے اپنے اشتراک کی علامت بنائے ہیں سب مٹادیں اور شہتیر وغیرہ جو کچھ اس کا مسجد کی دیوار پر رکھا ہے سب گرادیں، اور جتنے برسوں رکھا رہا اتنے کا کرایہ دیوار مسجد کا اس سے وصول کریں۔ اور اب اگر کوئی عمارت دیوار مسجد پر بنانا چاہے نہ بنانے دیں اور اگر بنالی ہو بجبر حکومت فوراً منہدم کرادیں۔ درمختار میں ہے:

ولو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیة، فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد[2]

اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے۔ لیکن جب مسجد تام ہوگئی اب وہ حجرہ بنانا چاہے تو اس کو نہیں بنانے دیا جائے گا۔ اگر وہ کہے کہ شروع سے میرا ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی (تاتارخانیہ) جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کو گرانا واجب ہے اگرچہ فقط دیوار مسجد پر بنایا گیا ہو (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر لایوضع الجذع علی جدار المسجد

بحر میں ہے مسجد کی دیوار پر لکڑی نہیں رکھی جائیگی

---

[1] الہدایۃ — کتاب الوقف — المکتبۃ العربیہ کراچی — ۲/۶۲۵

[2] درمختار — " — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۳۷۹

وان کان من اوقافه اھ قلت وبه علم حکم ما یصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوعهم علی جدارہ فانه لایحل ولو دفع الاجرۃ[1]

اگرچہ وہ اوقافِ مسجد میں سے ہو اھ میں کہتا ہوں اس سے مسجد کے بعض پڑوسیوں کے اس فعل کا حکم معلوم ہوگیا جو وہ دیوارِ مسجد پر کڑیاں رکھتے ہیں کہ یہ ان کے لئے حلال نہیں اگرچہ وہ اس کی اجرت دیں۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۵: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار اسمٰعیل رضوی ۸ صفر ۱۳۳۶ھ

ایک مسجد میں قریب ایک صدی سے فرش پتھر کا بچھا ہوا تھا جس کو اب لوگوں نے نکال کر دوسرا فرش بچھایا ہے، اب اس نکلے ہوئے فرش کے پتھر کو کسی اور کام میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟ یا کوئی اور مسجد کے کسی کام میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں، اگر اس پتھر کی ضرورت کسی اور مسجد میں بھی نہ ہو اور ان کو حفاظت سے رکھنے کے لئے جگہ کی بھی تنگی ہو یا ان کو سنبھال رکھنے میں اور اخراجات ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں ان کو فروخت کرکے ان کی قیمت اسی مسجد کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

انھیں فروخت کرکے وہ قیمت خاص اسی مسجد کے خاص عمارت میں صرف کی جائے تیل بتی وغیرہ میں نہیں اور اس وقت مسجد کو عمارت کی حاجت نہ ہو تو اس کی آئندہ ضرورت کے لئے محفوظ رکھی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۶ تا ۲۷۱: از رنگون مغل اسٹریٹ پوسٹ بکس ۲۲۲ مال کمپنی مرسلہ سید فضل اللہ ولد سید غلام رسول صاحب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک قصبہ میں مثلاً تین مسجد آباد ہیں اور نماز جمعہ وعیدین مسجد جامع میں ادا ہوتی ہیں اور اس جامع مسجد میں تمام ضروری اشیاء مثلاً فرش، دری، چٹائی، جھومر، قنادیل، لیمپ وغیرہ اہل قصبہ چندہ فراہم کرکے خاص مسجد کے لئے خرید کر جمع رکھتے ہیں اور اسی قصبے کے بعض تجار دوسرے ملک سے مسجد کے لئے بھیجتے رہتے ہیں اور بھیجنے والوں کے حسبِ منشاء وہ چیز خرید کرکے مسجد میں رکھ دی جاتی ہے یا بعض وقت خاص مال مسجد سے مذکورہ بالا چیزیں خریدی جاتی ہیں اور یہ کُل چیزیں مسجد جامع ہی میں رہتی ہیں اور بوقتِ ضرورت رمضان المبارک وشب قدر وشبہائے متبرکہ میں استعمال ہوتا ہے اور فرش چٹائی وغیرہ کا عیدین میں اسی مسجد میں کام آتا ہے اور جملہ اسباب اسی جگہ پر رہتا ہے نہ کرایہ پر دینے کیلئے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۷۱

ہے کیونکہ چندہ دینے اور لینے والوں نے خاص اس جامع مسجد ہی میں اشیائے مذکورہ کے لئے چندہ دیا ہے پس جس کو جو میسر آیا بلا قید و شرط و بلا تصریح دے دیا، اب اہل قصبہ یا اور کوئی جس نے چندہ دیا ہو یا نہ دیا ہو خود اپنے کسی کام یا کسی تقریب میں مثلاً وعظ و مولود یا شادی وغیرہ میں مسجد کی کوئی شے مثل بتی، لیمپ، فرش، دری، چٹائی وغیرہ اپنے کام میں برتنے کے لئے کرایہ سے یا بے کرایہ سے لے جائے تو یہ مسجد کی چیزوں کا دوسری جگہ میں استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس قصبہ میں ۲۵ سال قبل عید اضحیٰ عیدگاہ میں ہوا کرتی تھی اس وقت تمام فرش و منبر وغیرہ تمام حاجت کی چیزیں ریاست بھوپال سے نواب صاحب کی طرف سے آیا کرتی تھیں اور اختتام نماز پر وہ کل چیزیں واپس ہمراہ لے جایا کرتے، امسال جدید عیدگاہ قائم ہو جانے سے عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھی اور جامع مسجد کی چٹائی وغیرہ لا کر بچھائی گئی، بعد نماز ختم جو چیز یہاں کی تھی وہاں بلا نقص پہنچا دی گئی تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسجد کے متصل مسجد ہی کی زمین ہے اس میں کوئی آدمی خود فائدہ اٹھانے کی غرض سے درخت لگائے اور جب وہ بڑے ہوں اور پھل پھول سے بار آور ہوں تو اس وقت یہ درخت زمین کے اعتبار سے مسجد کی ملکیت میں [illegible] داخل ہوں گے یا لگانے والے کے یا مسجد کا، وہ مسجد کی زمین میں اس طرح درخت لگا دینے کا مجاز کوئی حاصل ہے؟

(۴) مسجد کے متصل مسجد کا بوسیدہ مکان یا حجرہ ہے اس پر کوئی شخص کم یا زیادہ اپنا روپیہ لگا کر کوئی تعمیر کرے اور بلا کرایہ اپنے تصرف اور قبضہ میں لاوے تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اس مسجد جامع کے لئے امام ہے مگر اوقات کی پابندی سے اکثر نماز نہیں پڑھاتے کبھی وقت بے وقت آجاتے ہیں اور اکثر اور لوگ نماز پڑھا دیتے ہیں، اسی لئے امام سے مسجد کی آبادی بھی نہیں ہوتی بلکہ ان کے نہ ہونے سے مسجد کی زیادہ آبادی کی امید ہے، چونکہ دانت نہ ہونے کی وجہ سے مخارج صاف اور تلفظ سامع کی سمجھ میں نہیں آتے۔ امام صاحب غریب خود عاجز محض ہیں اور دیندار متقی بھی نہیں۔ علاوہ اس کے مسجد بھی غریب ہے اور ضروری تعمیر کی محتاج ہے اس لئے مسجد کے مال سے امام صاحب کو تنخواہ دینے پر بھی لوگ راضی نہیں مگر مجبوراً، اور رعایت امام صاحب کے بزرگوں کی قدر کی وجہ سے چوں و چرا سے عاجز ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو غریب مسجد سے تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) مسجد میں بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے جس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے، تمام بچے ننگے پیر آتے جاتے ہیں، اس صورت میں بچوں کو تعلیم دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

استعمال مذکور حرام ہے، چندہ دہندہ کرے یا کوئی، مال وقف خود واقف کو حرام ہے کہ اپنے صرف میں لائے، یہاں تک کہ اگر نفس وقف غیر اہلی میں اس نے شرط کرلی ہو کہ اپنی حیات تک میں اسے اپنے صرف میں لاسکوں گا، تو شرط باطل ہے اور تصرف حرام۔ فتاوٰی خلاصہ جلد دوم ص ۵۰۰:

رجل جعل فرسہ للسبیل على ان یمسکہ مادام حیا ان امسکہ للجہاد لہ ذلک لانہ لو لم یشترط کان لہ ذلک لان للجاعل السبیل ان یجاہد علیہ وان اراد ان ینتفع بہ غیر ذلک لم یکن لہ ذلک وصح جعلہ للسبیل[1]

ایک شخص نے اپنا گھوڑا فی سبیل اللہ وقف کیا اس شرط پر کہ جب تک وہ زندہ ہے گھوڑے کو اپنے پاس روکے رکھے گا، اگر تو اسے جہاد کے لئے روکا ہے تو جائز ہے کیونکہ اگر وہ یہ شرط نہ بھی کرتا تب بھی اسے یہ حق تھا اس لئے کہ اس گھوڑے کو فی سبیل اللہ وقف کرنے والا بھی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کرے، اور اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ جہاد کے علاوہ کوئی اور نفع حاصل کرے گا تو اس کو یہ اختیار نہیں، تاہم گھوڑے کو فی سبیل اللہ وقف کرنا صحیح ہوگیا۔ (ت)

بتی کا کرایہ پر دینا تو مطلقاً حرام ہے اگرچہ بتی وقف کی ہو خواہ اپنی ملک ہو۔ شرع مطہر نے عقد اجارہ اس لئے رکھا ہے کہ شئی باقی رہے اور مستاجر اس کو بعد ختم اجارہ پر واپس دے، نہ اس لئے کہ خود اس شئی کو خرچ و فنا کرے، اور ظاہر ہے کہ بتی جب کام میں لائی جائے گی خود اس کے اجزا فنا ہوں گے، ایسا اجارہ حرام و باطل ہے۔ فتاوٰی خیریہ علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار رحمہما اللہ تعالٰی سے جلد دوم ص ۱۰۶:

الاجارۃ المذکورۃ باطلۃ غیر منعقدۃ لما صرح بہ علماؤنا قاطبۃ من ان الاجارۃ اذا وقعت على استہلاک الاعیان قصدا لا تنعقد ولا تفید شیئا من احکام الاجارۃ[2]

اجارہ مذکورہ باطل ہے منعقد نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اجارہ جب قصداً اصل کے اتلاف پر واقع ہو منعقد نہیں ہوتا اور نہ ہی احکام اجارہ میں سے کسی حکم کا فائدہ دیتا ہے (ت)

باقی چیزیں مثلاً لیمپ، فرش، دری، چٹائی، اور یونہی بتی بھی، اگر اس سے مراد خالی شمعدان ہو اگرچہ

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث فی مصرف الوقف مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۲۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۶

اپنی ذات میں قابلِ اجارہ ہیں، مملوک ہوں تو مالک اجارہ پر دے سکتا ہے کرایہ پر دینے کے لئے وقف ہوں تو متولی دے سکتا ہے مگر وہ جو مسجد پر اس کے استعمال میں آنے کے لئے وقف ہیں انہیں کرایہ پر دینا لینا حرام کہ جو چیز جس غرض کے لئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا ناجائز ہے اگرچہ وہ غرض بھی وقف ہی کے فائدہ کی ہو کہ شرطِ واقف مثل نصِ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجب الاتباع ہے۔ درمختار کتاب الوقف،

مع قولهم شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به[1]

واقف کی شرط شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص کی طرح واجب العمل ہے (ت)

ولہذا خلاصہ میں تحریر فرمایا کہ جو گھوڑا قتالِ مخالفین کے لئے وقف ہوا ہے اسے کرایہ پر چلانا ممنوع و ناجائز ہے، ہاں اگر مسجد کو حاجت ہو مثلاً مرمت کی ضرورت ہے اور روپیہ نہیں تو بمجبوری اس کا مال اسباب اتنے دنوں کرایہ پر دے سکتے ہیں جس میں وہ ضرورت رفع ہو جائے، جب ضرورت نہ رہے پھر ناجائز ہو جائے گا۔ خلاصہ جلد ۴ ص ۵۰۰،

ولا یؤاجر فرس السبیل الا اذا احتیج الی النفقة فیؤاجر بقدر ما ینفق وهذه المسألة دلیل علی ان المسجد اذا احتیج الی النفقة تؤاجر قطعة منه بقدر ما ینفق علیه[2]

فی سبیل اللہ وقف شدہ گھوڑا کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا ہاں اگر اس کے اخراجات کے لئے مجبوری ہو تو اتنے وقت کے لئے دیا جاسکتا ہے جس سے اخراجات پورے ہوسکیں اور یہ مسئلہ دلیل ہے اس پر کہ اگر اخراجاتِ مسجد کے سلسلہ میں حاجت ہو تو اس (اخراجاتِ ضروریہ کی فراہمی کے لئے وقف کا کوئی حصہ کچھ وقت کے لئے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے (ت)

(۲) یہ فعل ناجائز و گناہ ہے، ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں بھی عاریۃً دینا جائز نہیں، نہ کہ عیدگاہ میں کہ اتصالِ صف کے سوا اور احکام میں وہ مسجد ہی نہیں، ولہذا جنب کو اس میں جانا منع نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ جلد پنجم ص ۱۲۲،

یجوز للقیم شراء المصلیات للصلٰوۃ علیها ولا یجوز عاریتها لمسجد اٰخر[3] (ملخصا)۔

مسجد کے ناظم کو مسجد کے لئے چٹائیاں خریدنا جائز ہے تاکہ ان پر نماز پڑھی جائے اور انہیں عاریۃً دوسری مسجد کے لئے دینا جائز نہیں (ت)

---

[1] درمختار فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی اٰداب المسجد والقبلۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

درمختار علی ہامش ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ جلد اول ص ۶۰۷:

المتخذ لصلاۃ جنازۃ او عید مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غیرہ بہ یفتی نہایۃ فحل دخولہ لجنب وحائض کفناء مسجد ورباط ومدرسۃ۔[1]

جنازگاہ اور عیدگاہ جوازِ اقتداء کے حکم میں مسجد ہے اگرچہ صفوں میں فاصلہ ہو یہ حکم لوگوں کی سہولت کے لئے ہے دیگر احکام میں وہ مثل مسجد نہیں، اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے نہایہ لہٰذا اس میں جنبی شخص اور حیض و نفاس والی عورتوں کا داخل ہونا حلال ہے جیسا کہ فنائے مسجد، خانقاہ اور مدرسہ کا حکم ہے۔ (ت)

(۳) مسجد کی زمین میں اپنے لئے درخت لگانا حرام ہے کہ وقف میں تصرف مالکانہ ہے، والوقف لا یملک، پھر اگر یہ مال اس نے مسجد کے مال سے لگایا تو مسجد کا ہے اور اپنے مال سے لگایا اور یہ متولی ہے تو مسجد کا ہے مگر یہ کہ لگاتے وقت لوگوں کو گواہ کرلیا ہو کہ یہ میں اپنے لئے لگاتا ہوں، اور اگر غیر متولی ہے تو خود اس کا ہے مگر یہ کہ اقرار کرے کہ میں نے مسجد کے لئے لگایا، اب جس صورت میں پیڑ لگانے والے کا ٹھہرے اگر اس کے اکھیڑنے میں زمین وقف کا نقصان نہیں جڑ اکھڑوا دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لیس لعرق ظالم حق[2] (رگِ ظالم کا کوئی حق نہیں۔ ت) اور اگر اس میں زمین وقف کا ضرر ہو تو درخت مسجد کی ملک کرلیا جائے گا اور اندازہ کریں گے کہ اس وقت اس درخت کی قیمت زیادہ ہے اکھیڑ کر بیچنے میں کم ہوجائے گی یا جدا کرکے بیچنے میں دام زیادہ اٹھیں گے اس وقت قیمت کم آئیگی دونوں حالتوں میں جس صورت پر کم قیمت اُٹھے وہ کم قیمت مسجد کے مال سے لگانے والے کو دی جائے گی۔ فتاوٰی خلاصہ جلد ۲ ص ۵۵۰:

فی الحاوی سئل ابو القاسم عمن غرس فی الوقف من مالہ ومات قال ان غرس من غلۃ الوقف فھو للوقف وان لم یذکر شیئا وان غرس من مالہ ان ذکر انہ غرس للوقف فھو

حاوی میں ہے کہ ابوالقاسم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنے مال سے وقف زمین میں درخت بوئے اور پھر مرگیا تو ابوالقاسم نے فرمایا کہ اگر وقف کی آمدنی سے بوئے ہیں تب تو وقف کے لئے ہیں، اگرچہ کسی شئی کا ذکر نہ کیا ہو اور اگر اپنے مال سے

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ باب من احیا ارضا مواتا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۱۲

سنن ابو داؤد کتاب الخراج باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۸۱

به وان لم یذکر شیئا فھو منه میراث[1]

ہوئے اور ذکر کیا کہ یہ وقف کیلئے ہے تو وقف کیلئے ہیں اور اگر کسی شے کا ذکر نہیں کیا تو وہ اس کی میراث ہے۔ (ت)

ایضاً جلد مذکور ص ۴۲۳ :

المتولی اذا بنی فی عرصة الوقف ان کان من مال الوقف یکون للوقف وکذا اذا بنی من مال نفسه لکن بنی للوقف فان بنی لنفسه ان اشھد کان له ذلك وان بنی ولم یذکر شیئا کان للوقف بخلاف الاجنبی[2]

متولی نے مال وقف سے جب وقف زمین کے میدان میں عمارت بنا دی تو وہ وقف کے لئے ہوگی یونہی اگر اس نے اپنے مال سے وقف کیلئے عمارت بنائی تب بھی وقف کے لئے ہوگی اور اگر اپنی ذات کے لئے بنائی اور اس پر گواہ قائم کرلئے تو یہ عمارت اس کی ذات کے لئے ہوگی، اور اگر عمارت بنائی مگر کسی شے کا ذکر نہ کیا تو عمارت وقف کے لئے ہوگی بخلاف اجنبی شخص کے۔ (ت)

عقود الدریہ جلد اول ص ۱۹۵ :

حیث کان غرسه وھو العنک لنفسه بلا اذن الناظر فللناظر علی الوقف تحییمه قلعه ان لم یضر وان اضر یتملکه الناظر باقل القیمتین للوقف مقلوعا و غیر مقلوع بمال الوقف[3]

اگر [illegible] نے اپنی ذات کے لئے بغیر اذن متولی درخت لگائے تو متولی کو اختیار ہے کہ وہ اسے اکھاڑنے پر مجبور کرے جبکہ وقف کو ضرر نہ ہو اور اگر اکھاڑنا وقف کے لئے ضرر رساں ہے تو متولی دو قیمتوں میں اقل قیمت کے بدلے مال وقف سے وقف کیلئے ان درختوں کا مالک بن جائے گا، دو قیمتوں سے مراد زمین میں لگے ہوئے درختوں کی قیمت اور اکھاڑے ہوئے درختوں کی قیمت ہے۔ (ت)

(۴) حرام ہے، اور جتنے دنوں اس نے اپنے تصرف میں رکھا اتنے دنوں کا کرایہ جو حصہ وقف کا نرخ بازار سے ہوا اتنا تاوان اس پر لازم ہوگا کہ وقف کے لئے ادا کرے اور اپنا وہ ملبہ کہ جو کچھ اس نے بنایا اگر وہ کوئی مالیت نہیں رکھتا وہ وقف کا مفت قرار پائے گا۔ اور اگر مالیت ہے تو وہی حکم ہے کہ اگر اس کا

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۹
[2] ″ ″ الفصل الرابع ″ ″ ″ ۴/ ۴۲۳
[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۸۹

اکھیڑنا وقف کو مضر نہیں جتنا اس نے زیادہ کیا اکھیڑ کر پھینک دیا جائے گا وہ اپنا عملہ اٹھا کر لے جائے اور اگر اس کے بنانے میں اس نے وقف کی کوئی دیوار منہدم کی تھی تو اس پر لازم ہوگا کہ اپنے صرف سے وہ دیوار ویسی ہی بنادے اور اگر ویسی نہ بن سکتی ہو، تو ٹوٹی دیوار کی قیمت ادا کرے اور اگر اکھیڑنا وقف کو مضر ہے تو نظر کریں گے کہ اگر یہ عملہ اکھیڑا جاتا تو کس قیمت کا رہ جاتا، اتنی قیمت مال مسجد سے اسے دیں گے، اگر فی الحال اس درخت یا اس عملہ کی قیمت مسجد کے پاس نہیں تو یہ یا اور کوئی زمین متعلق مسجد یا دیگر اسباب مسجد کرایہ پر چلا کر اس کرایہ سے قیمت ادا کریں گے اس کے لئے اگر برس درکار ہوں اسے تقاضے کا اختیار نہیں کہ ظلم اس کی طرف سے ہے، یہ سب اس حال میں ہے کہ وہ عمارت اس شخص کی ملک ہے یعنی متولی تھا تو بناتے وقت گواہ کر لئے تھے کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا غیر تھا تو یہ اقرار نہ کیا کہ مسجد کے لئے بناتا ہوں ورنہ وہ عمارت خود ہی ملک وقف ہے اور یہ جو ہم نے قیمت لگانے میں اکھڑے ہوئے عملہ کا لحاظ کرنا کہا اس بنا پر ہے کہ غالباً بعد انہدام عملہ کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اور اگر حالت موجودہ کی قیمت حالت ہدم سے کم ہو تو یہی کم لازم آئیگی

عقود الدریہ جلد اول ص ۱۵۶ ،

اذا ثبت کونہ وقفا وجبت الاجرۃ لہ فی تلک المدۃ لان منافع الوقف مضمونۃ علی المفتی بہ[1]

جب اس کا وقف ہونا ثابت ہوگیا تو اس کی اجرت واجب ہے کیونکہ مفتی بہ قول کے مطابق منافع وقف پر ضمان لازم ہوتا ہے (ت)

اشباہ والنظائر مع الغمز صفحہ ۳۰۰ ،

من ھدم حائط غیرہ یضمن نقصانہا ولایؤمر بعمارتہا الا فی حائط المسجد کما فی کراھۃ الخانیۃ[2]

جس نے غیر کی دیوار گرادی اس کے نقصان کا ضامن ہوگا مگر اس کی تعمیر کا حکم اس کو نہیں دیا جائے گا سوائے دیوار مسجد کے (کہ اس کی تعمیر کا حکم دیا جائیگا) جیسا کہ خانیہ میں کتاب الکراہیۃ میں ہے (ت)

ردالمحتار جلد پنجم ص ۱۶۹ ،

فی شرح البیری اما الوقف فقد قال فی الذخیرۃ اذا غصب الدار

شرح بیری میں ہے لیکن وقف تو اس کے بارے میں ذخیرہ میں فرمایا کہ اگر کسی نے وقف شدہ گھر

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الغصب ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۴

الموقوفة فهدم بناءها فان للقيم ان يضمنه قیمۃ البناء اذا لم یقدر الغاصب علی ردھا ویضمن قیمۃ البناء مبنیا، لان الغصب ورد ھکذا اھ ومقتضاہ انه اذا امکنه رد البناء کما کان وجب ولم یفصل فیه بین المسجد وغیرہ من الوقف، ولذا قال البیری فیما سبق وھذا فی غیر الوقف وفی فتاوی قاری الھدایۃ استاجر دارا وقفا فھدمھا وجعلھا طاحونا الزم بھدمه واعادته الی الصفۃ الاولی اھ فظھر ان لا فرق بین المسجد وغیرہ من الوقف بخلاف الملك اھ مختصرا[۲]

غصب کیا اور اس کی دیوار گرا دی تو ناظر وقف کو اختیار ہے کہ وہ اس کو عمارت کی قیمت کا ضامن ٹھہرائے اگر غاصب اس کی تعمیر پر قادر نہ ہو اور تعمیر شدہ عمارت کی قیمت کا ضامن ٹھہرایا جائے گا کیونکہ غصب اسی پر واقع ہوا اھ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب غاصب سابقہ حالت پر عمارت بنانے پر قادر ہو تو ایسا کرنا واجب ہے اور اس حکم میں مسجد اور دوسرے وقف میں کوئی فرق نہیں اسی واسطے بیری نے ماقبل میں کہا کہ یہ غیر وقف کا حکم ہے، فتاوی قاری الہدایہ میں ہے کہ ایک شخص نے وقفی گھر کرایہ پر لیا اور اس کو گرا کر آٹا پیسنے کی چکی بنالی تو اس پر لازم قرار دیا جائے گا کہ وہ چکی کو گرا کر مکان کو پہلی حالت پر لوٹائے اھ تو ظاہر ہوا کہ اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے وقف بصورت مسجد ہو یا غیر مسجد بخلاف ملک کے اھ اختصارا (ت)

عقود الدریہ جلد ۱ ص ۱۵۹

غصب ارض وقف وزاد فیھا زیادۃ من عند نفسه وان کانت شیئا لیس بمال ولا له حکم المال توخذ منه بلا شیئ، وان کانت مالا قائما نحو الغراس والبناء امر القاضی الغاصب برفعه وقلعه، الا اذا کان یضر بالوقف فانه یمنع عنه لو اراد ان یفعل ویضمن

کسی نے وقف کا احاطہ غصب کر کے اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ کر دیا، اگر تو وہ اضافہ مال یا حکم مال کے قبیلہ سے نہیں تو بلا عوض اس سے واپس لیا جائے گا اور اگر وہ اضافہ ایسا مال ہے جو زمین کے ساتھ قائم ہے جیسے درخت اور عمارت تو قاضی غاصب کو حکم دے گا کہ وہ اس کو اکھاڑ لے جبکہ اکھاڑنے سے وقف کو نقصان نہ پہنچتا ہو اور اگر نقصان پہنچتا ہے تو پھر اس کو اکھاڑنے سے روکا

---

[۲] رد المحتار کتاب الغصب دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۵

القیم او القاضی قیمة ذٰلک من غلة الواقف ان کانت والا یؤاجر الوقف ویؤخذ من اجرته حمادیة ومثله فی الفصولین ص ۱۲

جائیگا اگر وہ انکار نے کا ارادہ کرے، اور متولی یا قاضی اس اضافے کی قیمت کے ضامن ہوں گے اگر وقف کی کوئی آمدنی ہے تو اس سے ضمان دیں گے ورنہ وقف کو کرایہ پر دے کر اس کی اُجرت سے ضمان ادا کرینگے، حمادیہ۔ اور اسی کی مثل فصولین میں ہے (ت)

(۵) جبکہ امام التزام امامت نہیں کرتا کبھی وقت بے وقت آجاتا ہے اور حرف بھی صاف مسموع نہیں ہوتے، اور سائل کا بیان ہے کہ وہ دیندار متقی بھی نہیں تو نہ خدمت پوری کرتا ہے نہ خدمت کے مناسب ہے، ضرور مستحق معزولی ہے، بلکہ وہ امر اخیر اگر نہ بھی ہوتے تو صرف پہلی بات لئے تنخواہ مقرر لینا اور مال مسجد سے دینا دونوں کے حرام کرنے کو کافی ہے، درمختار کتاب الوقف فروع فصل نہر الفائق سے:

فیجب علیه خدمة وظیفة او ترکها لمن یعمل والا اثم[2]

اپنے وظیفہ کی خدمت کرنا اس پر واجب ہے، یا اس شخص کے لئے چھوڑ دے جو یہ خدمت کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔ (ت)

جتنی مدتوں وہ کبھی کبھی آیا اور تنخواہ پوری دی گئی حساب کرکے وقت حاضری کی تنخواہ مجرا کرنا لازم ہے، اس پر فرض ہے کہ واپس دے، اور متولی پر فرض ہے کہ واپس لے۔ فتاوی خیریہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۳:

سئل فی رجل بیده وظیفة امامة علی مسجد کل یوم بعثمانی وقد تناول جمیع المعلوم من قیم الوقف والحال انه کان ام فی بعض الاوقات دون بعض فهل لا یستحق المعلوم الا بمقدار ما باشر والباقی یرجع علیه به و یکون موفرا لجهة الوقف اجاب الذی تحصل من کلام البحر ان مقتضی کلام الخصاف انه لا یستحق الا بمقدار ما

ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے ہاتھ میں کسی مسجد کی امامت کا وظیفہ تھا بحساب ایک عثمانی (روپیہ) یومیہ، اور اس نے متولی سے تمام تنخواہ اکٹھی وصول کرلی جبکہ صورت حال یہ ہے کہ وہ بعض اوقات امامت کراتا رہا اور بعض اوقات غیر حاضر رہتا تو کیا وہ صرف انہی دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے جن میں اس نے امامت کرائی اور باقی دنوں کی تنخواہ متولی اس سے واپس لے گا اور اس طرح وہ جہت وقف کا پورا حق ادا کرنے والا ہوگا، تو جواب دیا کہ کلام بحر سے جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خصاف کے کلام کا تقاضا

---

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۰۳-۱۰۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

ما باشر، وبه صرح ابن وهبان فی المسافر للحج او صلة الرحم حیث قال لا ینعزل ولا یستحق المعلوم مدة سفره مع انها فرضان[1]

یہی ہے کہ جن دنوں کی امامت اس نے کرائی صرف انھی دنوں کی اُجرت کا مستحق ہے۔ ابن وہبان نے اس کی تصریح فرمائی حج یا صلہ رحمی کے لئے سفر میں جہاں انھوں نے فرمایا کہ وہ معزول نہ ہوگا اور مدتِ سفر کی تنخواہ کا مستحق ہوگا باوجودیکہ یہ دونوں چیزیں فرض ہیں (ت)

بلکہ انصافاً وہ متولی یا مہتمم کہ اس حالت پر اسے پوری تنخواہ دیتا رہا وہ بھی مستحق عزل ہے کہ بلا استحقاق دینے سے مال مسجد پر متعدی ہے۔

(۶) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم[2] رواه ابن ماجة عن واثلة بن الاسقع وعبد الرزاق فی مصنفه بسند امثل منه عن معاذ بن جبل رضی الله عنهما

اپنی مسجدوں کو بچوں اور مجنونوں اور آوازیں بلند کرنے سے محفوظ رکھو۔ (اس کو ابن ماجہ نے بروایت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس سے زیادہ بہتر سند کے ساتھ امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بروایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

اگر نجاست کا ظن غالب ہو تو انھیں مسجد میں آنے دینا حرام اور حالت محتمل و مشکوک ہو تو مکروہ۔ اشباہ مع الغمز صفحہ ۳۰۰ و درمختار اواخر مکروہات الصلوٰۃ:

یحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره[3]

اگر بچوں اور پاگلوں کے مسجد کو نجس کرنے کا گمان غالب ہو تو انھیں مسجد میں داخل کرنا حرام ورنہ مکروہ ہے۔ (ت)

یونہی اگر بچے بلکہ بوڑھے بھی بے تمیز نامہذب ہوں، غل مچائیں، بے حرمتی کریں، مسجد میں نہ آنے دئے جائیں۔ درمختار محل مذکور۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۸۸
[2] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵
[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

یحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء و انشاد ضالۃ وشعر الا ما فیہ ذکر ورفع صوت بذکر الا للمتفقھۃ ویمنع منہ کل موذ ولو بلسانہ[1]

مسجد میں سوال کرنا حرام اور سائل کو مسجد میں دینا مکروہ ہے، اور اسی طرح گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا۔ اور ایسے اشعار پڑھنا جن میں ذکر نہ ہو اور فقہ کی تعلیم و تعلم کے علاوہ آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اور کل ایذا دینے والے کو مسجد سے منع کیا جائیگا اگرچہ زبان سے ایذا پہنچاتا ہو۔ (ت)

اور اگر ایسے نہ ہوں تو انھیں مسجد میں غیر اوقات نماز میں پڑھانا مضائقہ نہیں رکھتا جبکہ معلم بلا تنخواہ محض لوجہ اللہ پڑھاتا ہو ورنہ ہرگز جائز نہیں اگرچہ جوان اور بوڑھے ہی پڑھیں کہ اب یہ اور پیشوں کی طرح دنیا کمانا ہے اور مسجد میں اس کی اجازت نہیں۔ فتاوی عالمگیری جلد ۵ ص ۱۲۲؛

ولو جلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبۃ والوراق یکتب لنفسہ فلا باس بہ لانہ قربۃ وان کان بالاجرۃ یکرہ الا ان یقع لہم الضرورۃ کذا فی محیط السرخسی[2]

اگر معلم مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دیتا ہے اور کاتب مسجد میں بیٹھ کر لکھتا ہے اگر تو معلم ثواب کی نیت سے ایسا کرتا ہے اور کاتب اپنے لئے لکھتا ہے نہ کہ اجرت پر تو حرج نہیں کیونکہ یہ قربت وعبادت ہے اور اگر اجرت کے لئے ہے تو بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، امام سرخسی کی محیط میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

اشباہ والنظائر صفحہ ۳۸۱؛

تکرہ الصناعۃ فیہ من خیاطۃ وکتابۃ باجر وتعلیم صبیان باجر لا بغیرہ الا لحفظ المسجد فی روایۃ[3]

مسجد میں سلائی یا کتابت کا پیشہ اجرت پر کرنا اور اجرت لے کر بچوں کو پڑھانا مکروہ ہے جبکہ بلا اجرت ہو تو حرج نہیں، ایک روایت میں ہے کہ حفاظت مسجد کیلئے بغیر اجرت پر بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ (ت)

غمز العیون ص ۳۸۱؛

---

[1] درمختار — کتاب الصلوۃ — باب ما یفسد الصلوۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۹۳-۹۴

[2] فتاوی ہندیہ — کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ — نورانی کتب خانہ پشاور — ۵/۳۲۱

[3] الاشباہ والنظائر — الفن الثالث القول فی احکام المسجد — ادارۃ القرآن کراچی — ۲/۲۳۱

فی الفتح معلم الصبیان القرآن کالکاتب ان باجر لایجوز وحسبۃ لاباس بہ انتہی،[1] وفی شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی لایجوز تعلیم الصبیان القراٰن فی المسجد للمروی جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم انتہی وھو صریح فی عدم الجواز سواء کان باجر اولا اھ اقول وبالله التوفیق ما اشرنا الیہ ان لوکانوا غیر مامونین علی المسجد لم یجز مطلقا والا جاز حسبۃ لاباجر والدلیل علیہ استدلالہ بالحدیث وقد قرنوا فیہ بالمجانین فالمراد فی الحدیث من لایعقل اولایؤمن علیہ وفی فرع التمرتاشی عبر بالصبیان خاصۃ اذ من لایعقل لایعلم، والله سبحٰنہ اعلم۔

کی تعلیم دینے والا کاتب کی طرح ہے اگر اجرت پر ہو تو ناجائز اور نیت ثواب سے ہو تو جائز ہے انتہی، تمرتاشی کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ بچوں کو مسجد میں تعلیم قرآن جائز نہیں کیونکہ مروی ہے کہ اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو انتہی، یہ عدم جواز میں صریح ہے چاہے اجرت پر ہو یا بلا اجرت اھ اقول (میں کہتا ہوں) کہ تطبیق جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا یہ ہے کہ اگر مسجد (کی طہارت واحترام) کے سلسلہ میں ان پر بھروسا نہیں تو مطلقاً ناجائز ہے ورنہ بنیت اجر و ثواب جائز اور اجرت پر ناجائز ہے، اور اس پر دلیل اس حدیث سے استدلال ہے کہ اس میں بچوں کے ساتھ پاگلوں کا ذکر ہے لہٰذا حدیث میں بچوں سے مراد وہ ہیں جو بے عقل ہوں یا ان پر (آداب مسجد کے سلسلہ میں) بھروسا نہ کیا جاسکتا ہو، فرع تمرتاشی میں بطور خاص غیر مامون (بے بھروسا) کا ذکر ہے (نہ کہ بے عقل کا)، کیونکہ جسے عقل نہیں وہ تعلیم حاصل نہیں کرسکتا۔ واللہ سبحٰنہ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۲: از قصبہ حسن پور ضلع مرادآباد تحصیل حسن پور مرسلہ اشرف علی خاں ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

ایک شخص کے سپرد مسجد کی روشنی کا اہتمام ہے اور اس کو دوسرا شخص تیل کے لئے صرف دیتا ہے اب پہلے شخص نے جس کو روپیہ صرفہ کے لئے دیا جاتا ہے اس نے روشنی میں کمی کرکے یا زیادہ صرفہ کرکے کم صرف کیا اور کچھ دام بچا کر وہ اپنے ذاتی صرفہ میں لایا اور اب وہ شخص جو اپنے صرفہ میں لایا ہے اس مقام سے چلا آیا اور دوسرے مقام پر موجود ہے اب اس کا خیال ہے کہ میں نے جو کچھ بچایا تھا اور صرف کیا وہ ادا کردوں اور میرا یہ گناہ معاف ہوجائے تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے آیا وہ اسی مسجد میں اور اسی تیل کو

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۱

روشنی کے کام دے یا وہ دوسری مسجد میں جہاں وہ اب موجود ہے وہاں پر کسی مسجد شکستہ یا قلعی وغیرہ کیلئے دے دے جس سے اس کا گناہ معاف ہو۔

الجواب

اس پر توبہ فرض ہے اور تاوان ادا کرنا فرض ہے جتنے دام اپنے صرف میں لایا تھا اگر یہ اس مسجد کا متولی تھا تو اسی مسجد کے تیل بتی میں صرف کرے دوسری مسجد میں صرف کر دینے سے بری الذمہ نہ ہوگا اور اگر متولی نہ تھا تو جس نے اسے دام دئے تھے اسے واپس کرے کہ تمہارے دئے ہوئے داموں سے اتنا خرچ ہوا اور اتنا باقی رہا تھا کہ تمہیں دیتا ہوں،

لانہ ان کان متولیا فقد تم التسلیم والا بقی علی ملک المعطی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس لئے کہ اگر وہ متولی ہے تو تسلیم تام ہوگئی ورنہ معطی کی ملک پر باقی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۳: از کانپور مدرسہ امداد العلوم محلہ بانس منڈی مرسلہ شمس الہدٰی ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت نے ایک مسجد تیار کرائی حالانکہ وہ اور اولاد سب اس کی سُود ورشوت کھاتے ہیں اور قبل ان افعال ناجائز کے وہ مفلس تھے اور ۱۰، ۱۲ آدمی جو پرہیزگار ومتقی ہیں اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ مسجد حرام کے مال سے تیار کرائی گئی لیکن بانی مسجد اور اس کے دو چار متبع کہتے ہیں کہ حلال کے مال سے بنائی گئی، بنابراں صورتوں کے چند مسلمانوں نے اتفاق ہوکر دوسرے محلہ میں ایک مسجد جدید بنائی ہے بنابریں کہ اس میں نماز نہیں ہوگی پس ان صورتوں میں کس میں نماز شرعًا ناجائز؟ اگر ناجائز تو کون سی ناجائز؟ اور کس میں شرعًا بہتر واولٰی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس بارے میں صاحبِ مال کا قول شرعًا معتبر ہے، اگر وہ کہے یہ مال مجھے وراثۃً ملا تھا یا میں نے قرض لے کر لگایا تو مانا جائے گا، اور اس سے کوئی دلیل اس پر طلب نہ کی جائے گی کما نص علیہ فی العالمگیریۃ وغیرھا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) ان دس بارہ اشخاص کا کہنا اگر صرف اس بنا پر ہے کہ ان لوگوں کے پاس مال حرام ہے تو وہی لگایا ہوگا جب تو محض بے دلیل ہے ان کے پاس صرف مال حرام کب ہے سائل سود کھانا بتاتا ہے سود بلاشبہہ حرام ہے مگر اس کیلئے اصل درکار ہے اصل نہ ہوگی تو سُود کاہے پر لے گا، سود کے حرام ہونے سے اصل کیوں حرام ہونے لگی، اور بالفرض ان کے پاس صرف مال حرام ہی ہو تو کیا یہ لوگ شہادت دیں گے کہ ان کے سامنے ان لوگوں نے

اپنا مال حرام بائعوں کو دکھایا اور ان سے کہا کہ ان روپوں کے عوض ہم کو اینٹ کڑی تختہ دے دو جب انھوں نے دی وہی زرِ حرام انھوں نے ثمن میں دے دیا اور اسی طرح کا اینٹ کڑی تختہ خریدا ہوا مسجد میں لگایا یونہی مسجد کی زمین اپنا مال حرام بائع کو دکھا کر خاص اس کے عوض خریدی اور وہی ثمن میں دیا اور ایسی خریدی ہوئی زمین کو مسجد کیا، ان سترہ اٹھارہ میں ایک بھی ایسی شہادت نہ دے سکے گا اور جب اس طرح خریداری نہ ہو تو ان کا مال حرام سہی اینٹ کڑی تختہ زمین جو کچھ خریدا حلال تھا،

كما حققه في الطريقة المحمدية والحديقة الندية بل رجح فوق ذلك قد بيناه في فتاوٰنا.

جیسا کہ طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں اس کی تحقیق (مصنف کتاب نے) فرمائی بلکہ اس کو ترجیح دی اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔ (ت)

لہٰذا اس مسجد کا آباد کرنا مسلمانوں پر لازم اور وہ دوسری مسجد جو اللہ عزوجل کے لئے بنائی وہ بھی مسجد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۳: از شہر مرسلہ حافظ چمن محلہ ذخیرہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو کے مبلغ للعہ روپیہ سود سے ایک مسلمان پر چاہئے ہیں مسلمان روپیہ دینے سے انکار کرتا ہے کیونکہ اس کے پاس روپیہ نہیں ہے وہ ضامن طلب کرتا ہے ضامن بھی نادہند ہے کچھ مسلمانوں نے اس ہندو سے کہا کہ یہ روپیہ مسجد کے نام تو اگر کر دے تو ہم وصول کرلیں گے، لہٰذا یہ روپیہ مسجد میں جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

جبکہ اس میں سُود بھی شامل ہے تو اتنا تو حرام قطعی ہے اور اگر پہلے یہ کچھ سود میں دے چکا ہو تو اتنا اصل میں مجرا ہونا لازم ہے، جتنا باقی رہا اتنا اگر وہ ہندو اپنی خوشی سے کسی مسلمان کو دے اور لے وصول کرنے کا اختیار دے تو اب وہ روپیہ اس مسلمان کا ہے اسے مسجد میں لگا دینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ کسی مسلمان کو نہ دے بلکہ یہی کہے کہ وہ وصول کرکے میری طرف سے مسجد میں لگا دو تو نہ لیا جائے۔ حدیث میں فرمایا:

انی نهيت عن زبد المشركين[1] (مجھے مشرکوں کی داد و دہش سے منع کر دیا گیا ہے۔ ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب السیر باب ما جاء فی قبول ہدایا المشرکین امین کمپنی دہلی ۱۹۱/۱

نیز فرمایا: انا لا نستعین بمشرک[1] (بیشک ہم کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰: از موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ شیخ امیر علی صاحب قادری رضوی ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کنواں سرِ راہ ہے اس سے سب قوم پانی پیتی ہے، ہندو مسلمان۔ اور مسجد بھی قریب ہے، مسجد کے خرچ میں اسی کنویں کا پانی آتا ہے، اس وقت وہ کنواں مرمت کرنے کے لائق ہے۔ اگر ہندو اس کی مرمت کرائے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب

سائل نے بیان کیا کہ وہ کنواں مسجد کا نہیں، نہ وہاں کوئی آبادی ہے، مسافر لوگ مسجد میں نماز پڑھتے، کنواں راہگیروں کے لئے ہے، ہندو اس کی مرمت کرانا چاہتا ہے کرالے، جبکہ وہ اس کی وجہ سے کوئی استحقاق اپنا ایسا نہ کرے کہ وضو غسل میں مزاحم ہو سکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۱: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ

فرق درمیان فضائل مسجد و مدارس کے کیا ہیں؟ حضور آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی کوئی مدرسہ تعمیر کیا تھا یا نہیں؟

الجواب

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی مدرسہ تعمیر نہ فرمایا، نہ صدر اول میں کوئی عمارت بنام مدرسہ بنانے کا دستور تھا، ان کی مساجد ان کی مجالس یہی مدارس ہوتی تھیں۔ ہاں تعلیم علم دین ضرور فرض ہے اسی سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوتی ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما بعثت معلما[2]	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔ (ت)
وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما	حضور اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی المشرک یسہم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹
سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸
المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعانۃ بالمشرکین ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[2] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰

انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم[1]	تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں (ت)
وقال عزوجل یعلمھم الکتٰب والحکمۃ[2]	اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ان لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (ت)

مسجد کی تعمیر واجب ہے اور مدرسہ کے نام سے کسی عمارت کا بنانا واجب نہیں، ہاں تعلیم علم دین واجب ہے۔ اور مدرسہ بنانا بدعت مستحبہ۔ تعمیر مسجد کی فضیلت بیشمار ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنٰی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ وفی روایۃ من در و یاقوت[3]	جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اس کے لئے اللہ عزوجل جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ از ویجیانگرم ضلع وزیگاپٹم مرسلہ حاجی علی محمد خان ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

یہاں کی جامع مسجد میں اندر کے طاقوں والے ستونوں پر یہ تاریخ لکھی ہے:

از حکم مہاراج عالی لقب ۔ محمد علی حاجی خوش لقب	مہاراج بلند لقب کے حکم سے اچھے لقب والے
باحداث مسجد سعی نمود ۔ کزاں مومناں راشدہ صد طرب	حاجی محمد علی نے مسجد بنانے کی کوشش کی جس سے
بتاریخ او گشت الہام حق ۔ کہ واسجد سدگاہ رب	مومنوں کو سیکڑوں خوشیاں حاصل ہوئیں۔ اس
اقترب ۔ ز لطف خداوندی وصمد ۔ محمد ابراہیم	کی تاریخ کے بارے میں حق تعالٰی کی طرف سے
خوش لقب بتعمیر مسجد چوں نمود عزم ۔ دوبارہ پئے	یوں الہام ہوا کہ واسجد بدرگاہ واقترب (پروردگار
قرب درگاہ رب ۔ پئے تاریخش آمد بگوش ۔	کی بارگاہ میں سجدہ کر اور قرب حاصل کر) زندہ
نگر حکم رب واسجد واقترب ۔	وبے نیاز خداوند قدوس کی مہربانی سے پروردگار

کا قرب حاصل کرنے کی خاطر محمد ابراہیم خوش لقب نے دوبارہ مسجد کی تعمیر کا عزم کیا تو اس کی تاریخ کیلئے یہ صدا کان میں آئی کہ نگر حکم رب واسجد واقترب (پروردگار کا یہ حکم دیکھ کہ سجدہ کر اور قریب ہوجا)۔ (ت)

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳

[2] القرآن الکریم ۲/۱۲۹

[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب من بنی للہ مسجدا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عباس دارالفکر بیروت ۱/۲۴۱

[4] المعجم الاوسط حدیث ۵۰۵۵ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/۲۸

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ پہلی مرتبہ اس مسجد کی بنا حاجی محمد علی نے یہاں کے ہندو راجہ کے حکم سے کی اور حاجی محمد علی شیعہ مذہب کا تھا، بعد میں اس مسجد کو گرا کر دوسری مرتبہ اسی جگہ پر سُنّی مسلمانوں نے چندہ کرکے پھر نئے سرے سے تعمیر کی گئی جس چندہ میں زیادہ حصہ محمد ابراہیم خوشنویس نے لیا جو شیعی مذہب کا ہے جس کا نام تاریخ میں لکھا ہے مگر اس مسجد میں شیعوں کا تصرف کسی قسم کا ہے نہ ان میں سے کوئی نماز کو آتا ہے امام و مؤذن کی تنخواہیں راجہ کے خزانہ سے ملتی ہیں جن میں سے مسجد کے چراغ بتی بھی ہوتی ہے۔ اب ان کے احکام بیان فرمائیں کہ اس مسجد میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں، یہ مسجد مسجد جامع کا حکم رکھتی ہے یا نہیں، ہندو راجہ کے پیسہ سے مسجد کے چراغ بتی کا کیا حکم ہے؟

الجواب

نماز اس میں ہوسکتی ہے تو اصلاً محل اشتباہ نہیں۔ نماز ہر پاک جگہ ہوسکتی ہے جہاں کوئی ممانعت شرعی نہ ہو اگرچہ کسی کا مکان یا افتادہ زمین ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جعلت لی الارض مسجدا وطھورا ایما رجل من امتی ادرکتہ الصلٰوۃ فلیصل۔[1]

میرے لئے زمین کو جائے نماز اور پاک کرنے والا بنایا گیا ہے لہٰذا میری امت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو اس کو وہاں ہی نماز پڑھ لینی چاہئے۔ (ت)

اور جب وہ تقریبًا سو برس سے مسجد کہلاتی، مسجد سمجھی جاتی ہے اس میں جمعہ و جماعت و اذان ہوتی ہے اس کے لئے امام و مؤذن مقرر ہیں تو اب اسے مسجد سمجھنے میں شبہہ پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہندو راجہ کے حکم سے بننا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کی مملوک زمین میں اسی کی ملک پر بنی ہے کہ مسجد نہ ہوسکے بلکہ غالب یہی ہے کہ شہر کی زمین پر جس کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا اور والیانِ ملک اس میں بطور خود تصرف کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں جو چاہتے ہیں بنواتے ہیں۔ ایسی زمین پر باجازت راجہ بنی، عامہ کی غیر مملوک زمین اللہ عزوجل کی ملک ہوتی ہے، بیت المال کی کہلاتی ہے، راجہ اس کا مالک نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عادی الارض للّٰہ ولرسولہ[2] (زمین اللہ تعالٰی اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملک ہے۔ ت)

اور رافضی کے اہتمام سے بننا بھی اس کے مسجد ہونے میں مخل نہیں، اگر اس کا رفض حد کفر تک

---

[1] صحیح البخاری کتاب التیمم ۱/ ۴۸ و کتاب الصلٰوۃ ۱/ ۶۲ قدیمی کتب خانہ کراچی

[2] السنن الکبرٰی احیاء الموات دار صادر بیروت ۶/ ۱۴۳

ذمی جب تو ظاہر، ورنہ غایت یہ کہ اس کے مسجد کرنے سے مسجد نہ ہوتی، مگر جب مسلمانوں نے اسے مسجد قرار دیا اس میں نمازیں مسجد سمجھ کر پڑھیں مسجد ہو گئی،

فان الارض ان کانت لبیت المال فجاز جعلھم ایاھا مسجدا والبناء ان کان من مال المسلمین فبھا او من مال المرتد فاذا مات علی ارتداد فصار فیئا للمسلمین او من خزانۃ الوالی فالخزانۃ لبیت المال علی ان ما کان لکافر غیر ذمی ولا مستأمن فقد حصل للمسلمین بغیر غدر ونقض عھد صار لھم علی ان بیدنا دلیلا ظاھرا یثبت بہ الوقف شرعا وھی الشھرۃ فدعوی خلافہ یردھا الاحتمال کما بیناہ فی فتاونا بتوفیق اللہ۔

زمین جبکہ بیت المال کی ہو تو مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ اسے مسجد بنادیں اور تعمیر اگر مسلمانوں کے مال سے ہو تو فبہا، یا تعمیر مرتد کے مال سے ہوئی اس کے ارتداد پر مرنے کے بعد اس کا مال مسلمانوں کے لئے فَے ہو گیا، یا والی کے خزانہ سے تعمیر ہوئی تو خزانہ بیت المال کا ہے، اس بنیاد پر غیر ذمی اور غیر مستامن کافر کا مال اگر بغیر دھوکا اور بدعہدی کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہو تو وہ انہی کا ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں ہمارے پاس جو دلیل ہے وہ ظاہر ہے جس سے شرعًا وقف ثابت ہو جاتا ہے اور وہ دلیل شہرت ہے پس اس کے خلاف دعوی کے احتمال کو رد کر دیتا ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ (ت)

یہیں سے ظاہر ہُوا کہ دوبارہ بنا میں کسی شیعی کا چندہ میں زیادہ حصہ لینا اس معنی پر ہے کہ تحصیل چندہ میں زیادہ کوشش کی جب تو ظاہر، اور اگر اسی معنی پر ہو کہ زیادہ چندہ اس نے خود اپنے مال سے دیا تو مسجدیت ثابت ہو کر قیامت تک زائل نہیں ہو سکتی،

الا تری ان لو انھدم مسجد فاعاد بناءہ کافر بمالہ لم یخرج عن المسجدیۃ وان لم یقبل بناءہ لکونہ غیر اھل الوقف علی المسجد ھذا اذا لم یکن مرتدا اما ھو فیتوقف الامر علی ان یسلم فیصح کما فی رد المحتار عن البحر

کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی مسجد گر جائے اور اس کی عمارت کسی کافر نے دوبارہ اپنے مال سے بنادی تو وہ مسجدیت سے خارج نہ ہوئی اگرچہ کافر کا مسجد کو تعمیر کرنا مقبول نہیں کیونکہ وہ مسجد پر وقف کا اہل نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ کافر غیر مرتد ہو، اور اگر مرتد ہو تو یہ معاملہ موقوف رہے گا حتی کہ وہ مسلمان ہو جائے تو صحیح ہو جائے گا جیسا کہ بحر سے ردالمحتار میں ہے۔[1]

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی وقف المرتد والکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۶۰/۳

او یموت علی ردته والعیاذ باللّٰہ فیعود فیئا للمسلمین۔

یا وہ حالتِ ارتداد پر مرجائے، اللہ تعالٰی کی پناہ، تو اب یہ مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت بن جائیگا۔ (ت)

نا مسلم کا عطیہ کہ اس کے اپنے مال سے ہو خصوصًا اپنے اسلامی کام میں نہ لانا چاہیے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

انی نھیت عن زبد المشرکین۔[1] رواہ ابوداؤد والترمذی عن عیاض بن حمار رضی اللہ تعالٰی عنہ، وھو حدیث حسن صحیح۔

بیشک مجھے مشرکوں کے عطیہ سے منع کردیا گیا ہے۔ (اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے عیاض بن حمار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

انی لا اقبل ھدیۃ مشرک۔[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔

بیشک میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ (اسے طبرانی نے کبیر میں کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

انا لا نقبل شیئا من المشرکین۔[3] رواہ احمد والحاکم عن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیشک ہم مشرکوں کی کوئی شے قبول نہیں کرتے۔ (اسے احمد اور حاکم نے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

انا لا نستعین بمشرک۔[4] رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

بیشک ہم مشرکوں سے مدد طلب نہیں کرتے۔ (اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب السیر باب ما جاء فی قبول ہدایا المشرکین امین کمپنی دہلی ۱/۱۹۰

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۰ و ۱۳۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۹/۷۰ و ۷۱

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از حکیم بن حزام دار الفکر بیروت ۳/۴۰۳

[4] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المشرک یسہم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۹

سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب فی الاستعانۃ بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸

اور حدیثیں جواز و اجازت میں بھی ہیں اور توفیق بتوفیق اللہ تعالٰی نے ہمارے فتاوٰی میں ہے، مگر یہاں ضرور وُہ خرچ خزانہ سے ملتا ہوگا نہ کہ راجہ کی جیب سے، اور خزانہ والیِ ملک کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا تو اس کے لینے میں حرج نہیں جبکہ کسی مصلحتِ شرعیہ کا خلاف نہ ہو، ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی (یہ وہ ہے جو میرے نزدیک ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ از پوکھرایرا رائے پور ضلع مظفر پور محلہ نور الحلیم شاہ شریف آباد مرسلہ شریف الرحمٰن صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۲ھ

زید سمدی عالم ہے، مالدار ہے، پانچ سات ہزار روپے کی مالیت رکھتا ہے، چندہ یعنی مانگ کر مسجد بنواتا ہے۔ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے، امورِ خیر کے لئے چندہ کرنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، مالدار پر واجب نہیں کہ ساری مسجد اپنے مال سے بنائے، امرِ خیر میں چندہ کی تو یک دلالتِ خیر ہے۔

ومن دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ۔[1] جو کارِ خیر کی راہنمائی کرے اس کو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا کارِ خیر کرنے والے کو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۰: از اجمیر شریف درگاہ مقدس مرسلہ نذیر احمد خاں صاحب رامپوری ۳ رمضان ۱۳۳۶ھ

ایک وقفی جاگیر چند منتظمان کے سپرد کی گئی جس میں ایک شاہی مسجد اور اس کی جائداد بھی شامل ہے، منتظمان وقفِ خاص نے جائداد مسجد کی کافی آمدنی کو مجموعی سرمایہ وقف میں جمع کیا اور علاوہ اس مسجد کے جس کے لئے یہ جائداد وقف تھی دوسرے ابواب وقف میں صرف کر دیا اور اس مسجد کو ویران رکھا۔ امام مؤذن نماز و اذان پنجگانہ کا انتظام کیا نہ پانی روشنی کا اہتمام، حتی کہ مسجد کی ضروری مرمت صفائی تک نہیں کرائی جاتی۔

اوّل ایک وقف کی آمدنی باوجود اس کی ضروریات موجود ہونے کے غیر آباد رکھ کر دوسرے ابواب میں صرف کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو صرف شدہ مال مسجد کو ابواب مصروف فیہا (خواہ وقفی ہی ہوں) سے واپس لے کر اس مسجد میں صرف کرانے کا مسلمانان کو حق حاصل

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب فضل اعانۃ الغازی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۳۷

ہے یا نہیں؟

دوم متظمانِ وقف اس صورت میں شرعاً کسی تعزیر وسزا کے مستوجب ہیں اور واجب العزل ہیں یا نہیں؟

الجواب

مسجد کی آمدنی دوسرے اوقاف میں صرف کرنا حرام ہے اگرچہ مسجد کو حاجت بھی نہ ہو نہ کہ بحالِ حاجت کہ حرام حرام اشد حرام ہے۔ مالِ مسجد اگر بعینہٖ موجود ہو واپس لیا جائے اگرچہ دوسرے وقف یا مسجد دیگر میں ہو اور جو صرف ہوگیا اس کا تاوان منتظمین پر لازم ہے ان سے وصول کیا جائے اور ان کا معزول کرنا واجب ہے کہ وہ غاصب وخائن ہیں اگر صورت مذکورہ واقعہ ہے۔ درمختار میں ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاخر عليه وان اختلف احدهما بان بنى رجلان مسجدين او رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما اوقافا لا يجوز له ذلك[1]

واقف وجہت وقف متحد ہو اور بعض موقوف علیہ کے مشاہرہ میں کمی واقع ہوجائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی فاضل آمدنی میں سے کچھ اس پر صرف کرے، اور اگر ان دونوں یعنی واقف وجہت میں سے کوئی ایک مختلف ہو جیسے دو شخصوں نے الگ الگ دو مسجدیں بنوائیں یا ایک ہی شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنوایا اور دونوں کے مصالح کے لئے الگ الگ اوقاف متعین کئے ہوں تو ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار حاکم کو نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

ينزع وجوبا بزازية ولو الواقف درر فغيره بالاولى غير مامون[2]۔ والله تعالى اعلم

متولی سے وجوباً وقف واپس لیا جائیگا (بزازیہ) اگرچہ خود واقف ہو (درر)، لہٰذا غیر واقف اگر متولی ہو تو بدرجہ اولٰی اس سے وقف واپس لیا جائیگا ورانحالیکہ وہ امین نہ ہو (بلکہ خائن ہو)۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰

[2] ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ۱/۳۸۳

مسئلہ ۲۵۱ مسئولہ آفتاب الدین از مدرسہ منظر اسلام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ زمین ہندو زمیندار سے مول لے کر مسجد کے لئے وقف کریں مگر وہ زمیندار مسلمانوں کے ہاتھ نہیں بیچتا ہے، تو اس صورت میں مسجد بنانے کے لئے کیا حکم ہے، آیا کہ موروثی زمین پر مسجد بنا کر نماز پڑھیں یا اپنے اپنے گھر نماز پڑھیں اور نماز جمعہ کے بابت کیا حکم ہے جب ہندو زمیندار اپنی زمین نہ بیچے ؟

الجواب

ہندو اگر بیچتا نہیں اس سے کوئی مسلمان اپنے نام ہبہ کرا لے پھر یہ مسلمان اسے مسجد کر دے، موروثی ہونے سے زمین ملک مزارعان نہیں ہوجاتی اور وقف کرنے کے لئے ملک ضرور ہے، اگر وہ ہبہ بھی نہ کرے تو گھروں میں یا جہاں مناسب ہو نماز پڑھیں اور جمعہ بھی اگر وہ جگہ شہر یا فنائے شہر ہو۔ گاؤں میں جمعہ خود ہی جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۲

ایک مسجد نہایت تنگ ہے کہ اس میں بیس آدمی سے زائد نمازی نماز نہیں پڑھ سکتے، یہاں کا زمیندار ہندو ہے وہ عرض و طول میں کشادہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے ایسی صورت میں مسجد کو بحیثیت دو منزلہ تعمیر کرکے اور نیچے اس کے دکانیں بنا کر اس کو کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کرایہ کو مسجد کے صرف میں ہونے کا خیال ہے اور مسجد کو دکانوں کے اوپر بنا سکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں اس وقت سجدہ گاہ نیچے ہے اور پھر دکانوں کے اوپر ہو اس کے واسطے جو حکم ہو مع حوالہ حدیث قوی و مستند کے دیا جائے۔

الجواب

مسجد کو دکانیں کر دینا حرام قطعی ہے، توسیع کے لئے یہ ہو سکتا ہے کہ دو منزلیں کر دی جائیں وقت ضرورت بالاخانہ پر بھی نماز ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۳ از الہ آباد سرائے گڑھا دار الطلبہ مرسلہ محمد نصیر الدین صاحب ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

سوال اوّل: ایک مسجد کے متعلق کچھ دکانیں ہیں اور مسجد کے وقفنامہ کا کچھ پتا نہیں ہے البتہ اس کی آمدنی متولی سابق اپنے و مسجد کے ضروری اخراجات میں صرف کرتے تھے ان کے زمانہ میں زیر باری بہت ہوگئی تھی تاہم رمضان المبارک کی تراویح میں قرآن شریف ختم ہونے کے بعد شیرینی منگا کر تقسیم کرتے تھے اور ان سے پیشتر جو متولی تھے وہ علاوہ ان اخراجات کے رمضان شریف میں روزانہ افطاری بھی منگا کر نمازیوں کو تقسیم کرتے تھے

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسجد کی آمدنی سے اب مٹھائی اور افطاری منگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ھو الموفق والصواب

صورت مسئولہ میں ختم کی مٹھائی اور رمضان شریف میں افطاری منگانا جائز ہے اس لئے کہ مسجد کی آمدنی کے متعلق پیشتر وقف نامہ کے شرائط کے مطابق عملدر آمد کرنا چاہئے، اور اگر وقف نامہ موجود نہ ہو تو متولیان سابق کے تعامل کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اگر تعامل کا بھی حال معلوم نہ ہو تو جو مسجد کے ضروری اخراجات شرعاً ثابت ہوں اس میں خرچ کرنا چاہئے، جیسا کہ شامی کتاب الوقف میں مذکور ہے:

وفی الخیریۃ ان کان للوقف کتاب فی دیوان القضاۃ المسمی فی عرفنا بالسجل وھو فی ایدیھم اتبع ما فیہ استحسانا اذا تنازع اھلہ فیہ، والا ینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف کانوا یعملون وان لم یعلم الحال فیہ یرجع الی القیاس الشرعی وھو ان من اثبت بالبرھان حقا حکم لہ بہ[1] اھ فقط واللہ تعالٰی اعلم کتبہ محمد عبد الکافی۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ اگر وقف کے لئے کوئی تحریر دفتر قضاۃ یعنی قاضی کے رجسٹر میں ہے جس کو ہمارے عرف میں سجل کہا جاتا ہے تو متولیان وقف میں اختلاف کی صورت میں استحساناً اس تحریر کے مندرجات کی اتباع کی جائیگی ورنہ دیکھا جائے گا کہ زمانہ سابق سے اس وقف کا حال معہود و معروف کیا چلا آرہا ہے یعنی متولیان سابق کیسے کرتے تھے اگر یہ بھی معلوم نہ ہوسکے تو پھر ہم اس قیاس شرعی کی طرف رجوع کریں گے کہ جس نے برہان سے حق ثابت کردیا اس کے لئے اس حق کا فیصلہ کردیا جائے گا اھ فقط واللہ تعالٰی اعلم، اس کو محمد عبدالکافی نے لکھا ہے۔ (ت)

سوال دوم: ایک مسجد کے سابق متولی سید تھے، وہ بہت نیک و سادہ طبیعت تھے، ان کی سادگی سے کچھ لوگوں نے مسجد کو نقصانات پہنچادئے، ان وجوں سے ان کی مسجد سے علیحدگی بھی ہوگئی، اب ان کی بے عنوانیوں کو پتھر پر کندہ کرا کے مسجد میں نصب کرانا جس سے ان کو صدمہ روحی ہوگا جائز ہے یا نہیں؟ مگر ان کا نام مذکور نہیں ہے بلکہ بجائے نام متولی سابق لکھا گیا ہے جن کو اس لقب کے ساتھ شہر کے لوگ جانتے ہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۲

الجواب

جب کہ سید صاحب کی علیحدگی ہوگئی اور ان کو مسجد سے کوئی تعلق نہ رہا تو ان کی برائیوں کا کندہ کرکے نصب کرانا نہ چاہیے اس لئے کہ جو کچھ ان سے غفلت ہوئی اس کا عوض ان کو مل چکا اب ہمیشہ کے لئے علانیہ پتھر پر ان کی بے عنوانیاں کندہ کرا کے نصب کرانا جائز نہیں بلکہ یہ غیبت میں داخل ہے، جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے،

فی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع وکما تکون الغیبۃ باللسان صریحا تکون ایضا بالفعل وبالتعریض وبالکتابۃ وبالحرکۃ وبالرمز وبغمز العین والاشارۃ بالید وکل ما یفهم منه المقصود فهو داخل فی الغیبۃ وهو حرام[1] فقط واللہ اعلم بالصواب کتبه محمد عبد الکافی۔

کتاب الحظر والاباحۃ میں بیع کے متعلق فصل کے تحت مذکور ہے کہ غیبت جس طرح صراحتاً زبان سے ہوتی ہے اسی طرح عمل، تعریض، تحریر، حرکت، رمز، آنکھ اور ہاتھ کے اشارے سے بھی ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ شے جس سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہو وہ غیبت میں داخل ہے اور غیبت حرام ہے الخ فقط واللہ اعلم بالصواب، اس کو محمد عبد الکافی نے لکھا ہے (ت)

الجواب

اللّٰهم هدایۃ الحق والصواب۔

(۱) ایک دو شخص کے کرنے سے تعامل ثابت نہیں ہوتا، اگر یہ معلوم ہو کہ قدیم سے یہ مصارف متولیان مسجد مال مسجد سے کرتے آئے اب بھی کئے جائیں گے ورنہ نہیں جبکہ اور کوئی ذریعہ ثبوت شرعی نہ ہو۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے،

اذا وجد شرط الواقف فلا سبیل الی مخالفته واذا فقد عمل بالاستفاضۃ والاستیمارات العادیۃ المستمرۃ من تقادم الزمان و

اگر واقف کی طرف سے کوئی شرط موجود ہے تو اس کی مخالفت کی کوئی سبیل نہیں اور اگر یہ مفقود ہے تو پرانے زمانے سے اب تک اس وقف کے بارے میں جو معاملات مشہورہ تسلسل و

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

فی ھذا الوقت[1] — استمرار سے چلے آرہے ہیں ان پر عمل کیا جائیگا۔ (ت)

ورنہ تمام مجہول الشرائط اوقاف ہر متولی کے استحصال و تابع افعال ہوجائیں کہ ایک کے فعل سے تعامل ثابت اور سابق سے عدم ثبوت ثبوتِ عدم نہیں۔ وھذا لایتفوہ بہ من لہ ادنٰی ترعرع من العامیۃ کما لایخفی (یہ ایسی بات ہے جو ادنٰی سوجھ بوجھ رکھنے والا ایک عام آدمی بھی نہیں کہہ سکتا جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت)

(۲) اگر ان باتوں میں ان کا قصور نہ تھا بلکہ اور لوگوں نے نقصان پہنچائے تو ان افعال کی ان کی طرف نسبت بہتان و افترا ہے اور اس کی اشاعت اشاعتِ فاحشہ ہے اور وہ حرام ہے۔

قال تعالٰی ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین اٰمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاٰخرۃ۔[2]

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک وہ لوگ جو مومنوں میں اشاعتِ فاحشہ چاہتے ہیں ان کیلئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے (ت)

اور اگر ان کا قصور تھا اور اس پر ان کی علیحدگی بھی ہوئی اور اب ان بے اعتدالیوں کا پتھر پر کندہ کرا کے نصب کرنا کوئی اہم مصلحت شرعیہ نہ رکھتا ہو تو اگرچہ اس حالت میں کہ وہ باتیں معروف و مشہور ہوچکی ہوں اہلِ شہر ان وقائع پر مطلع ہوں ان کا تحریراً نصب کرنا غیبت نہیں ہوسکتی خصوصاً منظرِ عام میں نصب کرا شتہار چھاپ کر عام تقسیم کی طرح حدِ غیبت میں اس کا آنا دشوار نہ تاحیات متولی مذکور اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ جب کہ تحریر بلقتنہ ہو ہاں بعد موت متولی اس پتھر کا معدوم کردینا ہوگا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتذکروا موتاکم الا بخیر۔[3]

اپنے مُردوں کا ذکر بھلائی کے سوا مت کرو (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانھم قد افضوا الٰی ماقدموا۔[4]

اپنے مُردوں کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ — کتاب الوقف — دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[3] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ اللعن دارالفکر بیروت ۷/ ۴۹۰ و ۴۹۱

[4] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینہٰی عن سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷

سنن النسائی ،، النہی عن ،، ،، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۷۳

بایں ہمہ جب کہ بلا مصلحت شرعیہ بے عبث ہے، اور عبث سے ویسے ہی بچنا چاہئے، ذکروہ جس سے کسی مسلمان کو تکلیف ہو اور اگر وہ افعال وقف میں خیانت واضرار تھے اور متولی کو پھر عود کی ہوس ہے اور اس کی قوت یا بعض کی حمایت سے عود کا اندیشہ ہے اور اس پتھر کا نصب کرنا مانع ہوگا غرض اس کے نصب میں اس کا ازل ہے یا اسی طرح اور کوئی مصلحت معتبرہ شرعیہ ہے تو نصب میں حرج نہیں بلکہ حاجت ہو تو اجر ہے،

نظیرھا فی الحدیث اترعون عن ذکر الفاجر کی یعرفہ الناس اذکروا الفاجر بما فیہ ویحذرہ الناس[1] واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔

اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث میں ہے کہ فاجر کا ذکر کرنے سے باز رہتے ہو تاکہ لوگ اسے پہچانتے رہیں، فاجر کے فجور اور اس کی بُری خصلتوں کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۵: از موضع سیاکہ تھانہ چوکہ تحصیل میرپور ریاست جموں مسئولہ محمد ابراہیم ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایک قطعہ اراضی جو مسجد کے قریب واقع ہے آباء واجداد سے خادم آب مسجد اس کی کاشت کرتے ہیں اور ما حصل اس کا کھاتے ہیں اور خراج اس کا ادا کر دیتے ہیں اگر خدمت مار چھوڑ دیں تو اہل دیہہ دوسرے خادم آب مسجد کو دیتے ہیں اسی طریق پر قبضہ اراضی مذکورہ کا بدلتا جاتا ہے معلوم نہیں ہوتا کہ آباؤ اجداد اہل دیہہ نے کس طرح اراضی بالا کو مقرر کیا مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی وقف کیا یا بعدہ وقف کیا ہے یا بوجہ اہمال بطور خدمت مذکور دی گئی اور ملک خود باقی، الحاصل اب موجودہ اہل دیہہ اراضی مملوکہ مشترکہ مسجد کر اس کے کسی گوشہ پر تعمیر مکان امام مسجد کرا دیں اور یہ کہیں کہ یہ اراضی مشترکہ مملوکہ ہمارے آباؤ اجداد کی ہے ہم کو اختیار ہے جو کوئی خادم آب مسجد صرف مزدوری کا مالک ہے اس کی مزدوری نقد وغیرہ سے ادا کریں، بالاتفاق تعمیر مذکور کرا دیں، آیا یہ عمارت اس قطعہ اراضی میں جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ ہمارے ہاں لوگ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے شروط اور ارکان وقف سے واقف نہیں، پس یہ اراضی بالا کس امر پر محمول ہوگی، وقف بھی جائے گی یا مملوکہ اہل دیہہ متصور ہوگی یا کسی اور طریق پر محمول ہوگی ہر ایک قید قیود مدنظر فرما کر بالتفصیل جواب باصواب سے ممتاز فرمائیں ہمارے لوگ کثر جواب ہمارے سوال دیوبندیوں سے

[1] السنن الکبرٰی کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۱۰

منگواتے ہیں چونکہ یہ فقیروں کی جانب سے بعض مسائل اعتقادی عمل میں گراں خاطر ہیں اس واسطے حضرت کو تکلیف دی گئی۔

الجواب

اگر وہ زمین بنام وقف مشہور ہو تو بلاشبہ وقف ہے کہ وقف شہرت سے ثابت ہو جاتا ہے اگرچہ پتا نہ چلے کہ کب اور کس نے وقف کیا جیسے قدیم مساجد کہ بلاشبہ وقف ہیں اگرچہ نہیں بتا سکتے کہ کس نے کب بنائیں، درمختار میں ہے:

تقبل فیه الشهادة بالشهرة[1] (ملخصاً)	وقف میں شہرت کی بنیاد پر شہادت مقبول ہے (ملخصاً)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الاسعاف عن الخانیة وتصح دعوی الوقف والشهادة به من غیر بیان الواقف[2]	اسعاف میں خانیہ سے منقول ہے وقف میں دعوٰی اور شہادت بیان واقف کے بغیر بھی صحیح ہے۔ (ت)

اور اگر بنام وقف مشہور نہ ہو نہ اور کسی ذریعہ شرعیہ سے اس کا وقف ہونا ثابت ہو اور یہ ثابت ہو کہ فلاں شخص کی ملک تھی اور یہ ثبوت گواہان عادل سے ہو تو وہ اس شخص کا ترکہ اور اس کے وارثوں کی ملک ہے جو چاہے کریں، اور اگر اس کا کچھ ثبوت نہ ہو تو جس طرح سے قدیم سے خادمان آپ کے قبضے میں چلی آتی ہے یونہی رہے گی، اہل دیہہ بلاثبوت شرعی اس پر دعوٰی ملک یا کوئی تصرف جدید نہیں کرسکتے۔ امام ثانی مذہب سیدنا ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

لیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الا بحق ثابت معروف[3]	امام کو جائز نہیں کہ بغیر حق ثابت ومعروف کے کسی کے قبضہ سے کوئی شے خارج کرے۔ (ت)

بلکہ قدیم سے اس کا یونہی چلا آنا اور کسی کا دعوٰی ملک نہ کرنا حال کے لوگوں کے دعوٰی ملک کو ناقابل سماعت کرتا ہے۔ ردالمحتار مسائل شتی میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰
[2] ردالمحتار " " " " " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۰۳
[3] کتاب الخراج فصل فی موات الارض فی الصلح والعنوۃ مطبع بولاق مصر ص ۷۰

فی الحامدیۃ عن الولوالجیۃ رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اٰخر یری الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلک لم تسمع بعد ذٰلک دعوی ولدہ فتترک علی ید المتصرف[1]

حامدیہ میں بحوالہ ولوالجیہ ہے کہ ایک شخص کچھ عرصہ ایک زمین میں تصرف کرتا رہا اور دوسرا شخص اسے زمین میں تصرف کرتے دیکھتا رہا اور اس پر دعوی نہیں کیا پھر اسی حال میں مرگیا تو اس کے بعد اس کے بیٹے کا دعوی مسموع نہ ہوگا لہٰذا وہ زمین حسب سابق متصرف کے قبضے میں رہنے دینگے۔ (ت)

اور جبکہ کسی کی ملک ثابت نہیں نہ اب دعوی ملک سنا جائے اور متعلق مسجد ہونا قطعاً معلوم کہ اسی کے خادمان آب کے تصرف میں رہتی ہے اور وہ مسجد کے لئے اس کا خراج ادا کرتے ہیں تو مسجد پر وقف ہی سمجھی جائے گی اور یہ طریقہ کہ اجرت آب میں ان کو دی جاتی ہے کہ خراج دیں اور باقی محاصل اپنی مزدوری میں لیں حرام ہے کہ اُجرت مجہولہ بلکہ معدوم وخطر میں ہے اور مسلمانوں کا کام حتی الامکان صلاح پر محمول کرنا واجب، کما نصوا علیہ قاطبۃ فی غیرما مقام (جیسا کہ علماء نے متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی۔ ت) تو یہ تعامل قدیم یوں سمجھا جائے گا کہ واقف ہی نے زمین اسی شرط پر وقف کی کہ خادمان آب مسجد اس کی کاشت کریں اور محاصل کھائیں اور خراج مسجد کو دیں تو اس طریقے کی تبدیل کسی کے اختیار میں نہیں،

فان شرط الواقف کنص الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

واقف کی شرط شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی نص کی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۶: از ریاست گوالیار محلہ چوک بازار جامع مسجد مرسلہ عبدالغفور صاحب ۲ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱۳۱۹ھ میں شہر گوالیار میں یہیں کے شرفاء اور ذی علم اور معززین حضرات کی ایک انجمن قائم ہوئی گوالیار کی جامع مسجد نہایت شکستہ حالت میں بکفالت سرکار تھی۔ اراکین انجمن نے واگذاشت کرانے کی کوشش کی، ریاست نے بکمال رعایا پروری جامع مسجد مع دکانات اراکین انجمن کے سپرد فرمادی، اراکین انجمن نے علاوہ انتظام

---

[1] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۷۳

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۹۰

جامع مسجد کے اور انتظام دینی خدمات کے بھی اپنے ذمہ لے لئے تقریباً تیس ہزار روپیہ جامع مسجد مذکور کی مرمت و تعمیر میں صرف کیا جس میں دس ہزار عطیہ ریاست ہے اراکین انجمن نے ایک امام مسمّٰی زید کو بشاہرہ مبلغ ۲۵ماہوار مقرر کیا مگر زید نے اپنے فرائض منصبی یعنی نماز وغیرہ کی پابندی نہیں کی علاوہ عدم پابندی نماز وغیرہ کے اور بہت سی بے عنوانیاں ظاہر ہوئیں جس پر اراکین انجمن نے بہت فہمائش کے بعد زید کو کئی برس کا عرصہ ہوا برخاست کردیا اور دوسرے امام صاحب کو بیس روپیہ ماہوار تنخواہ پر مقرر کیا۔

اوّل یہ ہے کہ از روئے شرع شریف ایسے امام کو جیسا کہ زید تھا اور جس کو عہدہ امامت پر اراکین انجمن نے مقرر کیا تھا برخاست کرنے کا اختیار اراکین انجمن کو تھا یا نہیں، اور ایسی صورت جب کہ کل انتظام جامع مسجد کا اراکین انجمن کے اختیار میں سترہ اٹھارہ برس سے ہے، اراکین انجمن کسی کو چاہیں امام بنا سکتے ہیں یا نہیں، زید کا خیال ہے کہ منصب امامت ایک دائمی اور موروثی عہدہ ہے اور باوجود عدم پابندی نماز اور بہت سی بے عنوانیاں کے امام کسی حال میں معزول نہیں ہوسکتا، کیا درحقیقت شرعاً منصب امامت کوئی دائمی اور موروثی عہدہ ہے زید یہ بھی کبھی کبھی کہتا ہے کہ عوام الناس سے مشورہ میری معزولی کے وقت میں نہیں لیا گیا لہٰذا میں معزول نہیں ہوا، کیا شرعاً اس کی معزولی کے لئے عوام الناس کا مشورہ ضروری تھا اور کیا بغیر عوام الناس کے مشورہ کے انجمن استحامیہ جامع مسجد جو عرصہ سے جامع مسجد کی متولی اور منتظم ہے اور جس نے بغیر مشورہ عوام الناس کے زید کو دس روپیہ ماہوار پر امام مقرر کیا تھا اس کو معزول نہیں کرسکتی۔
بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ ت)۔

الجواب

امامت میں میراث جاری نہیں ورنہ امام متوفی کے بعد آٹھویں دن اس کی روح امامت کرے، جو نماز کا پابند نہ ہو لائق امامت نہیں اسے معزول کرنا واجب ہے، اگر معزول نہ کرتے گنہگار رہتے۔
تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً۔[1]	فاسق امام کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے جبکہ لوگوں پر شرعاً اس کی توہین لازم ہے۔ (ت)

انجمن کو ایسے شخص کے معزول کرنے میں کسی سے کچھ مشورہ کی حاجت نہ تھی بلکہ بحالت مذکورہ اگر تمام عوام الناس اس کو بحال رکھنا چاہتے تو ان کا کہنا ماننا جائز نہ تھا اور معزول کرنا واجب تھا، رسول، ستد

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/۱۳۴

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی۔[1]

اللہ تعالٰی کی معصیت میں کسی کی طاعت نہیں کی جائیگی۔(ت)

زید کا یہ عذر عجیب ہے، انجمن کی کارروائی بے مشورہ عوام اس کے نزدیک صحیح ہے یا باطل! اگر صحیح ہے تو عذر کیا ہے اور اگر باطل ہے تو معزولی درکنار، اس کا تقرر ہی باطل تھا کہ وہ بھی انجمن نے بے مشورہ عوام کیا تھا اور جب تقرر باطل تھا تو جتنے دنوں مسجد کے مال سے ملتا رہا ہو اُلٹا واپس دے۔ اب کہ اگر وہ تقرر صحیح تھا تو یہ معزولی بھی کہ بوجہ شرعی ہے صحیح ہوئی، ہاں بلاوجہ شرعی مقبول نہ ہوتی۔ بحرالرائق و ردالمحتار میں ہے:

واستفید من عدم عزل الناظر بلا جنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

ناظر کو بلاجرم معزول کرنے کے صحیح نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقف میں کسی صاحب وظیفہ کو بلاجرم اور بغیر نااہلی کے معزول کرنا صحیح نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۸۷: ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سرکاری عہدہ ممبری کے ملنے کے لیے جو لوگوں کی کوشش پر موقوف ہے مسلمانوں سے کوشش کرانا چاہتا ہے کہ کوشش کنندگان سے کہتا ہے کہ تم تعمیر مسجد میں اس قدر روپیہ دوں گا بتقدیر ممبر ہوجانے کے۔ تو ہم لوگ تیار کوشش پر ہیں۔ یہ رقم جو حق الاجرت ہے مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اسے حق الاجرۃ کہنا صحیح نہیں کہ ممبر کردینا ان کا کام نہیں اور کوشش مجہول القدر ہے اور وقت معین نہ کیا تو یہ کسی طرح اجارہ جائزہ میں نہیں آسکتا، ہاں اگر یوں کرے کہ وہ ان کو مہینے پندرہ روز کے لیے بتعیین تنخواہ و تعیین وقت مثلاً تم کوشش دن کے لئے ہر روز صبح کے آٹھ بجے سے شام کے چار بجے تک

---

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری دارالفکر بیروت ۵/ ۶۶ و ۶۷
کنزالعمال بحوالہ ق۔ د۔ ن عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۱۴۸۷۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

اتنے معاوضہ پر اگرچہ وہ دس ہزار روپے ہوں نوکر رکھا پھر وقت مقررہ میں جو کام چاہے لے از انجملہ یہ کوشش تو اس صورت میں اجارہ صحیح ہوجائے گا وقد افادھذہ الحیلۃ فی الخانیۃ والخلاصۃ وغیرھما (تحقیق اس حیلہ کا افادہ خلاصہ اور خانیہ وغیرہ میں فرمایا ہے۔ت) مگر اس صورت میں وہ بات کہ برتقدیر ممبر ہوجانے کے سبب حاصل نہ ہوگی بلکہ یہ تنخواہ واجب الادا ہوگی اگرچہ ممبری نہ ملے، اور اگر یہ شرط کرلیں کہ ممبری ملنے پر یہ تنخواہ دی جائے گی تو پھر اجارہ فاسد و حرام ہوجائے گا، معہذا جب کہ یہ روپیہ ان کا حق الاجرۃ ہوگا ان کی ملک ہوگا اگر مسجد میں نہ دیں ان پر الزام نہ ہوگا۔ ایک صورت یہ ہے کہ مسجد کی کوئی اینٹ یا لوٹا یا کپڑے میں سی کر مثلاً دو ہزار کو اس کے ہاتھ متولی مسجد بیع کرے اور وہ قیمت اور چیز کسی امین کے پاس رکھ دی جائیں اور یہ لوگ کوشش کریں اگر ممبری ہوجائے امین وہ چیز ممبر کو دے دے اور وہ روپیہ مسجد میں اور اگر ممبری نہ ہو تو یہ طالب ممبری اس چیز کو کھول کر اب دیکھے اور بحکم خیار رؤیت بیع رد کردے امین وہ چیز مسجد کو دے دے اور قیمت اس شخص کو پھیر دے، اس میں یہ بھی ہوگیا کہ روپیہ برتقدیر ممبری دیا جائے گا ورنہ نہیں اور جب دیا جائے گا تو مسجد ہی کی ملک ہوگا، دوسرا اس میں تصرف نہ کرسکے گا مگر اس میں یہ خامی ہے کہ ممبری ہوجانے پر بھی اسے اختیار ہوگا کہ چیز دیکھ کر بیع رد کردے تو ممبری بھی ہوگئی اور روپیہ بھی واپس آیا۔ اور اگر یوں ہو کہ طالب ممبری کہے میں اس کے لئے منت مانتا ہوں کہ اگر ممبر ہوگیا تو دو ہزار روپے فلاں مسجد کی تعمیر میں دوں گا تو یہ بھی اس کے اختیار پر رہے گا کہ تعمیر مسجد کی نذر صحیح و لازم نہیں، بدائع و ردالمحتار میں ہے:

من شروطه ان یکون قربة مقصودة فلا یصح النذر بالوضوء والاذان وبناء الرباطات والمساجد[1]

نذر کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ قربت مقصودہ ہو لہٰذا وضوء، اذان، خانقاہوں اور مسجدوں کی تعمیر کی نذر صحیح نہیں۔(ت)

اگر وہ یوں کہے کہ ممبری ملنے پر اسی دن دو ہزار فلاں مسجد کو دوں گا نہ دوں تو دس ہزار روپے فقرائے مسلمین کو دوں اگرچہ نذرِ مسجد لازم نہ ہوئی یہ نذر تو یقیناً نذر صحیح ہے اس کے خوف سے مسجد کو دو ہزار دے گا تو یہ بھی کافی نہیں کہ یہ نذر معلق میں قسم ہے اگر مسجد کو روپیہ نہ دے تو اسے اختیار ہوگا کہ صرف قسم کا کفارہ دے دے اور بری الذمہ ہوگیا، درمختار میں ہے:

ان المعلق فیه تفصیل فان علقه

پھر نذر معلق میں تفصیل ہے، اگر اس نے نذر کو

---

[1] ردالمحتار کتاب الایمان مطلب فی احکام النذر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۶۷

بشرط یریدہ کان قدم غائب یوفی وجوبا ان وجد الشرط وان علقہ بما لم یردہ کان زنیت بفلانۃ مثلا فحنث وفی بنذرہ او کفر لیمینہ علی المذہب لانہ نذر بظاہرہ ویمین بمعناہ فیخیر ضرورۃ۔[1]

ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا غائب شخص آجائے (تو مجھ پر اتنا صدقہ لازم ہے) اس صورت میں اگر شرط پائی جائے تو نذر کو وجوبا پورا کرے گا اور اگر ایسی شرط کے ساتھ نذر کو معلق کیا جس کا وہ ارادہ نہیں رکھتا مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے زنا کروں (تو مجھ پر صدقہ لازم ہے)، پھر حانث ہُوا تو چاہے تو نذر کو پُورا کرے چاہے تو قسم کا کفارہ دے دے کیونکہ یہ ظاہراً نذر اور معناً یمین ہے لہذا اس کو از راہِ ضرورت اختیار دیا جائیگا۔ (ت)

اور اس کے بدلے یوں کہلوائیں کہ نہ دُوں تو میرا مکان اور جائداد مسجد مذکور پر وقف ہے تو یہ بھی بیکار ہے کہ وقف کسی شرط پر معلق نہیں ہوسکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

الوقف لایحتمل التعلیق بالخطر۔[2]

وقف قریب الہلاک شئی کے ساتھ معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا۔ (ت)

ہاں باندی غلام ہوتے تو یہ بندش پُوری تھی کہ بشرط عمری شدہ ایک ہفتہ کے اندر اتنا روپیہ اگر فلاں مسجد کو نہ دُوں تو میرے سب غلام و کنیز آزاد ہیں مگر یہاں باندی غلام کہاں، اور ایسی قسم طلاق کی شکنی جائز نہ کھانی جائز، اور حدیث میں ارشاد ہُوا،

ما حلف بالطلاق مومن وما استحلف بہ الامنافق۔[3]

طلاق کی قسم نہیں کھاتا مسلمان، نہ اس کی قسم لے مگر منافق۔

بالجملہ ایسی صورت کہ عمری نہ ہونے پر روپیہ نہ دینا ہو اور ہونے پر مجبوراً دینا پڑے اور وہ مسجد ہی کا حق ہو کوئی نظر نہیں آتی سوا اس کے کہ طالب عمری وہ روپیہ کسی امین کو دے دے اور اسے وکیل کردے کہ اگر عمری ہوجائے تو یہ روپیہ فلاں مسجد میں دے دینا۔ اب اگر عمری نہ ہو تو وکیل اسے روپیہ واپس دے اور ہوجائے تو فوراً وہ روپیہ متولی مسجد کو دے دے قبل اس کے کہ مؤکل اسے معزول کرسکے اس صورت میں جب وکیل وہ روپیہ مسجد کو دے چکے گا مؤکل کو اس کی واپسی کا کچھ اختیار

---

[1] درمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۴ و ۲۹۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۶۰

[3] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/۶۸۹

نہ دے گا فان الصدقۃ اذا تمت لزمت (اس لئے کہ صدقہ جب تام ہوجائے تو لازم ہوجاتا ہے۔ت) ہاں بعد مجبری وکیل ابھی روپیہ مسجد کو نہ دینے پایا کہ موکل نے منع کردیا اور اس ممانعت کی اطلاع وکیل کو ہوگئی تو وکالت سے معزول ہوجائے گا اور مسجد میں نہ دے سکے گا اور اگر اس نے منع کیا اور وکیل کو ابھی اطلاع نہ ہوئی اور روپیہ مسجد کو دے دیا تو دینا صحیح ہے اور موکل واپس نہیں کرسکتا لان الوکیل لاینعزل بالعزل مالم یعلمہ (کیونکہ وکیل معزول کردینے سے معزول نہیں ہوتا جب تک اسے علم نہ ہوجائے۔ت) لہذا بعد مجبری وکیل فوراً متولی کو دے دے، یہ سب صورتیں شرعاً مجبور رہنے کے متعلق تھیں اور اگر اطمینان ہو تو عنداللہ وہ اسنے وعدہ ہی سے کہ مجبری ہوجائے تو اتنا روپیہ فلاں مسجد کو دوں گا دینے پر مجبور ہے کہ اللہ واحد قہار سے وعدہ کرکے پھرنا بہت سخت ہے اور اس پر شدید وعید، قال تعالٰی:

فاعقبهم نفاقا فی قلوبهم الی یوم یلقونه بما اخلفوا اللّٰه ما وعدوه وبما کانوا یکذبون[1] والعیاذ باللّٰه تعالٰی۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

تو اس کے پیچھے اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ تعالٰی سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ اللہ تعالٰی کی پناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۵: از شہر علیگڑھ محلہ محمد اسمٰعیل و محمد یوسف سوداگران مرلی مسجد ۱۰ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمانہ سلف کی ایک مسجد جس کی کرسی اونچی ہے ایک محلہ میں واقع ہے اس محلہ میں متعدد آدمی نمازی ہیں اور وہ بھی ناداری کی وجہ سے مسجد کے کسی خرچ کے کفیل نہیں ہوسکتے ہیں، اس مسجد میں کنواں نہیں تھا کچھ عرصہ ہوا کہ ایک کنارے سے کنواں بنوایا گیا ہے جو زینے اور صحن کے میل میں ہے رائے یہ ہوئی کہ اس کا زینہ کنویں کی طرف کردیا جائے اور زینہ کے نیچے ایک آدھ گز زمین فرش میں سے لے لی جائے اس آدھ گز زمین میں دیوار اٹھا کر بنوادی جائے اور نیچے زینہ کے دکانیں بنوادی جائیں جن کا کرایہ مسجد کے خرچ میں صرف کیا جائے آدھ گز زمین فرش میں سے لینے کے لئے دیوار کاٹی جارہی تھی کہ بجائے مٹی کے راکھ نکل پڑی اور بجائے ایک جو حصہ صحن کا چھوڑا تھا وہ بھی آن پڑا اس طرح سے کل کرسی صحن مسجد کی آن پڑی صرف اندرونی مسجد باقی ہے، اب یہ رائے ہے کہ صحن مسجد

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

31
31

میں ایک صف کی جگہ ٹھوس کرادی جائے اور باقی صحن میں دکانات بنوادی جائیں اور ان دکانات کا کرایہ مسجد کے صرف میں لایا جائے اور ان دکانات کی چھت ہموار کرکے بیرون صف مسجد کے ساتھ جو ٹھوس ہوگی ملادی جائے۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ وجوہات مندرجہ بالا کے لحاظ سے جو دکانات کا تیار کرانا اور چھت کا ہموار کردینا اور بیرون صف سے ملادینا اس میں شرعًا تو کوئی امر مانع نہ ہوگا اور دکانات کی چھت جو ہموار ہوکر صحنِ مسجد ہوجائے گا اس میں نماز کی ادائیگی درست ہوگی اس کے متعلق جو اتفاق علماء کا ہو قطعی طور پر مفصل بتایا جائے اور شرعی مسئلہ کے موافق مشورہ موجودہ صورت میں تعمیر مسجد کا دیا جائے۔

الجواب

جو زمین مسجد ہوچکی اس کے کسی حصہ کسی جز کا غیر مسجد کردینا اگرچہ متعلقاتِ مسجد ہی سے کوئی چیز ہو حرام قطعی ہے قال اللہ تعالٰی وان المسٰجد للہ[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں۔ت) پہلے جو ایک حصہ فرش کا زینہ میں شامل کرنا چاہا تھا اس کا تغیر یہ ہوا کہ تمام فرش گر گیا اب فرش مسجد کو دکانیں کرنا چاہتے ہیں یہ حرام اور سخت حرام ہے، ان دکانوں میں بیٹھنا حرام ہوگا، ان سے کوئی چیز خریدنے کے لئے جانا حرام ہوگا، فنائے مسجد میں دکانیں کرنے کو تو علماء نے منع فرمایا نہ کہ معاذ اللہ نفس مسجد میں بزازیہ، اور درمختار میں ہے:

لایجوز ان یتخذ شیئ منہ مستغلا[2]۔

مسجد کے کسی حصہ کو کرایہ حاصل کرنے کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں۔ (ت)

مبسوط السرخسی اور عالمگیریہ میں ہے:

قیم یرید ان یبنی حوانیت فی فناء المسجد لایجوز لہ ذلک لانہ یسقط حرمۃ المسجد لان فناء المسجد لہ حکم المسجد[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کوئی متولی فنائے مسجد میں دکانیں بنانا چاہتا ہے تو اسے ایسا کرنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ حرمت مسجد کو ساقط کردیتا ہے کیونکہ فنائے مسجد کا حکم وہی ہے جو خود مسجد کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

مسئلہ ۲۸۹: از سکندرہ راؤ ضلع علیگڑھ محلہ وزخیل مرسلہ ایزد بخش ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صدود جامع مسجد میں فرش مسجد سے ملحق ایک درجہ وضوخانہ کے نام سے جس کے بیرونی دروازہ عام راہ پر اور اندرونی در جن کے فرش مسجد پر نصب ہیں اور نالی واسطے خارج ہونے پانی وضو درمیان فرش مسجد وصحن و وضوخانہ مسقف تعمیر ہے جس میں وقت بارش و دھوپ نمازی وضو کرتے ہیں اب ان کے در جو جانب فرش مسجد ہیں بند کرکے ایک ہندو وکیل کو جو پیشہ وکالت کرتا ہے واسطے کرنے وکالت کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

حرام حرام حرام بوجوہ حرام، اگرچہ مسلمان کو جائز کار دنیوی کے لئے کرایہ پر دیتے۔ عالمگیری میں ہے: لایجوز تغییر الوقف عن ہیأتہ[1] (وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۰: از پارس پور ضلع بریلی ڈاکخانہ صدر کیپ مرسلہ ستو خاں ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کالے خاں اس کی اینٹ تخمیناً قریب چار ہزار کے تھیں اس کو ایک ڈگری دار نے قرق کرایا اور بجائے چار ہزار کے ڈھائی ہزار کا تخمینہ کیا گیا، اور ان اینٹوں کو بضرورت مسجد نیلام میں خرید لیں اور خرید بنام ستو خاں کے لیں بعد خرید نیلام کے جب اس کا شمار کیا گیا تو چار ہزار ہوئیں اور آپس میں یہ مشورہ ہوگیا کہ اس کے اوپر کوئی دام نہ بڑھائے یہ واسطے مسجد کے خرید کی جائیں تو اب مسجد میں ڈھائی ہزار دینا چاہئے یا کُل دی جائیں اور اگر ڈھائی ہزار دی گئیں مسجد میں تو باقی ڈیڑھ ہزار تخمیناً بچیں تو اس کا مالک کالے خاں ہے یا مسجد کی ہوئیں؟

الجواب

جو باقی بچیں ان کا مالک تو یقیناً کالے خاں ہے اسی کو دی جائیں، اور سائل نے بیان کیا کہ یہ نیلام ڈگری دار نے کرایا اور اس کا مطالبہ پورا ابھی نہ ہوا نہ کچھ بچا اور کالے خاں کو دیا جاتا اور وہ لیتا تو وہ ڈھائی ہزار بھی مسجد میں صرف کرنی جائز نہیں، ہاں اگر کالے خاں بخوشی مسجد کو ہبہ کردے تو جائز ہے چاہے یہ ڈیڑھ ہزار بھی ہبہ کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۹۰

مسئلہ ۲۹۱ از مقام فتح گڑھ ضلع فرخ آباد مرسلہ حسین خاں گھڑی ساز سابق متولی مسجد گڑھ
۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس کے متعلق کچھ دکانات ہیں مگر بوجہ ناکارہ حالت میں ہونے کے آمدنی ضروریات مسجد کے لئے کافی نہ تھی اس لئے ایک شخص بالکل نیت سے مدت مدید تک جدوجہد کرتا رہا کہ دکانات اچھی حالت میں ہو جائیں تو بصورت اضافہ آمدنی مسجد اپنے اخراجات کی خود کفالت کر سکے اس کی سعی و حسن نیت سے یہ نتیجہ ہوا کہ مسجد کی آمدنی بجائے چار پانچ ٹکے روپیہ ماہانہ ہوگئی اور جملہ اخراجات مثل شکست و ریخت و تنخواہ پیش امام نیز بماہ صیام انتظام روزہ کشائی جو ہر روز آنہ کے حساب سے دیا ختم کلام اللہ پر تقسیم شیرینی و روشنی عرصہ دس بارہ سال سے برابر عمل میں آتی رہی لیکن چند سال سے بعض علماء جو ایک ہی دار العلم کے سوتشمہ سے سیراب ہیں اور ایک مدرسے سے تعلق رکھنے کے باعث رونق افروز بمقام ہذا ہیں اور اس مسجد سے اس وجہ سے واسطہ رکھتے ہیں کہ کچھ رقم پیش امام کے نام سے مدرسہ کے بطور امداد دی جاتی ہے اور فرائض امامت مدرسہ ہی کے کوئی نہ کوئی مولوی صاحب ہی ادا کرتے رہتے ہیں یہ حضرات آمدنی مسجد سے روزہ کشائی کرانا اور ختم قرآن پر تقسیم شیرینی و روشنی وغیرہ کرنا ناجائز بتاتے ہیں چنانچہ گزشتہ چوتھے سال ختم قرآن شریف پر حسب طریقہ قدیم تقسیم شیرینی عمل میں نہ آئی جس کی بندش کی صورت ایسے طریقے پر کی گئی تھی جو شان عالم کے خلاف کیا بلکہ ایک دنیادار کے واسطے بھی موجب شرم تھی تو اہل اسلام میں اختلاف رونما ہو کر ایک فتنہ برپا ہونے کا احتمال ہوا، اگر مولوی صاحب علیحدہ نہ کر دئے جاتے تو یقیناً تباہ کن نتائج مرتب ہوتے امسال دوسرے مولوی صاحب نے آمدنی مسجد سے روزہ کشائی ناجائز قرار دے کر مغرب کے وقت مسجد کی رونق جو بوجہ کثرت نمازیاں ہو جایا کرتی تھی اس میں اس قدر کمی پیدا کر دی جو گزشتہ سال کی تعداد چالیس و پچاس کے بجائے آج کل دس بارہ ہوتی ہے کیونکہ ایک دو روز تک پابند صوم نمک کی ڈلی و پانی سے روزہ کشائی کرتے رہے مجبوراً دیگر مساجد میں جہاں یہ اہتمام ہوتا ہے ملکدر خاطر ہو کر چلے گئے، پس کیا امورات مرقومہ بالا آمدنی مسجد سے تکمیل کو پہنچانے جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

ایضاً

مسئلہ ۲۹۲ از فتح گڑھ کیمپ ضلع فرخ آباد محلہ شکست مرسلہ محمد ایوب و محمد یعقوب سوداگران پنجابی
۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا مال موقوفہ یعنی دکانیں جن کی آمدنی مسجد کے

اخراجات کو کافی نہیں ہوسکتی تھی لہذا اخراجات کے پورا کرنے کے واسطے مسلمانانِ شہر سے چندہ وصول کرکے ایک شخص کی زیرِ نگرانی عمارت جدید بنائے سابقہ پر تیار ہوئی بفضلہ تعالٰی ان کی آمدنی اخراجات مسجد کو کافی ہوتے ہوئے قدرے پس انداز ہوتا رہا بایں سبب بعض جاہل اور ناخواندہ مہتممین نے رمضان المبارک میں ختم قرآن پاک شیرینی اور افطاری کا سامان اسی میں سے کیا اب اس مسجد کی تولیت اور اہتمام کا کام ایسے لوگوں کے سپرد ہوا جو ان سے ذی علم ہیں چنانچہ ختم قرآن پاک کی شیرینی اور افطاری کا سامان اپنے پاس سے کیا اور کر رہے ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ اس رقم کو جو پس انداز ہوتی رہی ہے اسی کو زمین افتادہ موقوفہ زیرِ مسجد میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا جائے اور اس آمدنی کو اسی میں صرف کیا جائے چنانچہ آج کل میں تعمیر شروع ہونے والی ہے امسال بوجہ اغوائے شیطانی وہ شخص جس کے زیرِ نگرانی کچھ عرصہ تک یہ مسجد رہ چکی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میری نگرانی کے زمانے میں توسیع آمدنی ہوئی ہے، لہذا مجھے حق حاصل ہے کہ ختم قرآن مجید کی شیرینی اور افطاری کا سامان اسی سے کروں، یہاں کی افطاری کی یہ صورت ہے کہ مختلف قسم کی مٹھائی اور مختلف قسم کی اشیاء نمکین جن کی تعداد دس بارہ سے کم نہیں ہوتی اس میں شرکت کرنے والے نصف روزہ دار اور نصف بے روزہ، روزہ داروں میں فیصدی پچیس صرف الحال تو پچیس غریب اس صورت میں ختم قرآن پاک کی شیرینی اور افطاری کا سامان مال موقوفہ سے اس صورت خاص میں بایں حیثیت کذائی کرسکتے ہیں یا نہیں، اور متولیان اور مہتممان سابق بعد علیحدہ ہوجانے تولیت اور اہتمام کے مال موقوفہ میں مجاز ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

دارالافتاء میں یہ سوال فریقین کی طرف سے آیا فریق اجازت خواہ ان مصارف کا آمدنی اوقاف مسجد سے ہونا ایک جگہ دس بارہ سال سے کہتا ہے دوسری جگہ طریق قدیم اور فریق منع طلب اسے محض احداث جدید اور فعل جہال کہتا ہے اور اس کے بدلے زمین موقوفہ مسجد میں مدرسہ بنا کر فاضل آمدنی مسجد اس میں صرف کرنا چاہتا ہے، یہاں حکم شرعی یہ ہے کہ اوقاف میں پہلی نظر شرط واقف پر ہے یہ زمین و دکانیں اس نے جس غرض کے لئے مسجد پر وقف کی ہوں ان میں صرف کیا جائے گا اگرچہ وہ افطاری و شیرینی و روشنی ختم ہو اور اس کے سوا دوسری غرض میں اس کا صرف کرنا حرام حرام سخت حرام اگرچہ وہ بناءِ مدرسہ وغیرہ ہو فان شرط الواقف کنص الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] (واقف کی شرط ایسے ہی واجب العمل ہے جیسے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص۔ ت) حتی کہ اگر اس نے

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۹۰

صرف تعمیر مسجد کے لئے وقف کی تو مرمت شکست وریخت کے سوا مسجد کے لوٹے چٹائی میں بھی صرف نہیں کرسکتے افطاری وغیرہ درکنار، اور اگر مسجد کے مصارف رائجہ فی المساجد کے لئے وقف ہے تو بقدر معہود و شیرینی و روشنی ختم میں صرف جائز افطاری و مدرسہ میں ناجائز۔ نہ اسے تنخواہ مدرسین وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں کہ یہ اشیاء مصارف مسجد سے نہیں ولایجوز احداث مرتبۃ فی الاوقاف فضلا عن الاجنبی البحت (جب خود واقف کے لئے کسی بھی چیز کا احداث وقف میں جائز نہیں تو محض اجنبی شخص کیلئے کیسے ہوسکتا ہے۔ ت) اور اگر اس نے ان چیزوں کی بھی صراحۃً اجازت شرائط وقف میں رکھی یا مصارف خیر کی تعمیم کردی یا یوں کہا کہ دیگر مصارف خیر حسب صوابدید متولی تو ان میں بھی مطلقاً یا حسب صوابدید متولی صرف ہوسکے گا۔ بالجملہ ہر طرح اس کے شرائط کا اتباع کیا جائے گا اور اگر شرائط معلوم نہیں تو اس کے متولیوں کا قدیم سے جو عملدرآمد رہا اس پر نظر ہوگی اگر ہمیشہ سے افطاری و شیرینی و روشنی ختم کل یا بعض میں صرف ہوتا رہا اس میں اب بھی ہوگا ورنہ اصلاً نہیں اور احداث مدرسہ بالکل ناجائز۔ فتاوٰی خیریہ وغیرہ معتمدات میں ہے:

ان کان للوقف کتاب فی دیوان القضاۃ وھو فی ایدیھم اتبع ما فیہ استحسانا والاینظر الی المعہود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف کانوا یعملون[1] (ملخصا)

اگر خود وقف کے لئے کوئی تحریر دیوان القضاۃ میں موجود ہے تو متولیوں کو اس کے مندرجات کے مطابق عمل کرنا مستحسن ہے ورنہ قدیم سے حال وقف میں متولیوں کا جو عملدرآمد چلا آرہا ہے اس پر نظر ہوگی (ملخصا)۔ (ت)

قدیم سے ہونے کے یہ معنی کہ اس کا حدوث معلوم نہ ہو اور اگر معلوم ہے کہ یہ بلا شرط بعد کو حادث ہوا تو قدیم نہیں اگرچہ سو برس سے ہو اگرچہ نہ معلوم ہو کہ کب سے ہے، یہاں بحالِ عدم علم شرائط واقف زمین دکانیں اگر صورت حسب بیان فریق دوم ہے کہ چند سال سے بعض بے علموں نے افطاری و شیرینی و روشنی کا احداث کیا جیسے حسب بیان فریق اول دس بارہ برس ہوئے تو ناجائز ہے اور مدرسہ بنانا اور اس میں صرف کرنا بھی حرام اور اگر بیان فریق اول کے یہ معنی کہ قدیم سے یہ مصارف ہوتے آئے بیچ میں بوقت قلت آمدنی قطع ہوگئے تھے کہ بعد اضافہ دس بارہ سال سے پھر جاری ہوئے اور واقع اس کے مطابق ہو تو بلاشبہہ اس سے افطاری و روشنی و شیرینی ختم جائز ہیں

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۰۶

اور افطاری میں غیر روزہ دار اگر روزہ داربن کر شریک ہوتے ہیں متولیوں پر الزام نہیں۔ بہتیرے غنی فقیر بن کر بھیک مانگتے اور زکوٰۃ لیتے ہیں دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کہ ظاہر پر حکم ہے اور لینے والے کو حرام قطعی ہے یونہی یہاں ان غیر روزہ داروں کو اس کا کھانا حرام ہے۔ وقف کا مال مثل مال یتیم ہے جسے ناحق کھانے پر فرمایا:

انما یاکلون فی بطونھم نارا، وسیصلون سعیرا[1]۔ اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔

ہاں متولی دانستہ غیر روزہ دار کو شریک کریں تو وہ بھی عاصی و مجرم وخائن و مستحق عزل ہیں۔ رہا اکثر یا کل مرفہ الحال ہونا اس میں کوئی حرج نہیں۔ افطاری مطلق روزہ دار کے لئے ہے اگرچہ غنی ہو جیسے سقایہ مسجد کا پانی ہر نمازی کے غسل و وضو کو ہے اگرچہ بادشاہ ہو۔ انتظامات متولیوں کے ہاتھ سے ہوں گے جبکہ وہ صالح ہوں۔ متول معزول معزول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۳: از شہر جالندھر چوک حضرت امام ناصر الدین صاحب مرسلہ ملک محمد امین صاحب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو اگر بازاری عورت مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے چٹائی وغیرہ اور روزہ افطار کرنے کے لئے دودھ وغیرہ بھیجے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر وہ کہے کہ قرض لے کر اس سے یہ چٹائی یا افطاری خریدی ہے جب تو اصلاً جائے سخن نہیں کما افادہ فی العالمگیریۃ من الحظر (جیسا کہ عالمگیریہ کے باب الحظر والاباحۃ میں اس کا افادہ فرمایا۔ ت) ورنہ زر حرام کے عوض خریدی ہوئی چیز میں خباثت جب آتی ہے کہ عقد و نقد دونوں زر حرام پر جمع ہوں کہ حرام روپیہ دکھا کر کہے اس کے عوض دے دے پھر قیمت میں وہی زر حرام دے ایسا بہت کم ہوتا ہے، تو عام خریداریوں میں خبث آنا معلوم نہیں تو منع حکم نہیں، سیدنا امام محمد فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حرام بعینہ[2]۔ ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین شیئ کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

حکم یہ ہے پھر بھی ان کے یہاں کے کھانے اور اعطاری سے بچنا انسب کہ باعثِ طعن و فتحِ بابِ غیبت ہے نیز نظرِ عوام میں ان کے حرام کی خفت اور یہ وجہ چٹائی وغیرہ کو بھی شامل، مگر جہاں بذریعہ حلال مثل قرض وغیرہ ہونا بتا دیا جائے یا عرفاً معہود ہو جیسے بنائے مسجد میں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۶ تا ۲۹۸: از بریلی شہر کہنہ مسئولہ محمد ظہور رضا صاحب ۱۰ ارشوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے مسجد کے خرچ کے لئے لکڑی اینٹ وغیرہ دی ہے اور کام کے وقت کوئی شے صرف میں نہیں آئی رکھے رکھے سے احتمال خراب ہوجانے کا ہے، ایسی صورت میں جس شخص نے کہ وہ شے دی تھی واپس لے سکتا ہے یا نہیں اور یا وہ شے فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد کے صرف میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کا مال جو فضول و بیکار جان کر فروخت کیا جائے مسلمانوں کو خریدنا لازم ہے یا نہیں؟ زید کا خیال ہے کہ مسجد کا کوئی مال خفیف ہو یا زیادہ اس کو قیمت یا بلاقیمت کسی صورت سے لینا نہیں چاہئے۔

(۳) مسجد کا روپیہ بدامانت بغرض تعمیر وغیرہ کسی شخص کے پاس جمع ہو تو وقت ضرورت وہ شخص اپنے خرچ میں بطریق قرض لاسکتا ہے یا نہیں اگر خرچ کرلیا ہو اور پھر دے دیا ہو تو اس کو اب کیا کرنا چاہئے یعنی وہ قصوروار ہوا یا نہیں؟

الجواب

(۱) وہ شخص واپس نہیں لے سکتا جبکہ مسجد کے لئے مہتمانِ مسجد کو سپرد کرچکا ہو بلکہ وہ اشیاء حاجتِ مسجد کے لئے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں وقت ہو تو بیچ کر قیمت خاص تعمیر و مرمت مسجد کے لئے محفوظ رکھیں تیل بتی، لوٹے، چٹائی میں اسے صرف نہیں کرسکتے۔ اسعاف پھر بحرالرائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

لو ان قوما بنوا مسجدا وفضل من خشبهم شیئ قالوا یصرف الفاضل فی بناءه ولا یصرف الی الدهن والحصیر هذا اذا سلموا الی المتولی لیبنی به المسجد والا یکون الفاضل لهم یصنعون به ما شاؤا۔[1]

اگر ایک قوم نے مسجد بنائی اور اس کی لکڑیوں میں سے کچھ بچ گئیں، مشائخ فرماتے ہیں ان کو مسجد کی تعمیر میں ہی صرف کیا جائے گا، مسجد کے لئے تیل اور چٹائی میں صرف نہیں کرسکتے، یہ اس وقت ہے جب انہوں نے متولی کے سپرد کردیا ہو کہ وہ اس سے مسجد بنوائے اگر سپرد نہیں کیا تو وہ انہی کا ہے جو چاہیں اس کے ساتھ کریں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۳

(۲) مسجد کا مال کہ مسجد کے کام کا نہ رہا ہو اور متولیان مسجد جن کو اس کے بیچنے کی شرعاً اجازت ہے مسجد کے لئے بیچیں اس کا خریدنا ہر مسلمان کو جائز ہے،

فان اجازۃ البیع اجازۃ الشراء اذ لایتحقق البیع الا بالشراء۔	اس لئے کہ اجازت بیع اجازت شراء ہے کیونکہ شراء کے بغیر بیع متحقق نہیں ہو سکتی (ت)

ہاں اسے بے تعظیمی کی جگہ نہ لگائے۔

(۳) مسجد خواہ غیر مسجد کسی کی امانت اپنے صرف میں لانا اگرچہ قرض سمجھ کر ہو حرام و خیانت ہے توبہ و استغفار فرض ہے اور تاوان لازم پھر دے دینے سے تاوان ادا ہو گیا وہ گناہ نہ مٹا جب تک توبہ نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از بجے پور مسئولہ محمد ہدایت علی خان سید عبد الوکیل سید معشوق حسین صاحبان سکنائے شہر بجے پور

۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو دکانیں لب سڑک بازار میں خریدکیں، دونوں کی درمیانی دیوار توڑ کر ایک کر لیا ان میں ایک منبر ایک سہ دری بھی بنا یا ایک شخص مؤذن مقرر کر دیا وہی امامت بھی کرتا رہا سات برس سے زیادہ عرصہ تک پنجگانہ نماز با جماعت اذان و اقامت سے ہوتی رہی نمازیوں کی کثرت اور جگہ کی قلت کے باعث زید نے پھر ان دکانوں کی پشت پر ایک اور زمین خرید کر کے اونچی کرسی کی جامع مسجد بنوائی اور ان دکانوں میں سے جامع مسجد میں جانے کے لئے زینہ نکالا، اس کے بعد راج سے حکم ہوا کہ ان دکانوں میں نماز نہ ہوا کرے اور ان دکانوں میں ہو کر زینہ نہ رہے جو زینہ پہلے سے بنا ہوا ہے اس میں سے بدستور راستہ مسجد کا رہے اور دکانیں جیسی تھیں ویسی ہی تجارت کے کام کی کر دی جائیں، جو شخص مؤذن و امام تھا وہ شہادت دیتا ہے کہ میں نے سات برس سے زیادہ عرصہ تک نماز با جماعت و اقامت پڑھائی، پچیس تیس آدمی شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے ان دونوں دکانوں میں مسجد سمجھ کر نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد مشہور تھی اور سات آٹھ آدمی یہ شہادت دیتے ہیں کہ زید نے اپنی حیات میں ہم سے ان دکانات کا وقف ہونا ظاہر کیا تھا اور راج کے کاغذات نقشہ آبادی شہر اور خسرہ میں بھی مسجد درج ہے اور دونوں دکانوں کی یکجائی پیمائش ایک نمبر درج ہے، پس ان حالات میں یہ دکانیں زید کی ملک قرار پائیں گی یا بوجہ مسجد ہونے کے وقف متعلقہ مسجد قرار دی جائیں گی؟ بینوا توجروا

الجواب

حاش للہ (اللہ تعالٰی کی پناہ) نہ وہ زید یا کسی مخلوق کی ملک نہ وہ وقف متعلق مسجد بلکہ خود

مسجد ہیں۔

اولاً پچیس شہادتوں سے ثابت کہ وہ مسجد مشہور تھی اور وقف شہرت سے ثابت ہو جاتا ہے۔

درمختار میں ہے:

تقبل فیہا ای فی الوقف الشہادۃ بالشہرۃ لاثبات اصلہ[1] — اصل وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی بنیاد پر دی گئی شہادت مقبول ہے۔(ت)

عام مساجد و اوقات کو مسجد و وقف ماننے کا ذریعہ یہی شہرت ہے، اگر یہ کافی نہ ہو وہ سب باطل ہو جائیں، جامع الفصولین میں ہے:

تقبل فی الوقف الشہادۃ بسماع ولو صرحا بہ اذ الشاہد ربما یکون سنہ عشرین سنۃ و تاریخ الوقف مائۃ سنۃ[2] — وقف میں سمعی شہادت مقبول ہے اگرچہ دونوں گواہوں نے اس کی صراحت کر دی ہو کہ وہ شہادت بالسمع دے رہے ہیں، کیونکہ بسا اوقات گواہ بیس سال کا ہوتا ہے اور تاریخ وقف سو سال پرانی ہوتی ہے۔(ت)

سات آٹھ شہادتیں واقف کے اقرار وقف کی ہیں اور دربارہ وقف یہ شہادت کہ ہمارے سامنے زید نے اسے وقف کیا اور یہ شہادت کہ ہمارے سامنے زید نے اس کے وقف کا اقرار کیا دونوں یکساں ہیں،

جامع الفصولین میں ہے:

شہد انہ اقر انہ وقف جمیع حصتہ وقفا یصیر جمیع حصتہ وقفا[3] — گواہی دی گئی کہ واقف نے اپنا تمام حصہ وقف کرنے کا اقرار کیا ہے تو اس کا تمام حصہ وقف ہو جائے گا۔(ت)

اسی طرح ذخیرہ و ظہیریہ و ہندیہ وغیرہا میں ہے، اور سالہا سال تک اس میں منبر و مؤذن و امام و جماعت پنجگانہ جہتِ وقف یعنی مسجدیت کی تعیین کرتی ہے، بحرالرائق میں ہے:

بنی فی فنائہ فی الرستاق دکانا لاجل الصلوۃ یصلون فیہ بجماعۃ — متولی مسجد نے فنائے مسجد کی جانب میں نماز کیلئے ایک دکان بنائی لوگ اس میں ہمیشہ با جماعت

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۸

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث عشر فی دعوی الوقف الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۹

[3] " " " " " " " " " " ۱/۱۸۰

كل وقت فله حكم المسجد[1]۔ نماز پڑھتے ہیں تو وہ دکان حکمِ مسجد میں ہوگی (ت)

ثانیاً راج کے سمجھنے کو اس کے کاغذات میں مسجد درج ہونا ہی بس ہے۔ شرح الاشباہ للمحقق ہبۃ اللہ البعلی میں ہے:

لو وجد فی الدفاتر ان المكان الفلانی وقف على المدرسة الفلانية مثلا يعمل به من غير بينة وبذٰلك يفتی مشايخ الاسلام كما هو مصرح به فی بهجة عبد الله افندی وغيرها فليحفظ[2]۔

اگر رجسٹروں میں مندرج ہے کہ فلاں مکان فلاں مدرسہ پر وقف ہے تو گواہوں کے بغیر اس پر عمل کیا جائے گا، اسی پر مشائخ اسلام نے فتوٰی دیا جیسا کہ عبداللہ آفندی کی بہجہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے، اس کو محفوظ کرلینا چاہئے۔ (ت)

اس پر وارثانِ زید خواہ کسی کو کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا اور اسے دوبارہ دکان تجارت کردینا حرام حرام سخت حرام، اور مذہب اسلام میں دست اندازی ہے جسے راج وغیرہ کوئی روا نہ رکھے گا۔ اس میں کسی کار دنیا کے لئے بیٹھنا یا اس کا کرایہ لینا دینا یا اس میں کوئی چیز بیچنا خریدنا یا بیچنے خریدنے کے لئے اس میں جانا سب حرام قطعی ہے۔ درمختار میں ہے:

لا يجوز اخذ الاجرة منه ولا ان يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى، بزازية[3]۔

اس سے اجرت لینا جائز نہیں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ کرایہ یا رہائش کے لئے مقرر کیا جائے، بزازیہ (ت)

اسی میں ہے:

يحرم فيه السؤال ويكره كل عقد الا لمعتكف بشرطه والكلام المباح وقيده فی الظهيرية بان يجلس لاجله[4]۔

حرام ہے مسجد میں سوال کرنا، اور مکروہ ہے مسجد میں ہر عقد، مگر معتکف کو اس کی مشروط اجازت ہے۔ مسجد میں مباح کلام مکروہ ہے، اور ظہیریہ میں یہ قید لگائی کہ مسجد میں بیٹھا ہی کلام مباح کیلئے ہو تب مکروہ ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۵۰
[2] شرح الاشباہ للمحقق ہبۃ اللہ البعلی۔
[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹
[4] " کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ " " " ۱/۹۳ و ۹۴

ردالمحتار میں ہے :

قولہ کل عقد الخ ھی ان المراد بہ عقد مبادلۃ ، قولہ بشرطہ وھو ان لایکون للتجارۃ۔[1]

ماتن کے قول "کل عقد" سے بظاہر مراد عقد مبادلہ ہے اور قول ماتن "بشرطہ" میں شرط سے مراد یہ ہے کہ معتکف کا عقد بیع وشراء بغرض تجارت نہ ہو (ت)

خود بانی نے کہ جامع مسجد بناکر اس مسجد کے ایک حصۂ زمین میں اس کا زینہ بنایا یہ بھی ناجائز ہے کہ مسجد بعد تمامی مسجدیت کسی تبدیل کی محتمل نہیں ۔ واجب ہے کہ اسے بھی زائل کرکے اسے خالص مسجد ہی رکھیں ۔ درمختار میں ہے :

اما لوتمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولوقال عنیت ذلک لایصدق تاتارخانیۃ ، فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولوعلی جدار المسجد۔[2]

لیکن مسجدیت تام ہوگئی اب واقف اس پر (حجرۂ امام) تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اس کو روکا جائیگا ، اگر وہ کہے کہ شروع سے میری نیت ایسا کرنے کی تھی تو اس کی تصدیق نہیں کیا جائیگی تاتارخانیہ ، جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے لہذا ایسے مکان کو گرانا واجب ہے اگرچہ فقط دیوار مسجد پر ہو ۔ (ت)

مسلمانوں پر اسے باقی رکھنا اور تاحدِ قدرت ہر جائز طریقے سے اسے مسجد رہنے میں پوری کوشش کرنا فرض قطعی ہے جو اس میں کوتاہی کرے گا سخت عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا ۔

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا اولٰئک ماکان لھم ان یدخلوھا الا خائفین ۵ لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم۔[3]

اللہ تعالٰی نے فرمایا : اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں ذکر الٰہی ہونے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ، انھیں روا نہ تھا کہ ان میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے ، ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ۔

والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی کی پناہ) واللہ تعالٰی اعلم ۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۴۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

[3] القرآن الکریم ۲/۱۱۴

مسئلہ ۲۹۰: از شہر الٰہ آباد زیر مسجد جامع چوک مرسلہ مرزا واحد علی خوشبوساز ۲۹ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد شاہی زمانہ کی بنی ہوئی تھی اس کے متعلق خام دکانیں بھی تھیں جن کے کرایہ کی آمدنی تیس چالیس روپے ماہوار تھی، وہ آمدنی متولی سابق جو کہ اس مسجد میں امامت بھی کرتے تھے ان کے خرچ میں اور موذن وتیل بتی وپانی وختم تراویح کی مٹھائی وغیرہ مصالح مسجد میں صرف ہوتی تھی چونکہ مسجد اور اس کی دکانیں بہت بوسیدہ ہوگئی تھیں لہٰذا ایک صاحب نے بمشورہ اہالیانِ مسجد اپنے ذاتی روپے سے دکانیں پختہ کرائیں جس سے کرایہ قریب ڈیڑھ سو کے ہوگیا، اسی کرایہ سے وہ صاحب قسط وار اپنا روپیہ بھی وصول کرتے رہے اور مسجد بھی چندہ سے ازسرِ نو تعمیر کرائی گئی اور انتظام مسجد کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی اور متولی سابق علیحدہ کئے گئے جن لوگوں کی کوشش سے دکانیں پختہ کرائی گئیں ان لوگوں میں نمازی مسجد اور اہل محلہ بھی شریک ہیں ان سب کے اور ممبرانِ کمیٹی کے مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ وہ اخراجات جو سابق میں مسجد کی آمدنی سے ہوتے تھے بدستور قائم رہیں اس کے علاوہ کچھ افطاری رمضان شریف میں نمازیوں کے واسطے بھی دی جائے، دس بارہ برس ہوئے کہ اس پر عملدرآمد چلا آرہا ہے، زید کہتا ہے کہ جو اخراجات مصالح مسجد میں شامل ہیں وہ قائم رہنا چاہئے اور جو اخراجات مصالح مسجد میں نہیں ہیں مثلاً شیرینی ختم تراویح افطاری رمضان شریف وہ ناجائز ہیں بند ہونا چاہئے۔ بکر کہتا ہے کہ جن اوقاف کا وقف نامہ موجود نہ ہو اور وقف کے شرائط معلوم نہ ہوں جیسے صورت مسئولہ میں تو اس میں عملدرآمد سابق پر کاربند ہونا چاہئے، چونکہ شیرینی ختم قرآن شریف کی ہمیشہ متولیان سابق کے زمانے میں برابر آتی رہی لہٰذا اب بھی ویسا ہی آنا چاہئے اور بے تکلف جائز ہے، باقی رہا افطاری جو دس بارہ برس سے ممبرانِ کمیٹی جو تمام مسلمانوں کی طرف سے قائم ہے ان کی تجویز سے آنے لگی ہے گو کہ یہ ایک امرِ جدید ہے لیکن اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہوتا کیونکہ جیسے بانی اول کو اوقاف کے اخراجات کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں ویسے ہی بانیان ثانی کو جس میں نمازی مسجد و اہل محلہ و پیسہ خرچ کرنے والے سب شریک ہیں اور انھوں نے کوشش کرکے آمدنی بڑھائی اور مسجد ازسرِ نو بنوائی تو اس کو بھی اپنی بڑھائی ہوئی آمدنی میں مزید اخراجات کے بڑھانے کا اختیار ہونا چاہئے کیونکہ اہل محلہ و نمازیوں کے تصرفات بہت وسیع ہیں اور کمیٹی انھیں کی طرف سے قائم ہے تو کمیٹی کا فعل عین ان کا فعل ہے غرض خرچ جات کے بڑھانے کا اختیار ثانی کو بھی ہونا چاہئے بالخصوص ایسے موقع میں کہ باوجود ان سب اخراجات بالا کے پھر بھی آمدنی مسجد میں بچت ہوتی ہے، پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

الجواب

جہاں شرط واقف معلوم نہ ہو عملدرآمد قدیم کا اعتبار ہے، خیریہ میں ہے،

ینظر الی المعہود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف کانوا یعملون۔[1] دیکھا جائے گا کہ قدیم سے متولیوں کا عملدرآمد اس وقف کے بارے میں کیا چلا آرہا ہے (ت)

"قدیم کے یہ معنی" جس کا حادث ہونا معلوم نہ ہو"۔ دس بارہ برس یا سو دو سو برس سے جو بات بعد واقف بے شرط واقف حادث ہوئی حادث ہی ہے، اس پر عمل ناجائز ہے۔ فتح القدیر میں ہے،

الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ دون زیادۃ اخری۔[2] وقف کو بغیر کسی زیادتی کے سابقہ حالت پر باقی رکھنا واجب ہے۔ (ت)

شیرینی قدیم اگر اسی معنی پر قدیم ہے کہ اس کا حادث ہونا معلوم نہیں، وہ اب بھی دی جائے گی ورد افطاری کو دس بارہ برس سے فرا پیدا ہے نہ ہو سکے گی۔ مسجد از سر نو بنوانے والوں کو تو دکانات وقف سے کچھ تعلق نہیں کہ ان کو اس میں اختیار ہو اور دکانیں پختہ کرنا اسی وقف کی بہتری ہے نہ کہ وقف جدید خصوصاً جبکہ وہ اپنا لگایا ہوا روپیہ وصول بھی کر رہا ہے تو قرض دینے والا ہے نہ کہ واقف۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: از احمد آباد مرسلہ حکیم مولوی عبدالرحیم صاحب ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم نے چندہ کرکے ہزار دو ہزار روپیہ جمع کئے ہیں اب اس کے بعد تدبیر یہ کی کہ اس مال سے کپڑا سفید خریدتے ہیں اور اس کو ادھار نفع چڑھا کر بیچتے ہیں اور اس سے جو نفع پیدا ہوتا ہے اس کو بھی جمع کرتے جاتے ہیں اور مقصد ان حضرات کا یہ ہے کہ یہ رقم چار پانچ ہزار روپیہ کی جمع ہو جائے اس سے مکان قریب مسجد کے خریدنا ہے اور مسجد کو بڑھانا ہے۔ اب اس مسجد کے چندہ سے اس قسم کی تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ وہ روپیہ انھوں نے متولیانِ مسجد کو ابھی سپرد نہ کیا تو ان کی ملک ہے، اس میں ہر تصرف جائز کا انھیں اختیار ہے قرضوں بیچنے میں نقد بیچنے سے دام زائد لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا، یہ باہمی تراضی بائع و مشتری پر ہے،

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۶

[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

قال تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰: از شہر بریلی مسئولہ شوکت علی فاروقی ۲۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں درخت بیری یا گلاب وغیرہ ہو اور بوجہ تعمیر ہونے حجرہ وغسل خانہ کے ان درختوں کو کاٹا جائے تو کوئی شخص ان درختوں کو کھود کر اپنے مکان میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ پیال یا رسی موسم سرما میں جو مسجدوں میں ڈالی جاتی ہے اور بعد گزر جانے موسم سرما کے اس کو نکال کر پھینک دیتے ہیں تو جو شخص اس پیال یا رسی یا چٹائی کہنہ قابل پھینک دینے کے ہو اس کو اپنے صرف میں مثل پانی گرم کرنے کے لا سکتا ہے یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ منڈیر یا فصیل مسجد جس پر وضو کرتے ہیں یا اذان دیتے ہیں وہ مسجد کے حکم میں داخل ہے کیا مثل مسجد کے بات وغیرہ کرنے کی وہاں بھی ممانعت ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب

ان درختوں کو مسجد سے واجبی ومناسب قیمت پر مول لے کر لگا سکتا ہے۔ پیال یا چٹائی بیکار شدہ کہ پھینک دی جائے لے کر صرف کرسکتا ہے۔ فصیل مسجد بعض باتوں میں حکم مسجد میں ہے معتکف بلا ضرورت اس پر جاسکتا ہے اس پر تھوکنے یا ناک صاف کرنے یا نجاست ڈالنے کی اجازت نہیں، بیہودہ باتیں، قہقہے سے ہنسنا وہاں بھی نہ چاہئے اور بعض باتوں میں حکم مسجد نہیں اس پر اذان دیں گے اس پر بیٹھ کر وضو کرسکتے ہیں جب مسجد میں جگہ باقی ہو اس پر نماز فرض میں مسجد کا ثواب نہیں، دنیا کی جائز قلیل بات جس میں چپقلش ہو نہ کسی نمازی یا ذاکر کی ایذا اس میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱: ۲۹ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد نہایت شکستہ ہے چھت اس کی بالکل خارج ہے اور کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں اور بعض بعض خمیدہ ہوگئی ہیں، مینارے جھری دے گئے ہیں، لہذا ہم اہل محلہ یہ بات چاہتے ہیں کہ از سرنو تعمیر کریں۔ اراضی مسجد کی افتادہ اتر دکھن کی بڑھانا منظور ہے۔ چنانچہ کچھ روپیہ جمع ہے اور باقی جو روپیہ زائد صرف ہوگا چندہ جمع کرکے انجام دیں گے اس واسطے کہ موسم بارش میں نمازیوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے موجودہ بنیاد کو نکال کر دوسری بنیاد قائم کریں۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب

مسجد کی مرمت واجب ہے بارش کی تکلیف کہ چھت ٹپکنے سے سائل نے بتائی اس سے دفع ہو جائے گی اس قدر کے لئے اگر موجودہ روپیہ کافی نہ ہو چندہ کریں باقی اصل مسجد کی بنیادیں نکال کر شمال و مغرب کی زمین متعلق مسجد میں مسجد بڑھانے کے لئے جدید بنیادیں قائم کرنا اگر اس توسیع کی مسجد کو کیا ضرورت ہے کریں ورنہ بے ضرورت بڑھانا اور مسلمانوں پر چندہ کا بار ڈالو جو بہت بڑھا دینا کس لئے! ہر مسجد میں حجرہ وغیرہ قائم کرنا کوئی شرعی ضرورت نہیں، فتح القدیر میں ہے:

انما امرنا بابقاء الوقف علی ما کان علیہ دون زیادۃ اخری۔[1]	بیشک ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم وقف کو بغیر کسی زیادتی کے حال سابق پر قائم رکھیں۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۲: ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کبیر محلہ میں بوجہ ضعف اسلام و قساوت ناس قدرے گر پھوٹ گئی ہے اور بعدہ کو بعون خدا تعالٰی مرمت کرا دی گئی ہے اور پیش امام وغیرہ نیز بدستور مقرر کئے گئے ہیں اور صلوۃ خمسہ جمعہ اذان اس میں پڑھی جاتی ہے۔ پس بوقت غیر آبادی و شکستگی مسجد مذکور بالا کے ایک مرد مسلم نے ایک مسجد صغیر متقریب و متصل اس کے چار گز کے فاصلہ پر بنائی تھی جو کہ اب تک آباد ہے اور اس میں بھی اذان صلوۃ بالفعل ہو رہے ہیں، کیا اس شخص کو مسجد جدید بنانی عندالشرع جائز تھی یا نہ، اور اب اس کا گرانا جائز ہے یا نہ؟

الجواب

حاشا اس کا گرانا بھی جائز نہیں، دونوں کا آباد رکھنا واجب ہے، اسے مناسب یہ تھا کہ مسجد قدیم ہی کی تعمیر کرتا اور اتنے قریب دوسری مسجد نہ بناتا اب کہ بن گئی ہدم حلال نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰۳: از موضع سرولی ڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ محمد حسین خورد ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی صف دوسری مسجد میں لاکر نماز فرض یا واجب پڑھی جائے تو ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جیسے کہ نماز الوداع میں اکثر صفوں کی ضرورت ہوتی ہے تو جس جگہ موضع میں دو مسجدیں ہوتی ہیں تو مسجد جامع میں دوسری مسجد کی صفیں لاکر نماز پڑھتے ہیں یا عید کی نماز پڑھی جائے تو از روئے شرع شریف نماز دوسری مسجد کی صفوں پر ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۴۰

الجواب

ایک مسجد کی صفیں دوسری مسجد میں لے جانا ممنوع وناجائز ہے، نماز مکروہ وناقص ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰: از بریلی مسئولہ مولوی میر احمد صاحب بنگالی طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا پاخانہ پشت مسجد سے ملحق تھا اس کو بوجہ مسجد منہدم کرادیا اور کوئی عرصہ دو ماہ سے کچھ لوگ وہاں پر کوڑا وغیرہ ڈالنے لگے اب زید یہ چاہتا ہے کہ اس ملحق پشت مسجد زمین کی اپنی نشست گاہ بنوادے اور مسجد کے دو پرنالوں کا پانی اپنی چھت پر سے یا اس اراضی کو اپنی ڈیوڑھی بنالے، اس صورت میں ایک پرنالہ اپنی ڈیوڑھی پر سے اور دوسرے پرنالے کا پانی باہر نکال دے اور ساتھ ہی اس کے یہ واضح رہے کہ مسجد کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ پشتہ اس جگہ ہے جہاں مسجد کے دو پرنالوں کا پانی گرتا ہے، اس صورت میں کیا حکم شرع ہے بنشست گاہ یا ڈیوڑھی وغیرہ بننے سے مسجد کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور پانی مسجد کا کسی صورت میں روکا نہیں جاتا۔

الجواب

مسجد کا پشتہ نہ ہو تو بچاؤ کے لئے زمین مسجد سے چھوڑی ہوگی اسے اپنے تصرف میں لانا حرام ہے، ہاں اگر ثابت ہو کہ مسجد کی کوئی زمین نہ چھوڑی تھی صرف پانی بہانے کا اس کی زمین میں حق تھا تو یہ اس میں عمارت بنا سکتا ہے جبکہ مسجد کا پانی نہ روکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱: از الہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب آوردہ مولف مولوی سید نذیر محمد صاحب ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

سوال بعینہٖ مثل سوال ثانی ۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ مذکور باب احکام المسجد

الجواب

اس سوال کا جواب جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ پھر رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ پھر شوال ۱۳۳۷ھ میں تین بار یہاں سے جاچکا، اس بار اس کے ساتھ ایک اور تحریر طویل بایں خلاصہ ہے کہ اس سوال میں زید مستفتی نے اخفائے حق کیا، حقیقت امر یہ ہے کہ ان لوگوں نے دکانات مسجد کی چھت پر ایک مدرسہ بلا معاوضہ قائم کرلیا اور کمیٹی سے اس کی بقا کا اقرار نامہ لکھا لیا ہے، یہ حالت دیکھ کر تحفظ آئندہ کے لئے یہ پتھر لگایا گیا جس میں دکانات وحمام کے وقف علی المسجد ہونے کا تذکرہ ہے کہ آئندہ کوئی متولی سابق کی طرح ان دکانوں پر دعوٰی نہ کر بیٹھے۔ اعلان میں معلی کا نام ضرور ہے، گمنام اعلان ایسا نہیں ہوتا، لہذا بکر نے اپنا نام لکھا نہ بقصد ریا نہ طلب دعا۔ یہ پتھر سجدہ کی جگہ سے دس فٹ بلند ہے تو نمازی کا سامنا

نہیں ہوگا اور اندر کی محراب پر نہیں بلکہ بیرونی محرابی دروں پر، وہی لوگ جن سے اندیشہ ہے اس پتھر کا انہدام چاہتے ہیں کہ اس کی بقا میں تحفظ واستحکام وقف ہے انتہی ملخصاً۔

فریق ثانی کی طرف سے بھی سوال مع جواب آیا تھا کہ اس پتھر کا نصب جائز نہیں بلکہ غیبت میں داخل ہے اور اس کا جواب بھی رمضان عہ مبارک ۱۳۳۶ھ میں گیا کہ اگر وہ افعال متولی سابق سے صادر ہوئے اور اہل شہر ان وقائع پر مطلع ہوں تو ان کا لکھ کر نصب کرنا غیبت نہیں ہوسکتا، خصوصاً منظر عام میں نصب کر اشتہار چھاپ کر عام تقسیم کی طرح حد غیبت میں اس کا آنا دشوار در تاحیات متولی مذکور اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ جب کہ منجر بفتنہ نہ ہو، ہاں اس کا نصب کوئی مہم مصلحت شرعیہ نہ رکھتا ہو تو بعد موت متولی اس پتھر کا معدوم کردینا ہوگا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتذکروا موتاکم الا بخیر[1] (اپنے مُردوں کا تذکرہ سوائے بھلائی کے مت کرو۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ماقدموا[2]۔ اپنے مردوں کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہُوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔ (ت)

بایں ہمہ جبکہ بلا مصلحت ترجیحی محض بے حیثیت سے ویسے ہی کب چاہئے، کہ وہ جس سے کسی مسلمان کو تکلیف ہو اگر وقف میں خیانت واضرار کا اندیشہ ہے اور اس پتھر کا نصب کرنا مانع ہوگا یا اسی طرح اور کوئی مصلحت مہم شرعیہ ہے تو نصب میں حرج نہیں بلکہ حاجت ہو تو اجر ہے، یہ اس جواب کا خلاصہ ہے جو فریق ثانی کو یہاں سے گیا، اب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ محض بلامصلحت ہو تو جدا کردیں اور مصلحت شرعیہ ہے تو قائم رکھیں، پھر اگر موضع نظر سے اتنا بلند ہو کہ جب تک قصداً اوپر کو اٹھا کر نہ دیکھیں نظر نہ آئے تو کسی طرح نقش دیوار قبلہ کی کراہت میں نہیں آتا، یہ خود اس نمازی کا قصور ہے اسے نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کب جائز تھا، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عہ مندرجہ صفحہ ۴۶۲۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ اللعن دار الفکر بیروت ۷/ ۴۹۰۔۹۱

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینہی عن سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۶

سنن النسائی ۔ ۔ ۔ ۔ النہی ۔ ۔ ۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۴۳

لینتھین اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی الصلوٰۃ اولتخطفن ابصارھم[1] رواہ مسلم۔

وہ جو نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں یا تو وہ اپنی اس حرکت سے باز آئیں گے یا ان کی نگاہ اُچک لی جائے گی (اسے مسلم نے روایت کیا۔ ت)

اور اگر اتنا بلند نہیں تو ضرور موقع کراہت میں ہے اور اس میں اندرونی و بیرونی محراب کا تفرقہ نہیں مسجد کا درجہ مسقفہ و صحن دونوں مسجد ہیں اس حالت میں چاہئے کہ اس تحریر پر نمازوں کے اوقات میں غلاف ڈال دیں ہم نے فتوٰی سابقہ میں سنن ابی داؤد کی حدیث نقل کی کہ دیوار غربی کعبہ معظمہ میں (اس) مینڈھے کے (جو سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ ہوا) سینگ نصب تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خمرھا فانہ لاینبغی ان یکون فی قبلۃ البیت شیئ یلھی المصلی[2]

انھیں (سینگوں کو) ڈھانک دو کہ نمازی کے سامنے کوئی ایسی چیز نہ چاہئے جس سے دل بٹے

نام کا جواب بھی فتوٰی سابقہ میں تھا کہ ریاء کو حرام مگر بلاوجہ شرعی مسلمان پر قصدِ ریا کی بدگمانی بھی حرام، اور بتفرد دعا ہے تو حرج نہیں، نہ کفایت اجمال منافی طلب خصوص۔ اور یہ مصلحت کہ اس تحریر میں بتائی ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ اس کا نام وجہ افتخار و اعلان یا زیادت اعتبار ہو،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی[3]

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

دکانات مسجد پر اقامت مدرسہ کے بارے میں بھی سوال آیا اور مفصل جواب جا چکا ہے مگر فریق ثانی کے سوال میں یہ تھا کہ مسجد میں ایک مدرسہ ہے جس میں تعلیم کلام مجید و تفسیر و فقہ و حدیث کی ہوتی ہے، بعض منتظمین نے چاہا کہ تعلیم مسجد سے اٹھا دی جائے، اور ان شرائط پر اس کے قیام کا فیصلہ ہوا، اس تحریر تازہ میں یہ ہے کہ بلا استحقاق و بلا معاوضہ سقف وقف پر مدرسہ کر لیا ہے، ایسا ہے تو بلاشبہ حرام ہے اور منتظمین مسجد کی اس پر رضامندی مردود، اور اب تک کا کرایہ مدرسہ قائم کرنیوالوں پر

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب النہی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۷۶

مسند احمد بن حنبل حدیث امراۃ من بنی سلیم دار الفکر بیروت ۴/ ۶۸

[3] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

بلکہ مسجد لازم۔ کما ھو منصوص علیہ فی عامۃ الکتب (جیسا کہ عام کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت)
واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶ ازبمبئی نشان پاڑا کراس روڈ بوساطت سید غوث پیران صاحب مرسلہ میمن آدم عبدالرحمٰن صاحب
۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک حنفی المذہب عورت نے انتقال کیا جس نے اپنی جائداد کے ساتھ ایک شوہر، دو بیٹیاں، ایک حقیقی بھائی اور ایک عمزاد بہن کا بیٹا چھوڑا اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ قبل از تقسیم ترکہ مرحومہ کی وفات کے دو سال بعد اس کے شوہر نے جائداد مذکورہ سے زمین کا ایک قطعہ مسجد بنانے کے لئے وقف کردیا جس پر بتوسل جماعت مسجد تعمیر کی گئی اور پنجوقتہ نماز بھی قائم ہوگئی، لیکن بعض لوگ اس میں عدم جواز نماز کے قائل ہیں کہ وقف صحیح نہ ہوا۔ مرحومہ کا شوہر یہ کہتا ہے کہ مجھ سے مرحومہ نے یہ وصیت کی تھی کہ مسجد کی عمارت کے لئے ایک قطعہ زمین وقف کرے اگر شرعاً یہ وقف صحیح نہ ہوگا تو میں اپنے حصہ رسدی سے اس وقف کو برقرار رکھوں گا۔ صورت مذکورہ میں وقف اول صحیح ہوکر نماز پڑھنا اس میں درست ہے یا نہیں؟ بصورت عدم جواز اپنے حصہ میراث سے وقف کا برقرار رکھنا جائز ہے یا نہیں!

الجواب

ترکہ متوفیہ حسب شرائط فرائض بارہ سہام ہوکر تین سہم شوہر، چار چار ہر دختر، ایک برادر کو ملے گا۔ عمزاد بہن کا بیٹا محروم ہے۔ اگر صحیح ہے کہ مورثہ نے یہ وصیت کی تھی اور یہ قطعہ (بعد ادائے دین اگر ذمہ مورثہ ہو) ثلث متروکہ سے زائد نہیں تو وقف صحیح و نافذ ہوگیا اور وہ قطعہ مسجد اور اس میں نماز مسجد میں نماز۔ یونہی اگر ثلث متروکہ سے زائد ہو اور باقی ورثہ یعنی بیٹیاں اور بھائی سب عاقل بالغ اور سب نے اس وصیت کو قبول کیا اور جائز رکھا، جب بھی یہی حکم ہے۔ یونہی اگر وصیت ثابت نہ ہو اور شوہر نے ایک قطعہ معینہ جس میں باقی ورثہ کے بھی حصے تھے تعمیر مسجد کے لئے وقف کردیا اور باقی سب ورثہ نے بشرط عقل و بلوغ اسے جائز رکھا جب بھی یہی حکم ہے۔ ان سب صورتوں میں وہ مسجد ہوگیا،

وذلک لانہ فی الاخیر فضولی فی حصصھم وقد صدر منہ مالہ مجیز حین صدورہ وقد اجازوا فنفذ ولم یمنہ الشیوع لعدمہ عند اجتماعھم علی تجویزہ

اور یہ اس لئے ہے کہ صورت اخیرہ میں وہ (شوہر) دیگر ورثاء کے حصص کو مسجد بنانے میں فضولی ہے اور یہ فعل اس سے اس حال میں صادر ہوا کہ صدور کے وقت اس کو جائز کرنے والا موجود ہے اور انھوں نے اس کی اجازت دے کر جائز کردیا اور شیوع

قال فی ردالمحتار لوبینهما ارض وقفاها ودفعاها معا الی قیم واحد جاز اتفاقا لان المانع من الجواز عند محمد هو الشیوع وقت القبض لاوقت العقد و لم یوجد هنا۔[1]

ردالمحتار میں ہے دو شخصوں کی اگر مشترکہ زمین ہو اور دونوں نے مشاع زمین کو وقف کرکے ایک ہی متولی کے حوالے کردیا تو بالاتفاق جائز ہے اس لیے کہ امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک مانع جواز یہاں مانع نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ قبضہ میں اس کے جواز دیکھتے ہیں جمع ہوگئے تو شیوع رہا ہی نہیں، ردالمحتار شیوع ہے جو وقت قبض ہو نہ کہ وقت عقد، اور یہاں وقت قبض شیوع نہیں پایا گیا (ت)

ہاں اگر کوئی وارث غیر عاقل یا نابالغ ہے یا ان میں بعض نے اس تصرف کو جائز نہ رکھا ہے وصیت مطلقا اور بحال وصیت جبکہ ثلث سے زائد ہو تو البتہ وہ مسجد مسجد نہیں اور اس سبب سے کہ اس میں ایسے کی ملک ہے جس کی اجازت نہیں یا جس کی اجازت شرعًا اجازت نہیں اس میں نماز ناجائز۔ یہ حکم بھی متفق علیہ ہے کہ مسجد میں شیوع بالاجماع ممنوع،

لان بقاء الشرکۃ یمنع الخلوص ﷲ تعالٰی فتح عن المبسوط والفتح۔[2]

کیونکہ بقاءِ شرکت اللہ تعالٰی کے لئے شَے کے خالص ہونے سے مانع ہے۔ (نہر نے مبسوط اور فتح سے فتح سے نقل کیا۔ ت)

ہاں اگر شوہر تقسیم صحیح شرعی کرائے اور یہ قطعہ اس کے حصہ میں آئے اس کے بعد سے یہ مسجد کرے تو اب مسجد ہوجائے گا لزوال المانع (مانع ختم ہوجانے کی وجہ سے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰ مسئولہ سید مصباح القیوم صاحب ساکن شہر رائے پور محلہ بیجنا تھ پارہ مدرسہ اصلاح المسلمین صوبہ سی پی ۵ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے متعلق طہارت خانہ وغیرہ بنانے کی غرض سے مسجد کے روپیہ سے ایک قطعہ زمین کا مسجد سے علیحدہ مگر قریب میں خریدا کیونکہ زمین بہت ہے مسجد کی ضرورت کی چیزیں بن جانے پر بھی باقی رہ گئی اور مسجد کی کوئی منفعت مقصود نہیں اور اہلسنت نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لئے مکان کی ضرورت ہے تو کچھ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ زمین مذکور پر مدرسہ تعمیر کردیں اور قیمت زمین کی مدرسہ کی آمدنی سے لے کر مسجد میں داخل کیا جائے تو شرعًا یہ جائز ہے کہ نہیں اور درصورت

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۶۵

[2] " " " " ۳/۳۶۴

عدم جواز کوئی حیلہ اس کے جواز کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے کہ وُہ باقیماندہ حاجت مسجد سے زیادہ زمین (کہ سابق سے وقف نہ تھی بلکہ مسجد کے روپیہ سے مسجد کے لئے خریدی تھی) مدرسہ کے لئے بیع بقیمت مناسب کرکے زرِ ثمن داخلِ مسجد کیا جائے جبکہ احتیاط و امانت کاملہ سے کام لیا جائے۔ عالمگیری میں ہے:

متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتا اودارا ثم باعھا جاز اذا کانت لہ ولایۃ الشراء ھذا علی ان ھذہ الدار والحانوت ھل تلتحق بالحوانیت الموقوفۃ علی المسجد معناہ ھل تصیر وقفا المختار انہ لا کذا فی المضمرات[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

ایک مسجد کے متولی نے مسجد کے مال سے دکان یا گھر خریدا پھر بیچ دیا تو جائز ہے جبکہ اس کو خریدنے کی ولایت حاصل ہو، یہ مبنی ہے اس بات پر کہ کیا یہ دکان اور گھر مسجد پر وقف شدہ دکانوں سے ملحق ہوگا، اس کا معنٰی یہ ہے کہ کیا یہ وقف ہوجائیگی، مختار یہ ہے کہ نہیں ہوگا، مضمرات میں ایسا ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۰ ۱۴ شوال ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محلہ قاضی ٹولہ پرانا شہر میں ایک مسجد قاضی زادوں کی تعمیر کردہ ہے اور اس کا دروازہ پہاڑ رخ قدیمی ہے اور اس میں کچھ قبریں بجہت قاضی زادوں کے آبا و اجداد کی تھیں، اور ایک کنواں بنجاروں کا بنایا ہوا مسجد سے پہلے کا ہے جس سے سوائے نمازیاں اور کئی محلوں کو اس کے پانی سے نفع پہنچتا ہے، اس مسجد میں کئی قوم کے لوگ نماز پڑھتے ہیں قصائی، مداف۔ ان کے مکان بھی وہیں ہیں، قصابوں نے مسجد میں جو قبریں تھیں انھیں کھود کر بالکل نیست و نابود کردیا، درخت مولسری کا جس کے سایہ سے نمازیوں کو آرام ملتا تھا کاٹ ڈالا، گلی در شمال کی جانب جس سے نمازیوں کو بارش سے آرام ملتا تھا بند کردیا، کنواں جس سے مخلوق کو نفع تھا اس کی ایک سیڑھی کا راستہ بند کردیا گیا گویا ایک رخ بالکل بند کردیا جس سے بہشتیوں کو ازحد تکلیف ہے انھوں نے پانی بھرنا بند کردیا۔ دو دیواریں بنا کر اس میں کھڑکی لگادی ہے جس سے کچھ نفع نہیں۔ یہ لوگ کس سزا کے مستحق ہیں، یہ کام اچھے کئے یا بُرے کئے؟ ہندؤں میں سے ایک شخص نے کسی سے پوچھا یہ کنویں پر دو دیوار کیا ہیں، اس نے اپنی جہالت سے کہا کہ یہ میرا.....

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۵-۴۱۴

بنایا ہے لوگوں کے تکلیف دینے کو، تو کیا یہ شخص کافر ہو گیا، حالانکہ ان دیواروں کو وہ مسجد نہیں سمجھتا ہے بلکہ یہ شرارت کی دیواریں سمجھتا ہے کس سزا کا مستحق ہے؟

الجواب

اگر یہ بیانات واقعی ہیں، تو مسلمانوں کی قبروں کا کھود ڈالنا ہرگز جائز نہ تھا اس سے وہ توہین مسلمین کی سزا کے مستحق ہیں، سزا یہاں کون دے سکتا ہے، اور اگر یہ قبریں اس لئے کھودیں کہ اس جگہ پر نماز پڑھی جائے تو یہ نماز کو بھی خرابی میں ڈالنا ہے، قبور کی جگہ نماز جائز نہیں جب تک اندر تک کھود کر میت کے سب اجزاء نکال نہ دئے جائیں اور مسلمان میت کے ساتھ ایسا کرنا حرام حرام سخت حرام۔ درخت جو قدیم سے تھا اس کے کاٹنے کی کوئی وجہ نہ تھی، بلا وجہ شرعی نمازیوں کو تکلیف دینا سخت بد ہے۔ شمالی دروازہ کہ قدیم سے تھا اور اس سے نمازیوں کو آرام ملتا تھا اس کے بند کرنے کا بھی کوئی اختیار نہ تھا۔ کنوئیں کی ایسی روک جس سے پانی بھرنے والوں کو تکلیف ہو اور وہ بھرنا چھوڑ دیں ہرگز جائز نہیں، یہ سب بُرے کام ہوئے۔ اس مذاق نے بیہودہ کہا بُرا کیا مگر اس کے سبب کافر نہیں ہو سکتا کہ اس میں مسجد کی کوئی توہین نہیں، نہ وہ دیواریں مسجد کی ہیں۔ اس کے لئے اتنی سزا کافی ہے کہ توبہ کرے بیہودہ بکا آئندہ احتیاط کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ مسئولہ شیخ عظمت اللہ کوتوالی شہر بریلی شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک مسجد شریف قدیم مختصر سی تھی اہل اسلام نے اس کو منہدم کرا کر مغرب کی جانب میں مسجد جو بنائی اور مسجد قدیم کو اس کا صحن قرار دیا اور مسجد جدید اور صحن یعنی مسجد قدیم ہر دو کی کرسی بلند کی اور نیچے تہہ خانے بنائے اور مسجد قدیم کے تہہ خانے کے حصے کو مسجد کی دکانوں میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس صحن میں نماز پڑھنے والوں کو ثواب مسجد کا ملے گا یا نہیں؟ اور اگر یہ جائز ہے تو اس طرح مسجد جدید کے تہہ خانے کو بھی کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد مسجد ہو جانے کے بعد دوسرے کام کے لئے کرنا حرام حرام سخت حرام ہے ان پر فرض ہے کہ مسجد قدیم کا تہہ خانہ بدستور سابق بند کر دیں اور اب کہ مسجد جدید کو مسجد کر چکے اس کے تہہ خانے کو بھی کرایہ پر دینا حرام ہے ہاں مسجد کر دینے سے پہلے دکانیں وقف مسجد کے لئے بناتے اور اس کے بعد ان کی چھت کو مسجد کرتے تو جائز تھا اب ہرگز حلال نہیں مسجد قدیم کو جدید کا صحن کر لیا اس میں حرج نہیں وہ بدستور مسجد ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۱۰ ازشہر کہنہ محلہ کوٹ مسئولہ شیخ انعام اللہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ مسجد امام بارہ متصل زیارت شاہ صاحب کے ایک گوشہ میں واقع ہے اور گزشتہ زمانے کے شیعہ مذہب کے لوگ جو لکھنؤ کے پیرو تھے ان کی تعمیر کردہ ہے۔ لیکن اب مسجد مذکور اہلسنت کے قبضہ میں ہے اور کنواں مذکور سے ۳۳/۳۴ گز کے فاصلہ پر ہے، کنویں اور مسجد کے درمیان بوجہ کوڑے اور گھاس کیڑے وغیرہ کا احتمال رہتا ہے، اسی لئے مسجد مذکور آباد نہیں ہوتی۔ اہل محلہ چاہتے ہیں کہ مسجد مذکور کا ملبہ لب سڑک متصل کنواں اٹھالائیں اور یہاں مسجد تعمیر کرائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر اس مسجد کا بانی رافضی تبرائی روافض حال کا ہم عقیدہ تھا اور اسی مذہب پر مرا تو مسلمانوں کو جائز ہے کہ اس کا ملبہ دوسری مسجد میں لے جائیں، نیز جائز ہے کہ اس مسجد کی زمین کو بیچ کر جدید مسجد میں لگائیں۔

فی الدرالمختار لو وقف المرتد فقتل اومات او ارتد المسلم بطل وقفہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ اگر مرتد نے وقف کیا پھر قتل کردیا گیا یا مرگیا یا مسلمان مرتد ہوگیا تو اس کا وقف باطل ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۱ مسئولہ حافظ عبدالمجید از ضلع مراد آباد قصبہ بچھرایوں محلہ چودھریان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرے باپ جناب قبلہ وکعبہ حاجی عبدالرحمن صاحب نے ۲ جولائی ۱۸۹۹ء کو اپنی حقیت موضع کھادگوجر پرگنہ حسن پور ضلع مراد آباد تعدادی مواضع چار بسوہ کو اور میرے بھائی حاجی عبداللطیف خاں صاحب اور مجھ حافظ عبدالمجید خاں نے اپنی حقیت سوا سوا بسوہ موضع کافور پور وچک کافور پور پرگنہ بالسنڈہ ضلع بجنور کو بنا بر صرف مسجد وچاہ وپیاؤ وقف کردیا مگر وہ جگہ جہاں مسجد وکنواں تیار کرانے کا خیال تھا وہ جگہ آبادی قصبہ بچھرایوں سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر جنگل میں جانب شرق اور مسجد لب سڑک سے جو آبادی میں بنی ہوئی ہے دو سو گز کے فاصلہ پر ہے بعد وقف ہوجانے کے جو میری غیبت میں تکمیل ہوا تھا یہ خیال پیدا ہوا کہ اس جگہ مسجد کا بنانا کارآمد نہیں ہے کیونکہ اس موقع پر بوجہ ہونے آبادی کے آباد نہیں رہ سکتی مگر یہ خیال جناب والد بزرگوار صاحب

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۷

ظاہر نہ کرسکا تھا کہ میرٹھ اپنی ملازمت پر تشریف لے گئے وہاں سے ان کا والا نامہ صادر ہوا کہ فوراً مسجد کی تعمیر کردیں میں نے بخوف ان کی ناراضی کے اپنا خیال تو ظاہر نہ کیا مگر بموجب ارشاد تعمیل یہ کردیا کہ دیہات سے چار بیگاری جمع کرکے مسجد کی نیو معین بنیاد کندہ کرائی اور زمین برابر نیو چنوادی چونکہ موسم برسات آنے والا تھا والد بزرگوار قبلہ کو بطور عریضہ یہ عرض کیا کہ بنیاد بھروادی گئی اور تعمیر مسجد بعد برسات شروع کی جائے گی، اس کے بعد میں خود جناب والد صاحب قبلہ کے پاس پہنچا اور ان سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ مسجد تو بموجب ارشاد عالی بنادی جائے گی مگر اس کی آبادی کی کون سی صورت ہے، اول جناب والا وہاں پر اس کا زنانہ ومردانہ بنادیں اور میں وہاں محلہ آباد کرلوں تب مسجد تیار ہونی چاہئے، انھوں نے اس بات کو بخوبی منظور فرمایا، اس عرصہ میں ان کا انتقال ہوگیا مگر کنواں و پیاؤ تیار ہوگیا تھا اور بدستور جاری ہے نہ مکان تیار نہ وہ آباد ہوا۔ ہم دونوں بھائی آپس میں جدا ہوگئے اور اس وقف کا بعد جناب قبلہ کے میں متولی رہا۔ ایک مسجد درمیان آبادی منہدم ہوگئی تھی، میں نے اس روپیہ سے وہ مسجد از سر نو بنوائی اور وہ بنیاد مسجد جو جنگل میں بیگاروں سے بھروادی تھی اکھڑوا کر اس کی اینٹیں بھی اس میں لگوا کر تیار کروادی، اب اس وقف کی رقم جمع ہے اور ایک مسجد محلہ جو میرے مردانہ مکان کے پیش دروازہ ہے از حد مرمت طلب ہورہی ہے اور کوئی صاحب اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ میرا خیال ہے کہ اگر شرع شریف اجازت دے تو میں اس مسجد کی اس روپیہ سے مرمت کرادوں۔ دوسرے یہ کہ وہ مسجد جہاں جنگل میں پہلے بنیاد بھروادی تھی اور وہ اس وجہ سے کہ کبھی کسی وقت کار آمد و آباد نہیں ہوسکتی اکھڑوا ڈالی گئی تھی اس کا بنانا ضروری ہے یا اس مسجد کی مرمت کرادینا ضرور ہے؟

الجواب

جبکہ یہ صحیح ہو کہ وہ جگہ آباد نہیں ہوسکتی اور وہ مسجد کام میں بھی نہ آئے گی تو وہ مسجد نہ ہوئی ان اینٹوں اور روپے کو دوسری مسجد میں صرف کرسکتے ہیں، عالمگیری میں ہے:

رجل بنی مسجدا فی مفازة حیث لایسکنها احد، وقل مایمر به انسان لم یصر مسجدا لعدم الحاجة الی صیرورته مسجدا کذا فی الغرائب[1]

اگر کسی شخص نے جنگل میں مسجد بنادی جہاں کوئی بھی نہیں رہتا اور بہت کم ہی کسی انسان کا وہاں سے گزر ہوتا ہے تو وہ مسجد نہیں ہوتی کیونکہ اس کے مسجد ہونے کی ضرورت نہیں، غرائب میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

والله تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۰

مسئلہ ۳۱۲ از شہر محلہ باغ احمد علی خاں مسئولہ منشی فتح محمد صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ،

(۱) ایک مسجد اہل سنت وجماعت کی تعمیر ہو رہی ہے اور اس کا چندہ جمع ہو رہا ہے، اس مسجد میں کس کس مذہب کا پیسہ لگانا جائز ہے اور کس کس مذہب کا ناجائز؟

(۲) ایک مسجد رافضی کی تیار کی ہوئی ہے جو اس وقت ایک گوشہ میں ویران پڑی ہے اس میں اہلسنت وجماعت کی یہ رائے ہے کہ اس مسجد کو شہید کرکے دوسری جگہ مسجد تعمیر کرائی جائے اس کی زمین کا پیسہ دوسری مسجد اہلسنت وجماعت میں لگایا جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس مسجد کا اب کوئی فساد کرنے والا نہیں۔

الجواب

(۱) مسجد میں صرف اہلسنت کا پیسہ لیا جائے، کافروں یا مرتدوں کا ناپاک مال نہ لیا جائے۔

(۲) رافضی جو ایسا ہی مذہب رکھتا ہے جیسا کہ آج کل کے رافضیوں کا ہے اگر اس نے مسجد بنائی اور مر گیا تو اس کی مسجد کی زمین اور عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں جبکہ فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۳ از حصار محمد عبدالرشید مدرس انجمن محاسن الاسلام احاطہ عبدالغفور خاں ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دکان مرہونہ مسجد کے نام کسی صورت میں جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب

دکان کہ مسجد پر وقف کی گئی اور واقف نے شروط وقف میں اس کے بدلنے کی اجازت نہ رکھی وہ کسی طرح نہیں بک سکتی، مگر یہ کہ تباہ و ویران ہو جائے اور کوئی صورت اس کی آبادی کی نہ رہے تو اسے بیچ کر دوسری جگہ دکان خرید کر متعلق مسجد کردے، یا دکان پر کسی ظالم کا قبضہ ہو گیا اور اس سے کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی مگر دام دینے پر راضی ہے تو لیں اور دوسری دکان اس کی جگہ قائم کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۴ از شہر کہنہ درگاہ شاہ داناصاحب قدس سرہ مسئولہ رحمت علی صاحب ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہ داناصاحب کا مزار شریف ایک چھوٹے سے احا

کے اندر نور افروز ہے اور اسی احاطہ میں ایک مسجد اور ایک خانقاہ جانب شمال دو تین گز کے فاصلے پر واقع ہے خانقاہ قدیم الایام یعنی مزار شریف کی تعمیر کے زمانہ سے اب تک واسطے ٹھہرنے سیاحین زائرین مقرر ہے، چنانچہ اکثر اولیاء اللہ سابق درویش اور سالکین استقامت کیش جو وقتاً فوقتاً واسطے زیارت اور حاصل کرنے مراد اور برکات کے دُور دراز سے سفر کرکے آتے ہیں تو اسی خانقاہ میں ٹھہرا کرتے ہیں اور جو کہ ایام عرس میں تخمیناً ایک لاکھ مرد و عورت و لڑکی لڑکے جوان بڈھے مزار اقدس میں جمع ہوتے ہیں اور یہ بھیڑ بھاڑ تقریباً ایک ماہ تک رہتی ہے تو اس ہنگامہ میں سوا اس مکان کے دھوپ اور بارش وغیرہ کے بچاؤ کے لئے اور کوئی مکان متعلق نہیں ہے اگر وُہ مکان نہ ہو تو زائرین کو از حد پریشانی اور تکلیف ہو، دوسرے یہ کہ اس خانقاہ کے اندر دو ایک قبریں بھی ہیں اور ایک قبر خلیفہ ولایت علی صاحب کی بھی ہے کہ اس قبر کو ہموار کرکے اس پر بیٹھ کے پڑھتے ہیں، اب اس خانقاہ اور شرقی حصہ صحن مزار شریف کو عرصہ تقریباً دو ایک ماہ سے بلا اجازت متولی صاحب و بغیر منشا خادمین جو پشت با پشت سے اس پر بطور مالکانہ کے قبضہ رکھتے ہیں چند اشخاص وہابی محلہ شاہ آباد نے بتقریب تعلیم صبیان جدید اس میں جدید مدرسہ قائم کیا ہے، مدرسے کے اکثر طلبہ جو خانقاہ میں قبریں ہیں ان پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور صحن مزار شریف میں شور سے بے ادبی اور بدتمیزی دھینگا مشتی کرتے ہیں اور چھوٹے لڑکے ساتھ مسجد میں جاکر فرش مسجد اور دالانوں کو ناپاک کرتے ہیں اس صورت میں اسلامی قانون شرعی کے مطابق مقام مذکور پر مدرسہ رکھ سکتا ہے یا نہیں جبکہ بانی مبانی عمارت شریف کی یہ نیت اور منشا نہ ہو اور متولی ان حرکات سے اور مدرسے کے قیام سے قطعاً راضی نہ ہو اور مسافرین اور زائرین کی جگہ جبراً چھین لی ہو اور لڑکے اس مقام متبرک پر گندباد سے بے ادبی کرتے ہوں اور قبروں کو نشست گاہ بنایا ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر خانقاہ میں عاقل، بالغ، باتمیز، باادب اور قریب بلوغ متادب لڑکوں کے لئے درس دینے کی اجازت دی جاتی اور قبور کی بیحرمتی نہ کی جاتی اور حاضرین پر ٹھہرنے کی جگہ تنگ نہ ہوتی اور ایام عرس شریف میں خانقاہ ان کے لئے خالی رہتی اور یہ سب کچھ عاریۃً ہوتا نہ کہ خانقاہ یا مسجد پر مالکانہ قبضہ تو حرج نہ تھا مگر مسجد کی بے حرمتی حرام اور اس میں بچوں کا جانا ممنوع۔ ابن ماجہ کی حدیث ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم[1] — اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور اپنی آوازیں اونچی کرنے سے بچاؤ (ت)

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

اور مسلمان کی قبر پر بیٹھنا یا چلنا ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان اطأ علی جمرۃ حتی تخلص الی جلدی احب الی من ان اطأ علی قبر مسلم او ما ھذا معناہ[1]

مجھے چنگاری پر پاؤں رکھنا یہاں تک کہ وہ جوتا توڑ کر کھال تک پہنچ جائے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

لان امشی علی سیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم[2] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مجھے تلوار پر چلنا مسلمان کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے (جیسا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یکرہ القعود علی القبر لان سقف القبر حق المیت[3]

قبر پر بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔ (ت)

فتح القدیر و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام[4]

قبرستان میں جو نیا راستہ بنایا جائے اس میں چلنا حرام ہے۔ (ت)

اور مسلمان کی قبر کو ہموار کردینا اور بھی سخت حرام۔ حاضرین کے لئے جگہ تنگ کرنا جن کی اصل وضع خالصاً ہے وقف میں تصرف بیجا اور مخالفت غرض واقف ہے کہ شرعاً ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۸: از ضلع بردوان مقام رائی گنج مسئولہ میر ضامن سیکرٹری مدرسہ دارالعلوم ۹ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۱۲
سنن ابو داؤد کتاب الجنائز باب کراہیۃ القعود علی القبر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۰۴
الترغیب والترہیب الترہیب من الجلوس علی القبر مصطفی البابی مصر ۴/۳۷۲
[2] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی النہی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵
[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل الاستنجاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۲۹

(۱) مسجد کی موقوفہ جائداد کا متولی مسجد یا مسجد کے متعلق مکان میں تنہا اپنی رائے سے کسی قسم کی ترمیم کرسکتا ہے یا نہیں ایسی صورت میں کہ مصلیان مسجد اس ترمیم کے سخت مخالف ہوں

(۲) مسجد کی کوٹھری یا حجرہ یا مسجد کا مدرسہ آیا متولی موصوف کی ملکیت ہے یا ان کا تعلق وغیرہ - امام و مؤذن کی تقرری و برخاستگی عام مصلیان مسجد کے اتفاق پر موقوف ہے مصلیان مسجد کو اس کے متعلق کوئی بازپرس کرنے کا اور تبع خرچ کے سمجھنے کا اختیار ہے یا نہیں؛

(۳) مصلیان مسجد کے خلاف میں اگر کسی مسجد کا متولی دوسری مسجد کے نمازیوں کو اپنے ساتھ ملا کر مخالفت سے اس مسجد میں کوئی ناپسندیدہ کام کرنا چاہے اور اس کی قابل درست چیزیں خراب ہو رہی ہوں تو مصلیان مسجد کو اس پر رکاوٹ کا مجاز اور متولی کو ان کا متعلق الزام سے کرنا ضروری ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) اگر اس ترمیم کا اختیار اسے واقف نے دیا تھا تو کرسکتا ہے ورنہ نہیں، یہ بات ملاحظہ شرائط وقف سے ظاہر ہوسکتی ہے۔

(۲) مسجد اور اس کے متصل کوئی شے نہ متولی کی ملک ہے نہ مصلیوں کی نہ کسی غیر خدا کی، وہ سب خالص ملک الٰہی ہے، اوقاف مسجد کا انتظام متولی کے سپرد ہے اور امام و مؤذن کا نصب وعزل بانی مسجد یا اس کی اولاد پھر مصلیوں کے متعلق ہے متولی جو بات خلاف شرائط وقف کرے مصلی بلکہ عامہ مسلمین اس سے بازپرس کرسکتے ہیں۔ متولی امین ہے جب تک اس کی خیانت کا صحیح مظنہ نہ پیدا ہو وہ تبع خرچ سمجھانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ درمختار میں ہے:

سئل قارئ الهداية عمن طلب محاسبة شريكه فاجاب لايلزمه بالتفصيل و مثله المضارب والوصي والمتولي، نهر[1]

قارئ الہدایہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنے شریک سے محاسبہ کا سوال کرے تو قارئ ہدایہ نے جواب دیا کہ شریک پر مفصل جواب دینا لازم نہیں، اسی کی مثل ہے مضارب، وصی اور متولی، نہر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے: يحمل اطلاقه على غير المتهم[2] (اس کا اطلاق اس شخص پر محمول کیا جائیگا

---

[1] درمختار كتاب الشركة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۳

[2] ردالمحتار كتاب الشركة داراحياء التراث العربي بيروت ۳/۳۴۷

جس پر تہمت نہ لگائی جاتی ہو۔ت)

(۳) سائل نے ناپسندیدہ کام کی تفصیل نہ کی ان کو ناپسندیدہ ہے یا شرعاً، جو شرعاً ناپسندیدہ ہے اس کا اختیار کسی کو نہیں، نہ وہ کسی کے متعلق (ارادے ہونے سے ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۹: مولوی غلام محی الدین صاحب راندیری ۱۰ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ جام نگر (علاقہ کاٹھیاوار) میں دو مسجدیں ایسی مسلمان بائیوں (عورتوں) کے نام سے بنی ہوئی ہیں کہ کافر راجہ نے ان کو باوجود اسلام پر قائم رہنے کے اپنی ہی جماعت میں ہمیشہ کے لئے قائم و دائم زبردستی کرکے رکھا، ایک خاطر بائی کی مسجد راجہ سے مال کثیر لے کر اصل پرانی مسجد پر اپنے مسلمان ناظر نوکر کے مال حوالہ کرکے مسجد بنائی ہے۔ اسی طرح دوسری امرت بائی کی مسجد نو تعمیر ہو کر امرت بائی کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے راجہ کے وقت میں قصبہ ہذا میں سات مسجدیں سات بائیوں کے نام سے پچاس سال ہوئے ہیں بنائی ہیں:

ایک دھن بائی کی مسجد جو جامع مسجد دھن بائی کی مشہور ہے پرانی مسجد پر اس کی تعمیر ہوئی۔

دوسری ناتھی بائی کی مسجد رانضی پورہ محلہ میں پرانی مسجد کو شہید کرکے نئی بنائی گئی ہے۔

تیسری جان بائی کی نادری کی مسجد یہ بھی ایک پرانی مسجد شہید کرکے نئی بنائی گئی ہے۔

چوتھی والیانی کی مسجد جو پرانی جیل کے قریب بالکل نئی تعمیر کی گئی ہے۔

پانچویں رتن بائی کی مسجد لنگھا دروازہ میں نئے سرے سے بنائی گئی ہے، قبل ازیں یہاں کوئی مسجد نہ تھی۔

چھٹی رفیس بائی کی مسجد جو ملک لوگوں کی مسجد تھی اس کو شہید کرکے وسیع پیمانے پر بنائی گئی ہے۔

ساتویں چھوٹی دھن بائی کی مسجد جو کھیراتی دروازہ میں کہنہ خورد مسجد کو شہید کرکے اسی پر بنائی گئی ہے۔

یہ عورتیں مسلمان صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں اور کافر راجاؤں کے جبر سے مرتے دم تک ان کے مکان میں رہیں، اور راجاؤں سے ان عورتوں نے مال حاصل کرکے اپنے نوکر مسلمان ناظر کو مال حوالہ کردیا اور ان ناظروں نے مسجدیں بنا کر مسلمانوں کے قبضہ میں کردیں اور تا ایں دم مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ یہ عورتیں مر چکی ہیں، ان کی ہر ایک کی قبر ہر مسجد کے فنا میں بنی ہوتی ہے اور ان میں سے جو مسجدیں سابق پرانی مسجدوں کو شہید کرکے تعمیر کی گئی ہیں، ان کے فنا میں اولیاء کے مزار بھی ہیں، ان مسجدوں کے ان بائیوں کے نام سے موسوم ہونے پر کافر کا روپیہ لگنے کے باعث اگرچہ ان عورتوں میں ہر ایک نے اپنے نوکر ناظر مسلمان کو حوالہ کرکے مسجد کی تعمیر کرائی ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں کردی گئی

باوجود اس کے مسلمانوں کے دو گروہ اذان دم تا ایں دم چلے آتے ہیں، ایک گروہ ان مسجدوں میں نماز پڑھنا جائز سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ بوجوہ بالا ناجائز سمجھ کر ان میں نماز نہیں پڑھتا اور پڑھنے والے کو روکتا ہے، معترض گروہ نے اپنے استدلال میں ایک عربی رسالہ بھی لکھا ہے جو منسلک استفتاء ہذا ہے۔ قائلین جواز اکثر فتاوی کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ یہ مسجدیں اپنے مصارف کے لئے قطعاً کسی کی محتاج نہیں ہیں کیونکہ ہر مسجد اپنے تعلق میں دکانیں رکھتی ہے، موجودہ کا فرراجہ کو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ ان مسجدوں میں بحکم شرع شریف نماز ناجائز ہے تو وہ ان کے انہدام میں ایک لحہ دیر نہ لگائے اور مسجدیں ودکانیں جن کی عمارت تقریباً دس لاکھ بلکہ زائد ہوگی مسلمانوں کے قبضہ وتصرف سے نکل جائیں گی اور مزارات اولیاء کرام جو ان مسجدوں کی فنا میں واقع ہیں مسمار کردئے جائیں گے آپ نہایت تفصیل سے عام فہم زبان میں ارشاد فرمائیں کہ حکم شرع شریف کیا ہے تاکہ مسلمانوں میں فساد مذکورہ بالا کی بیخ کنی ہوجائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وہ مسجدیں شرعاً مساجد ہیں اور ان میں نماز قطعاً جائز، اور ان کا ہدم ظلم شدید اور ان میں نماز پڑھنے سے روکنا، ان کی ویرانی میں کوشش کرنا حرام۔

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کی۔

عربی رسالے میں اجرتِ زنا کی حُرمت کا بیان ہے اس میں کسے کلام ہے مگر اسے یہاں سے کیا علاقہ، اور ان مسجدوں کی ابطال مسجدیت سے تو اُسے اصلاً مس نہیں، یہاں نہ اجارہ ہوا نہ وہ مال کہ ان عورتوں نے پایا اُجرت تھا، نہ اس کے لئے حکم حُرمت تھا، اور بالفرض ہوتا تو ان مسجدوں کو مسجد نہ ماننا جہالت تھا۔

اوّلاً اجارہ کہ بیع منافع ہے مثل بیع محتاج ایجاب وقبول وتراضی طرفین ہے اور سوال میں ہے زبردستی کرکے رکھا، کافر راجاؤں کے جبر سے رہیں تو نہ کوئی اجارہ تھا نہ ایجاب وقبول، خود رسالہ عربیہ میں اقرار کیا ہے کہ صورت مبحوث عنہا میں عقد اجارہ نہیں تو مسئلہ اجرتِ زنا کی بحث بیکار تھی۔۔ رہا رسالہ کا یہ گمان کہ جب بے عقد ہے تو بدرجہ اولٰی حرام ہے کہ اب اس کی حرمت پر اتفاق ہے، ذخیرۃ العقبٰی میں ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

ما اخذته الزانية ان کان بعقد الاجارة فحرام عندھما وان کان بغیر عقد فحرام اتفاقا لانھا اخذته بغیر حق کذا فی المحیط۔[1]

جو کچھ زانیہ نے لیا اگر عقدِ اجارہ کے طور پر ہے تو صاحبین کے نزدیک حرام ہے اور اگر بلا عقد ہے تو بالاتفاق حرام ہے کیونکہ زانیہ نے اس کو ناحق لیا ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

اقول یہی وہ ناسمجھی ہے جس نے غلطی میں ڈالا، بلاوجہ کسی کا مال لے لینا کہ بالاتفاق حرام ہے مالِ معصوم میں ہے جو کہ مسلمان یا ذمی یا مستامن کا مال ہے ان کے غیر کا مال کہ بلاعذر لے خصوصاً جو خود اس کی رضا سے ہو اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ بلاوجہ محض بلکہ بنام وجہ فاسد وناجائز مثل ربا وقمار وغیرہا ہو۔ ہدایہ وفتح القدیر میں ہے:

(مالھم مباح) واطلاق النصوص فی مال محظور وانما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا لم یاخذ غدرا فبای طریق یاخذہ حل) بعد کونه برضا۔[2]

(ان کا مال مباح ہے) اور نصوص کا اطلاق مالِ ممنوع پر ہوتا ہے اور بیشک وہ (کافر حربی کا مال) مسلمان پر اسی صورت میں حرام ہوتا ہے جب بطور غدر لیا جائے، اور اگر غدر و دھوکے سے نہ لے تو جس طرح بھی حاصل کرے حلال ہے بشرطیکہ اس کافر کی رضامندی سے ہو۔ (ت)

مبسوط میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کفارِ مکہ سے نصرتِ مسلمین پر شرط باندھ کر مال لینا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے جائز رکھنا بلکہ حسبِ حکم حضور شرط میں اضافہ کرنا مذکور، محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں:

وھو القمار بعینه بین ابی بکر ومشرکی مکة وکانت مکة دار شرک۔[3]

اور وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور مشرکین کے درمیان بعینہ جوا تھا اور مکہ دارِ شرک تھا۔ (ت)

ثانیاً جب ان کا دینا بجبر واکراہ تھا تو عقد در کنار شرط زنا پر لینا بھی نہ ہوا تو رسالہ عربیہ کا

---

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدہ نولکشور کانپور ۳/ ۵۱۲
[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸
[3] ؎ " " " " " " "

کہا کہ،

ماتاخذہ الزانیۃ علی الزنا بغیر عقد الاجارۃ حرام اتفاقا وھو المبحوث عنہ۔

جو کچھ زانیہ زنا پر بغیر عقد اجارہ کے لے وہ باتفاق حرام ہے اور یہ زیر بحث ہے (ت)

یوں بھی صحیح نہیں اور اب مالِ کافر کی بھی قید نہ رہی،

فی الھندیۃ عن المحیط عن المنتقی ابراھیم عن محمد امرأۃ نائحۃ اوصاحب طبل او مزمار اکتسب مالا قال ان کان علی شرط ردہ علی اصحابہ لانہ اذا کان الاخذ علی الشرط کان المال بمقابلۃ المعصیۃ فکان الاخذ معصیۃ والسبیل فی المعاصی ردھا اما اذا لم یکن الاخذ علی الشرط لم یکن الاخذ معصیۃ والدفع حصل من المالک برضاہ فیکون لہ و یکون حلالا لہ[1]۔

پس ہندیہ میں محیط سے بحوالہ منتقی ابراہیم سے بروایت امام محمد منقول ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت، ڈھول بجانے والے اور سارنگی بجانے والے نے جو مال کمایا اگر وہ کسی شرط پر تھا تو وہ مالکوں کو واپس کریں کیونکہ جب اس کا لینا شرط پر ہُوا تو وہ معصیت کے مقابلہ میں ہوا اور معاصی میں چھٹکارے کی سبیل اس کو مالکوں کی طرف لوٹانا ہے اور اگر وہ شرط کی بنیاد پر نہ تھا اس کا لینا معصیت نہ ہُوا اور یہ دینا خود مالک کی طرف سے اس کی رضا کے ساتھ متحقق ہُوا لہذا وہ اس کے لئے حلال ہوگا۔ (ت)

ثالثًا حقیقت امر یہ ہے کہ ارباب ماجرا جو عورتیں رکھتے اور انھیں اپنا پابند کرتے ہیں اپنے زعم مردود میں انھیں مثل ازواج و کنیزان سمجھتے ہیں اور جو کچھ ادرار ماہوار انھیں دیتے ہیں نہ بعوض زنا ہوتا ہے نہ بشرط زنا بلکہ نفقۂ ازواج کی طرح جزاء احتباس سمجھ کر دیتے ہیں ولہذا اگر ان میں بعض کی صورت بھی مہینوں نہ دیکھیں جب بھی ادرار میں فرق نہیں آتا یہ حبس ضرور ظلم و حرام ہے اور اگر برضائے زنان ہو تو قطعًا یہ بھی عاصیہ کہ رضا بالحرام حرام ہے لیکن جب بالجبر ہے تو اس کی طرف سے معصیت نہیں،

قال تعالٰی ومن یکرھھن فان اللہ من بعد اکراھھن غفور رحیم[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو ان پر جبر و اکراہ کرے تو اللہ تعالٰی ان عورتوں کے مجبور ہونے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس عشر فی الکسب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۹
[2] القرآن الکریم ۲۴/۳۳

تو وہ ان کے لئے کسی طرح مقابل معصیت نہیں اور امام محمد کا ارشاد بلاوقت صادق کہ مال برضائے مالک[1] تو ان کے لئے حرام نہیں۔ علاوہ ماچہار بعض منظورات نظر کو اور اموال جو نذر دیتے ہیں مسلم کی طرف سے ہوتے تو ضرور حرام ہوتے کہ رشوت تھی،

ولعن الراشی والمرتشی کلاھما فی النار[2]۔ رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ (ت)

لینے والی مالک نہ ہوتی اور ان کا دینے والے کو واپس دینا فرض ہوتا۔ ہندیہ میں قنیہ سے ہے:

المتعاشقان یدفع کل واحد منھما لصاحبہ اشیاء فھی رشوۃ لایثبت الملك فیھا وللدافع استردادھا[3]۔ باہمی معاشقہ کرنے والوں میں سے ہر ایک نے جو دوسرے کو دیا وہ رشوت ہے اس سے ملک ثابت نہیں ہوتی اور دینے والے کو اختیار ہے کہ واپس لے لے۔ (ت)

یہاں کہ دینے والا حربی غیر مستامن ہے اور اُن کی طرف سے غدر نہیں بلکہ برضائے مالک ہے تو بحکم استیلاء ان کی ملک ثابت اور ہدایہ کا ارشاد صادق کہ،

بای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیہ غدر[4]۔ مسلمان جس طرح بھی لے ایک مال مباح لیتا ہے جبکہ اس میں غدر نہ ہو۔

خصوصاً وہ روپیہ کہ راجہ سے مسجد کے لئے مانگ کر لیا اور اس نے بخوشی دیا اسے زبردستی زرِ حرمت مان لیا گیا تھا۔

رابعاً بالفرض یہ روپیہ حرام ہی ہوتا تو امام کرخی کے مذہب مفتی بہ پر مسجد کی طرف اس کی خباثت سرایت نہ کرسکتی جب تک اس پر عقد ونقد جمع نہ ہوتے یعنی وہ روپیہ دکھا کر بائعوں سے اینٹ کڑیاں زمین وغیرہا خریدی جاتیں کہ اس روپے کے عوض میں دے پھر وہی زر حرام ثمن میں ادا کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ عام خریداریاں اس طور پر نہیں ہوتیں تو اب بھی ان مسجدوں میں اثر حرام ماننا جزاف وباطل تھا۔

تنویر الابصار میں ہے:

تصدق بالغلۃ او تصرف فی المغصوب ... اور باقیماندہ منفعت کو صدقہ کرے اگر کسی نے مغصوب اور

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب ص عن ابن عمر حدیث ١٥٠٧٧ موسسۃ الرسالہ بیروت ٦/ ١١٣
الترغیب والترہیب ترہیب الراشی والمرتشی مصطفی البابی مصر ٣/ ١٨٠
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ٤/ ٤٠٣
[4] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربو مطبع یوسفی لکھنؤ ٣/ ٨٦

او الودیعة وبه اذا کان متعینا بالاشارة او بالشراء بدراھم الودیعة او الغصب ونقدھا وان اشار الیه ونقد غیرھا او الٰی غیرھا او اطلق ونقدھا لا وبه یفتی[1]

ودیعت میں تصرف کیا اور اس سے نفع حاصل ہوا جبکہ وہ مغصوب یا ودیعت متعین ہوچکا ہے اشارہ سے متعین ہوا غصب وودیعت کے دراہم کے بدلے خریدے اور انہی دراہم کو ادا کرنے سے متعین ہو، اور اگر اشارہ دراہم غصب وودیعت کی طرف کیا اور ادا دوسرے درہم کئے یا اشارہ دراہم غصب وودیعت کے غیر کی طرف کیا اور ادا دراہم غصب و ودیعت کئے یا ذکر مطلق دراہم کا کیا بلا اشارہ کے اور ادا دراہم غصب وودیعت کئے تو ان تینوں صورتوں میں منفعت صدقہ نہ کرے، اسی پر فتوٰی دیا گیا ہے۔ (ت)

خامسًا پورے تنزل کے بعد بالفرض سرایت خبث بھی سہی تو یہ خبث بوجہ فساد ملک ہوگا نہ بوجہ عدم ملک کہ بسبب استیلاء ملک زناں میں شبہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

دخل مسلم دار الحرب بامان حرم تعرضه لشیئ منھم فلو اخرج شیئا ملکه ملکا حراما للغدر فیتصدق به[2]

اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں امان لے کر داخل ہوا تو ان کی کسی چیز سے تعرض کرنا اس کو حرام ہے اگر وہ ان حربی کافروں کی کوئی چیز نکال لایا تو دغابازی کی وجہ سے اس کا مالک بملک حرام ہوا لہٰذا اس کو صدقہ کرے۔ (ت)

تو اس صورت میں بھی صحت مسجدیت وجواز نماز کے لئے روایات کثیرہ جلیلہ موجود ہیں متفرقات وقف عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

لو اشتری ارضا شراء فاسدا فقبضھا واتخذھا مسجدا وصلی الناس فیه ذکر ھلال رحمه اللّٰه تعالٰی فی وقفه انه مسجد وعلی المشتری قیمتھا ولا ترد الی البائع قال ھلال ھذا قول اصحابنا

اگر کسی نے شراء فاسد کے ساتھ کوئی زمین خریدی اور اس پر قبضہ کرکے اس کو مسجد بنا دیا اور لوگوں نے اس میں نماز پڑھی تو ہلال رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے وقف میں فرمایا کہ وہ مسجد ہے اور اس کی قیمت مشتری کے ذمے ہے اس کو بائع کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا، ہلال رحمۃ اللہ نے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶-۲۰۵
[2] درمختار کتاب الجہاد باب المستامن " " " ۱/ ۳۴۶

فی المسجد والوقف علی قیاسہ[1]

فرمایا کہ ہمارے اصحاب کا یہ قول مسجد کے بارے میں ہے اور وقف کو اسی پر قیاس کیا جائیگا (ت)

فتاوٰی قاضیخان نیز ہندیہ اوائل الوقف میں ہے:

لواشتری رجل دارا شراء فاسدا و قبضہا ثم وقفہا علی الفقراء والمساکین جاز وتصیر وقفا علی ما وقفت وعلیہ قیمتہا[2]

اگر کسی شخص نے شراء فاسد کے ساتھ ایک گھر خریدا اور اس پر قبضہ کرلیا پھر اس کو فقراء و مساکین پر وقف کردیا تو جائز ہے اور وہ ان پر وقف ہوجائیگا جن پر اس نے وقف کیا اور اس کی قیمت اسی مشتری پر لازم ہوگی۔ (ت)

تنویر الابصار احکام البیع الفاسد میں ہے:

فان وقفہ وقفا صحیحا نفذ[3]

اگر اس کو وقف صحیح کے ساتھ وقف کیا تو نافذ ہوجائے گا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لانہ استہلکہ حین وقفہ واخرجہ عن ملکہ وما فی جامع الفصولین علی خلاف ھذا غیر صحیح کما بسطہ المصنف[4]

اس لئے کہ اس نے وقف کرکے اس کو ہلاک کر ڈالا اور اس کو اپنی ملک سے خارج کردیا، اور وہ جو جامع الفصولین میں اس کے خلاف آیا ہے وہ صحیح نہیں جیسا کہ مصنف نے اس کو تفصیل سے بیان کیا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی جامع الفصولین لو وقفہ او جعلہ مسجدا لا یبطل حق الفسخ مالم یبن اھ ای فالمانع من الفسخ ھو البناء حملہ فی

جامع الفصولین میں ہے کہ اگر مشتری نے اس کو وقف کیا یا مسجد بنایا تو جب تک عمارت نہ بنالے حق فسخ باطل نہیں ہوتا اھ یعنی مانع فسخ عمارت ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۴-۸۵

[2] " " الباب الاول فی تعریفہ " " ۲/ ۳۵۲

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

[4] درمختار " " " " " " " " "

النھر علی احدی الروایتین و ھو اولی من التعلیل وحملہ فی البحر علی ما اذا لم یتصل بہ قضاء لکن المسجد یلزم بدون القضاء اتفاقا[1]

صاحبِ نہر نے اس کو دو روایتوں میں سے ایک پر محمول کیا اور یہ اس کی تعلیل سے اولٰی ہے اور بحر میں اس کو اس پر محمول کیا کہ جب تک اس کے ساتھ قضاء واقع نہ ہو۔ میں کہتا ہوں لیکن مسجد تو بغیر قضاءِ قاضی کے لازم و ثابت ہوجاتی ہے بالاتفاق۔ (ت)

اسی کے اوائل وقف میں ہے:

صح وقف ما شراہ فاسدا بعد القبض[2]

قبضہ کے بعد اس چیز کا وقف صحیح ہے جس کو شراءِ فاسد کے ساتھ خریدا ہو۔ (ت)

تو بحالت مذکورہ سوال اسی پر فتوٰی واجب ہوتا اذ لا یفتی فی الوقف الا بما ھو انفع لہ (وقف میں صرف اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے جو اس کے حق میں زیادہ نافع ہو اس کے غیر پر فتوٰی نہیں دیا جاتا۔ ت) مگر ان مباحث عظیمہ کے ساتھ جو ہم نے ابتداءً ذکر کیں حق کے بعد شبہہ کا اصلاً گنجائش نہیں، وللہ الحمد، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۲: از لکھنؤ [illegible] مسئولہ منشی انور علی ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و فضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مؤذن مسجد ہے اور اس شخص مؤذن نے حجرہ مسجد جو وقف تھا اس میں اپنا دخل اور تصرف مالکانہ کرکے ایک مکان اوپر اس حجرہ کے بنایا ہے اور حجرہ وقف کو اپنے مالکانہ تصرف اور ماتحت میں لاتا اور اس میں خانہ داری و سکونت کرتا ہے، کیا عندالشرع الشریف یہ جائز ہے یا نہ اور اہلِ محلہ اس کو خارج کرسکتے ہیں یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حجرہ اگر سکونت مؤذن کے لئے واقف نے وقف کیا تھا اور اس نے اس کے اوپر کوئی عمارت اپنے روپے سے وقف کے لئے بنا کر اس میں سکونت کی تو اس پر الزام نہیں، نہ یہ کوئی تصرف مالکانہ ہے بلکہ مطابق شرط واقف ہے اور اگر حجرہ مسجد کے دیگر مصارف کے لئے وقف ہوا تھا جن میں سکونت مؤذن داخل نہیں، تو بیشک ناجائز ہے اور متولیان مسجد اسے خارج کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۲۹

[2] " کتاب الوقف " " " " ۳/۳۵۹

مسئلہ ۲۲۳: از گرواڑہ ریاست بڑودہ مسئولہ یوسف علی خاں بہادر ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عرصہ دس سال سے اپنی کتابیں جامع مسجد بڑودہ میں فی سبیل اللہ وقف کردی ہیں، عرصہ دس سال سے انجمن اصلاح اہلسنت وجماعت کے قبضے میں ہیں اب وہ شخص رافضی کی طرفداری میں ہو کر کتب خانہ موقوف کو واپس اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اس امر کا مستحق ہے کہ انجمن اہل سنت وجماعت کا قبضہ چھڑا کر اپنا قبضہ کرے یا کتابوں کو دوسری مسجد یا مدرسہ کی طرف منتقل کردے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر اس نے کتابیں مسجد جامع پر وقف کیں تو جائز نہیں کہ وہ کسی مدرسہ یا دوسری مسجد کی طرف منتقل کی جائیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ظاهره انه یکون مقصورا علی ذٰلک المسجد وهو الظاهر حیث کان الواقف عین ذٰلک المسجد[1]

ظاہر اس کا یہی ہے کہ وہ اسی مسجد کے لئے مختص ہے اور یہی ظاہر ہے جبکہ خود واقف نے اس مسجد کے لئے معین کردیا تھا (ت)

قنیہ میں ہے:

سبل مصحفا فی مسجد بعینه للقراءة لیس له بعد ذٰلک ان یدفعه الی اٰخر من غیر اهل تلك المحلة للقراءة[2]

کسی شخص نے قرآن مجید ایک خاص مسجد میں تلاوت کے لئے صدقہ کیا تو اب اس کو اختیار نہیں کہ وہ اس مسجد کے اہل محلہ کے علاوہ کسی دوسرے کو پڑھنے کے لئے دے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وبه عرف حکم نقل کتب الاوقاف من محالها للانتفاع بها، والفقهاء بذٰلک مبتلون فان وقفها علی مستحق وقفه لم یجز نقلها و

اسی سے کتب اوقاف کے انتفاع کی غرض کا اپنے مکانات سے منتقل کرنے کا حکم معلوم ہوگیا اور فقہاء اس کے ساتھ مبتلی ہیں پس اگر تو واقف نے صرف اپنے وقف (یعنی اپنی مسجد و مدرسہ) کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵
[2] القنیۃ منیۃ المتیم لغنیۃ کتاب الوقف کلکتہ انڈیا ص ۲۱۲

ان علی طلبة العلم وجعل مقرها فی خزانته التی فی مکان کذا ففی جواز النقل تردد نهر[1]

مستحقوں کے لئے ان کتابوں کو وقف کیا ہے تو ان کو منتقل کرنا جائز نہیں اور اگر مطلقاً طالبان علم کیلئے وقف کیا اور ٹھکانا ان کتابوں کا اپنے اس خزانہ میں مقرر کیا جو فلاں مکان میں ہے تو منتقل کرنے کے جواز میں تردد ہے، نہر (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الذی تحصل من کلامه انه اذا وقف کتبا وعین موضعها فان وقفها علی اهل ذلك الموضع لم یجز نقلها منه لا لهم ولا لغیرهم، وظاهره انه لایحل لغیرهم الانتفاع بها، وان وقفها علی طلبة العلم فلکل طالب الانتفاع بها فی محلها واما نقلها منه ففیه تردد ناشئ مما قدمه عن الخلاصة من حکایة القولین من انه لو وقف المصحف علی المسجد ای بلا تعیین اهله قیل یقرأ فیه ای یختص باهله المترددین الیه وقیل لایختص به ای فیجوز نقله الی غیره وقد علمت تقویة القول الاول بما مر عن القنیة[2]

اس کے کلام سے جو معنی حاصل ہورہا ہے وہ یہ ہے کہ اگر واقف نے کتابوں کو وقف کیا اور ان کیلئے مکان معین کردیا پھر اگر صرف اسی جگہ والوں کے لئے وقف کیا ہے تو اب منتقل نہیں کرسکتا نہ ان لوگوں کے لئے نہ دوسروں کے لئے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں کے غیر کے لئے ان کتب موقوفہ سے انتفاع حلال نہیں اور اگر ان کتب کو طالبان علم پر وقف کیا تو ان کتب کے محل معین میں ان سے ہر طالب علم کو انتفاع کا حق ہے لیکن ان کتابوں کو اس محل معین سے منتقل کرنے میں تردد ہے جو خلاصہ کے حوالہ سے ان دو قولوں سے پیدا ہوا جن کی سابق میں حکایت کی جاچکی ہے یہ کہ اگر کسی شخص نے قرآن مجید کسی مسجد پر وقف کیا مگر اس مسجد والوں کی تعیین نہیں کی تو ایک قول یہ ہے کہ اس کے ساتھ مختص نہیں لہذا اس کو منتقل کرنا جائز ہے تو تحقیق تو قول اول کی تقویت قنیہ کی تائید سے پہلے ہی جان چکا ہے۔ (ت)

واقفِ کتب اگر کتابیں اسی مسجد میں رکھنا چاہتا اور قبضۂ انجمن سے نکال کر اپنا قبضہ متولیانہ رکھتا تو اس کے جواز کی طرف راہ تھی، امام ابویوسف کے نزدیک جائز تھا، الاشباہ میں فرمایا: به یفتی (اسی پر فتوٰی ہے۔ ت)، اور امام محمد کے نزدیک ناجائز تھا جب تک وقت وقف یہ شرط نہ کرلیتا کہ متولی کے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

بدلنے کا مجھے اختیار ہے۔ صاحب ہدایہ نے تجنیس میں فرمایا: الفتوی علی قول محمد (فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ ت) اور اسی پر علامہ قاسم نے تصحیح القدوری اور خود صاحب اشباہ نے اپنے رسائل میں جزم فرمایا کہ نا جائز ہے لیکن اگر وہ قبضہ اس لئے چاہتا ہے کہ کتابیں دوسری جگہ منتقل کردے تو اسے اس کی اجازت نہ دیں گے اور اگر رافضی کو متولی کرنے کے لئے یہ حیلہ کرتا ہے تو بالاتفاق ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ رافضی کا متولی کرنا حرام محض ہے کما حققنا فی الفتوی الاولی (جیسا کہ پہلے فتوے میں ہم اس کی تحقیق کرچکے ہیں۔ ت) اس صورت میں اگر واقف خود پہلے سے متولی ہوتا فوراً وہ خود نکال لیا جاتا کہ اس سے وقف کی بدخواہی ثابت ہوئی ہے کما نص فی الدر[1] ینزع وجوبا ولو الواقف غیر مامون (جیسا کہ در کے حوالے سے گزرچکا ہے کہ وقف متولی سے وجوباً لے لیا جائے گا اگرچہ خود واقف ہو جب وہ امانت دار نہ ہو۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷۲: از اودے پور میواڑ مہارانی ہائی اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب ۱۸ صفر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کافر اگر اپنی خوشی سے زمین دے کہ اس زمین میں مسجد بنالو یا کوئی سامان دے کہ مسجد میں لگالو، یا روپیہ دے کہ اس کو بھی مسجد میں لگاؤ تو اس کی یہ چیزیں مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

کافر اگر زمین اپنی ملک رکھ کر مسلمانوں کو اس پر مسجد بنانے کی اجازت دے تو وہ مسجد مسجد ہی نہ ہوگی فان الکافر لیس اھلا لوقف المسجد (کیونکہ کافر وقف مسجد کی اہلیت نہیں رکھتا۔ ت) ہاں اگر کافر کسی مسلمان کو اپنی زمین ہبہ کرکے قبضہ دے دے کہ مسلمان مالک ہوجائے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے اسے مسجد کردے تو صحیح ہے سامان اگر کافر نے ایسا دیا کہ بعینہٖ مسجد میں لگایا جائے گا جیسے کڑیاں یا اینٹیں تو جائز نہیں کہ وہ مسجد کے لئے وقف کا اہل نہیں وہ مال اسی کی ملک رہے گا اور مسجد میں ملک غیر کا خلط صحیح نہیں، ہاں یہاں بھی اگر مسلمان کو تملیک کردے اور مسلمان اپنی طرف سے لگائے تو حرج نہیں۔ مسجد میں لگانے کو روپیہ اگر اس طور پر دیتا ہے کہ مسجد یا مسلمانوں پر احسان رکھتا ہے یا اس کے سبب مسجد میں اس کی کوئی مداخلت رہے گی تو لینا جائز نہیں اور اگر نیازمندانہ طور پر پیش کرتا ہے تو حرج

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

نہیں جب کہ اس کے عوض کوئی چیز کافر کی طرف سے خرید کر مسجد میں نہ لگائی جائے بلکہ مسلمان بطور خود خریدیں یا راج مزدوروں کی اُجرت میں دیں اور اس میں بھی اسلم وہی طریقہ ہے کہ کافر مسلمان کو ہبہ کردے مسلمان اپنی طرف سے لگائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۳ ازبریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رمضان علی بنگالی ۲۰ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک محلہ میں دو مسجدیں اور دونوں مسجد کے متولی ایک ہی آدمی ہیں فی الحال محلہ کے سب آدمی باتفاق دونوں مسجد کے اسباب سے ایک مسجد تیار کرنی چاہتے ہیں، شرعاً دونوں مسجد کو ایک مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کسی مسجد میں کڑی، چونا، اینٹ وغیرہ زائد ہے کسی کام میں صرف نہیں ہوتا، اگر براے سب مصلی کے اس اسباب کو دوسری مسجد میں بھیجے یا کوئی شخص اپنے کام کے لئے خرید کرلے جائے یا محلہ کے آدمی تقسیم کرکے لے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر یہ چاہتے ہیں کہ دونوں مسجدیں ڈھا کر دوسری جگہ تیسری مسجد بنائیں تو یہ حرام حرام سخت حرام اشد ظلم ہے،

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ایسوں کے لئے دنیا میں رُسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب۔

اور اگر دونوں مسجدیں متصل ہیں یہ چاہتے ہیں کہ بیچ کی دیوار ہٹا کر دونوں کو ایک کرلیں تو یہ جائز ہے۔ اشباہ و درمختار میں ہے:

لاھل المحلۃ جعل المسجدین واحدا[2]

اہل محلہ کو اختیار ہے کہ دو مسجدوں کو ایک کرلیں (ت)

(۲) اہل محلہ یا کوئی اسے اپنے تصرف میں کرلے یہ حرام، اسے دوسری مسجد میں دے دیں یہ حرام۔ اسے بیچ کر اس کی قیمت اسی مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے محفوظ رکھیں یہ جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

مسئلہ ۳۲۵: از ریاست گوالیار محلہ حویلی پچھواڑہ مسئولہ نور محمد خاں ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں، کیا کسی مجبوری کی حالت میں بموجب شریعت یہ جائز ہے کہ عمارت مسجد پختہ یا خام دوسری جگہ منتقل کر دی جائے اور زمین مسجد پر مکان یا راستہ وغیرہ بنالیا جائے اور اس کے عوض میں دوسری جگہ مناسب زمین لے کر اس پر مسجد بنوادی جائے اور اس کا ملبہ وغیرہ سب اسی میں لگادیا جائے اور خوبصورت بنوادی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا اور اس کی زمین پر راستہ یا مکان بنانا سب اشد حرام قطعی ہے اگرچہ اس کے عوض دوسری جگہ سونے کی مسجد بنوادی جائے، مجبوری کی تفصیل لکھی جئے کہ اس پر جواب ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۶: از بیسلپور ضلع پیلی بھیت مرسلہ مولوی عرفان علی صاحب رضوی ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوؤں کو مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے کی اجازت دینے کا کیا حکم ہے اور کیا شرعًا وہ مسجد کے کنویں سے پانی بھر سکتے ہیں، یہاں خلافت کمیٹی والوں نے ہندو مسلم اتحاد کی بناء پر کچہری کلکٹری کی مسجد کے کنویں سے ہندوؤں کو پانی لینے کی اجازت دی ہے، کنواں مسجد میں ہے تین طرف عین مسجد یعنی فرش مسجد ہے اور ایک جانب فصیل اور وضو کے پانی کی نالی ہے۔ خلافت کمیٹی والے کہتے ہیں کہ فنائے مسجد یعنی نالی اور فصیل کی جانب سے داخل ہو کر ہندو پانی بھر سکتے ہیں اگرچہ آنکھوں سے دیکھا گیا کہ اہل ہنود برابر عین مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور پانی بھرتے ہیں، کیا مسلمانانِ شہر پر فرض ہے کہ حتی الامکان مسجد کو اہل ہنود کی دسترس سے بچائیں۔

الجواب

بلاشبہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کو مشرکین کی بے حرمتی سے محفوظ کریں اور خلافت کمیٹی کی ہندو پرستی پر لحاظ نہ کریں۔ ان لوگوں نے مسجد میں جا کر پانی بھرنا در کنار بارہا مساجد میں ہندوؤں کو لے جا کر مسلمانوں کا واعظ بنایا ہے، فصیل مسجد بھی حکم مسجد میں ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

فنائے مسجد مسجد کے تابع ہوتا ہے لہذا اس کا حکم وہی ہے جو مسجد کا ہوتا ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

مسئلہ ۳۲۸: از محمد پور ڈیرہ والا تحصیل احمد پور ڈاکخانہ خاص مسئولہ مولوی غلام فرید ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک مسجد کہنہ مسقف جس کے صحن شمال مشرق میں میدان پڑا ہے جس کے جوانب محدود بدیوارہائے پختہ ہیں گنبدہائے مسجد گرگئے ہیں اور دیوار جنوبی بھی گرگئی ہے جس کی خشتہائے پختہ بہت عرصے سے خراب ہورہی ہیں، کیا بموجب شرع شریف یہ خشتہا کسی دوسری مسجد پر یا ان کو بیچ کر اسی مسجد کہنہ کی تعمیر پر رقم صرف کرنا جائز ہے ورنہ مسجد بھی یوں ہی منہدم رہے گی اور خشتہا بھی ضائع ہوجائیں گی۔

(۲) سامان مسجد شریف مثل خشتہائے پختہ وکڑی ہائے کہنہ وغیرہ آوارہ پڑی ہیں اور مسجد شریف بھی اس سامان سے مستغنی ہے تو کیا وہ سامان مسجد کا دوسری مسجد پر لگایا جائے یا نہیں، اگر لگایا جائے تو کسی کی اجازت سے قیمت لی جائے یا خیراتی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) ان اینٹوں کا دوسری مسجد میں دینا حرام ہے اسی مسجد کی تعمیر میں صرف کی جائیں اور اگر اس مسجد کی تعمیر میں ان کی حاجت نہ ہو مثلاً دیوار شکستہ بن چکی یا اور مضبوط اینٹوں یا پتھروں سے بننے کا ارادہ ہے تو انھیں متولی یا متدین جماعت محلہ [illegible] بیچ کر اسی مسجد کی تعمیر ہی میں صرف کریں مسجد کے دوسرے کام میں اس قیمت کا خرچ کرنا حرام ہوگا والتفصیل الکامل فی فتاوٰنا (تفصیل کامل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت)

(۲) ان نقاضوں کا دوسری مسجد میں دے دینا حرام ہے کسی کی اجازت سے نہیں دے سکتے ہاں جب کہ یہ مسجد ان سے مستغنی ہے تو بیع کئے جائیں اور دوسری مسجد کے ہاتھ بیع کرنا اولٰی ہے کہ بدستور معظم رہیں گے وہ قیمت اسی مسجد کی تعمیر میں صرف ہو اور اس وقت تعمیر کی حاجت نہ ہو تو متولی امین متدین کے پاس اسی مسجد کی حاجت تعمیر کے لئے امانت رہے اور کام میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بیع متولی کرے اگر وہ نہ ہو تو امین متدین جماعت محلہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۹: از سررشتہ اسلام کمیٹی آگرہ جامع مسجد مسئولہ عبدالرشید سررشتہ دار کمیٹی ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ نمازیان مسجد کی رائے ہے کہ صحن مسجد کی توسیع کے لئے دکانات متعلقہ مسجد کی چھت پر ایک کمرہ تعمیر کیا جائے تاکہ اوپر کی چھت پر مسجد کا صحن ہوجائے اور نیچے اس کے ایک کمرہ ہوجائے مسجد بہت اونچی ہے جب دکانوں پر کمرہ بنے گا تو کمرہ کی چھت صحن مسجد کے برابر ملے گی، اس طرح توسیع صحن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اور مسجد جب ہو جائے تو اس حجرے کی چھت پر پڑھنے والوں کو بھی مسجد ہی کا ثواب ملے گا اگرچہ وہ کمرہ صرف وقف علی المسجد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۳۳: از دوجوجہ ڈاکخانہ چھاؤنی جالندھری مسئولہ سید حاجی حضور شاہ ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں ایک مسجد تقریباً پچاس برس سے موجود ہے جس کو اس گاؤں کے اہل سنت نے مل کر تعمیر کیا تھا جب سے اب تک ہر نماز اس میں ادا کرتے ہیں چند سال سے اس گاؤں میں چند لوگ رافضی ہوجانے کے سبب اہلسنت سے ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رکھتے ہیں کچھ عرصہ سے ان لوگوں نے اس بنا پر کہ اس مسجد کی تعمیر میں ہمارے آباء واجداد بھی شامل تھے اس لئے ہمیں بھی اذان و نماز کا حق حاصل ہے، قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد پر قبضہ کرلینا چاہتے ہیں اور سُنیوں کو بے تعلق کرنا منظور ہے، جھگڑے فساد کا یقین کامل ہے، استفتاء یہ ہے کہ مسجد مذکور میں اہلسنت و روافض اذان و نماز ادا کرسکتے ہیں یا نہیں اور روافض کے سُنی آباء واجداد کے تعمیر مسجد میں شریک ہونے سے انہیں مسجد پر دخل و تصرف کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

روافض زمانہ علی العموم کفار مرتدین ہیں کما حققناہ فی رد الرفضۃ بما لا مزید علیہ (جیسا کہ ہم اس کی تحقیق اپنے رسالہ "رد الرفضہ" میں اس انداز سے کرچکے ہیں جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ ت)۔

فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنہما والعیاذ باللہ فہو کافر[1]

رافضی جب شیخین (صدیق و عمر) رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالیاں بکے یا ان پر لعنت بھیجے تو وہ کافر ہے۔ (ت)

قال اللہ تعالٰی ان اولیاؤہ الا المتقون[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔ (ت)

نہ ان کی اذان اذان، نہ ان کی نماز نماز۔

قال اللہ تعالٰی وقدمنا الٰی ما عملوا من

اللہ تعالٰی نے فرمایا، جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴

[2] القرآن الکریم ۸/۳۴

عملٍ فجعلنٰہ ھبآءً منثورا۱

ہم نے قصد فرماکر انھیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرّے کردیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں (ت)

اور ان کے باپ دادا جبکہ اہلسنت تھے اور انھوں نے مذہب رفض اختیار کیا تو وہ ان کے باپ رہے نہ یہ ان کی اولاد، نہ ان کے ذریعہ سے انھیں کوئی دعوٰی پہنچتا ہے،

قال اللہ تعالٰی انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح۲ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے نوح، وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۳: ۱۹ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

عبدالکریم خاں نے جو وارث چھوڑے وہ حسب تفصیل ہیں: عبدالشکور خاں وعبدالحکیم خاں وعبدالنبی خاں وکالے خاں پسران ومسماۃ منوجو زوجہ اپنے کو چھوڑا۔ ایک منزل مکان عبدالکریم خاں نے اپنے زوجہ کو بعوض دین مہر کے دیا اور اس کا بیعنامہ مسماۃ منوجو کے نام تحریر کردیا، مسماۃ منوجو نے اس مکان کو بدست فداحسین خاں ولد کالے خاں کے بیع کردیا جس کا دعوٰی مسماۃ مشہدی سے لکھوایا گیا، مسماۃ منوجو نے جو وارث چھوڑے حسب تفصیل ذیل ہیں، عبدالشکور خاں وعبدالحکیم خاں وعبدالنبی خاں وکالے خاں پسران، عبدالنبی خاں فوت ہوئے ان کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں، عبدالنبی خاں وعلی محمد خاں وولی محمد خاں پسران، عبدالنبی خاں ومسماۃ کنو ومسماۃ اولیا بیگم زوجہ عبدالنبی خاں اور دختران عمراؤ وقبال کو چھوڑا۔ عبدالحکیم خاں فوت ہوئے اس کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں۔ حاجی عبدالرحمن وعبدالرحیم خاں ننھے خاں پسران عبدالحکیم خاں لاڈلی بیگم وچھوٹی بیگم دختران عبدالحکیم خاں وزوجہ نامعلوم کو چھوڑا۔ کالے خاں فوت ہوئے ان کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں، فداحسین خاں پسر کالے خاں کو اپنا وارث چھوڑا۔ فداحسین خاں فوت ہوئے ان کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں، زوجہ اولٰی کا انتقال فداحسین خاں کے سامنے ہوگیا تھا، یہ نہیں معلوم کہ دین مہر ادا ہوا یا معاف ہوا اور زوجہ اولٰی کے فوت ہونے کے بعد زوجہ ثانی کے ساتھ عقد ہوا، جس کا نام مشہدی بیگم ہے۔ مسماۃ مشہدی بیگم نے مہر معاف نہیں کیا ہے۔ زوجہ مشہدی بیگم لاولد اور زوجہ اولٰی بھی لاولد اور یک چچا حقیقی عبدالشکور خاں وعبدالمجید خاں وعبدالوحید خاں وعبدالعزیز خاں پسران عبدالشکور خاں، ودو چچازاد بھائی حاجی عبدالرحمن خاں وعبدالرحیم خاں وننھے خاں پسران عبدالحکیم خاں مرحوم اور چچازاد بھائی

---

۱ القرآن الکریم ۲۵/۲۳

۲ القرآن الکریم ۱۱/۴۶

عبدالغنی خاں وعلی محمد خاں وولی محمد خاں پسران عبدالنبی خاں مرحوم یہ وارث چھوڑے ۔ یہ جائداد حبس قدر وقف ہوئی علاوہ مکان مسماۃ منہ جو کے یہ کالے خاں کی پیدا کی ہوئی تھی اور مکان جس کا بیعنامہ مسماۃ منہ جو نے بنام فدا حسین خاں کیا عبدالکریم خاں کا پیدا کردہ ہے جس کا مسماۃ مشہدی بیگم سے لا دعوی لکھوا دیا ہے اقرار نامہ پیش کرتا ہوں ۔

منکہ مسماۃ مشہدی بیگم زوجہ فدا حسین خاں مرحوم وعبدالشکور خاں ولد عبدالکریم خاں مرحوم و حاجی عبدالرحمان خاں و ننھے خاں وعبدالرحیم خاں پسران عبدالحکیم خاں ساکن بریلی محلہ بہاری پور کے ہیں جو کہ جائداد مفصلہ ذیل مالیتی دو ہزار روپے حاجی کالے خاں مرحوم مورث اعلیٰ ہمارے واقع محلہ بہاری پور بریلی کے ہیں اس کا تصفیہ باہمی رضامندی ہم سب ورثائے کالے خاں کے یہ قرار پایا کہ جائداد مذکور الصدر تا حیات مسماۃ مشہدی بیگم زوجہ فدا حسین خاں کے قبضہ اور تصرف میں رہے گی اور اس کی آمدنی سے تصرفات اپنے کرتی رہے اور علاوہ آمدنی کرایہ جائداد موقوفہ کے ایک روپیہ ماہواری تا حیات اپنی عبدالشکور خاں و ایک روپیہ ماہواری تا حیات مسماۃ حاجی عبدالرحمن دیا کریں اگر مسماۃ مشہدی بیگم دوسرا نکاح کرے یا عفت وعصمت سے گذر ... کرے تو اس کا حق قبضہ ... آمدنی کرایہ جائداد مذکور ... وصول انہ ماہوار مقررہ عبدالشکور خاں و حاجی عبدالرحمن خاں باقی نہیں رہے گا اور بحالت عقد ثانی اور وفات مسماۃ کے یہ جائداد واسطے مصارف مسجد بی بی صاحبہ واقع بریلی محلہ بہاری پور وقف متصور ہوگی۔ مسماۃ خواہ دیگر ورثا کو حق وصول زر کرایہ دکانات و مکانات کا حاصل نہ ہوگا ۔ جو شخص متولی مسجد ہے یا آئندہ کو ہو گا وہی متولی جائداد مذکور کا ہوگا ہم مقران یا کسی متولی کو منصب انتقال جائداد بذریعہ بیع و رہن وغیرہ کے نہ ہوگا مرمت شکستہ ریخت دکانات و مکانات کے مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی اگر خدا نخواستہ کوئی دکان و مکان بالکل منہدم ہو جائے تو اس کی تعمیر مسجد بی بی صاحبہ اپنے سرمایہ سے بذریعہ متولی مسجد کے کرے گی مکان خام مورو ثی مسکونہ عبدالشکور خاں و عبدالرحیم خاں و ننھے خاں وغیرہ میں مسماۃ مذکورہ کو کچھ تعلق اور دعوی نہ ہوگا لہذا ان سب مراتب پر اقرار لا کر یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ سند ہو ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فدا حسین خاں ولد کالے خاں نے زوجہ مشہدی بیگم اور چچا عبدالشکور خاں چھوڑ کر انتقال کیا عبدالحکیم خاں فدا حسین خاں کے دوسرے چچا تھے جو فدا حسین خاں سے پہلے گزر گئے جائداد کہ فدا حسین خاں کی پیدا کردہ ہے اور مکان کہ فدا حسین خاں نے اپنی دادی منہ جو سے خریدا جو اسے اس کے شوہر نے دین مہر میں دیا تھا ان متروکات فدا حسین خاں کی نسبت ایک اقرار نامہ مشہدی بیگم و عبدالشکور خاں اور پسران عبدالحکیم خاں حاجی عبدالرحمٰن خاں و عبدالرحیم خاں و ننھے خاں

نے اس مضمون کا لکھا کر جو کہ جائداد مفصلہ ذیل حاجی کالے خاں مرحوم ہمارے مورث اعلیٰ کی ہے، باہمی تصفیہ برضامندی ہم سب ورثائے کالے خاں کے یہ قرار پایا کہ جائداد مذکور الصدر تاحیات مشہدی بیگم کے قبضہ و تصرف میں رہے گی اس کی آمدنی سے وہ اپنے تصرفات کرتی رہے اور علاوہ آمدنی کرایہ جائداد موقوفہ کے ایک روپیہ ماہوار تاحیات اپنی عبدالشکور خاں اور ایک روپیہ ماہوار تاحیات مسماۃ حاجی عبدالرحمن خاں دیا کریں اگر مشہدی بیگم دوسرا نکاح کرے یا عفت و عصمت سے گزر نہ کرے تو ان کو قبضہ اور آمدنی کرایہ جائداد مذکور اور وصول ماہوار مقررہ نہ رہے گا اور بحالت عقد ثانی اور فوت مسماۃ کے یہ جائداد واسطے مصارف مسجد بی بی جی صاحبہ کے وقف متصور ہوگی مسماۃ خواہ دیگر ورثا کو حق وصول زر کرایہ دکانات کا حاصل نہ ہوگا، مرمت شکست ریخت مکانات دکانات کی مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی۔ اگر کوئی دکان مکان بالکل منہدم ہو جائے اس کی تعمیر مسجد اپنے سرمایہ سے کرے گی مکان خام موروثی مسکونہ عبدالشکور خاں و عبدالرحیم خاں وغیرہ میں مسماۃ کو کچھ دعویٰ نہ ہوگا فقط۔

اس صورت میں یہ دکان و مکان وقف ہو گئے یا نہیں، مشہدی بیگم کس چیز کی مستحق ہے اگر وہ نکاح ثانی کرے تو اس کا کیا اثر ہے، مکان خرید کردہ فدا حسین خاں جس سے لاہوری محلہ پایا گیا ہے وہ صحیح ہو یا نہیں، مشہدی بیگم ماہوار مذکور عبدالشکور خاں و حاجی عبدالرحمن خاں سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عبارت اقرار نامہ عجب مختل ہے صورت واقعہ اگر وہ ہے کہ سوال میں مذکور ہوئی تو وہ جائداد حاجی کالے خاں کی ہے، نہ عبدالشکور خاں و پسران عبدالحکیم خاں حاجی کالے خاں کے وارث ہیں اس کا وارث تنہا فدا حسین خاں تھا اور جائداد اس کی بھی نہیں فدا حسین خاں کی ذاتی یا خرید کردہ ہے بہرحال اس کا مالک صرف فدا حسین خاں تھا جس کے وارث فقط مشہدی بیگم زوجہ اور عبدالشکور خاں چچا ہیں، مگر اس کا اس اقرار میں شریک ہونا قضاءً ان پر حجت ہوگا اور جائداد متروکہ کالے خاں قرار پائے گی لیکن اس سے بھی پسران عبدالحکیم خاں کو اس سے تعلق ثابت نہ ہوگا کہ کالے خاں کا بیٹا فدا حسین خاں موجود تھا اس کے ہوتے بھتیجوں کا وارث ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا پھر جائداد کی نسبت ابتداء میں بطور اشارۃ النص لفظ موقوفہ واقع ہوا مذہب مفتیٰ بہ میں اگرچہ صرف اسی قدر سے وقف ہو جاتا ہے۔ درمختار میں ہے،

اکتفی ابو یوسف بلفظ موقوفۃ فقط
قال الشہید ونحن نفتی

امام ابو یوسف نے وقف کے لئے صرف لفظ موقوفہ پر اکتفاء فرمایا، شہید نے کہا کہ ہم عرف کی بنا پر

بہ للعرف[1]	اسی کے ساتھ فتوٰی دیتے ہیں۔ (ت)

مگر آگے عبارۃ لفظ یہ ہے کہ اگر مشہدی بیگم دوسرا نکاح کریں یا عفت سے گزر نہ کریں تو یہ جائداد وقف متصور نہ ہوگی، یہ صراحۃً وقف کی تعلیق ہے اور دستاویز واحد کا اول و آخر کلام واحد ہے کما نص علیہ فی الخیریۃ (جیسا کہ اس پر خیریہ میں نص کی گئی ہے۔ ت) تو وہ لفظ موقوفہ کا اطلاق اس شرط سے مقید ہوا اور وقف کا کسی شرط پر تعلق کرنا اسے باطل کردیتا ہے۔ درمختار میں ہے:

شرطہ ان یکون منجزا لا معلقا الا بکائن[2] (ملتقطا)	وقف کی شرط یہ ہے کہ وہ منجز ہو معلق نہ ہو ہاں شرط موجود کے ساتھ معلق ہوسکتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا جاء غد او اذا جاء راس الشھر او اذا کلمت فلانا او اذا تزوجت فلانۃ فارضی ھذہ صدقۃ موقوفۃ او ان شئت او احببت یکون الوقف باطلا لان الوقف لا یحتمل التعلیق بالخطر[3] اھ وقف ومثلہ اوائل البیوع۔	واقف نے کہا جب کل کا دن آئے یا جب میں فلاں سے کلام کروں یا فلاں عورت سے شادی کروں تو میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہوگی یا یُوں کہا کہ اگر میں چاہوں یا پسند کروں تو وقف باطل ہوجائیگا کیونکہ وقف قریب الملاک چیز سے معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا اھ وقف اور اوائل کتاب البیوع (ت)۔

لیکن آگے یہ عبارت ہے کہ مرمت مساۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی منہدم کی تعمیر مسجد کرے گی یہ اس صورت سے متعلق نہیں کہ مشہدی بیگم نکاح کرے یا مرجائے کہ مرت کے بعد مرمت ناممکن اور بعد نکاح اسے جائداد سے بالکل بے تعلق ٹھہرایا گیا ہے اس کے ذمہ مرمت رکھنے کے کیا معنی، تو یہ ضرور اس کی حیات قبل نکاح کا ذکر ہے اور اس وقت کے لئے کہا کہ منہدم کی تعمیر مسجد اپنے سرمایہ سے کرے گی اگر مسجد پر وقف نہیں تو تعمیر منہدم ذمہ مسجد ہونے کے کیا معنی، تو بعد تنقیح تمام اس محل عبارت کا محصل یہ نکلا کہ مقرین نے یہ تمام جائداد فی الحال وقف کی اور مصارف میں یہ شرط لگائی کہ تاحیات مشہدی بیگم کے تصرف میں رہیں بشرطیکہ وہ بعفت بسر

---

[1] درمختار	کتاب الوقف	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۳۷۷
[2] ؎	؎	؎	؎
[3] ردالمحتار	؎	داراحیاء التراث العربی بیروت	۳/۳۶۰

کرے اور دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک آمدنی اسی کے لئے ہے اور شکست ریخت کی مرمت اسی کے ذمہ ہے منہدم کی تعمیر مسجد خود کرے تو اگرچہ جائداد فی الحال وقف ہے مگر آمدنی سے حق مشہدی بیگم بشرط مذکور متعلق ہے اگر یہ شرط مفقود ہو یعنی مشہدی بیگم نکاح کرلے یا عفت سے بسر نہ کرے تو اس وقت یہ جائداد ذات و منافع دونوں کے لحاظ سے خالص مسجد پر وقف مقصود ہوگی یعنی آمدنی سے بھی مشہدی بیگم کو کوئی تعلق نہ رہے گا، یہ اس اقرار نامہ کا محصل ترجمہ ہے،

وتصحیح الکلام اولٰی من اھمالہ مھما امکن کما نصوا علیہ فی الاشباہ وغیرھا۔[1]

کلام کو حتی الامکان صحیح بنانا اس کو مہمل بنانے سے اولٰی ہے، جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں مشائخ نے اس پر نص فرمائی ہے۔(ت)

لہٰذا جائداد مذکور تمام وکمال مسجد بی بی جی صاحبہ پر وقف صحیح تمام نافذ ہوگئی مشہدی بیگم تاحیات وبہ پابندی شرط مذکور صرف آمدنی کی مستحق ہے اور شرط مذکور کی پابندی نہ کرے تو آمدنی بھی خالص صرف مسجد کی ہوگی، مشہدی بیگم کو اس سے تعلق نہ رہے گا، ماہوار کہ عبدالشکور خاں وحاجی عبدالرحمٰن خاں نے مقرر کیا وہ ایک وعدہ ہے جس کا نباہنا ان کو مناسب ہے مگر مشہدی بیگم اس پر جبر نہیں کرسکتی اگرچہ وہ شرط مذکور کی پابند بھی رہے مکان سے لادعوی صحیح نہیں لان تبرع لم یتم بالقبض، کیونکہ بیان سے براءت باطل ہے(ت) اگر وہ داخل وقف نہ تھا تو حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر وغیرہ اس کا چہارم مشہدی بیگم کا اور تین حصے عبدالشکور خاں کے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۲: ہدایت یار خاں از شاہ پور جہلم رسالہ چہارم نمبر ۳ ڈاکخانہ چک ۳۲ رسالہ براہ ملک پنجاب
۹ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یافتاح، بخدمت فضیلت پناہ، عالی دستگاہ، جناب فیض مآب پیر صاحب دام اللہ تعالٰی فیضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیکم، واضح رائے عالی ہو کہ ایک مسجد شریف ایک آبادی میں تھی، اب وہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور وہ مسجد جنگل میں رہ گئی، اس مسجد قدیم کا اسباب اٹھا کر دوسری مسجد جو بنائی جائے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ خدا تعالٰی سایہ رحمت تا دیر بر سر ما غریباں قائم رکھے، آمین ثم آمین!

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ التاسعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۸

الجواب

34
34

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگر اس مسجد کے آباد رکھنے، حفاظت کرنے کا کوئی طریقہ نہ ہو اور یوں جنگل میں چھوڑ دی جائے گی تو چور اور متغلب لوگ اس کا مال لے جائیں گے تو جائز ہے کہ اس کا اسباب وہاں سے اٹھا کر دوسری آباد جگہ مسجد بنائیں اور یہ کام ہوشیار اور دیانتدار مسلمانوں کی نگرانی میں ہو واللہ اعلم فقط۔

مسئلہ ۳۳۳ ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب میت کو واسطے دفن کرنے کے لے جاؤ، اور دفن کرو تو اجازت متولی قبرستان کی واسطے دفن کرنے میت کے لینا ضرور ہے اور عمرو کہتا ہے کہ قبرستان اور مسجد وقف ہیں وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتے ہیں اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں اگر قبرستان میں اجازت کی ضرورت ہوگی تو مسجد میں بلا اجازت نماز پڑھنا درست نہ ہوگا، متولی صرف مسجد کے جھاڑو وغیرہ دینے کو ہوتا ہے ایسے ہی تکیہ میں واسطے صفائی کے ہوتا ہے جس کو تکیہ دار کے نام سے پکارتے ہیں تکیہ اور مسجد عام مسلمانوں پر وقف ہے جس کا دل چاہے جس مسجد میں نماز پڑھے اور جس قبرستان میں چاہے اپنا مردہ دفن کرے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زید غلط کہتا ہے اس کا قول شرع شریف پر محض افترا ہے، مقبرہ عام مسلمانوں کے لئے وقف ہوتا ہے ہر مسلمان کو اس میں دفن کا حق پہنچتا ہے، مقبرہ کا متولی کوئی چیز نہیں، نہ اس کی اجازت کی حاجت نہ ممانعت کی پرواہ ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لافرق فی الانتفاع فی مثل ہذہ الاشیاء بین الغنی والفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان والرباط والشرب من السقایۃ والدفن فی المقبرۃ کذا فی التبیین۔[1]

ان اشیاء سے انتفاع حاصل کرنے میں غنی وفقیر کے درمیان کوئی فرق نہیں یہاں تک کہ ہر شخص کو سرائے اور خانقاہ میں نزول کا حق ہے اسی طرح ہر شخص وقف سبیل سے پانی پی سکتا ہے اور قبرستان میں مردہ دفن کرسکتا ہے۔ یونہی تبیین میں ہے (ت)

اسی میں ہے:

ولو بنی مسجدا لاھل محلۃ وقال جعلت

اگر کسی نے ایک محلہ والوں کے لئے مسجد بنائی اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۶۶

هذا المسجد لاهل هذہ المحلۃ خاصۃ، کان لغیر اھل تلک المحلۃ ان یصلی فیہ ھکذا فی الذخیرۃ۔[1]

کہہ دیا کہ میں نے یہ مسجد خاص اسی محلہ والوں کے لئے بنائی ہے تو اس محلہ والوں کے غیر کو بھی اس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہے، اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔ (ت)

بلکہ مقبرہ کا اموم مسجد کے عموم سے بھی بہت زیادہ ہے بہت لوگ ہیں جنہیں مسجد سے روکنے کا حکم ہے مثلاً جذامی اور ابرص جس کا برص شائع ہو یا جس کے منہ یا بدن یا لباس میں بدبو ہو یا بدزبان یا جس کے آنے سے فتنہ اُٹھے جیسے غیر مقلد وہابی یا رافضی وغیرہم، درمختار میں ہے:

اکل نحو ثوم یمنع منہ (ای من المسجد) وکذا اکل موذ ولو بلسانہ۔[2]

لہسن کھانے والے کو مسجد سے روکا جائے گا اسی طرح ہر موذی کو روکا جائے گا اگرچہ وہ زبان سے ایذا پہنچاتا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الامام العینی فی شرحہ علی صحیح البخاری یلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحۃ کریھۃ ماکولا اوغیرہ، وکذٰلک الحق بعضھم من بفیہ بخراو بہ جرح لہ رائحۃ وکذٰلک القصاب والسماک والمجذوم والابرص اولی بالالحاق، وقال سحنون لااری الجمعۃ علیھما واحتج بالحدیث والحق بالحدیث کل من اذی الناس بلسانہ وبہ افتی ابن عمر (رضی اللہ تعالٰی عنھما) وھو

امام عینی نے اپنی شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ حدیث کے ساتھ ہر اس چیز کو لاحق کیا جائے گا جس میں ناگوار بدبو ہو چاہے کھانے کی چیز یا کوئی اور۔ اسی طرح بعض نے لاحق کیا اس شخص کو بھی جس کے منہ سے بدبو آتی ہو یا اس کو ایسا زخم ہو جس سے ناپسندیدہ بُو آتی ہو۔ اسی طرح قصاب، مچھلی یا گوشت بیچنے والا اور جذام و برص کا مریض۔ تو الحاق کے لئے اولٰی ہے۔ اور سحنون نے کہا کہ میں ان دونوں (مجذوم وابرص) پر جمعہ فرض نہیں سمجھتا، اور دلیل حدیث کو قرار دیا اور حدیث کے ساتھ زبان سے لوگوں کو ایذا دینے والے ہر شخص کو لاحق کیا گیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اس پر بھی فتوٰی دیا اور

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷-۴۵۸
[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

اصل فی نفی کل ما یتاذی بہ احیاء اموات[1] یہ اصل ہے ہر اس چیز کی نفی میں جس سے اذیت پہنچتی ہو احیاء (اختصار) (ت)

تو مقبرۂ اہلسنت میں کسی سُنّی مسلمان کو ممانعت نہیں ہوسکتی،

لعدم الوجہ وحصول الاذن من جہۃ الشرع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ کیونکہ ممانعت کی کوئی وجہ نہیں اور شرع کی طرف سے اذن حاصل ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۳۳: از باندرہ ملک کاٹھیاواڑ مرسلہ مولوی محمد عبدالمطلب ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین کے مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ۔ ت) ایک مرد نے مقبرہ بنایا یعنی گنبد پختہ مسطح وار اور اس میں صندوق قبر تیار کرائیں اور ایک مسجد نیز اس مقبرہ کے جوار میں بنا رکھی اور اب وہ چاہتا ہے کہ اس مقبرہ مذکورہ کو مسجد کے سطح کے ساتھ ملا کر برائے بانگ ونماز وقف کردیا جائے اب ایسے مقبرہ کی سطح پر نماز پڑھنا درست ہے کہ جس میں حالانکہ دو تین میت مدفون کی گئی ہیں اور آئندہ نیز ہوں گی اور اس کی سطح کو مسجد سے ملانا اور وقف کرنا برائے بانگ نماز شرعاً درست ہے یا نہ؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب سے مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب

اگر زمین مقبرہ اس کی ملک ہے اور اب تک اس نے وقف نہ کی اگرچہ بعض اموات اس میں دفن ہوچکیں تو اگر صرف اس کی چھت کو وقف کرے گا اور زمین بدستور اپنی ملک رکھے گا تو وہ چھت وقف نہ ہوگی لکونہ وقف مشغول نصھم امی دون تعامل فی (کیونکہ یہ وقف منقول ہے قصداً بغیر تعارف کے۔ ت) اور اگر زمین کو بھی مسجد کے لئے وقف کردے گا تو چھت کا وقف بھی صحیح ہوجائے گا، اور اگر زمین کو مقبرہ کیلئے وقف کرچکا ہے تو عمارت مقبرہ قبل از وقف بنائی ہے یا بعد، اگر قبل از وقف بنائی ہے تو کچھ حرج نہیں، چھت کو اذان ونماز کے لئے وقف کردے ہوجائے گی

لحصول التابید بوقفیۃ الاخری وان کانت موقوفۃ علی جہۃ اخری علی ماھو الاصح ووقف البناء علی الصف بر لا یصح[2] کما فی الخانیۃ والھندیۃ کیونکہ دوسری مرتبہ وقف کرنے سے تابید دوام حاصل ہوجائے گا، اگرچہ وہ دوسری جہت پر موقوف تھی زیادہ صحیح قول کے مطابق اور عمارت کو قبرستان پر وقف کرنا صحیح نہیں جیسا کہ خانیہ وہندیہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۴۳

[2]

وغیرھما فھو علی ملکہ ولہ وقفہ علی ماشاء
وغیرہ میں ہے چنانچہ وہ اس کی ملک میں ہے اور اس کا اختیار ہے جس پر چاہے وقف کرے (ت)

اور اگر بعد وقف بنائی ہے تو یہ عمارت خود ہی ناجائز ہے کہ مقابر موقوفہ میں عمارت بنانے کی اجازت نہیں تو اس پر اذان وغیرہ کے لئے بھی چھت بنانا بھی نہیں ہوسکتا لانہ یستحق الازالۃ لا الادامۃ (کیونکہ وہ مستحق ہے اس بات کی کہ اس کو زائل کیا جائے نہ کہ اس کو دوام بخشا جائے۔ ت) اسی طرح وہ زمین مقبرہ اس کی ملک نہ تھی بلکہ وہ قبرستان وقفی تھا جس میں اس نے عمارت بنالی جب بھی حکم عدم جواز ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۵: مسئولہ سید مظفر علی صاحب مدرس مدرسہ کریم خانقاہ سلون ضلع راے بریلی ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں، قبرستان کہ جس میں بہت سی قبریں مومنین و مومنات کی ہیں ستون سے مسقف کرکے کہ سب قبریں چھت کے نیچے رہیں اس چھت پر چلے پھرے اور بیٹھے اٹھے اور دوسرے حوائج انسانی ادا کرے تو عند الشرع جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر وہ قبرستان وقف ہے جیسے کہ عام مقابر ہوتے ہیں تو زمین وقف میں اس کے خلاف تصرف کی اجازت نہیں ہوسکتی فی الھندیۃ لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ[1] (ہندیہ میں ہے کہ وقف کو اس کی ہیأت سے متغیر کرنا جائز نہیں۔ ت) اور اگر ملک غیر ہے تو اس میں بے اجازت مالک تصرف ناجائز ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس لعرق ظالم حق[2]
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرق ظالم کا کوئی حق نہیں (ت)

اور اگر اس کی اپنی ملک ہے تو اس طرح مسقف کرنا کہ دیوار یا پایہ عین کسی قبر پر نصب ہو جائز نہیں کہ اس میں میت کی ایذا ہے کما نطقت بہ احادیث اوردناھا فی لامر باحترام المقابر (جیسا کہ متعدد حدیثیں اس پر ناطق ہیں جن کو ہم نے الامر باحترام المقابر میں ذکر کیا ہے۔ ت) اور مسلمان کی ایذا حیًّا ہو یا میتًا ہر طرح حرام ہے،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ باب من احیا ارضا مواتا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴
سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر ولا یؤذیک[1] وفی حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ انی اکرہ اذی المسلم فی مماتہ کما اکرہ اذاہ فی حیاتہ[2]

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر سے اتر جا، نہ تو صاحب قبر کو ایذا پہنچا نہ وہ تجھے ایذا پہنچائے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں بعد از موت مسلمان کی ایذا کو اتنا ہی مکروہ جانتا ہوں جتنا حالت حیات میں اسے ایذا دینا مکروہ خیال کرتا ہوں۔ (ت)

ہاں اس صورت میں کہ قبور بے اجازت کے غصباً بنی ہوں تو اسے اختیار ہے کہ زمین خالی کرے یا صبر کرے یہاں تک کہ میت بالکل خاک ہوجائے اور اس کے لئے بہت زمانہ دراز درکار ہے اس وقت ان قبور پر عمارت بنا سکتا ہے،

کما فی الدر جاز زرعہ والبناء علیہ[3] وقد حققناہ فی اھلاک الوھابیین علی توھین قبور المسلمین۔

جیسا کہ در میں ہے کہ اس میں زراعت کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے اور بے شک ہم نے توہین قبور مسلمین کی تحقیق رسالہ "اھلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین" میں کردی ہے۔ (ت)

اور اگر زمین اس کی ملک ہے اور قبور کے باہر باہر دیواریں یا ستون قائم کرکے مسقف کرتا ہے تو جائز ہے اور اس چھت پر چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا وغیرہا افعال کی بھی اجازت ہے کہ یہ سقف مکان ہے سقف قبر نہیں کما نصوا بجواز الصعود علی سطح بیت فیہ مصحف کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ مشائخ نے اس پر نص کی ہے کہ اس مکان کی چھت پر چڑھنا جائز ہے جس میں قرآن مجید ہو، جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۶: از جاورہ ضلع مرسلہ عبد المجید علی رشید حافظ عبد الکریم صاحب مرحوم حبشی امام مسجد چھیپان ۵ رجب ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں :

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ الطبرانی الترہیب من الجلوس علی القبر مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۷۳
مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الطبرانی باب فی دفن المیت الفصل الاول مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹
مجمع الزوائد باب البناء علی القبور دار الکتاب بیروت ۳/ ۹

[2] مرقاۃ المفاتیح لسعید بن منصور باب فی دفن المیت الفصل الاول مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹ و ۷۰

[3] الدر المختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

(۱) مسلمان قصبہ جاوّد حکومت میں ہوئے اس وقت فرمانروائی قصبہ مذکور میں راناصاحب والی ریاست
اودے پور تھی مسلمانوں کے قبرستان کے واسطے دو سو بیگہ اراضی نسلاً بعد نسلٍ از روئے سند کے مرحمت کی
بعد حصول سند پختہ کے جملہ اقوام اہل اسلام نے بطور ملکیت کے اپنا قبضہ پاکر قبرستان تجویز کیا ہے اور مردے
اپنے اس میں دفن کرتے رہے اور اسی سند کی رو سے اس وقت موتی دفن ہوتے ہیں اور بامید ثواب اس
قبرستان میں درخت مثل وغیرہ کی لگائے جاتے ہیں اور بارش میں گھاس اگتا ہے بعد خشک ہونے
گھاس کے اور بیکار ہونے لکڑی قبرستان کے محافظ قبرستان یعنی فقیر کو صدقۃً دے دی گئی اور جملہ اہل اسلام کی
اجازت سے یہ صدقہ قدیم سے لے رہا ہے، بعد حکومت راناصاحب کے گورنمنٹ در قائم ہوا، بعد ازاں
سیندھیا صاحب بہادر کا تسلط ہو گیا لیکن موافق عطائے سند قبرستان میں عمل درآمد مسلمانوں کا چلا آتا
ہے اور اسی طریق سے تمام ممالک ہند میں مسلمان قبرستان کی اراضی پر ملکیت کے زمرہ میں اپنا قبضہ
حاصل کئے ہوئے ہیں کسی غیر مذہب کو اس میں دخل نہیں ہے، قصبہ جاوّد کے زمینداران ہنود نے چند عرصہ
کے بعد اپنی حقیت وملکیت زمینداری قبرستان مسلموں میں اراضی مشمول موضع قرار دے کر لکڑی وگھاس
قبرستان سے حاصل کرنے کے واسطے دعویدار ہوئے، بعہد راناصاحب یہ زمینداری قائم نہ تھی، اس
عہد کے بعد قائم ہوا ہے لیکن قبرستان کی لکڑی و گھاس غیر مذہب کو نہیں دیا، اور نہ غیر مذہب اس کا
مستحق ہے کیونکہ یہ شئی بطور صدقہ کے ہے، اب زمینداروں کا یہ دعوی ہے کہ مسلمان اپنے مردے قبرستان
میں دفن کرتے رہیں لکڑی و گھاس قبرستان سے ہم زمیندار لیں گے اور مویشی چرائیں گے، اسی صورت غیر مذہب
کی مداخلت سے بے حرمتی قبرستان اور مویشیوں کے چرنے سے منہدم ہونا قبروں کا ظاہر ہے شرعاً اس بات
میں کیا حکم ہے؟ اور ہنود کا قبرستان کی لکڑی وگھاس پر حقیت جدید قائم کر کے لینا کیسا ہے؟

(۲) بغرض رفع فساد یا ناواقفیت مسئلہ کے مابین متنازعہ کے فریقین نے اس امر کا اقرارنامہ
لکھا کہ افتادہ زمین میں بلحاظ راستہ قبرستان کے کاشتکاری نہ کی جائے گی صرف اس اراضی میں مسلمان اپنے
مُردے دفن کرتے رہیں اور زمیندار اپنے مویشی چراتے رہیں اب وہ اراضی کی افتادہ نہ رہی مُردے دفن
ہوگئے قبریں تعمیر ہوگئیں، اس ہیئت پر مویشی چرائے جائیں تو تمام قبریں منہدم ہو جائیں گی، اقرارنامہ
قابل فسخ کے ہے یا اسی پر عملدرآمد ہوگا؟

الجواب

جب وہ زمین مسلمانوں کو نسلاً بعد نسلٍ ہمیشہ کے لئے دی گئی اور مسلمانوں نے اس پر بطور ملک
قبضہ کر کے اسے قبرستان کر دیا اور مردہ دفن ہو وہ زمین ہمیشہ ہمیشہ قبرستان مسلمین کے لئے وقف ہوگئی

کسی زمیندار کا اس پر کوئی حق و دعوی نہ رہا، ہندو ہو یا مسلمان۔ زمیندار اگر مسلمان ہو تو عام مسلمانوں کی طرح اتنا حق اسے بھی ہوگا کہ اپنے مردے دفن کرے، اس سے زیادہ اسے اپنی حقیت وملکیت وہ بھی نہیں ٹھہرا سکتا تمام جہان جانتا ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا خاص ملک الٰہی جل جلالہ ہوتا ہے الوقف لایملک (وقف کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ ت) ایک عام زبان زد حکم ہے جسے بچے بھی جانتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

عندھما ھو حبسھا (ای العین) علی حکم ملك الله تعالی وصرف منفعتھا علی من احب ولو غنیا فیلزم فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتوی ابن الکمال وابن الشحنة۔[1]

اور صاحبین کے نزدیک وقف نام ہے عین کو اللہ تعالٰی کی ملکیت کے حکم پر حبس کرنے اور اس کی منفعت کو اس پر صرف کرنے کا جس پر واقف چاہے اگرچہ وہ موقوف علیہ غنی ہو پس وہ وقف لازم ہوجائیگا اور واقف اس کو باطل نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس میں میراث جاری ہوگی اور اسی پر فتوی ہے (ابن کمال وابن شحنہ)۔ (ت)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فی العیون والیتیمة ان الفتوی علی قولھما کذا فی شرح الشیخ ابی المکارم للنقایة۔[2]

عیون اور یتیمہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ شیخ ابو المکارم کی شرح نقایہ میں ہے۔ (ت)

فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

عندھما الوقف لازم بغیر ھذہ التکلفات والناس لم یأخذوا بقول ابی حنیفة رحمه الله فی ھذا للآثار المشھورة عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم والصحابة وتعامل الناس باتخاذ الرباطات والخانات اولھا وقف

صاحبین کے نزدیک وقف ان تکلفات کے بغیر لازم ہوجاتا ہے اور لوگوں نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کو نہیں اپنایا کیونکہ مشہور آثار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے اور لوگوں کا تعامل خانقاہیں اور سرائیں بنانے کے بارے میں منقول ہے

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۷

[2] فتاوی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۳۵۰

الخلیل صلوات اللہ وسلامہ علیہ[1]

ان میں سے پہلا وقف حضرت خلیل علیہ الصلوات والسلام کا ہے۔ (ت)

اور جب اس زمین میں زمینداروں کا اصلاً کوئی حق نہیں تو اس کی لکڑی اور گھاس پر ان کو کیا دعوٰی پہنچ سکتا ہے، زمین خالص خدا کی ملک ہے اور گھاس بھی اور لکڑی کے مالک پیڑوں کے بونے والے ہیں جو انھوں نے فقیر پر تصدق کر دیے، بہرحال زمینداروں کا ان میں کچھ دعوٰی نہیں۔ فتاوٰی قاضیخان میں ہے:

مقبرۃ فیہا اشجار ان علم غارسہا کانت للغارس[2] اھ مختصرا۔

ایک قبرستان میں کچھ درخت ہیں، اگر ان کا لگانے والا معلوم ہے تو اسی کے ہیں اھ مختصراً (ت)

قبرستان میں جو گھاس اگتی ہے جب تک سبز ہے اسے کاٹنے کی اجازت نہیں۔ جب سوکھ جائے تو کاٹ کر جانوروں کے لئے بھیج سکتے ہیں مگر جانوروں کا قبرستان میں چرانا کسی طرح جائز نہیں مطلق حرام ہے قبروں کی بے ادبی ہے، مذہب اسلام کی توہین ہے، محل مذہبی دست اندازی ہے۔ ردالمحتار میں بحرالرائق اور دررالحکام اور غنیہ اور امداد الفتاح اور فتاوٰی قاضیخان سے ہے:

یکرہ قطع النبات الرطب من المقبرۃ دون الیابس[3]۔

قبرستان سے گھاس کاٹنا مکروہ ہے خشک کا ٹنا مکروہ نہیں۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان فیہا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیہ کذا فی البحر الرائق[4]۔

اگر قبرستان میں گھاس ہو تو کاٹ کر چارپایوں کی طرف ڈالی جائے نہ کہ چوپایوں کو اس کی طرف چھوڑا جائے، جیسا کہ البحرالرائق میں ہے۔ (ت)

زمینداروں سے معاہدہ افتادہ زمین کی بابت ہوا تھا جب وہاں قبریں ہوگئیں زمین افتادہ کب رہی، اور اگر کوئی غلط و باطل و خلاف شرع حق تلفی اموات مسلمین کا معاہدہ کسی نے اپنی جہالت

---

[1] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/۷۰۹
[2] " " " " فصل فی الاشجار " ۴/۷۲۴
[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۶
[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۷۱

سے خواہ دیدہ و دانستہ کرلیا تو وہ معاہدہ مردود ہے اس پر عملدرآمد ہرگز نہ ہوگا نہ اس کے فسخ کی ضرورت ہے، فسخ تو جب کیا جائے کہ وہ معاہدہ سمجھا بھی جائے وہ معاہدہ ہی نہیں ایک بیہودہ و بے معنی تحریر ہے۔ ہمارے نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما بال اناس یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فلیس لہ (وفی روایۃ فہو باطل) وان شرط مائۃ مرۃ شرط اللہ احق واوثق۔[1] رواہ الشیخان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی کتاب میں نہیں، جس نے ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں تو وہ اس کیلئے نہ ہوگی، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ باطل ہے، اگرچہ سو بار شرط لگائے اللہ تعالٰی کی شرط زیادہ حق والی اور زیادہ پختگی والی ہے۔ اس کو شیخین نے ام المومنین (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا) سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از قصبہ جائس ضلع رائے بریلی محلہ خوریاں کلاں مرسلہ محمد حسن صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اہالیان جائس کا دستور قدیم رہا ہے کہ اپنے مقابر میں مساجد بھی بنا دیا کرتے تھے جن پر مسافرین خود اہالیان قصبہ وقت بے وقت نماز ادا کیا کرتے تھے زمانہ کے دستبرد سے بعض ایسی مسجدیں تو وہ خشت بن کر رہ گئیں اور بعض اب بھی موجود ہیں، ایسے تودہ ہائے خاک و خشت کو فضیلت مسجد حاصل ہے یا نہیں اور وہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو آیا وہاں اینٹوں کو فروخت کرکے اپنے صرف میں لانا یا اس قطعہ زمین میں اپنا مسکن بنانا یا خود وہ اس کے کاشت میں لانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب

مقبرہ اگر وقف ہے اور مقابر عامہ غالباً وقف ہی ہوتے ہیں تو جو مسجد واقف نے قبل وقف بنائی کہ اتنے حصہ کو مسجد اور باقی کو مقبرہ کیا وہ ابدالآباد تک مسجد ہے اگرچہ ویران ہوجائے ھو الصحیح وبہ یفتی (یہی درست ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) اس حالت میں تو اس کا آباد کرنا واجب

---

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۷
صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان ان الولاء لمن اعتق ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۴۹۴

اور اس میں آدابِ مسجد لازم، اور اسے زراعت وغیرہ سے اپنے تصرف میں لانا حرام۔ اور اگر زمین مقبرہ
کے لیے وقف ہو چکی تھی، اس کے بعد اس کے کسی حصہ کو مسجد کیا اگرچہ خود واقف نے، تو وہ مسجد نہیں ہو سکتی،
نہ آدابِ مسجد کا مستحق، مگر ذاتی تصرف زراعت وغیرہ اس میں بھی حرام کہ وہ مقبرہ کے لیے وقف ہے اور
مقبرہ تصرفات سے آزاد، اور اگر وہ مقبرہ وقف نہیں جیسے دیہات میں مالکانِ دیہہ کی اجازت سے لوگ
دفن ہوتے ہیں جب اس کے کوئی قطعہ مقابر کے لیے معین کر کے وقف کیا جائے اس میں اگر مالک نے
مسجد بنائی یا دوسرے نے، اور مالک نے اُسے جائز کیا تو وہ مسجد ہو گئی، اور اس کا وہی حکم ہے جو پہلے
گزرا کہ اس کا ادب لازم، اور اس میں تصرف حرام، بشرطیکہ وہ زمین خالی میں بنائی گئی ہو، نہ قبور پر
کہ قبروں کی زمین صالحِ مسجدیت نہیں اور اگر غیر مالک نے بنائی اور مالک نے جائز نہ کیا تو وہ مسجد نہیں،
مالک کو اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از شہر محلہ بہاری پور مسئولہ غلام ربانی صاحب ۴ شعبان المعظم ۳۳۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ ت) کہ قبرستان کی
آمدنی کا روپیہ مسجد میں صرف کرنا چاہئے یا نہیں اور قبرستان کی مالک مسجد ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہماری شریعت
مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

تفصیل آمدنی: (۱) میت کی چادروں کی قیمت (۲) چادر کے ہمراہ مالکِ میت نقد دیتا ہے۔
(۳) قبرستان میں جو درخت ہیں ان کی لکڑی کی قیمت۔

تفصیل خرچ: مسجد کے کسی حصہ کی تعمیر میں فرش، لوٹے، روغن، دری، یا رمضان المبارک کے
اخراجات میں یہ روپیہ لانا۔

الجواب

نہ مسجد قبرستان کی مالک ہو سکتی ہے نہ قبرستان کسی مال کا مالک ہو سکتا ہے، سائل نے بیان کیا کہ
اہلِ میت اہلِ محلہ میں کسی کو چادریں اور کچھ نقد دیتے ہیں اور دینے والوں کو معلوم ہے کہ یہ مسجد کے لیے
لیتے ہیں، اور درخت بہت قدیم ہے بونے والے کا پتا نہیں، جو لکڑی سوکھ جاتی ہے گر پڑتی ہے مسجد
کے سقائے وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے، اس صورت میں ان سب چیزوں سے مسجد کے وہ سب صرف
جائز ہیں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از سونا تھو بھیجن ضلع اعظم گڑھ محلہ الہ داد پورہ مسئولہ صابر حسین صاحب ۳ رمضان ۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ قبرستان کا مسلمانوں کے لیے کیا حکم ہے اور کیا کرنا چاہیے؟ کوئی شخص

پر کوئی کام دیدہ و دانستہ دنیاوی کرے، مثلاً تجارت، اور اصرار کرے کہ ہم قبرستان ہی پر کاروبار کرینگے دوسری جگہ نہیں کرینگے، یہ کسی کو برا معلوم ہو یا بھلا، اور ساتھ اس کے ہنود کو لاکر زور دے کہ اس کو کھیت بنائیں اور کسی مصرف میں لے لیں اور مسلمانوں کو بے قبضہ کردیں اور وہاں کے اشجار پر بھی قبضہ کرلیں اور یہی کوشش کررہے ہوں اور بصورتِ انکار قبر کو عند التحقیقات کھدوادیں وغیرہ وغیرہ تو اس شخص کے ایمان کا کیا حال ہے اور ایسے شخص کی ناحق پر تائید کرنا کیا ہے اور کس جرم کا مرتکب ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسلمانوں کا عام قبرستان وقف ہوتا ہے اور اس میں سوائے دفن کے اور تصرف کی اجازت نہیں اسے تجارت گاہ بنانا یا اس پر کھیت کرنا سب حرام ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ[1] وقف کی ہیئت کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

اشباہ وغیرہا میں ہے:

شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ[2] واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص کی مثل ہے۔ (ت)

اور مسلمان کی قبر کو کھودنا تو نہایت سخت شدید جرم ہے، اسلامی سلطنت ہو تو ایسا شخص سخت تعزیر کا مستحق ہے یہاں تک کہ سلطانِ اسلام کی اگر رائے ہو تو جو ایسی حرکات کا مرتکب ہوا کرتا ہو اسے سزائے قتل دے سکتا ہے، جو شخص ناحق پر اس کی تائید کرتے ہیں سب اسی کی طرح مرتکب جرم و مستحق سزا ہیں۔

قال اللّٰہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[3] اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔ (ت)

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام[4] جو دانستہ کسی ظالم کی امداد کو چلے اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسّی نکال دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۹۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۰۵

[3] القرآن الکریم ۵/۲

[4] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/۲۲۷ وکنز العمال حدیث ۱۴۹۵۵ بیروت ۶/۸۵ و الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۷۰۹ دارالباز مکۃ المکرمۃ سعودی عرب ۳/۵۳۶

مسئلہ ۳۲۱ ، ۳۲۲ مسئولہ احمد نبی خاں صاحب از مراد آباد ۲۲ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین سوالات مفصلہ ذیل میں :

(۱) جزو جائداد اراضی موقوفہ کا روپیہ معاوضہ سرکار انگریزی سے متولی جائداد کو ملا ، اس روپیہ کو متولی کو کیا کرنا چاہیے ؟ آیا جائداد خرید کرکے شامل جائداد موقوفہ کرنا چاہیے یا کسی مصارف خاص میں یا عام مصارف جائز میں اس رقم کا صرف کرنا جائز ہے ؟

(۲) متولی فوت ہوگیا اور اس نے اپنے زمانہ حیات میں اس روپیہ معاوضہ مذکور سے کوئی جائداد خرید کرکے شامل جائداد موقوفہ نہیں کی اور روپیہ معاوضہ مذکور کا کوئی مصرف جائز بھی کسی قسم کا اس کی حیات میں ظاہر نہیں ہوا اور اکثر اوقات متولی متوفی اور اس کے مختار عام اور سربراہ کار یہ ظاہر کرتے رہے کہ ہنوز کوئی جائداد متصل جائداد موقوفہ کے دستیاب نہیں ہوئی ہے کوشش کی جاتی ہے جس وقت کوئی جائداد فروخت ہوئی خرید کرکے شامل وقف کی جائے گی ۔

(۳) متولی متوفی نے اپنی جائداد مملوکہ و مقبوضہ چھوڑی ہے جس پر اس کے وارثان قابض و دخیل ہیں ۔

(۴) متولی حال کا بحالت موجودہ کیا فرض ہے ، آیا وارثان متولی متوفی سے روپیہ مذکور طلب کرنے اور اس کی جائداد متروکہ سے وصول کرنے کا حسب شرع مستحق ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں متولی سابق پر اس زرِ معاوضہ کا تاوان لازم ہے جو اس کی جائداد متروکہ سے وصول کیا جائے گا متولی حال پر لازم ہے کہ اسے وصول کرے اور اس میں سستی کرا نہ دے بعد وصول جب کہ وہ روپیہ خود بھی اراضی موقوفہ کا بدل ہے کسی مصرف میں صرف نہیں ہوسکتا بلکہ لازم ہے کہ اس سے ویسی ہی جائداد خرید کی جائے کہ جائداد رفتہ کی جگہ وقف ہو ۔ درمختار و عقود الدریہ میں ہے :

الناظر اذا مات مجہلا لمال البدل ضمنہ کما فی الاشباہ ای لثمن الارض المستبدلۃ[1]	ناظر اگر مر جائے مال بدل مجہول چھوڑ کر تو تبدیل شدہ زمین کے ثمن کا ضامن ہوگا جیسا کہ اشباہ میں ہے۔ (ت)

نیز درمختار و ردالمحتار میں ہے :

(لایجوز استبدال العامر الا فی اربع) الاولی لو شرطہ الواقف	زمین وقف کا بدلنا جائز نہیں سوائے چار صورتوں کے ، پہلی صورت یہ کہ واقف نے اگر استبدال

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۲۱۶

الثانیة غصبه غاصب واجری علیه الماء حتی صار بحرا فیضمن القیمة ویشتری المتولی بها ارضا بدلا، الثالثة ان یجحده الغاصب ولا بینة ای اراد دفع القیمة فللمتولی اخذها لیشتری بها بدلا۱؎ اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

کی شرط کی ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے اس کو غصب کیا اور اس پر اتنا پانی بہایا کہ وہ دریا بن گئی تو متولی اس سے ضمان لے کر اس کے بدلے میں دوسری زمین خریدے، تیسری صورت یہ کہ زمین وقف کا غاصب انکاری ہے اور متولی کے پاس گواہ نہیں اور غاصب قیمت دینا چاہتا ہے تو غاصب سے قیمت لے کر اس کے عوض متولی دوسری زمین خریدلے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۲: مسئولہ مجید اللہ صاحب بتوسط عطا احمد صاحب مراری محلہ بدایوں ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک جائداد بلا تخصیص مقام ہر جگہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے وقف کی اور ایک خاص قصبہ مدرسہ بنانے کے لئے نامزد کردیا کہ اس قصبہ میں تعلیم گاہ بنائی جائے لیکن کوئی خاص اراضی تعمیر مدرسہ کے لئے وقف نہیں کی گئی اب کسی مجبوری و نیز اس وجہ سے کہ جو قصبہ مدرسہ بنانے کے لئے وقف نامہ میں معین کیا گیا تھا عام مسلمانوں کی تعلیم میں وہاں سہولت نہیں ہے دوسری جگہ کسی غرض تعلیمی کے لئے وہ مدرسہ بنانا چاہتا ہے جس کی عام مسلمانوں کے لئے سہولت ہو، پس یہ تبدیل مقام شرعاً جائز ہے یا نہیں، یعنی اگر اس تبدیل شدہ جدید مقام پر مدرسہ بنا کر جائداد موقوفہ کی آمدنی اس پر خرچ کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

واقف کو ایسی تغیر جائز ہے جبکہ مصلحت وقف اس میں نہیں اس کے خلاف میں ہے، ردالمحتار میں ہے:

فی فتاوی مؤیدزادہ اذا لم یکونوا اصلح اوفی امرھم تہاون فیجوز للواقف الرجوع عن ھذا الشرط اھ وھکذا نقله عنه فی شرحه علی الملتقی

فتاوٰی مؤیدزادہ میں ہے کہ اگر موقوف علیہ زیادہ صلاحیت والے لوگ نہ ہوں یا وہ اپنے معاملے میں غفلت کرتے ہوں تو واقف کو اس شرط سے رجوع کرلینا جائز ہے اھ اسی طرح ماتن نے فتاوٰی مؤیدزادہ سے ملتقی پر اپنی شرح میں

۱؎ ردالمحتار کتاب الوقف مطلب لایستبدل العامر الا فی اربع داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

ثم نقل عن الخلاصة لایجوز الرجوع عن الوقف اذا کان مسجلا ولکن یجوز الرجوع عن الموقوف علیه وتغییرہ وان کان مشروطا کالمؤذن والامام والمعلم ان لم یکونوا اصلح اوتھاونوا فی امرھم فیجوز للواقف مخالفۃ الشرط اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

نقل کیا، پھر خلاصہ سے یُوں نقل کیا کہ وقف جب رجسٹرڈ ہو تو اس سے رجوع جائز نہیں لیکن موقوف علیہ سے رجوع اور اس کو تبدیل کرنا جائز ہے اگرچہ مشروط ہو جیسے موذن، امام اور معلم اگر وہ وقف کی زیادہ صلاحیت نہ رکھتے ہوں یا وہ اپنے معاملات میں غفلت اور سُستی کا ارتکاب کرتے ہوں تو واقف کے لئے شرط کی مخالفت کرنا جائز ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۶: از شیخوپورہ مرسلہ شیخ امین الدین حیدر رئیس ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) وقف نامہ رجسٹر شدہ کے کسی شرط کو واقفان بذریعہ تتمہ دستاویز تبدیل یا ترمیم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر واقفان کسی مصلحت سے مدرسہ کا مقام رقبہ شیخوپورہ سے کسی دوسرے موضع یا شہر کے رقبہ میں تبدیل کردیں اور مصرف ومرجع وقف فوت نہ ہو تو وقف میں نقصان تو واقع ہوگا۔

الجواب

(۱) وقف نامہ میں واقفوں نے اگر شرط کردی ہوتی کہ ہم کو تبدیل شرائط کا اختیار ہے تو اختیار ہوتا اب کہ یہ شرط نہ کی بلاضرورت صحیحہ واجازت شرعیہ کسی تبدیل و ترمیم کا اختیار نہیں۔ ردالمحتار میں تحریر ہے:

الوقف اذا لزم لزم مافی ضمنہ من الشروط[1]۔

وقف جب لازم ہوتا ہے تو اس کے ضمن میں پائی جانے والی تمام شرطیں لازم ہوجاتی ہیں (ت)

(۲) اگر شیخوپورہ میں ہونا اغراض وقف کے لئے مفید نہ ہو اور دوسری جگہ مصلحت شرعی ہو تو واقفوں کو اس تبدیل کی اجازت ہے، عالمگیریہ میں ہے:

اشترط الاستبدال بارض من البصرۃ

اگر یہ شرط لگائی گئی کہ زمین وقف کو بصرہ کی زمین سے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۳۱

[2] " " " " " " " " " " " ۳/۴۲۰

لیس له ان یستبدل من غیرها، وینبغی انکانت احسن ان یجوز، لانه خلاف الی خیر کذا فی فتح القدیر[1]

بدلوں گا تو اس کے ماسوا دوسری زمین سے بدلنے کا واقف کو اختیار نہ ہوگا مگر چاہئے یہ کہ اگر دوسری جگہ کی زمین اس کے بدلے میں زیادہ بہتر ہے تو جائز ہو کیونکہ یہ خلاف کرنا بہتری کی طرف ہے، فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں بحوالہ در منتقی خلاصۃ الفتاوی سے ہے:

یجوز الرجوع عن الموقوف علیه وتغییره وان کان مشروطا کالمؤذن والامام والمعلمون ان لم یکونوا اصلح او فیها وفسوا فی امرهم فیجوز للواقف مخالفة الشرط[2] والله تعالٰی اعلم۔

موقوف علیہ سے رجوع اور اس میں تبدیلی جائز ہے اگرچہ وہ مشروط ہو جیسے مؤذن، امام اور معلم اگر یہ لوگ وقف کے لئے زیادہ صلاحیت کے حامل نہ ہوں یا اپنے معاملات میں سستی کرتے ہوں تو واقف کے لئے جائز ہے کہ شرط کی مخالفت کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۳: مسئولہ بدرالدین صاحب ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ جامع مسجد بمبئی کے گیارہ مشاورین میں سے اکثر ہی نے یہ قرارداد منظور کی کہ مسجد کے اوقاف کی آمد سے مسجد کے احاطہ میں کھلی جگہ ہے وہاں باغیچہ تیار کیا جائے اور درخت اور کنڈیاں نصب کئے جائیں اور اس کے انتظام کے لئے ایک باغبان مشاہرہ سے رکھا جائے، اطلاعاً گزارش ہے کہ جس زمین پر باغیچہ تیار کرنا منظور ہے وہ جگہ ہمیشہ سے نماز پڑھنے کے لئے عیدین اور یوم الجمعہ میں استعمال کی جاتی ہے پس اس حالت میں مشاورین مسجد کو اوقاف مسجد سے ایسا خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جس زمین پر زمانہ قدیم سے نمازیں ہوتی تھیں اس پر باغیچہ بنا کر لوگوں کو ادائے نماز سے روکنا مشاورین مسجد کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بناءً علی عدم جواز مرتکبین اس فعل کے اپنے عہدہ یا سے مفوضہ سے معزول ہونگے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں اگرچہ مقصود واحد ہو مثلاً کسی مسجد پر دکانیں وقف

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۰۰
[2] ردالمحتار " فصل یراعی شرط الواقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۲۱

یوں کہ ان کا کرایہ مسجد ہی میں صرف ہوتا ہے انھیں حمام کردیا جائے اور اس کا کرایہ مسجد کو دیا جائے یا حمام کا کرایہ مسجد پر وقف تھا اسے دکانیں کردیا جائے یہ ناجائز ہے حالانکہ مقصود یعنی کرایہ وہی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

لا یجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ فلا یجعل الدکان خانا الخ[1]۔

وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں لہذا دکان کو سرائے بنادینا جائز نہیں الخ (ت)

نہ کہ خدمت مقصودہ اور وہ بھی محض بے سود و مردود، باغیچہ امراء کے مکانوں کی زینت ہوتا ہے، بیت اللہ کی زینت ذکر اللہ ہے، ولہذا علماء نے مساجد میں پیڑ لگانا منع فرمایا اور فرمایا کہ مساجد کو یہود و نصارٰی کے کنیسوں گرجوں سے مشابہ نہ کرو پھر اس میں نمازیوں پر جمعہ وعیدین میں تنگی ہے اور جو مسلمانوں پر تنگی کرے اللہ اس پر تنگی کرے گا من ضیق ضیق اللہ علیہ (جس نے تنگی کی اللہ تعالٰی اس پر تنگی فرمائیگا۔ ت) اس میں منع خیر ہے اور منّاع للخیر کی مذمت کلام اللہ میں ہے، اس میں زمین متعلق مسجد کو نماز سے روکنا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم[2]۔

اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ان کو اس زمین میں قدم دھرنا نہ تھا مگر ڈرتے ہوئے ایسوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

ایسے مشاور اگر باز نہ آئیں واجب العزل ہیں من استرعی الذئب فقد ظلم جس نے بھیڑیے کو چرواہا بنایا اس نے بکریوں پر ظلم کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۳: مسئولہ منشی خلیل الرحمن صاحب پارچہ فروش از نگینہ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ایک محلہ کے اندر واقع ہے کہ جس میں کچھ اراضی زائد فرش سے ہے اور اس اراضی میں ایک مزار شریف بھی ہے، اس مسجد کی خبرگیری اہل محلہ جس میں چند قوم کے آدمی ہیں کرتے ہیں منجملہ چند اقوام کے ایک قوم ایک مدرسہ خاص قومی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۹۰

[2] القرآن الکریم ۲/۱۱۴

اسی اراضی موقوفہ میں بنانا چاہتی ہے کہ جس میں دوسری قوم کا تعلیم نہیں پائے گا احیاناً کسی وقت میں
اس اراضی موقوفہ کی ضرورت مسجد کو ہوئے تو وہ تعمیر مدرسہ اٹھوا کر اپنے تصرف خواہ کسی قسم کا تصرف ہو
لاسکتے ہیں یا نہیں جس قوم کا مدرسہ تعمیر ہوتا ہے اسی قوم کے چند لوگ مہتمم و متولی ہیں وہ ایک اقرار نامہ بدیں
مضمون لکھتے ہیں کہ اگر کسی وقت میں مسجد کو ضرورت اراضی کی ہو تو وہ نہیں دے سکتی یہ اقرار ان کا لکھنا جائز ہوگا
یا نہیں، علاوہ اسی قوم کے دیگر اقوام یا دیگر محلہ چاہیں کہ مدرسہ قومی خاص مذہب ہے تو وہ اس عمارت میں
مدرسہ بنا رہنے دے سکتے ہیں یا نہیں، اور یہ مدرسہ خصوصیت قوم کے ساتھ تعمیر کیا جاتا ہے اور اسی قوم کے
بچے مستفیض ہوں گے جواب خلاصہ و مشرح مرحمت فرمایا جائے، مکرر عرض ہے جواب کے ارسال میں
دیر نہ فرمائی جائے۔ مکرر عرض ہے کسی وجہ سے کل کو وہاں مدرسہ نہ رکھا گیا تو اس تعمیر کی مالک قوم یا اہل مدرسہ
ہوگا یا نہیں یا مسجد کی ہی ملکیت ہو جائے گی مدرسہ کو اختیار اس کے کرایہ پر دینے کا رہے گا یا نہیں؟
بینوا توجروا۔

الجواب

جو زمین متعلق مسجد ہے وہ مسجد ہی کے کام میں لائی جاسکتی ہے اور اس کے بھی اسی کام میں جس
کے لئے واقف نے وقف کی، وقف کو اس کے مقصد سے بدلنا جائز نہیں۔ شرط الواقف کنص الشارع
فی وجوب العمل[1] (واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی نص کی مثل ہے۔ت)
واقف نے اگر یہ مدرسہ بنانے کی اجازت نہ دی تو اس میں عام مدرسہ بھی نہیں بن سکتا نہ کہ خاص، اور اگر
عام مدرسہ کی اجازت دی ہے جب بھی کسی قوم کو خاص اپنا قومی مدرسہ کرنے کی اجازت نہیں، اگر خلاف اجازت
ایسا تصرف کریں گے غاصب ہوں گے اور وہ عمارت منہدم کرادینے کے قابل ہوگی اور بعد انہدام جو کچھ
اینٹیں کڑیاں ہوں اس کے مالک وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے عمارت بنوائی تھی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۳۵: از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ حافظ عبدالحمید امام مسجد کمبوہ ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی زمینداری کے ایک قطعہ کو جو بیست بیگھ خام ہے اور اس کا سالانہ منافع عہ للعہ ہے
اس تصریح کے ساتھ کہ ۴م عہ سالانہ اس محلہ کی مسجد میں جس میں واقف رہتا ہے صرف ہوا کریں اور
۴م عہ سالانہ غرباء و مساکین کے لڑکوں کی تعلیم جو قرآن شریف اور دینیات پڑھتے ہیں قرآن شریف
یا متفرق پارہ اور کتب وغیرہ خرید کر امداد کی جائے اور اس مصرف میں ہمیشہ صرف ہوتے رہیں اور ۴م عہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۰۵

سالانہ قیمیاں و بیوگاں کی تیاری پارچہ سرما وغیرہ صرف کئے جائیں، اپنے دل میں مذکورہ مصارف کی نیت کرکے وقف کردیا اور ایک سال سے اس کا منافع بھی کاشتکار سے وصول نہیں کیا اور وقف کی کوئی تحریر بھی نہیں لکھی، اب زید یہ چاہتا ہے کہ قطعہ اراضی مذکورہ بالا سے جس کے وقف کی نیت کی ہے بہتر اور عمدہ اور زیادہ منافع کی دیگر اراضی کو جو اس کی ملکیت ہے بجائے اس کے وقف کردے اور بموجب شرع شریف کے تحریر و تکمیل کردے اور متولی اس کا مقرر کرکے اس کے قبضہ میں اس زمین کو دے دے کہ منافع اس کا مصارف مذکورہ میں صرف کیا کرے اور آئندہ متولی اس کا زید کے رشتہ داران اور نمازیان مسجد محلہ کے مشورہ سے مقرر ہوا کرے گا، اس صورت میں امید ہے کہ ~~مع~~ سالانہ سے زیادہ منافع سالانہ وقف کا ہوگا صرف نیت وقف کرلینے سے جو خاص قطعہ اراضی کی نسبت کی ہے اور اس کی تحریر بھی نہیں لکھی اور اراضی جو اس سے بہتر اور عمدہ زیادہ منافع کی ہے وقف کرکے تحریر کردے شرع ممانعت تو نہیں کرتی؟

الجواب

تحریر تو شرعاً کوئی ضروری چیز نہیں، نہ اس پر وقف موقوف، اگر اس نے زبان سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اس کو اللہ کے لئے وقف کردیا تو وقف ہوگئی اب اس سے رجوع نہیں کرسکتا مگر یہ کہ وقت وقف شرط استبدال کرلی ہو یعنی مجھے اختیار ہے کہ جب چاہوں اس زمین کے بدلے اور زمین وقف کردوں تو البتہ اس حالت میں تبدیل کا اختیار ہے، اگر زبان سے کچھ نہیں کہا تھا صرف دل سے نیت کی تھی تو وہ زمین وقف نہ ہوئی، اگر واقعی اس سے بہتر اور زیادہ منافع کی زمین وقف کرنا چاہتا ہے تو اس پر کچھ الزام نہیں، قال اللہ تعالٰی ما علی المحسنین من سبیل[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نیکی کرنے والوں پر (مواخذہ کی) کوئی راہ نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸۱: از شہر مسئولہ محمد خلیل اللہ صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک موقع پر ایک جائداد موقوفہ متعلق مسجد واقع ہے تو علاوہ بیع کے جو ہر طرح ناجائز ہے آیا اس موقع پر جائداد مذکورہ سے تبادلہ کا جو ذرا سی قلیل قیمت اور حیثیت کی جائداد سے یا کسی دیگر نوع سے کسی صورت میں بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

اس خاص وقف کرتے وقت واقف نے استبدال کی شرط نہ کرلی ہو تو ہرگز کسی حال میں

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

جائز نہیں جب تک اس سے انتفاع ممکن ہے اگرچہ دوسری کہ اس کے بدلے میں ملے اس سے قیمتاً حیثیت و منفعت میں بہت زائد ہو۔

فانا امرنا بابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ اخری[۱] کما حققہ المحقق فی الفتح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم وقف کو سابقہ ہیئات پر باقی رکھیں نہ کہ دیگر زیادتی کو۔ جیسا کہ محقق علیہ الرحمۃ نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۵۲ ۱۰ جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ منشی کریم الدین کی دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہے، پہلی بیوی سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا اور دوسری بیوی سے دو لڑکیاں تھیں۔ منشی صاحب مرحوم نے ایک باغ ایک موضع، ایک مدرسہ اور کچھ دکانیں پہلی بیوی کے انتقال ہونے کے بعد وقف کیں اس طرح پر کہ میرے بعد میری زوجہ متولی رہے اور زوجہ کے بعد لڑکا جو کہ پہلی بیوی سے تھا اور لڑکے کے بعد اس کی اولاد، چونکہ لڑکا ان کی حیات میں فوت ہوگیا اور لڑکے کی اولاد میں ایک لڑکی تھی وہ لڑکی ناقابلِ انتظام تھی اور اس کا شوہر بوجہ ہر چلنی کے ناقابلِ انتظام تھا اس وجہ سے منشی صاحب نے ایک اقرار نامہ وقف نامہ کی تحریر کے بارہ سال بعد اس طرح تحریر کر دیا کہ میرے بعد میری دوسری زوجہ متولی رہے اور اس کے بعد اس کی بڑی لڑکی اور لڑکی کے بعد اس کی اولاد میں بڑا لڑکا جو لائق ہو متولی رہے اسی طرح سلسلہ برابر جاری رہے اس اقرار نامہ کی تحریر کو عرصہ دو سال ہوگیا اور وقف نامہ کو چودہ سال، اس وقت منشی صاحب مرحوم کی دوسری زوجہ حیات ہے اور منشی صاحب نے جائداد مذکورہ مفصلہ ذیل اخراجات کے واسطے وقف کی ہے۔ مولود شریف، گیارھویں شریف، فاتحہ حسنین، خرچ مدرسہ و تکیہ وغیرہ، چونکہ پہلی بیوی کی لڑکیاں اور منشی صاحب کے لڑکے کی لڑکی حیات ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ بروئے وقفنامہ کے جائداد مذکورہ کے ہم متولی ہیں اس لئے التماس ہے کہ شرعاً اس وقت جائداد مذکورہ کا متولی کون شخص قرار دیا جائے گا اور اس کے بعد کون اقرار نامہ کا قانوناً بھی داخل خارج ہوگیا ہے بموجب حکم شرع شریف تحریر فرمایا جائے۔ فقط

الجواب

تولیت کوئی ترکہ نہیں کہ ہر وارث کا اس میں حق ہو تولیت واقف کے اختیار کی ہے جسے متولی کر دے

[۱] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

وہی ہوگا۔ درمختار میں ہے: ولایۃ نصب القیم الی الواقف[1] (متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو حاصل ہے۔ ت) تو اس میں شک نہیں کہ فی الحال وقف کی متولی صرف زوجہ ثانیہ ہے کہ وقف نامہ اور اقرارنامہ دونوں میں اپنے بعد اسی کو متولی لکھا ہے اور جب زوجہ کا انتقال ہو تو حسب شرط اقرارنامہ اسی زوجہ کی بڑی لڑکی پھر اس کے بعد اس لڑکی کی اولاد میں جو بڑا لائق ہو ورنہ جو لائق ہوں بہرحال پہلی بیوی کی لڑکیوں کا تو کوئی استحقاق تولیت میں سرے سے نہ تھا کہ وقف نامہ اقرارنامہ کسی میں ان کی تولیت نہیں رہی پسر متوفی کی لڑکی اگرچہ وقف نامہ میں اپنے بعد پسر پھر اولاد پسر کی تولیت لکھی تھی مگر وہ واقف کے سامنے مرگیا اور اب اس نے ان شرائط کو تبدیل کردیا اور دوبارہ تولیت واقف کو تغیر و تبدل کا اختیار ہے تو اب عمل بموجب اقرارنامہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ من حکم سائر الشرائط لان لہ فیھا التغییر و التبدیل کلما بدالہ من غیر شرط فی عقدۃ الوقف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

واقف کی تولیت تمام شرائط کے حکم سے خارج ہے کیونکہ واقف کو ان شرائط میں تبدیلی کا اختیار ہے جب بھی وہ مناسب سمجھے اگرچہ اس نے عقدِ وقف میں اس کی شرط نہ لگائی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۳

QUESTION

Rangoon, The 19th May, 1908.

To

Moulvi Haji Ahmad Raza Khan
Esqur Bareilly
United provinces

Honoured Sir

We desire to place prepare you a certain religious matter on which we solicit your valuable opinion. The facts are briefly these. There is a Ch[illegible] ar a

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹
[2] ردالمحتار " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۱۰

Mosque in Mo[illegible]g Taulay street at this place. There are five duly elected trustees or mutawa[illegible]s who manage the affairs of the said mosque according to a scheme framed by the chief court of Lower Burma. The trustees are given the power of discharging the Imam, Muazzin and Clerks of the mosque. In virtue of the said power the trustees at a meeting discharged their Imam One Syed Muckbool for irregularity misconduct and disobedience. After the discharge the trustees filed a s[illegible] the chief court of Lower Burma for declaration that the discharge of the Imam may be confirmed. The Imam now questions the authority of the trustees and maintains power badly he may misconduct himself they have no power to discharge him. Having placed the facts briefly we request you most humbly to give your Fatwa as to whether the trustees have the power to discharge the Imam when they find it necessary to do so. This is a vital point which is at present engaging the attention of the leading member of the Chuhan Sunni Mohammadan community and we shall thank [illegible] wa before the [illegible] week of J[illegible] thank you in anticipation. We beg to remain honoured S[illegible] obedient and humble followers M. Qadir Gani president The Madras Muslim Association No37, Toockay Mq ,Taulay street

ANSWER

From   Bare[illegible]
                        The 28th of May, 1906

                        M Qadir Gani
                        President
                        The Madras Muslim Association

N[illegible] reference to your letter dated 19th of may 1906 I send my Fatwa for your perusal. The trustees can discharge an Imam by their authority when such indifference is [illegible] him which may be the sufficient reason [illegible] to be [illegible] sed [illegible] sanul Hukkam printed at Mier page No 123

فی فتاوی قاضی خان اذا عرض للامام او للمؤذن عذر منعه عن المباشرة مدة ستة اشهر فللمتولی ان یعزله ویولی غیره وان کان للمعزول نائب۱.

Translation [illegible] there is [illegible] Fatwa Qazi Khan when an Imam or Moazzan has some [illegible] business which may be the cause of six months absence from the mosque [illegible] standing he may have [illegible] some person for him to act. At such opportunity the trustee can discharge him and may establish or Appoint another Imam in his place [illegible] printed Misr and Sham printed constantinople volume [illegible] Page [illegible] وتقدم مایدل علی جواز عزله اذا مضی شهر۲

Translation – Allama Beerzada [illegible] that the books aforesaid style shows that a trustee can discharge an Imam on account of a month absence from the mosque. The [illegible] stees [illegible] need [illegible] take [illegible] sanction of discharging the Imam from the Court or from any higher Officer or Governor because the authority of trustees in these matters is over the Powers of a Muhammadan [illegible] although the same Mutawallis or trustees may have been fixed by the [illegible] Muhammadan Governor.

See Asbah [illegible] printed Lucknow page [illegible] copies from the Fatwa of Imam Rasheeduddin [illegible] لایملک القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظره ولو من قبله۳

Translation – A Qazi cannot interfere a Waqf in the Presence of a trustees although the trustees may have been fixed by the same Qazi Hamawi Sharah Asbah printed Lucknow page No [illegible] copies from Fatwa Imam Zaheeruddin.

قاضی البلد اذا نصب رجلا متولیا للوقف بعد ما قلده الحاکم الحکومة فلیس للحاکم علی الوقف سبیل حتی لایملک الاجارة ولا غیرها۴

---

۱ لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۸

۲ ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۱۲

۳ الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۹۲

۴ غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر " " " " " " "

Translation - A King appointed a Qazi and after it the Qazi fixed a trustee on a Waqf now the King has no connection on with the Waqf nor has he any power of [illegible]. Another style from Lisanul Hukkam copies from Fatwa Imam Sowri.

وتمنع ولاية السلطان على ولاية المتولي في الوقف۔[1]

Translation - A king cannot interfere a Waqf against a trustee. Authorities in this case the higher officers or governors are not Muhammadan ones and therefore they can not know the schemes of Shara as a Muhammadan trustee knows. The trustees can discharge an Imam when the Imam leave Sunna doctrine or [illegible] against Shara or there may be found in him something which may be the cause of abhorrence which decreases the number of peoples at prayers or he may be disobedient against the managing rules of affairs of the mosques. Or [illegible] of persons at prayers or there may be something such in him. Otherwise he will not be discharged without law. See Raddul Muhtar [illegible] volume 3 page [illegible]

قال في البحر واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم اهلية۔[2]

Translation - It is said in Bahr-ur-Raiq that as a Mutawalli can not be dismissed without [illegible] so this it is manifest that any receiver of a salary of a Waqf can not be dismissed [illegible] this fault be proved or he may be proved unfit for his duties.

امر برقمه عبده المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه
بمحمدن المصطفی النبی الامی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ٢٩٦
[2] رد المحتار کتاب الوقف مطلب لا یصح عزل صاحب وظیفۃ بلا جنحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/٤٠٦

ترجمہ مسئلہ ۳۵۳ از رنگون مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۰۸ء

بخدمت جناب مولوی حاجی احمد رضا خان صاحب محلہ سوداگران بریلی، یو پی۔

مولانائے محترم! ہم سب آپ کی خدمت میں چند مذہبی امور کے بارہ میں رائے عالی جاننے کے لئے یہ پیش کررہے ہیں اور مختصراً واقعہ کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔ یہاں ایک مسجد چولیان مونگ تلا اسٹریٹ میں واقع ہے جس کے چنے ہوئے پانچ متولیان ہیں جو مسجد کا انتظام اس قانون کے تحت انجام دے رہے ہیں جس کو عدالت العالیہ برما نے مرتب کیا ہے جس کے مطابق متولیوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ امام، مؤذن اور ملازموں کو برخاست کرسکیں، اس قانون کے مطابق متولیان نے ایک مجلس شوریٰ کے امداد سید مقبول امام مسجد کو ان کی بیضابطگی، برے چال چلن اور حکم عدولی کے باعث برخاست کردیا، اس برخاستگی کے بعد متولیوں نے ایک مقدمہ استقراریہ اس امر کا عدالت العالیہ برما میں دائر کیا کہ امام کی برخاستگی مستقل کردی جائے اب امام نے یہ باز پرس متولیوں کی مجلس قانون سے کی ہے۔ قانون کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے، ان لوگوں کو برخاست کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس مختصر واقعہ کو پیش کرتے ہوئے نہایت ادب سے التجا کرتے ہیں کہ آپ اس کے متعلق اپنا فتویٰ مرحمت فرمائیں، کیا متولیان کو امام کی برخاستگی کا حق حاصل ہے کہ جب وہ چاہیں برخاست کردیں۔ یہ آج کل بحث کا مسئلہ بن چکا ہے مسلمانوں میں کشیدگی کا باعث بنا ہوا ہے، ہم لوگ بیحد شکرگزار رہیں گے اگر آپ اپنا فتویٰ ماہ جون کے اوائل ہفتہ میں روانہ فرمادیں فقط۔

آپ کا فرمانبردار خاکسار معتقد
قادر غنی صدر مدراس مسلم ایسوسی ایشن، مونگ تلا اسٹریٹ۔

الجواب

بریلی مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء

بخدمت جناب ایم قادر غنی صدر مدراسی مسلم ایسوسی ایشن

محترم! آپ کے مراسلہ مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۰۸ء کے مطابق میں اپنا فتویٰ برائے ملاحظہ ارسال کرتا ہوں۔ متولیان ایک امام کو برخاست کرسکتے ہیں جبکہ کوئی ایسا اختلاف اور وجہ معقول شرعی طور پر پائی جائے (لسان الحکام مطبوعہ مصر ص ۱۲۳)

ترجمہ: فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ جب امام یا مؤذن کے درمیان کوئی ایسی چیز عارض ہو جس کی وجہ سے وہ چھ ماہ تک مسجد سے غیر حاضر رہے اور اس نے اپنا کوئی بدل نہ دیا ہو تو اس وقت متولی اس کو برطرف کرسکتا ہے اور دوسرا امام اس کی جگہ مقرر کرسکتا ہے (طحطاوی مطبوعہ مصر اور شامی مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۳

ص ۲۳۹)

ترجمہ: "علامہ بیری زادہ کتاب مذکور میں فرماتے ہیں کہ متولی ایک امام کو مسجد سے ایک ماہ کی غیر حاضری پر برطرف کرسکتا ہے" متولی کو کوئی ضرورت امام کی برطرفی کے لیے عدالت یا کسی افسر بالا یا گورنر سے اجازت لینے کی نہیں ہے کیونکہ متولی اپنے اختیار خصوصی سے ان معاملات میں خود اسلامی گورنر جیسا اختیار رکھتا ہے جبکہ یہ متولیان خود ایک اسلامی گورنر کے مقرر کردہ ہوں۔ (اشباہ والنظائر مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۶۹ منقولہ از فتاوی امام رشید الدین)

ترجمہ: ایک قاضی وقف کے کسی معاملہ میں متولی کی موجودگی میں دخل نہیں دے سکتا جبکہ اسی قاضی نے اس کو متولی بنایا ہو۔ (حموی شرح اشباہ مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۶۹ منقولہ از فتاوی امام ظہیر الدین)

ترجمہ: ایک بادشاہ نے ایک قاضی مقرر کیا اور اس کے بعد قاضی نے وقف کا ایک متولی مقرر کیا، اب بادشاہ کا کوئی تعلق اس وقف سے نہ رہا اور نہ کوئی اختیار اس کو رد و بدل کا باقی رہا۔ (لسان الحکام، منقولہ از فتاوی امام قدوری)

ترجمہ: ایک بادشاہ ایک متولی کے معاملہ میں دخیل نہیں ہوسکتا جبکہ حکام بالا یا گورنر جو کہ مسلمان نہیں اور جو اس قانون تولیت سے واقفیت معاملہ متولی نہیں۔ لیکن اسی وقت ہوں امام کو برخاست کرسکتا ہے جبکہ امام عقائد سنیہ کو ترک کردیتا ہے یا برملا شرع کی خلاف ورزی کرتا ہو یا کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہو جس سے نماز جماعت میں کمی واقع ہو یا کمیٹی کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہو جو مسجد سے متعلق ہو برخاست ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا۔ (ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ ج ۳ ص ۵۹۰)

ترجمہ: بحر الرائق میں ہے کہ ایک متولی بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک وقف سے تنخواہ پانے والا شخص بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا یا جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ وہ اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں قاصر ہے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

امرہ برقمہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدن المصطفی النبی الامی

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مسئلہ ۳۵۳: از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد مرسلہ منشی ہدایت اللہ صاحب ۲۲ صفر ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ نواب غلام حبشی خاں صاحب رئیس قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد موضع جیسے پور بطریق زکوٰۃ ریاست و موضع کچی گھیرا بطور خیرات حقیقت پہنی کراول وقف کیا

سال ۱۳۰۴ھ میں اس جائیداد موقوفہ کے بابت ایک وصیت نامہ سادہ تحریر کیا جس میں انتظام و اہتمام تولیت جائداد موقوفہ اور مصارف خیر کی بابت شرائط درج کئے، چنانچہ تاحیات اپنی خود واقف ہر دو مواضعات مذکورہ کے مہتمم رہے اور بعد وفات ان کے نواب محمد عبدالکریم خاں صاحب مرحوم بیٹے از واقف مہتمم مقرر ہوئے، وصیت نامہ میں واقف نے یہ شرط تحریر کی ہے اقرار یہ ہے کہ حین حیات اپنی آمدنی و پیداوار مواضعات مذکور کو اپنے ہاتھ اور اختیار سے حسبۃً للہ صرف کرتا رہوں گا اور بعد میرے میری اولاد سے ایک شخص از قسم ذکور جو لائق ہو وہ نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن حسب دستور بطریقہ مستقلہ بطور مذکور کارگزار رہے، صرف کرتا رہے، ۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۸ء کو مہتمم ثانی نے وفات پائی، اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ فقرہ نسلاً بعد نسل کے کیا معنی اور مطلب، اور نسل سے منشاء واقف کا اپنی اولاد سے ہے یا مہتمم ثانی کی اولاد سے، اور شرعًا بعد وفات ہونے مہتمم ثانی کے اصل واقف کے اولاد میں سے مہتمم مقرر ہونا چاہئے یا مہتمم ثانی کی اولاد میں سے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں جب تک واقف کی اولاد صلبی سے کوئی مرد لائق باقی رہے گا اولادِ اولاد کو تولیت نہ پہنچے گی، جب ان میں کوئی نہ رہے گا اس وقت اولادِ اولاد سے کوئی لائق متولی کیا جائے گا اور ان میں جب تک کوئی رہا تیسرے درجہ سے مقرر نہ کیا جائے گا وعلٰی ھذا القیاس نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن کے یہی معنی ہیں اس میں واقف کی اپنی اولاد و اولادِ اولاد و اولادِ اولادِ اولاد سب داخل ہیں مگر بترتیب کہ سب سے مقدم اولاد پھر اولادِ اولاد، اولادِ اولادِ اولاد الٰی آخر الدہر۔ اسعاف میں ہے:

لایکون للبطن الاسفل شیئ مادام من البطن الاعلٰی احد وھکذا الحکم فی کل بطن حتی تنتھی البطون موتا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

بطنِ اسفل کو کچھ حق نہ ملے گا جب تک بطنِ اعلٰی میں سے کوئی ایک موجود ہے، اور یہی حکم تمام بطنوں کا ہے حتی کہ موت کے سبب بطون ختم ہوجائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۵ و ۲۵۶: مرسلہ حاجی محمد حسین صاحب رئیس از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد ۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

سوال اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد وقف کی اور در بارہ تولیت یہ شرط تحریر کی کہ بعد میرے میری اولاد سے ایک شخص از قسم ذکور جو لائق ہو

ل العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۱۵۳

نسلاً بعد نسلٍ اور بطناً بعد بطنٍ حسب دستور مجھ گنہگار کے صرف کرتا رہے، آیا اس عبارت مذکورہ سے واقف کا منشا کسی خاص اولاد کی نسبت یعنی بیٹوں کی یا پوتوں کی نسبت ہے یا اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

سوال دوم : جائداد موقوفہ کے اشخاص ذیل متولی ہو سکتے ہیں یا نہیں اور شرعاً لفظ لائق کن اشخاص سے مراد ہے؟

(۱) جو باوصف استطاعت بائیس سال سے نہ حج کرتا ہو نہ زکوٰۃ اور نہ عشر دے۔

(۲) جو علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہو۔

(۳) کیا تارک جماعت لائق متولی ہو سکتا ہے۔

(۴) جو طمع نفسانی سے متولی ہونا چاہے اور جس کو بعد کوشش تولیت کی ہو۔

(۵) جو سُود جائز کر لیتا ہو۔

(۶) جو شطرنج اور تاش بازی میں معروف رہتا ہو وہ قابل تولیت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) نہ اس میں ایسا خصوص ہے کہ بعض طبقات اولاد کو اصلاً شامل نہ ہو، نہ ایسا عموم کہ ہر طبقہ کی اولاد معاً مستحق ہو بلکہ وہ جمیع طبقات کو بشرط ترتیب عام ہے یعنی جب تک خاص اولاد صلبی واقف سے کوئی مرد لائق تولیت باقی رہے گا پوتے اگرچہ لائق ہوں بلکہ الیق ہوں نہ پا سکیں گے لان الواقف انما شرط الالیق دون الالیق (واقف نے تولیت کے لئے لائق کی شرط لگائی ہے نہ کہ لائق ترین کی۔ ت) اور جب اولاد صلبی سے کوئی مرد نہ ہو یا جتنے باقی ہوں ان میں کوئی لائق تولیت نہ ہو تو پوتوں میں جو لائق ہو اسے پہنچے گی اب ان میں کا جب تک کوئی لائق باقی رہے گا پرپوتوں کا استحقاق نہ ہوگا وعلی ھذا القیاس الی انقراض النسل (اور اسی پر قیاس کرتے چلو یہاں تک کہ اس کی نسل ختم ہو جائے۔ ت) اور نواسے بہرحال مستحق نہ ہوں گے جس نے نواسوں کو بھی شمول لکھ دیا خطا کی۔

فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے :

ان قال علی ولدی وولد ولدی یصرف الی اولادہ ابدا ماتناسلوا الاقرب والابعد فیہ سواء الاانہ یذکر الاقرب

اگر واقف نے کہا کہ یہ چیز میری اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف ہے، تو یہ وقف اس کی اولاد کی طرف ہی پھرا جائے گا جب تک اس کی اولاد کا سلسلہ جاری رہے گا۔ قریب و بعید اسے

فالاقرب او یقول بطنا بعد بطن یبدأ بما بدأ بہ الواقف[1] (ملخصاً)

اس میں برابر ہوں گے یا اس نے یوں کہا یہ وقف ایک بطن کے بعد دوسرے بطن کے لئے ہے تو اسی سے ابتداء کریں گے جس سے واقف نے ابتداء کی ہے (ملخصاً)۔ (ت)

اسی میں ہے :

ولدی لایدخل فیہ ولد البنت فی ظاہر الروایۃ وبہ اخذ ھلال والصحیح ظاہر الروایۃ[2] (ملخصاً)۔

واقف کے کلام میں لفظ "ولدی" میں بیٹی کی اولاد داخل نہیں ظاہر الروایۃ کے مطابق اسی کو ہلال نے لیا ہے اور صحیح ظاہر الروایۃ ہے (ملخصاً)۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

وقف ولدی وولد ولدی لایدخل فیہ اولاد البنات فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الفتوٰی ھکذا فی محیط السرخسی[3]۔

واقف نے اگر اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کا ذکر کیا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق بیٹی کی اولاد اس میں داخل نہیں اور اسی پر فتوٰی ہے ، اور محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

(۲) لائق وہ ہے کہ دیانت دار کارگزار ہوشیار ہو جس پر دربارہ حفاظت وخیر خواہی وقف اطمینان کافی ہو ، فاسق نہ ہو جس سے بطمع نفسانی یا بے پروائی یا ناحفاظتی یا انہماک لہو ولعب وقف کو ضرر پہنچانے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو بدعقل یا عاجز یا کاہل نہ ہو کہ اپنی حماقت یا ناوانی یا کام نہ کرسکنے یا محنت سے بچنے کے باعث وقف کو خراب کرے ، فاسق اگرچہ کیسا ہی ہوشیار کارگزار مالدار ہو ہرگز لائق تولیت نہیں کہ جب وہ نافرمانی شرع کی پروا نہیں رکھتا کسی کا بددینی میں اس پر کیا اطمینان ہوسکتا ہے ، ولہٰذا حکم ہے کہ اگر خود واقف فسق کرے واجب ہے کہ وقف اس کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور کسی امین متدین کو سپرد کیا جائے پھر دوسرا تو دوسرا ہے۔ ردالمحتار میں ہے :

قال فی الاسعاف ولا یولی الا امین قادر بنفسہ او بنائبہ لان

اسعاف میں فرمایا ہے کہ متولی صرف اسی کو بنایا جائے گا جو امین ہو اور بذاتِ خود یا اپنے نائب

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۹

[2] " " " " " " " " " ۴/ ۷۲۹ - ۷۲۸

[3] فتاوٰی ہندیہ " " الباب الثالث فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۷۴

الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر تولیۃ الخائن لانہ یخل بالمقصود وکذا تولیۃ العاجز لان المقصود لایحصل بہ۔[1]

کے اعتبار سے وقف کی حفاظت پر قادر ہو کیونکہ ولایت نگرانی کی شرط سے مقید ہے اور خائن کو متولی بنانے میں نگرانی کا فقدان ہے کیونکہ خائن کی تولیت مخل مقصود ہے یہی حال عاجز کو متولی بنانے کا ہے کہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(وینزع) وجوبا بزازیۃ (لو) الواقف درر فغیرہ بالاولٰی (غیر مامون) او عاجزا او ظہر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ، فتح۔[2]

متولی سے ولایت وقف وجوبًا واپس لے لی جائیگی (بزازیہ) اگرچہ وہ خود واقف ہو (درر) تو غیر واقف سے بدرجہ اولٰی واپس لے لی جائے گی جبکہ وہ امین نہ ہو یا عاجز ہو یا اسکا فسق شراب نوشی وغیرہ ظاہر ہوچکا ہو (فتح)۔ (ت)

سُود لینا گناہ کبیرہ ہے تو اس کا ارتکاب اگرچہ ایک ہی بار بالیقین اجماعًا فاسق وبددیانت کر دیگا جب کہ حرام جان کر کرے اور دارالاسلام میں جائز سمجھا تو فسق درکنار صریح کافر مرتد ہوجائے گا لاستحلالہ ما علم حرمتہ ضرورۃ من الدین (اس چیز کو حلال جاننے کی وجہ سے جس کی حرمت ضروریاتِ دین سے معلوم ہے۔ ت) یونہی جو بلا عذر صحیح شرعی ترک جماعت کیا کرے فاسق ومردود الشہادۃ ہے۔ غنیہ میں ہے:

تارکہا بلاعذر یعزر وترد شہادتہ۔[3]

بلا عذر ترک جماعت کرنے والے پر تعزیر لگائی جائے اور اس کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ (ت)

نہرالفائق میں ہے:

ترکہا مرۃ بلاعذر یوجب اثما فی قول العراقیین والخراسانیون علی انہ یاثم اذا اعتاد الترک کما فی القنیۃ۔[4]

بلا عذر ایک بار جماعت کو چھوڑنا عراقیوں کے قول کے مطابق موجب گناہ ہے اور خراسانی تب اس کو گنہگار قرار دیتے ہیں جب وہ ترک جماعت کو عادت بنالے، جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۸۵/۴
[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۳۸۳/۱
[3] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۰۹
[4] بحوالہ الغنیۃ المغنیۃ باب فی الجماعۃ مطبوعہ کلکتہ انڈیا ص ۳۶

ردالمحتار صدر واجبات میں ہے :

الجماعة واجبة علی الراجح او فی حکم الواجب کما فی البحر وصرحوا بفسق تارکھا[1]

راجح قول کے مطابق جماعت واجب ہے یا حکمِ واجب میں ہے جیسا کہ بحر میں ہے، اور مشائخ نے تصریح کی کہ تارکِ جماعت فاسق ہے۔ (ت)

مذہبِ صحیح و معتمد پر زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے تو جو اس سال کی زکوٰۃ نہ دے یہاں تک کہ دوسرا سال گزر جائے گنہگار ہے یونہی قولِ اصح و ارجح پر حج کا وجوب، تو جس سال استطاعت ہو اسی سال جائے ورنہ گنہگار ہوگا، اور اگر زکوٰۃ یا حج بعدِ وجوب بلا عذرِ صحیح شرعی تین سال تک ادا نہ کرے تو فاسق ہے ذکر با تیس سال۔ تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ میں ہے :

افتراضھا فوری وعلیہ الفتوی فیأثم بتاخیرھا وترد شھادتہ[2]

زکوٰۃ کی فرضیت فوری ہوتی ہے اور اسی پر فتوٰی ہے تاخیر کرنے والا گنہگار ہے اور اس کی گواہی مردود ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فی البدائع عن المنتقی بالنون اذا لم یؤد حتی مضی حولان فقد اساء واثم[3]

بدائع میں بحوالہ المنتقی ہے کہ کسی نے زکوٰۃ ادا نہیں کی یہاں تک کہ اگلا سال ختم ہوگیا تو بُرا کیا اور گنہگار ہوا۔ (ت)

درمختار کتاب الحج میں ہے :

فرض علی الفور فی العام الاول عند الثانی واصح الروایتین عن الامام ومالك واحمد فیفسق وترد شھادتہ بتاخیرہ ای سنینا لان تاخیرہ صغیرۃ وبارتکابہ مرۃ لایفسق الا بالاصرار، بحر[4]

حج کی فرضیت علی الفور ہے اور پہلے ہی سال ادا کرنا چاہئے امام ابویوسف کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ سے منقول دو روایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق اور امام مالک و احمد کے مطابق چند سال مؤخر کرنے سے فاسق قرار دیا جائے گا اور اس کی شہادت مردود ہوگی کیونکہ تاخیرِ حج گناہِ صغیرہ ہے اس کے مرتکب کو اس پر اصرار کے بغیر فاسق قرار نہیں دیا جائے گا، بحر۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۰۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳

[4] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۰ - ۱۵۹

عشر بھی ایک نوع زکوٰۃ ہے یا کم از کم اس کا حکم مثل زکوٰۃ ہے اور اسی طرح بعینہٖ اسی دلیل سے اس کا وجوب بھی فوری اور تین برس تک رد دینے میں فسق۔ ردالمحتار میں ہے:

العشر ذکرہ فی الزکوٰۃ لانہ منہا قال فی الفتح ولاشك انہ زکوٰۃ حتی یصرف مصارفہا اھ وایدہ الشیخ اسمٰعیل بانہ یجب فیما لایؤخذ منہ سواہ ولایجامع الزکوٰۃ و بتسمیتہ فی الحدیث صدقۃ واختلافہم فی وجوبہ علی الفور او التراخی کما فی الزکوٰۃ۔[1]

عشر کو ماتن نے زکوٰۃ میں ذکر کیا کیونکہ یہ زکوٰۃ میں ہی ہے۔ فتح میں کہا کہ بے شک عشر زکوٰۃ ہے یہاں تک کہ اس کو مصارف زکوٰۃ پر صرف کیا جاتا ہے اھ اور شیخ اسمٰعیل نے اس کی تائید کی بایں طور کہ عشر انہی چیزوں میں واجب ہوتا ہے جن میں اس کے سوا کچھ نہیں لیا جاتا اور یہ زکوٰۃ کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، اور حدیث میں عشر کا نام صدقہ رکھنے اور زکوٰۃ کی طرح اس کے وجوب علی الفور اور وجوب علی التراخی میں فقہاء کے اختلاف سے بھی اس کا زکوٰۃ ہونا ہی معلوم ہوتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لامر بالصرف الی الفقیر معہ قرینۃ الفور وھی انہ لدفع حاجتہ وھی معجلۃ فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجہ التمام وتمامہ فی الفتح۔[2]

فقیر کو فقیر پر صرف کرنے کا حکم قرینہ ہے اس کے وجوب علی الفور پر، کیونکہ یہ دفع حاجت کے لئے ہے اور حاجت معجل ہے تو اگر اس کا وجوب علی الفور نہ ہو تو اس کے ایجاب کا مقصود پوری طرح حاصل نہیں ہوسکتا اس کی تفصیل فتح میں ہے۔ (ت)

شطرنج اگر ترک جماعت وغیرہ منکرات کی طرف مودی یا ان پر مشتمل ہو بالاتفاق حرام ہے اور اس کی عادت مطلقاً ممنوع اور بحکم تجربہ ضرور داعی معاصی اور تناشش اور اسی طرح گنجفہ بوجہ اشتمال واعزاز تصاویر مطلقاً بلاشرط ممنوع وناجائز ہے اور معروف رہنا فسق۔ درمختار میں ہے:

کرہ کل لھو لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل لھو المسلم حرام الا ثلثۃ

ہر کھیل مکروہ ہے حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنا پر کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰-۳۱

ملاعبتہ اھلہ وتادیبہ لفرسہ ومناضلتہ بقوسہ۔[1]

ہے سوائے تین کھیلوں کے، اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا اور اپنے گھوڑے کی تعلیم و تادیب کرنا اور سبقت کےلئے اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا۔ (ت)

رہا وُہ شخص کہ اپنے لئے تولیت کی کوشش کرے اگر ثابت ہو کر یہ کوشش بطمع نفسانی و نیت فاسدہ ہے جب تو ظاہر ہے کہ اسے متولی بنانا حرام لان الشرط کونہ امینا والطالب لطمع غیر امین (تولیت کے لئے شرط ہے کہ متولی امین ہو اور حرص و ہوا کے سبب تولیت کا مطالبہ کرنے والا غیر امین ہے۔ ت) اور ایسا نہیں تو اگر اس کے لئے تولیت ثابت ہے صرف اس کا نفاذ چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں اگرچہ کسی قدر کوشش کرے کہ یہ کوشش حق کے لئے ہے اور حق کے لئے کوشش حق ہے مثلاً واقف نے شرط کی کہ میری اولادِ ذکور سے جو لائق ہو متولی ہو، یہ شخص اس کی اولادِ ذکور سے ہے اور جملہ شرائط مذکورہ لیاقت کا جامع ہے تو اس کی کوشش بیجا نہیں، اور اگر اس کے لئے تولیت ثابت نہیں پھر تحصیل تولیت کے لئے کوشش کرتا ہے تو اسے متولی نہ کرنا چاہئے اگرچہ کیسا ہی لائق ہو۔ درمختار میں ہے:

طالب التولیۃ لایولی الا المشروط لہ النظر لانہ مولی فیریدالتنفیذ نھر۔[2]

طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا سوائے اس کے جس کے لئے تولیت مشروط ہو چکی ہو کیونکہ وہ بسبب شرط کے متولی ہو چکا ہے اور اب اس کی تنفیذ چاہتا ہے، نہر۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ۔[3] رواہ احمد والبخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ہم ہرگز اپنے دینی کام پر اسے مقرر نہ کریں گے جو خود اس کی خواہش کرے (اس کو امام احمد، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے سیدنا حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۹
[2] " کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹
[3] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۰۰

طالب التولیۃ لایولّٰی کمن طلب القضاء لایقلد فتح وھل المراد انہ لاینبغی اولایحل، ستفھم فی البحر الاول تامل واللہ تعالٰی اعلم۔[1] طالبِ تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا جیسا کہ طالبِ قضاء کا مطالبہ نہیں مانا جاتا، فتح۔ کیا اس سے مراد یہ ہے کہ مناسب نہیں یا یہ مراد ہے کہ حلال نہیں، بحر میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے، غور کر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۷: مرسلہ مولوی سلیمان صاحب اکبرآبادی ۲۳ شعبان ۱۳۲۰ھ

زید ایک انجمن اسلامیہ کا سکرٹری ہے اور پیشہ وکالت کرتا ہے اور لوگوں کو سود کی ڈگریاں دلواتا ہے اور خلافِ حق مقدمات میں کوشش کرنے سے نہیں بچتا اور اکثر اوقات عقائدِ سرسید احمد خاں کا مداح رہتا ہے ایسا شخص آیا منتظم امورِ اہلِ اسلام یعنی سکریٹری انجمن اسلامیہ رہ سکتا ہے یا نہیں، اور جو اہلِ اسلام اس کو اپنا سکریٹری بنائیں ان کا کیا حکم؟

الجواب

امورِ بالا سے تو یہ شخص صرف فاسق فاجر ہوتا مگر معتقداتِ کفریہ کا فر کا مداح خود کافر و مرتد ہے اور کافر کسی طرح مسلمانوں کے کسی کام کا والی نہیں ہوسکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ولن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا۔[2] اور ہرگز اللہ تعالٰی کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہیں دے گا۔ (ت)

ان سے استعانت ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: انا لانستعین بمشرک۔[3] (بیشک ہم کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔ ت) جو ایسے کی سپردگی میں مسلمانوں کا کام دے اس نے اللہ و رسول اور سب مسلمانوں کی خیانت کی۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل علی عصابۃ رجلا وفیھم من ھو ارضی للہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین۔[4] جس نے کسی شخص کو ایسی جماعت مسلمین پر عامل بنایا جس جماعت میں اس شخص سے زیادہ پسندیدہ کوئی شخص موجود ہے تو اس نے اللہ تعالٰی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۰
[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱
[3] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹
سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد الاستعانۃ بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸
المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۱۵۰۰۹ کتاب الجہاد ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵
[4] المستدرک للحاکم کتاب الاحکام الامارۃ امانۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۹۲-۹۳

وسلم اور تمام مومنوں سے خیانت کی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۳۸: مرسلہ احمد نبی خاں از مراد آباد ۲۹ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اہل اسلام عادل اور ثقہ نے بلاتحریر وقف نامہ کے ایک جائداد جس کو عرصہ زائد ایک سو سال کا ہُوا بدون مصارف کے وقف کی اگرچہ وقف واقف کا کوئی گواہ زندہ نہیں ہے مگر بعد وفات واقف کے تمام مردورثہ عادل وصالح اہل خاندان واقف کے وقتاً فوقتاً متولی ہوتے رہے کبھی کوئی شخص غیر خاندان کا متولی نہیں ہُوا اور باعتبار اس عملدرآمد کے منشائے واقف بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے اہل خاندان صالح اور عادل کے اور کوئی متولی نہ کیا جائے۔ اب ایک مسماۃ متولیہ اہل خاندان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک شخص غیر خاندان کے نام ایک وصیت نامہ لکھ دیا ہے کہ بعد میرے وہ متولی کیا جائے اہل خاندان واقف جن میں اکثر مرد صالح اور عادل ہیں یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ یہ شخص جس کا متولی ہونا بیان کیا جاتا ہے فاسق اور غیر خاندان واقف سے ہے اس کو بمقابلہ اہل خاندان صالح کے حق تولیت حسب وصیت حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب

جس وقف کے شرائط واقف معلوم نہ ہوں اور حال متولیان سابق کا مشاہدہ سے ہوں اس میں عملدرآمد قدیم پر کارروائی کی جائے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قد صرح فی الخیریۃ بانہ اذا اشتبہت مصارف الوقف ینظر الی المعہود من حالہ فی ما سبق من الزمان فیبنی علی ذٰلک لان الظاہر انہم کانوا یفعلون ذٰلک علی موافقۃ شرط الواقف وھو المظنون بحال المسلمین فیعمل علی ذٰلک۔[1]

تحقیق ذخیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ اگر مصارف وقف میں اشتباہ ہو تو زمانہ قدیم سے اس وقف میں جاری معمول کو دیکھا جائے گا اور اسی پر بناء کی جائے گی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ متولیان سابقہ شرط واقف کے مطابق ہی ایسا کرتے ہوں گے اور مسلمانوں کے حال کے بارے میں یہی گمان غالب ہے لہذا اسی پر عمل کیا جائیگا۔ (ت)

اسی میں کتاب الوقف للخصاف سے ہے:

اذا وجد شرط الواقف فلا سبیل

جب واقف کی شرط موجود ہو تو اس کی مخالفت کی

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۲۲-۲۳

الی مخالفتہ، واذا فقد عمل بالاستفاضۃ والاستیمارات العامۃ المستمرۃ من تقادم الزمان[1]۔

کوئی راہ نہیں اور اگر شرط واقف مفقود ہو تو قدیم زمانوں سے متولیوں کا جو عملدر آمد اور معمول اس وقف کے بارے میں مشہور و معروف چلا آرہا ہے اسی پر عمل کیا جائے گا۔ (ت)

علاوہ بریں خود حکم شرع ہے کہ جب تک اقربائے واقف میں کوئی شخص لائق تولیت ہو بیگانہ آدمی متولی نہ کیا جائے، درمختار میں ہے:

مادام احد یصلح للتولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب، لانہ اشفق ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیہم[2]۔

جب تک واقف کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی صالح تولیت موجود ہو اجنبیوں میں سے کسی کو متولی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ یہ وقف کے معاملہ میں زیادہ شفیق واقع ہوگا اور اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وقف کی نسبت اس کے خاندان کی طرف قائم رہے۔ (ت)

پھر اس شخص غیر کا فاسق ہونا سب پر طرہ ہے فسق کے بعد تو خود واقف اگر متولی ہو تو وہ بھی معزول کردیا جائے گا نہ کہ اجنبی فاسق کو متولی کیا جائے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون او عاجزا او ظہر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ، فتح[3]۔

متولی سے ولایت وقف بطور وجوب واپس لی جائیگی اگرچہ خود واقف ہو جبکہ وہ امین نہ ہو یا عاجز ہو یا اس سے کوئی فسق شراب نوشی وغیرہ کی مانند ظاہر ہو (جب واقف کا حال یہ ہے) تو غیر واقف سے بدرجہ اولٰی ولایت وقف صورت مذکورہ میں واپس لینا واجب ہوگا، فتح۔ (ت)

لہذا وصیت پر عمل نہیں بلکہ خاندانِ واقف سے کسی صالح متدین ہوشیار کارگزار کو متولی کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹: مولوی حشمت علی ساکن گڈھیہ ۲ رجب المرجب ۱۳۳۱ھ

کیا ہندو وغیرہ کفار متولی مسجد وغیرہ اوقاف ہوسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو عالمگیری کی اس عبارت

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۳

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] " " " " " " ۱/ ۳۸۳

ولایشترط الحریۃ والاسلام[1] الخ (اس میں حریت واسلام شرط نہیں۔ ت) کا کیا مطلب لیا جائیگا اور ایک ہندو مسجد کا حوض اپنے روپے سے بنانا چاہتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فقیر نے یہاں حاشیہ ردالمحتار میں لکھا:

اقول وباللہ التوفیق عدم اشتراط الصحۃ لایستلزم عدم اشتراطہ للحل وقد تقدم فی کتاب الزکوٰۃ باب العاشر تحریم جعل کافر عاشرا لان فیہ تعظیمہ وھو حرام وعن شرح السیر الکبیر ان امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کتب الی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ لاتتخذ احدا من المشرکین کاتبا علی المسلمین قال وبہ ناخذ لقولہ تعالٰی لاتتخذوا بطانۃ من دونکم ویأتی فی الاضحیۃ کرہ ذبح الکتابی وتعلیلہ بانہ لاینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین وقد صح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لانستعین بمشرک وقد علم تحریم تولیۃ الخائن وھذا ربنا عزوجل یقول لایألونکم خبالا واللہ الموفق[2] ھو ما کتبت علیہ۔

میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ صحت کے لئے شرط نہ ہونا حل کے لئے شرط نہ ہونے کو مستلزم نہیں، اور کتاب الزکوٰۃ باب العاشر میں گزر چکا ہے کہ کافر کو عاشر مقرر کرنا حرام ہے کیونکہ اسے عاشر بنانے میں اس کی تعظیم ہے اور کافر کی تعظیم حرام ہے، سیر کبیر کی شرح سے منقول ہے کہ امیر المومنین (عمر) رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کو لکھا کہ مسلمانوں کے معاملات کیلئے کسی مشرک کو کاتب مت بناؤ اور شارح سیر کبیر نے کہا کہ ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں بدلیل اس ارشاد الٰہی کے کہ (اے ایمان والو!) غیروں کو اپنا رازدار مت بناؤ۔ کتاب الاضحیہ میں آرہا ہے کہ کتابی کا ذبیحہ مکروہ ہے اور اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ امور دینیہ میں کافر سے مدد نہیں مانگنی چاہئے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول یہ حدیث مرتبہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ بیشک ہم مشرک سے مدد نہیں طلب کرتے۔ اور تحقیق خائن کو متولی بنانے کی حرمت معلوم ہوچکی ہے اور ہمارا رب عزوجل یہ ارشاد فرماتا ہے کہ "وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے" اور اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ ردالمحتار پر میرا حاشیہ ختم ہوا۔ (ت)

اس سے حکم مسئلہ واضح ہوگیا کہ کافر کو متولی کیا جائے تو ہوجائے گا مگر سے متولی کرنا کوئی امر دینی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس فی ولایۃ الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۰۸

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

اس کے اختیار میں دینا حرام ہے، اور دست معزول کرنا واجب، نہ کہ خاص مسجد پر کہ اعظم اوقاف وخیر ہے ؎

موذن گریباں گرفتش کہ ہین   سگ ومسجد اے فارغ از عقل ودیں

(مؤذن نے اس (بے دین) کا گریبان پکڑا کہ خبردار! کتے اور مسجد کا کیا تعلق اے عقل اور دین سے دور رکھنے والے۔ ت)

ہندو سے کسی آبادی میں مدد نہ لی جائے گی کہ وہ اس میں مسجد ومسلمانان پر اپنا احسان سمجھے گا۔ اللّٰھم لاتجعل لفاجر علی یدا[1] (اے اللہ! مجھ پر کسی فاجر کا احسان مت رکھ۔ ت) دعائے ماثورہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶۶ ~~۲۶۵~~: از مراد آباد بتوسط حاجی امیر اللہ صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید ایک مسجد کا جس کی آمدنی مستقل زائد از بیس روپے ماہوار ہے مدت سے متولی ہے، مسجد میں قطعی بندوبست نماز کا بغیر صلوٰۃ جمعہ نہیں، جس کا دل چاہا خواہ فاسق معلن ہو یا بے علم اس نے امامت کرلی، اور اکثر وقت نزاع وفساد دربارۂ امامت وقت رہتا ہے، متولی مذکور صراحۃً وکنایۃً ان مکروہات کے انسداد کے واسطے فہمائش منجانب مصلیان ہوئی بھی تو قطعی خیال نہ کیا، زیادہ سے زیادہ مسجد کے خرچ میں درمیان پانچ یا چھ روپیہ ماہوار کے آتا ہے، علاوہ اس کے مسجد کی خدمت دربارۂ صفائی بھی کما حقہ نہیں ہوتی بلکہ پانی سقایہ ونیز اس کا سرما میں گرم ہونا بیشتر چندہ سے ہوتا ہے۔ پس ایسی حالت میں متولی مذکور قابل رہنے کے ہے یا نہیں؛

(۲) مسجد کی آمدنی کا روپیہ کسی شخص کو خواہ متولی ہو یا دیگر اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں؛

(۳) جس مسجد کی آمدنی اتنی معقول ہو اس میں اگر دوسرا شخص بطور چندہ یا اپنی طرف سے مسجد کی خدمت کرے تو وہ ماجور ہوگا یا نہیں اور مسجد اس چندہ کو شرعاً قبول کرسکتی ہے یا نہیں؛

(۴) اگر متولی لطائف الحیل سے ضروریات مسجد کو ٹال دے یعنی نماز وامامت اور باوجود ضروریات دین اور نیز فہمائش کے مسجد کی خدمت کا حقہ ادا نہ کرے نہ خود امامت کرے بلکہ دن رات نفسانی ہوا وہوس میں مشغول رہے اور اسی بناء پر امامت سے اعراض کرے تو اس کا کیا حکم ہے وشرع شریف کے نزدیک ایسا متولی قابل رکھنے کے ہے یا نہیں؛

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب المحبۃ بیان حقیقۃ المحبۃ الخ دارالفکر بیروت ۹/۵۵۳

(۵) محض خالصاً لوجہ اللہ و الناس جواب ہونا چاہیے انھیں صورتوں میں جب کہ امام مقتدیوں سے ضروریات شرعیہ میں ہر طرح سے کم ہے اور پھر بھی امام بنا ہے تو علاوہ نماز خراب ہونے کے متولی بھی اس گناہ میں ماخوذ ہوگا یا نہیں ؟ اور اولی مقتدیوں کی نماز جو اس امام سے علم و فضل میں زائد ہیں کس درجہ تک ناقص ہوگی یا قطعی نہ ہوگی ؟

(۶) اگر کوئی شخص شرارتاً و باغوائے متولی قبروں پر مع جوتیاں چڑھتا ہو اور پاندی کا دھوون پان کی اگال استنجا قبروں پر کرتا ہو تاکہ اوروں کو جو اس شرارت سے روکتے ہیں ایذا ہو تو ایسے شخص اور متولی کے واسطے کیا حکم ہے ؟

الجواب

(۱) جب کہ مسجد کی آمدنی بیس روپیہ ماہوار سے زائد ہے اور متولی صرف پانچ چھ روپے خرچ کرتا ہے باقی کا پتا نہیں دیتا اور مسجد کی ضروریات مثل صفائی وغیرہ معطل رہتے ہیں یا چندہ سے ہوتے ہیں تو اس کا ظاہر حال خیانت ہے اگر وجہ معقول و حساب صحیح پیش نہ کرے معزول کرنا لازم ہے۔ درمختار میں ہے :

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ اولی لو غیر مامون[1] واللہ تعالٰی اعلم	متولی خائن سے ولایت وجوباً واپس لے لی جائیگی اگرچہ وہ خود واقف ہو لہذا غیر واقف سے تو بدرجہ اولی ولایت واپس لینا واجب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) مسجد کی آمدنی کوئی شخص اپنے ذاتی صرف میں نہیں لا سکتا مگر متولی بقدر اجرت مثل یعنی اتنے کام پر عرف میں جو ماہوار ہوتا ہے اتنا پا سکتا ہے۔

(۳) پاک مال نیک نیت سے مسجد کی مدد کرنے والا ضرور ماجور ہے اور مسجد اسے قبول کر سکتی ہے اگرچہ مسجد کی آمدنی کثیر ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۴) امامت ذمہ متولی لازم نہیں اور ہو اور ہوس اگر تا حد فسق نہ ہو مانع تولیت نہیں اور ضروری خدمتوں میں تقصیر یا بربنائے عجز ہوگی یا بربنائے بے پروائی دونوں صورتوں میں لائق عزل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۵) مفضول فاضل کی امامت کر سکتا ہے جب کہ شرائط صحت و جواز امامت کا جامع ہو اس سے فاضل کی نفس نماز میں کوئی نقص آئے گا نہ متولی پر اس کا الزام ہے۔ ہاں اگر متولی دیدہ و دانستہ افضل

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

کے ہوتے ہوئے مفضول کو امام مقرر کرے تو وہ اس حدیث کا مورد ہے کہ

من استعمل علی عشرۃ من فیہم ارضی منہ لله تعالٰی فقد خان الله ورسولہ والمؤمنین[1] واللہ تعالٰی اعلم

جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کا افسر کیا کہ نظر شرع میں اس سے بہتر ان میں موجود تھا تو اس نے اللہ و رسول اور مسلمان سب کی خیانت کی۔

(۶) قبر مسلم کا ادب واجب ہے اس پر استنجا کرنا حرام ہے اس پر آگال یا صروت ڈالنا توہین ہے، اس پر بلا ضرورت و مجبوری شرعی پاؤں رکھنا ناجائز ہے نہ کہ معاذ اللہ اس پر جوتا پہنے چڑھنا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر[2] رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیشک تم میں کسی کا چنگاری پر بیٹھنا کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے اس کے حق میں قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔ (اس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

لان امشی علی جمرۃ او سیف احب الیّ من ان امشی علی قبر مسلم[3]

بیشک مجھے آگ یا تلوار پر چلنا مسلمانوں کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔

اس میں بکثرت احادیث و روایات ہمارے رسالہ اھلاک الوھابیین[4] میں ہیں ایسا کرنے والا سب سے سخت عذاب کا مستحق ہے اور متولی کہ ایسے فعل کا اغوا کرتا ہے اس سے بھی بدتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ع عن حذیفہ حدیث ۱۴۶۵۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۹

کنز العمال میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں، ایما رجل استعمل رجلا علی عشرۃ انفس علم ان فی العشرۃ افضل ممن استعمل فقد غش اللہ وغش رسولہ وغش جماعۃ المسلمین ___ جبکہ مستدرک حاکم میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں، من استعمل رجلا من عصابۃ و فی تلک العصابۃ من ھو ارضی للہ منہ فقد خان اللہ وخان رسولہ وخان المومنین۔ ملاحظہ ہو جلد ۴ ص ۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی النہی عن الجلوس علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۲

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ما جاء فی النہی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۲

[4] رسالہ ہذا (اھلاک الوھابیین) فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جلد ۹ ص ۴۲۹ پر موجود ہے۔

مسئلہ ۳۶۶ از بریلی محلہ بہاری پور معماران مسئولہ رحیم بخش صاحب ۵ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص کی معرفت جو بمعیت معوز صاحب تھے کام مسجد کے واسطے خشت خریدی گئی اور وہ خشت مسجد کے کام میں آئی، روپیہ اس کا جو مسجد کے چندہ کا جمع تھا ان صاحب کو دے دیا گیا۔ اسی شخص نے روپیہ مالک بھٹہ کو نہیں دیا اپنے پاس صرف کر لیا۔ مالک بھٹہ نے نالش مہتمم مسجد پر کر دی، آخر کار ڈگری مہتمم مسجد پر ہو گئی اور اس کا روپیہ جس قدر تھا وہ مہتمم مسجد نے فی الحال دیا اب مہتمم مسجد وہ روپیہ کس طرح سے وصول کرے اور وہ شخص کہ جس نے روپیہ اپنے پاس صرف کر لیا ہے۔ زیادہ حد ادب۔

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوتا ہے کہ نالش کا روپیہ اس نے اپنے مال سے دیا اس کا معاوضہ زرِ مسجد سے نہیں لے سکتا، وہ شخص جس نے روپیہ مار لیا اس سے حتی الامکان مسجد کا روپیہ وصول کرے وہ غاصب ہے مرتکبِ غصب مستحقِ غضب ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۶۷ تا ۳۷۴ از سہسوان ضلع بدایوں مرسلہ مولوی سید روشن علی صاحب ولد مولوی سید عبدالعزیز صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) متولی وقف کے مسکن وصندوق سے مالِ وقف چوری گیا تاوان لازم یا نہیں؟

(۲) مدرسین وقف کو دو چار چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ دینا روا یا ناروا؟

(۳) متولی کو مالِ وقف بطور قرض اپنے صرف میں لانا پھر ادا کرنا روا یا ناروا؟

(۴) مالِ وقف سے کسی مسلمان کو قرضہ دینا روا یا ناروا؟

(۵) کتبِ وقف ایک مدرسہ دوسری جگہ مستعار دینا روا یا ناروا؟

(۶) دو مدرسوں کے متولی کو ایک وقف کا مال دوسرے میں صرف کرنا بطور قرض روا یا ناروا؟ اور واقف دونوں وقف کے جدا جدا ہیں۔

(۷) زمینِ مشترک کا روپیہ ایک شریک وصول کرتا ہے قبل تقسیم اپنے صرف میں لانا یا کسی مسلمان کو اس میں سے قرض دینا جائز یا نہ؟

(۸) تعمیر مدرسہ کے واسطے بمشورہ مسلمین قرض لینا روا یا ناروا؟ حنفی کی معتمدات سے جواب عنایت ہو مع حوالہ کتاب۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) اگر متولی نے کوئی بے احتیاطی نہ کی تو اس پر تاوان نہیں لانہ کالوصی امین فالقول قولہ بیمینہ (کیونکہ وہ (متولی) وصی کی طرح امین ہے تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔ ت) اور اگر بے احتیاطی کی مثلاً صندوق کھلا چھوڑدیا یا غیر محفوظ جگہ رکھی تو اس پر تاوان ہے لان الامین بالتعدی ضمین (کیونکہ تعدی کی وجہ سے امین پر ضمان لازم ہوتا ہے۔ ت)

(۲) روا نہیں مگر جہاں اجازتِ واقف یا تعاملِ قدیم ہو لانہ یحمل علی المعہود من عند الواقف (کیونکہ یہ خود واقف کی طرف سے معہود پر محمول ہوگا۔ ت)

(۳) حرام حرام لانہ تعدٍّ علی الوقف والقیم اقیم حافظا لا متلفا (کیونکہ یہ وقف پر تعدی ہے حالانکہ متولی کو بطور محافظ مقرر کیا جاتا ہے نہ کہ ضائع کرنے والا۔ ت)

(۴) نہ لانہ صرف فی غیر المصرف (کیونکہ یہ غیر مصرف میں صرف کرنا ہوا۔ ت)

(۵) شرطِ واقف کا اتباع کیا جائے گا اگر منع کردیا ناجائز ہے، اور اگر یہ شرط کردی کہ کتاب جو عاریۃً لے جانا چاہے اتنا مال اس کے عوض گرو رکھ جائے تو یونہی کیا جائے گا بے اس کی اجازت نہیں، اور اگر بلا شرط عاریۃً کی اجازت قوم یا کسی خاص جماعت کو دی تو انہیں کے لئے اجازت ہوگی اور عام تو عام لقولہم شرط الواقف کنص الشارع والمسألۃ فی الاشباہ والبحر والدر المختار ورد المحتار و ھذا حاصل ما تقرر (بسبب فقہاء کے اس قول کے کہ شرط واقف وجوب عمل میں شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی نص کی طرح ہے اور یہ مسئلہ اشباہ، بحر، درمختار اور ردالمحتار میں ہے جو کچھ یہاں تقریر کی گئی یہ اس کا خلاصہ ہے۔ ت)

(۶) ناجائز ہے،

لان الاقراض تبرع والتبرع اتلاف فی الحال والناظر للحفظ لا للاتلاف، ومسألۃ اختلاف الواقف او الجہۃ مذکورۃ فی التنویر والدر ودائرۃ فی الاسفار الغر.

قرض دینا تبرع ہے اور تبرع فی الحال تلف کرنا ہے جبکہ متولی تو حفاظت کے لئے ہوتا ہے نہ کہ تلف کرنے کے لئے اور واقف وجہتِ وقف کے اختلاف کا مسئلہ تنویر، در اور جلیل القدر ضخیم کتابوں میں مذکور ہے۔ (ت)

؎ درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الاولٰی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۳ و کتاب الوقف ۱/ ۳۰۵

(۷) اپنے حق تک صرف کرسکتا ہے۔

(۸) متولی کو وقف پر قرض لینے کی دو شرطوں سے اجازت ہے ایک یہ کہ امر ضروری و مصالح لابدی وقف کے لئے باذن قاضی شرع قرض لے اگر وہاں قاضی نہ ہو خود لے سکتا ہے، دوسرا یہ کہ وہ حاجت سوائے قرض اور کسی سہل طریقہ سے پوری نہ ہوتی ہو مثلاً وقف کا کوئی ٹکڑا اجارہ پر دے کر کام نکال لینا۔ درمختار میں ہے:

لا تجوز الاستدانة على الوقف الا اذا احتيج اليه لمصلحة الوقف كتعمير وشراء بذر فيجوز بشرطين، الاول اذن القاضي فلو بعد منه يستدين بنفسه، الثاني ان لا تتيسر اجارة العين والصرف من اجرتها والاستدانة القرض والشراء نسيئة[1]

وقف پر قرض لینا متولی کو جائز نہیں مگر اس وقت جائز ہے جبکہ اس کی حاجت ہو جیسے وقف کی مرمت یا زمین وقف میں کاشت کے لئے بیج خریدنا تو اس صورت میں دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے شرط اول یہ ہے کہ اذن قاضی سے قرض لے اگر قاضی دور ہو تو متولی از خود قرض لے سکتا ہے، شرط ثانی یہ ہے کہ عین وقف کو اجارہ پر دینا اور اس کی اجرت سے خرچ کرنا ممکن نہ ہو۔ استدانت سے مراد قرض لینا اور شراء سے مراد ادھار پر خریدنا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المختار انه اذا لم يكن من الاستدانة بد تجوز بامر القاضي ان لم يكن بعيدا عنه اما ماله منه بد كالصرف على المستحقين فلا كما في القنية الا الامام والخطيب والمؤذن فيما يظهر لقوله في جامع الفصولين لضرورة مصالح المسجد اھ والا الحصير والزيت بناء على القول بانهما من المصالح وهو الراجح هذا خلاصة ما اطال في البحر آھ[2] والله تعالى اعلم

مختار یہ ہے کہ اگر قرض کرلینے سے چھٹکارا نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے جائز ہے جبکہ قاضی دور نہ ہو لیکن اگر اس سے چھٹکارا ہوسکتا ہے تو جائز نہیں جیسے مستحقین پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ مگر امام، خطیب اور مؤذن پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا جائز ہے جیسا کہ جامع الفصولین کے قول سے ظاہر ہے کیونکہ اس میں مسجد کی مصلحت ہے اھ اور اسی طرح مسجد کے لئے چٹائی اور تیل وغیرہ کے لئے قرض لینا بھی جائز اس قول کی بنا پر کہ یہ مصالح مسجد میں سے ہیں اور یہی راجح ہے یہ بحر کی طویل بحث کا خلاصہ ہے اھ واللہ اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۳۹۱/۱

[2] ردالمحتار " " " " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۱۹/۳

مسئلہ ۲۴۵: مسئولہ فیض رسول خاں ساکن چاندپور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ولی حسین خاں نے عرصہ اکتیس سال سے تحریر تولیت نامہ حقیقت موضع پرتیت پور پرگنہ نواب گنج محلہ باغ کے قابض کرکے متولی مقرر کردیا، بعدہ پندرہ برس کے ولی حسین خاں فوت ہوئے اس کے بعد کو بھی متولی بدستور پندرہ سال تک انجام کام تولیت کا انجام دیتا ہے اور اب تک قابل انجام دہی کام تولیت کے ہے۔ اب تقی حسین خاں پسر ولی حسین خاں نے جبر ناجائز دے کر متولی سے دستبرداری لکھائی اور جائداد موقوفہ سے ایک باغ روک کر اپنے ملازم سے مشتری باغ ظاہر کرایا اور آمدنی خیر کو مصارف ناجائز میں صرف کرنا شروع کیا۔ جواب بالا میں متولی سابق برخاست ہوسکتا ہے اور تقی حسین خاں قابل تولیت کے ہوسکتا ہے اور تصرف ناجائز آمدنی خیر میں عنداللہ وعندالرسول کے کیا احکام ہیں؟

الجواب

دستاویز دستبرداری ملاحظہ ہوئی وہ دستبرداری مطلق نہیں بلکہ بحق تقی حسین خاں ہے اور پیش قاضی بقبول قاضی نہیں بلکہ بطور خود ہے اور مرض الموت متولی میں نہیں بلکہ اس نے اپنی صحت میں کی ہے اور دستاویز وقف ملاحظہ ہوئی، اس میں واقف سے متولی کو کوئی اختیار اپنے عزل اور دوسرے کے نصب کا نہیں دیا۔ پس دستبرداری مذکور محض مردود و باطل ہے اس سے نہ فیض رسول خاں کی تولیت زائل نہ تقی حسین خاں کو اصلاً کوئی حق حاصل بلکہ فیض رسول خاں بدستور متولی اور تقی حسین خاں نرا اجنبی ہے اگرچہ وہ بددیانتی بھی نہ کرے اور بحال بددیانتی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خود واقف بھی اگر متولی ہوتا فورًا نکال دیا جاتا نہ کہ دوسرا شخص۔ درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامة غیرہ مقامه فی حیاته ان کان التفویض له بالشرط عاما صح والا لا یصح[۱] (ملخصًا)

متولی نے اپنی زندگی میں کسی اور کو اپنی جگہ متولی بنانا چاہا اگر تو اس کو واقف کی طرف شرط کے تحت عام تفویض تولیت کی اجازت حاصل ہے تو صحیح ورنہ نہیں۔ (ملخصاً)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

معنی العموم کما فی انفع الوسائل ان

عموم کا معنی جیسا کہ انفع الوسائل میں ہے یہ ہے

---

[۱] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹

ولاه واقامه مقام نفسه، وجعل له ان يسنده الى من شاء ففى هذه الصورة يجوز التفويض منه فى حال الحيوة۔[1]

کہ واقف نے اس کو متولی بنایا اور اس کو اپنے قائم مقام کردیا اور اسے اختیار دیا کہ وقف کو جس کی طرف چاہے منسوب کرے تو اس صورت میں اس کو اپنی زندگی میں تفویض تولیت جائز ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الفراغ مع التقرير من القاضى عزل لا تفويض ويدل عليه قوله فى البحر اذا عزل نفسه عند القاضى فانه ينصب غيره، وبه ظهر ان قولهم لايصح اقامة المتولى غيره مقامه فى حياته وصحته مقيد بما اذا لم يكن عند القاضى، ولا يرد ان العزل يكفى فيه مجرد علم القاضى لان الفراغ عزل خاص مشروط فانه لم يرض بعزل نفسه الا لتقرير ذى الوظيفة لمن نزل له عنها اھ مختصرا۔[2]

متولی کا فارغ ہونا جبکہ قاضی دوسرے کو مقرر کرے، عزل ہے تفویض نہیں اسی پر دلالت کرتا ہے بحر میں اس کا قول کہ اگر متولی نے قاضی کے پاس خود کو معزول کرلیا تو قاضی کسی دوسرے کو مقرر کرے، اسی سے ظاہر ہوا کہ فقہاء کا یہ قول کہ متولی اپنی زندگی میں حالتِ صحت میں غیر کو اپنے قائم مقام نہیں کرسکتا مقید ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ قائم مقام کرنا قاضی کے پاس نہ ہو۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ عزل میں تو صرف قاضی کا علم ہونا کافی ہے عدم ورود کی وجہ یہ ہے کہ فراغ ایک خاص مشروط عزل ہے کیونکہ متولی اپنی معزولی پر صرف اس صورت میں رضامند ہوا کہ ولایت اسی کی طرف منتقل ہو جس کے لئے اس نے معزولی اختیار کی اھ اختصاراً (ت)

درمختار میں ہے:

وينزع وجوبا بزازية، لو الواقف درر، فغيره بالاولى غير مامون[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خائن متولی سے وجوباً ولایت لے لی جائیگی (بزازیہ) اگر وہ متولی خود واقف ہو (درر) تو خیانت کے سبب غیر واقف سے بدرجہ اولٰی ولایت لے لینا واجب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] و [2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۱ ۔ ۴۲۱

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۳۲۹ مسئولہ فیض محمد صاحب محلہ بہادر گنج شاہجہان پور ۳۰ شوال ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی تحویل کا روپیہ رشوت میں صرف کیا جائے اور اپنے تصرف میں لایا جائے تو آیا ایسی صورت میں تحویل رکھنے والا یا مشورت میں شریک ہونے والا شرعاً کس تعزیر کا مستوجب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

کیا شرعی تعزیرات یہاں جاری ہیں، کیا کوئی دے سکتا ہے تحویل اس سے نکال لینی واجب ہے، اور جو اپنے صرف میں لایا یا خاص کار ضروری مسجد بحالت مجبوری محض کے سوا رشوت میں اٹھایا اس کا تاوان اس پر لازم ہے مسلمان اس سے توبہ لیں، نہ مانے تو اس سے میل جول چھوڑ دیں، ہاں اگر نہ اپنے صرف میں لایا نہ اور کوئی تصرف بیجا کیا کسی معاملہ میں مسجد کو ضرر شدید پہنچتا تھا اور بے کچھ دئے نہ کسی طرح نجات ہوتی یوں صرف کیا تو مسجد کا اس پر کچھ الزام نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۰ مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ اتوار طوک ناگپور شہر باگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

متولی مسجد کا کون شخص ہو سکتا ہے اور اس کے لئے کیا حقوق خدمات مسجد کے ہیں؟

الجواب

متولی مسجد ایک قادر متدین ہونا چاہئے کہ ہوشیاری و دیانتداری سے کام کرسکے اوقاف مسجد کا سب نظم و نسق اسی کے سپرد ہوگا نیز مسجد کی نگہداشت و غور پرداخت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۱ از سہسوان ضلع بدایوں عبداللطیف مدرس قرآن شریف ۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مجدد القرآن نعمان الزمان دامت برکاتہم السلام علیکم وعلٰی من لدیکم، متولی وقف کو مال وقف بطور قرض اپنے تصرف میں لانا یا کسی مسلمان کو قرض دینا روا یا ناروا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

متولی کو روا نہیں کہ مال وقف کسی کو قرض یا بطور قرض اپنے تصرف میں لائے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۲ تا ۳۰۱ از شہر آگرہ محلہ کھڑکی مسئولہ محمود حسن صاحب امام جامع مسجد سابق یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک شخص خانقاہ کی سجادگی حاصل کرکے اپنے بھائی کو ہبہ مشاعاً اس شرط پر کرے کہ موہوب لہ سجادہ نشین رہے اور واہب مسند نشیں اور آمد ہر قسم سرکاری و نذور و فتوح وغیرہ سب بالتنصیف تقسیم رہے اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل چلا جائیگا مگر اس موہوب لہ سجادہ نشین کی اولاد اصل واہب کی اولاد کو مع مسند نشینی کے ساتھ نذور و فتوح وغیرہ کو بالتنصیف نہیں دیتی ہے کیا ایسی حالت میں

واہب موہوب لہ سے شئے موہوب واپس لے سکتا ہے؟

(۲) جو اس سجادگی ما حصلہ موہوبہ و مسند نشینی سے پہلے تھے ان کے حقوق وغیرہ معافیات بدستور قائم ہے اس میں کچھ رقم مستقل مرمت خانقاہ رہی موہوب لہ سجادہ نشین نے ان سوابق کو خانقاہ میں آنے اور خدمت کرنے سے منع کرادیا یا کردیا یا ایسے اسباب ڈالے جس سے مجبوراً ممنوع ہوئے اور مرمت وغیرہ بھی ان کی جانب سے نہ ہونے دی اور نہ کرنے دی اب سوابق مستحقین کے اولاد سے وہ رقم مرمت جو پاتے رہے ہیں اولاد سجادہ نشین (موہوب لہ) لینا چاہتی ہے، کیا لے سکتی ہے یا نہیں؟ باوجودیکہ وہ لوگ اپنی ذات سے خدمت اور مرمت کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) بعد نظر ڈالنے ہر دو قلم یہ بھی دریافت طلب ہے کہ شرعاً اس خانقاہ کا اصل راسی یا تکیا کس کو سمجھا جائے اور کون ہے اولاد سوابق مستحقین موہوب لہ کی اولاد، مسند نشین اصل واہب کی اولاد؟

الجواب

نذر و فتوح جو جسے دے اس کی ملک ہیں واہب ہو یا موہوب لہ یا ان میں کسی کی اولاد، سجادہ نشین یا کسے باشد۔ رہا معاہدۂ تنصیف وہ ایک وعدہ ہے جس کی وفا پر اصل وعدہ کنندہ کو بھی حکماً مجبور نہ کیا جاتا نہ کہ اس کی اولاد۔ وقد نصوا علی انہ لاجبر علی الوفاء بالوعد۔[1] (مشائخ نے اس پر نص کی ہے کہ وفائے عہد پر جبر نہیں کیا جاتا۔ ت) مگر یہاں یک دقیقہ ہے کہ آگے ظاہر ہوگا یہاں سوال سے معلوم ہوا کہ شئے موہوب بلکہ واہب نہ تھی بلکہ جائداد وقف خانقاہ تھی اور سجادہ نشین حسب دستور اس کا متولی اس نے اپنے بھائی کو نصف ہبہ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہبہ باطل محض ہوا کہ جائداد موقوف اس کی ملک نہ تھی جسے ہبہ کرسکتا اور حقِ تولیت قابلِ ہبہ نہیں، متولی اپنی صحت میں دوسرے کو قائم مقام نہیں کرسکتا مگر اس حالت میں کہ جہت واقف سے اسے اس کا اختیارِ عام دیا گیا ہو۔ درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامة غیرہ مقامہ فی صحتہ، ان کان التفویض لہ بالشرط عاما صح والالا۔[2]

متولی نے اپنی زندگی میں حالتِ صحت میں کسی کو اپنا قائم مقام بنانے کا ارادہ کیا، اگر وقف کی طرف سے شرط کے سبب سے عام تفویض کا حق حاصل ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں (ت)

تو اگر واہب کے لئے اختیار حسب شرط واقف یا تعامل قدیم کی دلیل شرط واقف سے حاصل نہ تھا تو اس کا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارۃ الباب السابع فی الاجارۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

اپنے بھائی کو سجادہ نشین کرنا باطل محض ہوا جبکہ وہی واہب بدستور سجادہ نشین رہا،

فانہ جعلہ مستقلا لا وکیلا عنہ حتی یجوز ولا ینعزل بعزل نفسہ الا عند قاضی الشرع ولا قاضی ثمہ۔

اس لئے کہ اس نے اسے مستقل کیا ہے نہ کہ وکیل حتی کہ جائز ہوتا اور خود کو معزول کرلینے سے معزول نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ قاضی شرع کے پاس ایسا کرے اور یہاں قاضی شرع موجود نہیں (ت)

اس صورت میں جو نذور و فتوح موہوب لہ کو دی جائیں اگر دینے والے خود اس کی ذات کو دیتے تو وہ اس کی ملک تھیں اور اگر نذر سجادہ بحیثیت سجادہ نشینی دیتے تو اس کو ان کا لینا جائز نہ تھا کہ وہ واقع میں سجادہ نشین نہ ہوا،

ومن اعطی احدا لظن وصف ولم یکن فیہ لم یحل لہ اخذہ[1] کما حققہ فی احیاء العلوم وغیرہا۔

اگر کوئی شخص کسی شخص میں کوئی وصف گمان کرکے عطیہ دے اور وہ وصف موہوب لہ میں نہ ہو تو اس کو یہ عطیہ لینا جائز نہیں، جیسا کہ احیاء العلوم وغیرہ میں اس کی تحقیق کی گئی ہے (ت)

اس صورت میں واپس لینے کے کوئی معنی نہیں کہ دینا ہی صحیح نہ ہوا واپسی تو دینے کے بعد ہے۔ ہاں اگر واہب کو حسب شرط واقف اس کا اختیار بھی تھا تو بھائی کی شرکت صحیح ہوگئی اور واپسی کا اختیار نہیں مگر یہ کہ واقف نے یہ اختیار بھی دیا ہو۔ درمختار میں ہے:

ان کان التفویض لہ عاما صح ولا یملک عزلہ الا اذا کان الواقف جعل لہ التفویض والعزل[2]

اگر اس کو تفویض عام حاصل ہے تو صحیح ہے اور وہ اس کو معزول نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ واقف نے اس متولی کو تفویض وعزل دونوں کا اختیار دیا ہو (ت)

(۲) جو بحکم واقف یا حسب معمول درآمد قدیم اوقات میں کوئی حق شرعی رکھتے تھے وہ بلا وجہ شرعی کسی کے ممنوع کئے ممنوع نہیں ہوسکتے۔ بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

استفید منہ عدم صحۃ عزل الناظر — متولی وقف کو بلا جرم معزول کرنے کی عدم صحت

---

[1] احیاء العلوم کتاب الزہد والفقر ۴/ ۲۰۰، کتاب الحلال والحرام ۲/ ۱۵۳، کتاب اسرار الزکوٰۃ ۱/ ۲۲۳ (مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ مصر)

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

ملاحظة عدم صاحب وظيفة فی وقف بغیر جنحة وعدم اھلیة [1] سے معلوم ہوا کہ وقف میں کسی صاحب وظیفہ کو جرم اور عدم اہلیت کے بغیر معزول کرنا صحیح نہیں۔ (ت)

(۳) مستحقین اپنے اپنے حقوق لینے تک کے مختار ہوتے ہیں اصل ورا س دہی متولی اوقاف ہے جس کا بیان جواب سوال اول میں گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰۲: مرسلہ فقی احمد صاحب قصبہ سنسیہ ضلع بردوانی محلہ اشراف ۱۹ صفر ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

(۱) زید منتظم وبانی جائداد انجمن اسلامیہ جوکہ منجانب گروہ اسلام قائم ہوئی تھی تھا اور عمرو امین جائداد کا تھا۔

(۲) بکر وغیرہ جوکہ متولی گروہ اسلام تھے پانچ سال کے حساب فہمی کا دعوٰی زید منتظم وعمرو امین پر کیا اور کاغذات طلب کئے۔

(۳) ہر دو مدعا علیہم نے جواب دیا کہ تم مستحق حساب فہمی نہیں ہوکیونکہ کل جائداد میرے اہتمام وکوشش سے حاصل ہوئی۔

(۴) عدالت سے کاغذات طلب ہوتے عمرو امین روپوش ہوگیا اور کاغذات نہیں دئے عدالت نے برثبوت یکطرفہ مدعا علیہم پر ڈگری کردی۔

(۵) بعد ڈگری اس ڈگری کی بابت ثالثی ہوئی جس میں زر ڈگری چوتھائی قائم رہا اور زید منتظم نے بوجہ روپوشی ہونے عمرو کے کل روپیہ مطابق فیصلہ ثالثی ادا کردیا۔

(۶) اب زید منتظم وعمرو امین کا انتقال ہوگیا اور جو کاغذات امین کے قبضہ میں تھے وہ برآمد ہوئے ان کاغذات کی رُو سے بمقابلہ ادا شدہ رقم کے بہت کم روپیہ مطالبہ مدعیان کا ذمہ منتظم وامین برآمد ہوتا ہے آیا شرعاً بروئے کاغذات بقدر مطالبہ ذمہ منتظم وامین نکلے وہ رقم ادا شدہ کے بعد جس قدر باقی رہے ان کے ورثہ سے جبکہ جائداد چھوڑی ہو مدعیان رقم پانے کے شرعاً مستحق ہیں یا نہیں؟ ورامی طرح اگر منتظم نے زائد روپیہ داخل کیا ہو تو شرعاً واپس پانے کا حق ورثائے منتظم کو ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جس قدر مطالبہ واجبی ثابت ہو اگر اس سے کم ادا ہوتا ہے باقی ان کے ترکہ سے لیا جائے گا اور اگر دل سے زیادہ لے لیا گیا ہے تو جتنا زیادہ ہوا انہیں واپس دینا واجب ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تودیہ[1]، وقال تعالٰی ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی یہاں تک کہ وہ اس کو ادا کر دے۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس لئے لے جاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناحق کھالو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

من دفع شیئا ظانا انہ علیہ کان لہ ان یستردہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کسی شخص نے دوسرے کو کوئی شے دی یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس کو یہ شے دینا مجھ پر لازم ہے تو اسے واپس لینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳۳: مرسلہ حکیم محمد حیات خاں صاحب آگرہ کوچہ حکیماں حیات منزل ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ منجملہ پانچ متولیان اوقاف کے جو بحیثیت ایک انجمن کے کثرت رائے پر کام کرتے ہوں اگر چہ ایک علانیہ سُود کھاتے ہوں اور خلاف منشاء واقف خرچ کئے جانے پر مُصر ہوں اس قابل ہیں کہ عندالشرع متولی رہ سکیں۔ متذکرہ بالا متولی صاحب کا جو علانیہ سود کھاتے ہیں یہ فعل کہ مسجد جامع وغیرہ میں جو ان کے زیرِ نگرانی ہیں حسب مرضی اپنے خرچ سے عام مسلمانوں کو برف وغیرہ بٹواتے ہیں آیا عندالشرع اس قابل ہے کہ دیگر متولیان اسے روکیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ شخص ہرگز متولی رہنے کے قابل نہیں اور اس کا معزول کرنا واجب۔ درمختار میں ہے:

---

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء ان العاریۃ مؤداۃ امین کمپنی دہلی ۱/۱۵۲

[2] القرآن الکریم ۲/۱۸۸

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الشرکۃ ۱/۹۱ وکتاب الوقف ۱/۲۲۶، ۲۲۹ وکتاب المداینات ۲/۲۴۹ ارگ بازار قندھار افغانستان

ینزع وجوبا ولو الواقف درر فغیرہ بالاولٰی غیر مامون[1] | اس کو وجوباً وقف سے نکال دیا جائے گا اگرچہ وہ خود واقف ہی ہو (درر) جبکہ وہ امین نہ ہو تو غیرِ واقف اگر خائن ہو تو بدرجہ اولٰی اسے نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

اپنے خرچ سے مسلمانوں کو ریت بانٹنا کوئی امر معیوب نہیں بلکہ نیت حسن ہو تو مستحسن ہے مگر وقف کی آمدنی سے حرام ہے جبکہ شرائط وقف کے تحت میں داخل نہ ہو اور مسجد میں یہ مجمع نہ ہونا چاہئے کہ غل شور کا بھی احتمال ہے اور مسجد میں بغیر معتکف کو کھانا پینا بھی نہ چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۳۰: از موضع درو ضلع نینی تال تحصیل کچھا مسئولہ ثروت یار خاں صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایک جائداد وقف کے متولی واحد کے انتقال پر تین متولیان بموجب شرط دستاویز وقف پیدا ہوئیں اور دیگر جائداد میں چند وارث قائم ہوئے مقدمہ داخل خارج وقف پر مجملہ چند وارثوں کے دو وارثوں نے جائداد وقف کو متروکہ قرار دیا اور وقف کے خلاف کوشش کی اور منجملہ انھیں چند وارثوں کے تین وارث جو جائداد وقف کے متولیان میں سے دو متولیان نے وقف قائم رکھنے کی کوشش کی اور وہ کامیاب ہوئے ایک متولی خاموش رہا جن وارثوں نے کوشش خلاف وقف متروکہ قائم ہونے کے لئے کی تھی وہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور ایک بھائی سے لڑکے کی وہ متولیہ جو کہ خاموش رہی وقت داخل خارج وقف مذکور منکوحہ تھی جس سے یہ اندیشہ دو متولیان اور مسلمانان کو تھا اور ہے کہ اگر جب جائداد وقف متروکہ قرار پائی گئی تو متولیہ خاموش کو یہ نفع ذاتی پہنچے کہ اس کے دونوں خسر جو وارث ہیں حصہ دار جائداد وقف میں بن جائیں اور وقف کو نقصان پہنچے کہ اس وجہ سے آئندہ بھی نقصان کا خیال ہے اب دوسرا مقدمہ واسطے نمبرداری برائے تعمیل شرائط وقف چل رہا ہے تو ایسی صورت میں جو کہ اوپر ظاہر کی گئی ہے کون متولیہ نمبردار مقرر ہونے کے لائق ہے اور کون تولیت سے خارج ہونے کے قابل ہے اور وہ شخص جو خاموش متولیہ کی طرف سے سربراہ کار مقرر ہونا چاہتا ہے جو خسر اس کا ہے اور وقف کے خلاف متروکہ قائم ہونے کی کوشش کر چکا ہے سربراہ کار مقرر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جو خلافِ وقف کوشش کر چکا وہ ہرگز سربراہ کار نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ اگر خود متولی یا خود واقف ایسا کرتا واجب تھا کہ فوراً نکال دیا جاتا۔ درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون[1]

متولی وقف اگر امین نہ ہو تو اس کو ولایت سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو اگر متولی غیر واقف ہے تو بدرجہ اولٰی نکالنا واجب ہے (ت)

ایک متولیہ کا خاموش رہنا اگر ثابت ہو کہ اس نیت فاسدہ سے تھا تو اس کا اخراج بھی واجب ہے، ہاں اگر بوجہ مجبوری ساکت رہی تو حرج نہیں، نمبرداری شرعی سند نہیں، ہاں جائز متولیوں سے باہر کوئی شخص نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۵ تا ۲۸۸: از جبلپور اوتی کا پل مرسلہ محمد نذیر خان ۰ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

(۱) زید نے اپنی زمین مسجد کے لئے وقف کردی اور کچھ پتھر بھی برائے تعمیر مسجد دے دئے، زمین اور پتھروں کی قیمت تقریباً ۱۰۰/ ہوں گے اور عمرو نے اپنی ذات خاص سے باکل مسجد باقاعدہ اور ایک حجرہ بھی تیار کرکے دونوں کو وقف کردیا جس میں غالباً پانچ ہزار روپیہ صرف ہوا ہوگا بعدہ زید کے کہنے سے عمرو نے زید کے نام سے واسطے نگرانی مسجد ایک کاغذ رجسٹری شدہ تحریر کردیا اور مسجد تیار ہوئے بارہ برس ہوئے جب سے ہر طرح کے خرچ کا مثل تیل، چٹائی، تنخواہ امام ومؤذن، رمضان شریف میں حافظ کی خدمت وتقسیم شیرینی اور بھی درمیان میں مسجد کے متعلق جو ضرورت ہوا کرتی ہے عمرو صرف اپنی ذات سے صرف کرتا ہے اور عمرو نہایت خلیق پابند صوم وصلٰوۃ باخدا شخص ہے اور عمرو زید کے افعال سے واقف نہ تھا کیونکہ زید بدافعال، فتنہ انگیز، حاسد، غیبت کنندہ، جماعت میں تفرقہ ڈالنے والا اور مسجد پر اپنی حکومت جتانے والا، ایک نہ ایک شرارت پیدا کرنے والا ہے، اس صورت میں متولی کس کو شرع شریف قرار دیتی ہے اور وہ رجسٹری زید کی بموجب شرع شریف کارآمد ہے حالانکہ اہل محلہ اور اہل جماعت عمرو کا متولی ہونا پسند کرتی ہیں؟

(۲) صرف زید کے حکم سے پیش امام ومؤذن مقرر ہوسکتے ہیں یا برخاست ہوسکتے ہیں یا کل اہل جماعت کی رائے سے؟

(۳) پیش امام کے موجود ہوتے ہوئے زید خود بڑھ کر امامت کرتا ہے زید کے پیچھے نماز درست ہوسکتی ہے؟

(۴) زید کی امامت درست ہے یا نمازی اپنی اپنی نماز بوجہ کراہت دُہرا لیا کریں؟

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

الجواب

(۱) اگر یہ امر واقعی ہے کہ زید فاسق و شریر، مفرقِ جماعت ہے تو وہ ہرگز تولیتِ مسجد کے قابل نہیں اس کا معزول کرنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف غیر مامون[1] — خائن متولی کو ولایتِ وقف سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو۔ (ت)

(۲) مؤذن و امام جس کے مقرر کئے شرعاً ان منصبوں کے لئے زیادہ لائق ہوں انھیں کو ترجیح ہوگی اور اگر یکساں ہوں تو زید کے مقرر کردہ مرجح ہیں کہ اصل مسجد یعنی زمین اسی کی وقف ہے۔ درمختار میں ہے:

البانی للمسجد اولٰی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الا اذا عین القوم اصلح ممن عینه البانی[2] — مسجد کا بانی مسجد کے امام و مؤذن کی تقرری میں باقی لوگوں کی نسبت اولٰی ہے یہی قول مختار ہے مگر جب قوم کا مقرر کیا ہوا امام یا مؤذن بانی کے مقرر کئے ہوئے سے افضل اور زیادہ صلاحیت کا حامل ہو تو وہی بہتر ہے۔ (ت)

مگر جب کہ مؤذن و امام تنخواہ دار ہیں اور تنخواہ انھیں عمرو دیتا ہے تو استحقاق تنخواہ اسی کو ہوگا جسے عمرو مقرر کرے، اس پر لازم ہے کہ اسے پسند کرے جو شرعاً زیادہ مناسب ہو اور تنخواہ دار کی برخاستگی عمرو کی رائے پر ہوگی لانه هو المستاجر فلیس لثالث فسخه (کیونکہ وہی کرایہ پر لینے والا ہے تو تیسرے شخص کو فسخ اجارہ کا حق نہیں ہے)۔

(۳ و ۴) اگر زید سے علانیہ فسق ثابت ہو تو اس کی امامت اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ تبیین الحقائق میں ہے:

فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعاً[3] — فاسق کو امامت کے لئے مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شرعاً مسلمانوں پر فاسقوں کی توہین واجب ہے۔ (ت)

اور اگر زید میں کوئی وجہ مانعِ امامت نہیں مگر امام مقرر کردہ اس سے افضل و اولٰی ہے اور اسی وجہ سے

---

[1] درمختار — کتاب الوقف — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۳۸۳

[2] ایضاً — ایضاً — ایضاً — ۱/۳۹۰

[3] تبیین الحقائق — کتاب الصلوٰۃ — باب الامامۃ — المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر — ۱/۱۳۴

اہلِ جماعت امام کے ہوتے زید کی امامت مکروہ و ناپسند رکھتے ہیں تو زید کو جائز نہیں کہ امامت کے لئے تقدم کرے لانہ ممن ام قوما وھم لہ کارھون[1] (کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے کسی قوم کی امامت کی حالانکہ وہ اس کی امامت کو ناپسند جانتے ہیں۔ ت) مگر اس صورت میں نماز میں خلل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۸: از گنگا چھدی ڈاکخانہ دوفی وارڈ تحصیل گوندیا ضلع بھنڈارہ ملک متوسط مرسلہ محمد اسمٰعیل خاں ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

متولی مسجد نے مسجد کے پیسے میں خیانت کی ایسے شخص کو متولی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا متولی نے جھوٹی شہادت دی تو تولیت اسے دینا جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

جس نے جھوٹی شہادت کی اس میں تو بہت احتمال ہیں کہ واقعی جھوٹی نہ ہو لوگ اسے جھوٹی کہیں یا واقع میں جھوٹی ہو مگر شہادت دینے والے نے اپنے نزدیک سچی سمجھ کر دی ہو یا کسی مصلحت عظیم کے لئے کوئی پہلو دار بات کہی ہو یا اسی فتنہ انگیز سے بچنے کے لئے مرتکب ہوا ہو یا اس شہادت سے اسے حمایت وقف مقصود ہو اسی طرح بہت احتمال نکل سکتے ہیں جن کے باعث وہ معزولی متولی کا سبب نہ ہوگی مگر پہلی بات بالکل صاف ہے جب اس نے مال وقف میں خیانت کی اس کا معزول کرنا واجب، درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف درر فغیرہ بالاولٰی بزازیۃ غیر مامون[2] واللہ تعالٰی اعلم	متولی اگر امین نہ ہو تو اس کو ولایتِ وقف سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو (درر) لہٰذا غیرِ واقف کو بدرجہ اولٰی نکال دینا واجب ہے (بزازیہ) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹: اجمیر شریف محلہ خادمان چاہ ارکر مرسلہ سید امتیاز علی صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسمّٰی سید امیر علی متولی درگاہ تھا اور اس کی چار بیبیاں منکوحہ تھیں اول زوجہ اس کے چچا کی دختر تھی اور دوسری پٹھانی اور تیسری کاشت کار قوم جیٹھ کی لڑکی چھوٹی قوم سے تھی، اول زوجہ سے ایک دختر اور دوسری سے ایک پسر مسمّٰی شریف حسین اور تیسری سے دو دختران اور متولی مذکور کے ایک برادر علاتی پٹھانی بیوی سے ہیں جب کہ متولی مذکور الصدر نے انتقال کیا تو اولاد مندرجہ و برادر علاتی کو چھوڑا اب برادر علاتی

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۲۱۰۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۲۸۳
[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسمی نذر احمد بمقابلہ پسر مسمی شریف حسین کے دعویدار ہے کہ میں عہدۂ تولیت کا مستحق ہوں، اب شرعاً کا ہونا چاہئے یا برادر؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مال کی کوئی وراثت ہو تو بیٹے کے آگے بھائی محروم ہے مگر وقف کی تولیت کوئی ترکہ نہیں، اس میں شرائط واقف پھر عملدر آمد سابق پھر صوابدید مسلمانان پر نظر ہوگی ان کے اعتبار سے جسے ترجیح ہوگی وہی متولی ہوگا بیٹا ہو یا بھائی یا غیر۔ ردالمحتار میں ہے:

(من جهلهم) قولهم خبز الاب لابنه[1] ان کی جہالت کی بناء پر ہے ان کا یہ قول کہ باپ کی روٹی بیٹے کی ہے۔ واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

واﷲ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۱ تا ۲۹۸: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ دہلی دروازہ مرسلہ سید ضامن علی صاحب ۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک شہر میں مسلمانوں نے باتفاق باہمی قومی سرمایہ سے ایک مدرسہ موسومہ مدرسہ حنفیہ تعلیم دینیات جاری کیا اور اس پر انجمن اسلام کی نگرانی قائم کی گئی اور زید کو معین اختیارات کے ساتھ بہ نفاذ ایک دستور العمل مہتمم مدرسہ مقرر کیا۔

(۲) زید نے بظاہر بعد حسن کارگزاری تیسرے سال مرتبت اور پانچویں سال متولیت کا ادعا حاصل کیا۔

(۳) چھٹے سال بلا استصواب قوم مدرسہ حنفیہ کو مدرسہ نظامیہ سے وابستہ کرکے روداد سالانہ میں بجائے حنفیہ کے نظامیہ لکھنا شروع کیا تاکہ زید کے تعلقات خاندان نظامیہ سے مدرسہ مخصوص کیا جائے۔

(۴) اس کے بعد زید نے دستور العمل نظام مدرسہ کی پابندی سے انحراف کرنا شروع کیا اور ارباب انجمن کے بعد دیگرے عمداً حیثیت سے گرانا شروع کیا۔

(۵) زید نے ساتویں سال اسی قوم کے جذبات مذہبی کو بذریعہ تحریر صدر مہتمم نے نہایت تحقیر لفظوں میں یہ ذکر اطراف ہندوستان میں شائع کردیا کہ فلاں شہر کے مسلمان کلمہ کی جگہ جرمن کا نام لیتے ہیں مسجدہ کی جگہ دھوکہ دیتے ہیں روزہ نماز کے وہ پابند نہیں ہیں، نہ ان لوگوں کو خوف خدا و رسول ہے، یہ مذہب سے سراسر آزاد ہیں، میں نے ان کے لئے اسلام کی بنیاد کا پتھر رکھا ہے حالانکہ یہ بہتان عظیم ہے اور واقعات سراسر اس کے خلاف ہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۸۵/۴

(٦) گیارھویں سال کی روداد میں حسب معمول زید نے لفظ انجمن نکالا تاکہ بادی النظر میں مدرسہ انجمن کی نگرانی میں نہ سمجھا جائے۔

(٧) تعلیم و تربیت کے اعتبار سے مدرسہ نے کچھ بھی ترقی نہ کی۔

(٨) حالات صدر کو محسوس کرکے جب قوم نے چند اشخاص کو کار دوبارہ مدرسہ میں شریک کرنا چاہا تو زید نے انکار کردیا اور خدمت مہتممی سے علیحدہ کردئے جانے کے بعد زید نے کچہری میں مدرسہ پر قبضہ دلانے کا دعوٰی کیا، لہٰذا از روئے حساب اور حالات حاضرہ کی رُو سے زید کی نیت سے یہ ثابت ہوچکا کہ جو کچھ وہ کرتا رہا قومی نقطۂ نظر کے خلاف کرتا رہا اس کو ترقی تعلیم و خدمت اسلام مدنظر نہ تھی بلکہ اس کو اس پردہ میں بھی نام آوری اور مفاد ذاتی منظور تھا، پس زید کی نسبت شریعت حقہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر یہ بیان واقعی ہے تو زید حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں میں گرفتار، اور شریعت مطہرہ کے نزدیک سخت سزا کا سزاوار ہے کہ اس نے مسلمانوں پر اتہام رکھے اور ان کو دینی حیثیت سے بدنام کیا اور مدرسہ وقفی کو اپنی ذاتی اغراض کا ذریعہ بنانا چاہا، وہ جب ایک دستور العمل کی پابندی سے مشروط کرکے مہتمم کیا گیا تھا اور اس نے بلاوجہ شرعی کمیٹی یا صدر مدرسی مہتممی سے خارج ہو۔ اذا فات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہوئی تو مشروط فوت ہوگیا۔ ت) اور اب کہ اسے اس بارے میں اتنی طمع ہے کہ کچہری میں نالشی ہو کر مدرسہ پر قبضہ کرنا چاہا تو ہرگز اس قابل نہیں کہ مدرسہ میں اس کو دخل دیا جائے، درمختار وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے: طالب التولیۃ لایولّی[1] (تولیت کے طلبگار کو متولی نہیں بنایا جائے گا۔ ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ[2] رواہ الائمۃ احمد والبخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیشک ہم ہرگز اپنے معاملات کا عامل اس کو نہیں بناتے جو اس کی خواہش رکھتا ہو۔ (اس کو امام احمد، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/٣٨٩

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ١/٣٠١

مسئلہ ۲۹۹: از جونا گڑھ محلہ کتبانہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ محمد حسین ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص تقدیر اور وسیلہ پکڑنے کے خلاف ہو ایسا آزاد شخص حنفیوں کے مدرسہ کا خیر خواہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

تقدیر کا منکر رافضی معتزلی گمراہ ہے اور محبوبانِ خدا سے توسّل کا منکر نجدی وہابی بدراہ ہے جو شخص ایسا ہو اس سے مدرسہ اہلسنت کی خیر خواہی کی کیا امید ہوسکتی ہے، نہ اسے مدرسہ پر کسی قسم کا اختیار دیا جائے، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ خیر میں کہ اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور کفار ہر طرح ذلیل وخوار، ایک نصرانی کو کہ حساب وسیاق میں طاق تھا اور صوبہ یمن میں ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے محرری پر نوکر رکھنا چاہتے تھے امیر المومنین سے اجازت چاہی منع فرمایا انھوں نے پھر عرضی بھیجی، اس پر تحریر فرمایا: مات النصرانی، والسلام[1] (نصرانی جانو کہ مرگیا، والسلام) غرض کسی طرح اجازت نہ فرمائی، تو اس وقت ضعف اسلام میں کسی مخالف عقیدہ کو اختیار دینا کس درجہ مضر ہے کہ بوجہ گمراہ گوئی کافروں سے اس کا ضرر زائد ہوگا پھر اس زمانہ میں ان کی مغلوبی تھی اور اب مطلق العنانی۔ اور وہ ایک محرر کی خدمت تھی وہ بھی اس وقت میں قبول نہ فرمائی تو یہ اس وقت میں کیونکر مقبول ہوسکتی ہے۔ حدیث میں ہے:

من استعمل علی عشرة من فیھم ارضی للّٰہ تعالٰی منه فقد خان اللّٰہ ورسوله والمؤمنین[2] جل وعلا وصلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کو افسر کیا کہ نظر شرع میں اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی دوسرا موجود تھا تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کی خیانت کی جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۰: از بمبئی محلہ شیخ بھائی بلڈنگ کھانڈ بازار جوناکون مرسلہ یوسف عبدالرحمن مردھی ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) متولی مسجد کو یہ حق حاصل ہے کہ امام مسجد کو بغیر کسی عذر شرعی کے خارج کردے۔۔

---

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۱۵ مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۳-۹۲

[2] کنز العمال بحوالہ الحاکم عن حذیفہ رضی اللہ عنہ حدیث ۱۴۶۵۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۹

المستدرک للحاکم کتاب الاحکام الامامۃ امانۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۹۳-۹۲

(۲) امام مسجد نوکر مانا جائیگا یا سردار قوم، اور اسے نمازیوں کی تابعداری کرنا چاہئے، یا نمازی اس کی تابعداری کریں، مثلاً اوقاتِ صوم وصلوٰۃ سے بخوبی واقف ہے وہ بار بار لوگوں کو وقت پر افطار کراتا ہو اور امساک کا حکم کرتا ہو اور نمازوں میں بہت احتیاط اوقات میں کرتا ہو تو قوم اس کو کہے کہ ہم کو فلاں وقت جماعت ملنا چاہئے فلاں وقت اذان ہونا چاہئے اس میں امام کیا ان کی اطاعت کرے یا موافق مسائل شرعی کاربند رہے۔

(۳) انصاری کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی طرف سے مسجد کے متولی بنائے اور ان کو قوانین کا پابند کرے اگرچہ وہ قوانین خلاف مذہب اہلسنت وجماعت واحناف ہوں۔

(۴) اگر انصاری کا مقرر کردہ متولی اپنی نفسانیت سے امام کو اپنا نوکر قرار دے کر نکالنا چاہے اور قوم اس کی مخالفت کرے اور مقتدی کرے اس مقتدی میں، وہ متولی کہے کہ میں مسائل شرعیہ کو مانتا ہوں میں تم کو سے اس کو نکالتا ہوں وہ میرا نوکر ہے یہ جھگڑا میں مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا اس وقت کہ جب کہ اس کو مسئلہ بتایا جائے کہ امام مسجد نوکر نہیں ہے یہ نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے، اور بغیر کسی عذر شرعی کے نہیں جدا ہو سکتا تو اس کے مقابلہ میں یہ لوگ ایسا متولی قابل ہے متولی بننے کے۔

الجواب

(۱) بغیر عذر شرعی کے امام کو خارج کرنا متولی وغیرہ کسی کو حق نہیں۔ درمختار میں ہے:

لایجوز عزل صاحب وظیفۃ بغیر جنحۃ۔[1] کسی صاحب وظیفہ کو بغیر جرم کے معزول کرنا جائز نہیں (ت)

(۲) امام اگر کسی قوم کا تنخواہ دار ہے تو وہ ان کا نوکر ضرور ہے مگر نہ خدمتگار بلکہ مخدوم جیسے علماء وقضاۃ وسلاطین کہ بیت المال سے وظیفہ پاتے ہیں مگر وہ رعایا کے خدمتگار نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم۔[3] اپنے افضلوں کو اپنا امام بناؤ کہ وہ تم میں اور تمہارے رب میں واسطہ و عرضداشت ہیں۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۸۱
ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۸۶ و ۴۰۴
[3] سنن الدارقطنی باب تخفیف القراءۃ لحاجۃ نشر السنۃ ملتان ۲/۸۸

ہاں بایں معنے امام وعلماء وقضاۃ وسلاطین سب خادم ہوسکتے ہیں کہ سید القوم خادمہم[1] قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے یعنی اسے قوم کے آرام وتربیت کی ہر وقت ایسی فکر چاہئے جیسے خادم کو مخدوم کے کام کی۔ امام جبکہ اوقات کا عالم ہے تو امساک وافطار میں اس کے حکم کا اتباع لازم ہے، رہی نماز اس کے اوقات میں امام پر تکثیر جماعت کی رعایت لازم ہے جہاں تک کراہت لازم نہ آئے وہ وقت مقرر کرے جس میں اس کے اہل مسجد زیادہ جمع ہوسکیں، خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب ملاحظہ فرماتے کہ لوگ جمع ہوگئے نماز میں جلدی فرماتے۔ ایسا ہی امام کو چاہئے کہ قوم کے واقعی اعذار کا لحاظ رکھے۔ ہاں بعض لوگ بلاوجہ ضد کرتے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں۔

(۳) قانون میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مذہب میں دست اندازی نہ کی جائے گی لہذا امر مذکور فی الحال متوقع نہیں اور اگر واقع ہو تو اس کی باضابطہ چارہ جوئی کی جائے کہ مساجد کے متولی حسب شرط بانی مقرر ہوں وہ نہ رہا ہو تو اس کی اولاد، ورنہ نمازیان مسجد کی صوابدید سے، اور یہ کہ امور مسجد میں کسی خلاف مذہب کو دخل دینے سے معاف رکھا جائے۔

(۴) جو شخص مسائل شرعیہ کے مقابل میں کہے کہ وہ مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہوگیا اور اسے امور اسلام میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں رہا اسے تولیت سے جدا کرنا لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴۳: از دھام پور ضلع بجنور مرسلہ عبد الحفیظ ٹھیکہ دار ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص سُود لیتا ہے آیا وہ متولی جائداد موقوفہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور کسی کو حساب نہ دیتا ہو اور خرچہ ضروری مسجد بھی نہ کرتا ہو۔

الجواب

جب ضروری خرچ مسجد کے نہیں کرتا اور مسجد کی آمدنی کافی ہو اور اس کے سُود کھانے سے ظاہر کہ وُہ حلال وحرام کی پرواہ نہیں کرتا، تو ظاہر حال یہی ہے کہ وُہ تغلب کرتا ہے تو اس پر اطمینان نہ ہو، اور جس متولی پر اطمینان نہ ہو اس کا اخراج واجب ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف بزازیۃ فغیرہ بالاولی غیر مأمون[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	خائن اور غیر امین متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائیگا اگرچہ متولی واقف ہی ہو، غیر واقف اگر خائن ہو تو بدرجہ اولٰی نکالنا واجب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۷۵۱۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۷۱۰
[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۲۰۵ از پیلی بھیت مرسلہ عبدالعزیز صاحب ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

زید نے کسی جائداد کو اپنی ملکیت سے علیحدہ کرکے وقف کیا اور تاحیات اپنے کو متولی کیا اور بعد اپنے شخص غیر کو تولیت تحریر کردی اور اپنے پسر پیرہ کو حق تولیت میں شریک نہیں کیا لیکن وقف کنندہ نے یہ وقفی کارروائی حالت بیماری و ناتوانی و بدحواسی میں کی ہے بعد صحت اب واقف کہتا ہے کہ میں مضامین وقف نامہ کو نہیں سمجھا اور نہ مجھے سمجھنے کی اس وقت قابلیت تھی وقف کرنا میں نہیں چاہتا ہوں، کیا زید کی وقفی کارروائی از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بحالت غم و غصہ اپنے پسر کو تولیت سے محروم کرکے غیر شخص کو متولی مقرر کیا اب جبکہ غم و غصہ اس کا فرو ہوا اور اپنے پسر سے رضامند ہوا تو شخص غیر جس کو وہ پہلے متولی بناچکا تھا علیحدہ کرکے اپنے پسر کو کیا متولی مقرر کرسکتا ہے؟

(۳) اگر واقف بدحواسی کی حد کو نہیں پہنچا لیکن سفیہ ضرور ہے تو ایسی کارروائی وقف و تولیت کی جو سفاہت سے ہوئی ہے جائز رہ سکتی ہے یا نہیں،

(۴) اگر درحقیقت زید کے حواس وقت تحریر وقف نامہ درست تھے اور قبل نفاذ وقف نامہ اس کی نیت خراب ہوئی اور وہ وقف نامہ کو فسخ کرنا چاہتا ہے تو کیا وقف نامہ فسخ ہوجائے گا یا نہیں،

بینوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ وقف صحیح شرعی ہو تو سوالات سائل کا جواب یہ ہے کہ ناتوانی کچھ مانع صحت وقف نہیں دبیماری کا کچھ اثر رہا جب کہ سائل کہتا ہے کہ اس کے بعد تندرست ہوگیا۔ رہا بدحواسی کا دعوٰی وہ بغیر بینہ عادلہ شاہدان ثقہ شرعی کی شہادت کے مقبول نہیں ہوسکتا ورنہ ہر شخص وقف بیع اجارہ نکاح طلاق تمام تصرفات کرکے یونہی پھر جائے اور کہہ دے کہ میں اس وقت بدحواس تھا رجسٹری بھی بدحواسی میں ہوئی، ہاں اگر معلوم و معروف ہو کہ اس مرض میں اس کی عقل زائل ہوجاتی ہے، بدحواس و مجنون ہوجاتا ہے، پہلے بھی ایسا واقع ہوچکا ہے اور اب کہے کہ اس بار بھی میری یہی حالت ہوگئی تھی تو اس کا قول حلف کے ساتھ قبول کرلیں گے۔ ردالمحتار میں فتاوٰی خیریہ سے ہے،

سئل فیمن طلق وھو مغتاظ مدھوش فاجاب ان الدھش من اقسام الجنون فلا یقع، واذا کان

سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی جب غصناک اور بدحواس تھا تو جواب دیا کہ بدحواسی جنون کی قسموں میں سے ہے

یعتادہ بان عرف منہ الدھش مرۃ یصدق بلا برھان[1] مختصراً۔

لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اور جب یہ حالت اس کی عادت ہے بایں طور کہ پہلے بھی اس سے یہ بدحواسی دیکھنے میں آچکی ہے اور معروف ہے تو بغیر دلیل حلف کے ساتھ اس کے قول کی تصدیق کردی جائیگی (مختصراً)۔ (ت)

اسی میں ہے:

وکذا یقال فیمن اختل عقلہ لمرض او لمصیبۃ فاجأتہ[2]

اور یہی کہا جائے گا اس شخص کے بارے میں جس کی عقل میں کسی بیماری یا اچانک صدمہ کی وجہ سے خلل واقع ہوگیا ہو۔ (ت)

(۲) یہ دوسرا سوال دوسرا پہلو ہے اور بدرا اسی کو وقف کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عقدہ میں دوسرے کو متولی کیا تھا یا رضامندی میں بہرحال اسے اس کے معزول کرنے اور اپنے پسر خواہ جس کو چاہے متولی کرنے کا اختیار ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ عن حکم سائر الشرائط لان لہ فیھا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط فی عقدۃ الوقف[3]

واقف کی تولیت تمام شرائط وقف کے حکم سے خارج ہے کیونکہ واقف اس میں جب مناسب سمجھے تبدیل و ترمیم کا اختیار ہے اگرچہ عقد وقف میں اس کی شرط نہ کی ہو۔ (ت)

(۳) یہ تیسرا پہلو ہے سائل نے سفیہ کہا اور یہ نہ بتایا کہ اس سے کیا مراد لی، لوگ احمق غبی کند ذہن کو سفیہ کہتے ہیں صرف اسی قدر مانع صحت تصرف نہیں۔

(۴) وقف جب کہ صحیح واقع ہو واقف کو اس سے رجوع کا کوئی اختیار نہیں رہا کہ اب وہ اس کی ملک سے نکل گیا،

ویتم الوقف بمجرد القول عند الامام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی وعلیہ الفتوٰی وبہ یفتی۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک محض زبانی کہہ دینے سے وقف تام ہوجاتا ہے اسی پر فتوٰی ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[2] ″ ″

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ وہ وقف صحیح شرعی ہو جیسا کہ عبارتِ سوال کا مفاد ہے ورنہ بحالت
بطلان ان سوالات کا کوئی محل ہی نہ ہوگا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۱: از قصبہ لاہرپور مکان شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ احمد حسین صاحب عثمانی ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(۱) ایک درگاہ صدہا سال سے ایک بزرگ کی ہے جن کی اولاد کے چند شاخوں میں پیری مریدی بسلسلۂ
بیعت و باجازت و خلافت جاری ہے مگر سجادگی اس درگاہ کی ایک بیٹے کی اولاد میں چلی آتی ہے، گو
سلسلۂ خلافت جو اب جد صاحب سجادہ سے اس شاخ میں باقی نہیں رہا تھا مگر دوسرے خلفائے سلسلہ سے
بھی صاحب سجادۂ درگاہ نے اجازت و خلافت حاصل کرلی تھی اور اب دو پشتوں سے ہر باپ سے بیٹے
کو اجازت وغیرہ حاصل ہوا کی، اس خلفائے سلسلہ سے بھی صاحبِ درگاہ کا سلسلہ جاری رہا،
صاحبِ درگاہ کا خاندانِ طریقت قادریہ و چشتیہ ہے۔ اس سلسلہ کے مشائخ اور صاحبِ درگاہ کے
موروثی معتقدین کو اس کا پورا موقع رہا ہے کہ اس سلسلہ میں داخل ہوسکیں، آخر صاحب سجادہ
لاولد تھے انھوں نے اپنے حقیقی بھانجے کو اپنے بعد کے واسطے سجادگی تجویز کی جن کو اس خاندان میں
بیعت وغیرہ حاصل ہے، دورانِ علالت میں ان کو دوسرے اعزائے خاندانی سے مشورہ کے واسطے ایک
دوسرے دور دراز مقام پر بھیجا اور سجادہ داری ان کی مستحق ان کے بعض اعزا کے تھی جو اخیافی بھانجے لگتے
ہیں وہ دو بھائی حقیقی ایک بہن سے ہیں جن کے قبضہ میں وہ بحالتِ مرض تھے جب علالت زیادہ ہوئی تو
اہالیانِ قصبہ کو جمع کرکے درگاہ کے اندر پھر اپنے حقیقی بھانجے مذکورہ بالا کی نسبت اظہار وصیت کیا ایسے
مجمع میں ان اخیافی بھانجوں میں سے ایک نے بطور مغالطہ دہی کہا کہ والدین اس کے جس کے واسطے سجادگی
تجویز کی جاتی ہے دودھ شریک بھائی بہن تھے اس لئے اس کا نکاح ناجائز ہوا وہ حرامی ہوئے ان کے
پیچھے نماز مکروہ ہے صاحب سجادہ نے اس واقعۂ رضاعت سے انکار کیا اور کہا کہ جھوٹ ہے لیکن ضعف
بیماری میں ان کو سخت صدمہ اس دروغ گوئی پر ہوا جس سے وہ کوئی مزید تقریر نہ کرسکے اور مجمع برخاست
ہوگیا جب علالت کا سلسلہ زیادہ طویل ہوا ان دونوں اخیافی بھانجوں کی جانب سے حصولِ سجادگی کی
ایک بھائی کے واسطے مزید کوشش شروع ہوئی اور بعض موافقین کے مشورہ سے ایک بڑی درگاہ کے
صاحب سجادہ کو طلب کیا جو ان صاحب سجادہ کے پیر کی درگاہ کے صاحب سجادہ ہیں اور ان سے کہا کہ منجملہ
ان ہر دو بھائیوں کے بڑے بھائی کے پگڑی باندھ دیجئے انھوں نے کہا کہ ہم موجودہ صاحب سجادہ سے اجازت
لے لیں جب ان سے دریافت کیا تب انھوں نے منہ پھیر لیا کوئی جواب نہ دیا کچھ دیر کے بعد جب پہلو بدلا پھر
استفسار کیا اب بھی وہ جواب خود نہ دے سکے، مگر موافقین اشخاص نے ہر دو بھائیوں کے جو موجود تھے بالاتفاق

کہا کہ اجازت دے دی انھوں نے پگڑی باندھ دی، ایسی نازک حالت تیمارداری میں قبل واپس آنے ان کے
حقیقی بھانجے نامزد شدہ سجادہ نشینی کے ان سجادہ نشین نے وفات پائی، معاملہ رفعت کے عینی شہادت
موجود نہیں ہے۔ جن لوگوں کے وقت میں عقد ہوا وہ مقدس و مکرم و عابد و زاہد اشخاص تھے بالخصوص سجادہ
نشین مذکور کے پدر حافظِ قرآن، صاحب سجادہ، متوکل درویش، صاحب رُشد و ہدایت و مقدس تھے جن
کی دختر و بھتیجے کا نکاح باہم انھیں کے زیرِ اہتمام ہوا تھا دیگر اکابر خاندان اہل اسلام معزز و معتبر و نمازی
شریک نکاح تھے، یہ الزام صرف نامزد شدہ کی نااہلی ثابت کرنے اور خود سجادگی حاصل کرنے کی ضرورت
سے لگایا جاتا تھا اور چونکہ دونوں بھائیوں نے ایک اپنی ذاتی دکان درگاہ کے واسطے وقف کی ہے اس پر
دوسرے سجادہ نشین کا قبضہ نہ ہونے کے خیال سے اپنے واسطے سجادگی کی خواہش تھی حالانکہ واقف
وقف کا خود متولی رہ سکتا ہے اور حیات میں دوسرا متولی مقرر کرنے کا اختیار ہے مگر غالباً وہ مسئلہ کی
ناواقفیت کی وجہ سے وہ پریشان ہوئے کہ شاید سجادگی کے ساتھ تولیت میری وقف کردہ جائداد کی بھی
انھیں صاحب سجادہ کے متعلق ہو جائے ایسا اختیار کیا ان کو اب تک کسی سے اجازت و خلافت بھی نہیں
ہے اور صاحب درگاہ کی شاخ کے سلسلے کے شیخ سے غالباً یہ بھی اجازت و خلافت حاصل کرنے
پر تیار نہیں ہیں، پس سوال یہ ہے کہ ایسی سجادگی جو اس طور سے حاصل کی گئی ہو جائز ہے یا نہیں، اور
وہ سلسلہ صاحب درگاہ کے علاوہ کسی دوسرے خاندان سے بیعت و اجازت وغیرہ حاصل کرلیں تو جائز
ہوگی یا نہیں، مگر اس صورت میں صاحب درگاہ کا سلسلہ صاحب سجادہ سے جاری نہ ہونے کی وجہ سے
ضرورت سجادگی فوت ہو جائے گی صرف متولیانہ حیثیت ایسے شخص کی باقی رہے گی مگر تولیت درگاہ ایسے متولی
کی جس نے ترکیب مذکورہ بالا سے سجادگی و تولیت حاصل کی ہو کہاں تک جائز ہوگی، اور ایسی حالت میں
خاندان صاحب درگاہ و صاحب طریقت سلسلہ صاحب درگاہ کو بقائے سلسلہ صاحب درگاہ کے واسطے
کیا کرنا چاہیے، آیا منجملہ اولاد صاحب درگاہ جس سے سلسلہ جاری ہوا سے خلافت دلوا کر یا دیگر کوئی
صاحب سجادہ و متولی مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں، اور اول نامزد شدہ کو ترجیح ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایک احاطہ میں ایک بزرگ کا مزار اور ایک خانقاہ اور ایک مسجد واقع ہے خانقاہ میں
مدرسہ اسلامیہ ایک وقف سے جاری ہے جس کے طلبہ بھی اس مسجد میں مثل دیگر اہل محلہ پنجوقتہ نماز
پڑھتے ہیں نماز جمعہ یہاں عرصہ سے نہیں ہوتی ہے، دوسری جامع مسجد میں ہوتی ہے، اس درگاہ کے
صاحب سجادہ ہیں وہ مع دیگر اشخاص کے چند لوگ اس وقف کے متولی ہیں جس سے ضروریات مسجد و
مدرسہ مذکورہ کا صرفہ ہوتا ہے، منجملہ ان کے زید بھی متولی ہے اور نیز ایک دوسرے وقف کا بھی

زید مذکور تنہا متولی ہے اس سے کہ مسجد مذکور کے آب وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے، اور زید ہی کے ذمہ بوجہ حاضر باشی زائد اس مسجد کے اوقات نماز میں موسمی وضروری تغیرات مقامی کی وجہ سے تعین کرتا ہے اور اس مسجد کا مؤذن و امام معین ہیں ایام تشریق میں زیادہ تر لوگ بوجہ ادائے نماز جماعت مسجد الحرام آ جو قت شریک ہونے کے عادی ہیں انھیں ایام میں بعض اشخاص نے بلا انتظار امام معین ومقتدین قدیم بلا اس کے کہ مؤذن ومکبر معین تکبیر اقامت کے معینہ مقام پر جماعت کرلی زید کو یہاں کا مقامی تجربہ ہے کہ عوام تمہید پسند ہیں اس خیال پر اس نے لفظ ذیل تمہید کے لئے کہے اور مکرر جماعت مع ان قدیم مقتدیوں کے جو باقی تھے اسی مقام پر پھر ادا کی اس خیال سے کہ سابق پڑھنے والے غیر معین تھے اور کہا کہ جس کسی کو اس جماعت میں شریک ہونا منظور ہو وہ ہماری مسجد میں نہ آئے، کیا استحقاق ان لوگوں کو ہے جنھوں نے بلا انتظار امام معین اور جماعت ومقتدین قدیم نماز پڑھ لی پس لفظ "ہماری" کا جو مسجد کی طرف منسوب کیا حالانکہ وہ خانۂ خدا ہے اور لفظ "نہ آئے" کا جو استعمال کیا حالانکہ مساجد میں اذن عام ہے اس سے زید کیا کرے صرف ندامت کافی ہے یا کوئی کفارہ اس پر لازم آیا گر کفارہ ہے تو کیا؟ بلحاظ تجربہ زید یہ ہوا کہ بعد تمہید مذکور پھر جماعت اسی طور سے جیسی ہمیشہ سے چلی آتی تھی مسجد میں قائم ہے، اور جو لوگ بعد ادائے وقتی عشاء جو سابقہ جماعت سے پڑھ چکے تھے مکرر جماعت میں زید کی تقریر کے بعد شریک ہوگئے ان کی یہ مکرر نماز کیا ہوئی اس دوسری جماعت کی نماز زید نے پڑھائی تھی اس میں ایک اور متولی وقف مذکور شریک تھے جن ر پہلے جماعت نہیں ملی تھی، مگر دوران نماز میں انھیں یہ خیال رہا کہ زید نے مسجد کی اپنی طرف نسبت کی اور اذن عام کے خلاف تقریر کی اگر میں اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتا تو اچھا تھا پس اس وقت گویا اس نے با کراہ اقتدا کی اس لئے اس کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) سجادہ نشینی خلافت خاصہ ہے جس میں اجرائے سلسلہ سجادہ وتولیت اوقاف درگاہ اور حل نظم ونسق ورتق وفتق وجمع وفرق ونصب وعزل عملہ میں صاحب سجادہ کی نیابت مطلقہ سب داخل اور کوئی حصہ اس سے عام متحقق نہیں ہوتا اور شرعاً معروف کالمشروط ہے، معروف یہی ہے کہ سجادہ نشین وہی ہو سکتا ہے جو اس سلسلہ میں ماذون ومجاز ہو کہ اس کا بڑا مقصد اس سلسلہ کا احیاء ہے نہ کہ مجرد تولیت، ولہذا جو سلسلہ صاحب درگاہ میں خلافت صحیحہ رکھتا ہو کہیں سجادہ نشین نہیں کیا جاتا اگرچہ دوسرے کسی سلسلہ کا مجاز ہو نہ کہ وہ جو اصلاً مجاز ہی نہیں یوں تو سجادہ نشینی نری ممبری رہ جائے گی تو اجنبی بمعنی غیر مجاز فی السلسلۃ مطلق سلسلۃ سجادہ نشین نہیں ہو سکتا اور ہندہ کو اجازت لیسی اس سجادہ نشینی کی تعمیم نہیں کرسکتی فان الشرط یتقدمہ و ... بلانت عمر (کیونکہ شرط مقدم ہوتی ہے اور عام متاخر نہیں ہوتا۔ ت) حضرت اسد العارفین سید شاہ حمزہ عینی

واسطی قدس سرہ فص الکلمات شریف میں فرماتے ہیں :

شیخے ازیں عالم نقل کرد و کسے را خلیفہ نگرفت قوم و قبیلہ وارثے یا مریدے را بخلافت وے تجویز نمایند ایں خلافت نزدیک مشائخ روا نیست و ایں نوع خلافت را خلافت اقرانی گویند[1]

ایک شیخ نے اس جہان سے انتقال فرمایا اور کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔ قوم اور قبیلہ نے اس کے کسی وارث یا مرید کو خلیفہ تجویز کیا تو یہ خلافت مشائخ کے نزدیک جائز نہیں، خلافت کی اس قسم کو خلافت اقرانی کہتے ہیں۔

رہی تولیت وہ بھی شرعًا حقیقۃً بجا ہے کہ حاصل کہ سجادہ نشین متولی نے اپنے مرضِ موت میں اس کے لئے وصیت کی اور در بارہ تولیت وصیت متولی ماخوذ و معتمد ہے۔ ردالمحتار میں ہے :

انما یصح اذا فوض فی مرض موتہ وان لم یکن له التفویض عاما لما فی الخانیة من انه بمنزلة الوصی، وللوصی ان یوصی الی غیرہ[2]

تفویضِ تولیت صرف اس صورت میں صحیح ہوگی جب متولی اپنی مرض الموت میں تفویض کرے اگرچہ اس کو تفویض عام حاصل نہ ہو اس دلیل کی بنا پر جو خانیہ میں ہے کہ وہ بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو اختیار ہوتا ہے کہ دوسرے کو وصیت کرے۔ (ت)

فتاوٰی تتمہ وغیرہا پھر اشباہ و الدر المختار میں ہے :

اسناد الناظر النظر لغیرہ بلاشرط فی مرض الموت صحیح[3]

نگران وقف کا مرض الموت میں بلاشرط نگرانی کسی دوسرے کے سپرد کرنا صحیح ہے۔ (ت)

یہاں تک کہ متولی نے جس کے لئے وصیت کی اس کے ہوتے ہوئے حاکم شرع دوسرے کو متولی نہ کرے گا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے :

شرط فی المجتبی ان لایکون المتولی اوصی به لآخر عند موته فان اوصی لاینصب القاضی[4]

مجتبٰی میں شرط لگائی کہ متولی نے اپنی موت کے وقت کسی دوسرے کو متولی بنانے کی وصیت نہ کی ہو اور اگر اس نے وصیت کی ہے تو قاضی کسی اور کو مقرر نہ کرے۔ (ت)

---

[1] فص الکلمات شاہ حمزہ عینی واسطی
[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴
[3] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۱
[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

مگر ایسے لوگ جن کو طلب تولیت میں یہ کچھ غلو ہو کہ اس کے لئے محصنات مومنات غافلات کو قذف کریں بلاوجہ مسلمان کو حرامی بنائیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ[1] رواہ البخاری واحمد وابوداؤد والنسائی عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیشک ہم ہرگز اپنے کسی کام پر اسے عامل نہ بنائیں گے جو اس کا طالب ہو (اس کو بخاری اور احمد اور ابوداؤد اور نسائی نے ابوموسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

طالب التولیۃ لایولّی الا المشروط لہ النظر لانہ مولّی فیرید التنفیذ[2]۔

طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا مگر اس وقت جب واقف نے اسی کو متولی بنانے کی شرط کی ہو تو اس وقت اس کو متولی بنائیں گے کیونکہ وہ شرط کے سبب متولی بن چکا ہے اور اب اس کے نفاذ کا طلب گار ہے۔ (ت)

رضاعت بے شہادت عادلہ مثل شہادت مال کے دو مرد یا ایک مرد دو عورت سب ثقہ عادل بے معائنہ کی گواہی دیں ثابت نہیں ہوسکتی، اور اگر بے برہان کہہ دینا کافی ہو تو آج زید سے عمرو کو کل عمرو یا بکر زید کو کہہ دے گا کہ اس کے ماں باپ رضاعی باپ بیٹی تھے۔ درمختار میں ہے:

الرضاع حجتہ حجۃ المال وھی شہادۃ عدلین او عدل وعدلتین[3]۔

حجت مال ہی حجت رضاعت ہے اور وہ دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت ہے (ت)

استفسار پر منہ پھیر لینا صریح دلیل انکار ہے دوبارہ پوچھنے پر کچھ کہنا اور مستفسر کا نہ سمجھنا اور ساعیوں کا کہہ دینا کہ اجازت دے دی معتبر نہیں تمام قرائن سابقہ عدم رضا پر صاف دال ہیں اور ساعی اپنے قول میں متہم۔ پس صورت مستفسرہ میں اخیافی کو نہ سجادگی سے نہ تولیت سے، اور حقیقی بھانجہ ہی سجادہ نشین ومتولی صحیح شرعی ہے، یہ صورت سوال کا حکم ہے اگر واقعہ اسی طرح ہو۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع " " " ۱/ ۲۰۳

(۴) جماعت اولٰی امام و جماعت معینہ کا حق ہے ان سے پہلے اگر کچھ لوگ جماعت کرجائیں ان کو اعادۂ جماعت کا حق ہے اور جماعت اولٰی یہی ہوگی جو انھوں نے کی جبکہ امام جامع شرائط جواز وحل امامت ہو۔
متن غرر اور اس کی شرح درر میں ہے:

لا تکرہ الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان و اقامۃ الا اذا صلی فیہ اولًا غیر اھلہ لان حقھم لا یسقط بفعل غیرھم[1]۔

مسجد محلہ میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت نہ کی جائے مگر جب اہل محلہ کے غیر نے پہلے جماعت کرالی ہو تو اہل محلہ کو اذان و اقامت کے ساتھ دوسری جماعت کرانے کا حق ہے جو دوسروں کے فعل سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

جن لوگوں نے بے انتظار امام و مؤذن و جماعت معینہ مقام امام راتب پر جماعت کرلی اگر کسی صحیح ضرورت شرعی سے تھی مضائقہ نہ تھا مگر مقام امام پر قیام نہ چاہیے تھا، اور اگر بلا ضرورت محض عجلت کے لئے ایسا کیا بُرا کیا تفریق جماعت کے مرتکب ہوئے اور وہ شرع مطہر کو سخت ناپسند ہے اور اگر خود اسی تفریق کی نیت سے اس کے مرتکب ہوئے تو ان پر اشد وبال اور تفریقًا بین المؤمنین کا صدق ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ بہرحال امام جماعت معینہ کو اعادہ جماعت کا ہر طرح حق تھا بحر الرائق و صورت اخیرہ تحصیل تو ضرور وہ پہلی جماعت مستحق رد و انکار تھی اور اگر بجائے وقت، وقت خش تھا کہ اس میں اور ظہر میں اعادہ گناہ روا ہے تو اس پر زد کا یہ اچھا طریقہ تھا کہ جو پڑھ چکے تھے وہ بھی دوبارہ شریک کئے جائیں کہ آئندہ عوام اس تفریق میں شرکت سے باز رہیں اور ایسی جگہ تہدید کو کہنا کہ ہماری مسجد میں نہ آئے جائے مواخذہ نہیں بلکہ اصل شرعی رکھتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا[2]۔ رواہ الامام احمد و اسحٰق بن راھویۃ و ابوبکر بن ابی شیبۃ و ابن ماجۃ و ابو یعلی والدارقطنی والحاکم وصححہ عن ابی ھریرۃ وفی الباب عن ابن عباس۔

جس کا ہاتھ پہنچتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہرگز ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔ اس کو امام احمد، اسحٰق بن راہویہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابن ماجہ، ابویعلی، دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا اور امام حاکم نے اس کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح قرار

---

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الصلوٰۃ فصل فی الامامۃ مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دارالسعادۃ مصر ۱/۸۵
[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب الاضاحی واجبۃ ام لا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲

رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ دیکھئے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے

وہی "ہماری مسجد" کا لفظ ہے اور وہی آنے سے ممانعت بلکہ "ہرگز" اور "پاس نہ آئے" وہ لفظ زائد ارشاد ہوئے ہیں یہاں "ہماری" سے اضافتِ ملک مراد نہیں ہوتی۔ ہاں اگر صورت صورتِ اولٰی تھی یعنی ان لوگوں کا پہلے پڑھ لینا بضرورت صحیحہ شرعیہ تھا اور زید کو اس پر اطلاع نہ تھی اس نے ان پر تفریقِ جماعت کا گمان کرکے ایسا کہا تو زید پر اس کہنے کا مواخذہ نہیں بلکہ بلاتحقیق مسلمانوں پر بدگمانی کی جس سے توبہ لازم ہے

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم[1]

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو زیادہ گمان سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ (ت)

اور اگر ان پر بدگمانی نہ کی مگر یہ خیال کہ مبادا عوام حقیقتِ امر سے غافل ہوکر کہیں تفریق کے عادی ہو جائیں تو یہ الزام بھی نہیں،

فانہ عامل دون تحفظھم، وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی[2]

کیونکہ اس نے تو محض مسلمانوں کے تحفظ کا ارادہ کیا اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

اس جماعت میں جو پہلے پڑھ کر شریک ہوئے یہ ان کے نفل ہوئے اور وہ متولی جس نے بکراہت اقتدا کی اور یہ خیال رہا کہ نہ کرتا تو بہتر تھا اس کی بھی نماز ہوگئی جبکہ نہ ابتداءً فقط شرم ولحاظ سے ظاہراً بے نیت اقتدا شریک ہوا ہو نہ بعد کو قطع اقتدا کی نیت کرلی ہو،

وذٰلک لانہ فعل لاترک فیعمل فیہ نیۃ القطع کالصلوۃ دون الصوم کما یظھر بمراجعۃ الاشباہ وغیرھا۔[3]

اور ایسا اس لئے ہے کہ بیشک یہ فعل ہے نہ کہ ترک تو اس میں نیت قطع عمل کرتی ہے جیسے نماز نہ کہ روزہ جیسا کہ اشباہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ (ت)

اس لئے کہ یہ لفظ کہ "نہ کرتا تو بہتر ہوتا" خود اس پر دلیل ہے کہ اقتدا کی اور اس پر مستمر رہا اگرچہ بکراہت جیسے فاسق کے پیچھے نماز کہ یہ اپنے زعم میں ان الفاظ کے سبب اسے مثل فاسق ہی سمجھتا تھا۔ احادیث کثیرہ صحیحہ میں ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۷ تا ۵۰

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

ثلثة لا ترفع صلاتهم فوق رؤوسهم شبرا رجل ام قوما وهم له کارهون[1] هذا لفظ ابن ماجة عن ابن عباس رضی الله عنهما بسند حسن۔

تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی، ایک وہ کہ کسی جماعت کی امامت کرے اور انھیں اس کی اقتدا ناگوار ہو (یہ لفظ امام ابن ماجہ کے ہیں انھوں نے اس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے روایت فرمایا۔ت)

تو ہاں اگر مقتدیوں کے دل میں کراہت ہے اور ناگواری کے ساتھ اس کے مقتدی ہوئے ان کی نماز میں نقص نہ فرمایا بلکہ امام کی نماز میں جب کہ ان کی کراہت بوجہ شرعی ہو ورنہ وبال ان پر ہے کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ت)

اقول وبالجملة النية هو القصد الجازم فاذا وجد وجدت وربما یقصد الانسان شیئا وهو له کاره وعنه نافر هذا نص علمائنا ان الارادة ترجح احد المتساویین بل ربما ترجح المرجوح لغرض یعلمه مع ان احدهما احسن فیقصد الی الاخری وقد قال الله تعالی کتب علیکم القتال وهو کره لکم[2]۔

اقول (میں کہتا ہوں) نیت قصد جازم کو کہتے ہیں، جب قصد جازم پایا گیا تو نیت پائی گئی بسا اوقات انسان کسی شئی کا قصد کرتا ہے حالانکہ وہ اسے ناگوار ہوتی ہے اسی بنا پر ہمارے علماء نے نص فرمائی کہ ارادہ دو مساوی چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہے بلکہ بعض دفعہ مرجوح کو ترجیح دیتا ہے اس غرض کے لئے جس کو وہ جانتا ہے حالانکہ ان میں سے ایک احسن ہے تو اس نے دوسرے کا ارادہ کرلیا اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ تم پر جہاد فرض کردیا گیا حالانکہ وہ تمہیں ناگوار ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱۹۱: از اٹاوہ بازار ہوم گنج دکان حاجی عبداللہ خان مرسلہ محمد خان صاحب ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد واقع محلہ چوکی کنواں اٹاوہ میں پیش دروازہ ایک اراضی ملک مسجد ایسی ہے کہ جس پر ٹال لکڑی رکھی جاتی ہے وہ شخص وارث علی وغیاث الدین اس کے متولی ہیں جنہوں نے اول چار سال کے واسطے کسی رحیم خاں کو ٹال رکھنے کے واسطے مبلغ سے ماہوار کرایہ پر

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلٰوۃ باب من ام قوما وہم لہ کارہون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۶

دی گئی جس کی میعاد منقضی ہوگئی پھر کرایہ اضافہ کرنے کے بابت رحیم خاں مذکور سے کہا گیا اس نے اضافہ کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور کہا جو اس سے زیادہ دے اس کو اراضی کرایہ پر دے دو حسن اتفاق سے ایک دوسرا شخص مسمی رحیم خاں لعہ ماہواری پر لینے کو آمادہ ہوا، دونوں متولیوں نے رحیم خاں ثانی کو لعہ ماہوار پر دو سال کے لئے کرایہ نامہ لکھا کر رجسٹری کرادی مگر سابق کرایہ دار نے ہنوز زمین کو خالی نہیں کیا جو جدید کرایہ دار کو اس پر قبضہ دیا جائے، غیاث الدین متولی ثانی کرایہ دار سابق کا ہم خیال ہوگیا ہے اور اس کا دلی مقصد یہ ہے کہ اراضی اسی کرایہ پر سابق کرایہ دار ہی کے پاس رہے، وارث علی متولی اول نے کچہری دیوانی اٹاوہ میں خالی کرانے اراضی مسجد کی نالش رحیم خاں سابق کرایہ دار پر دائر کردی ہے جس میں متولی ثانی نے شرکت سے قطعی انکار کردیا، ایسی صورت میں غیاث الدین متولی ثانی مذکور قابل متولی رہنے کے ہے یا نہیں، اور وارث علی متولی اول کا یہ فعل موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں اور رحیم خاں سابق قابل بے دخلی ہے یا نہیں، نیز مسجد کے نفع کے خیال سے لعہ ماہوار زمین اٹھانا متولی اول کی رائے کے موافق اولیٰ ہے یا سے ماہوار حسب رائے متولی ثانی کی، اور ایسی صورت میں کون کرایہ دار قابل ترجیح ہے مقدمہ چونکہ کچہری دیوانی میں زیر تجویز ہے، لہذا درخواست کی جاتی ہے جلد جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب

جبکہ رحیم خاں ثانی نے تین روپے ماہوار اضافہ کرکے دو سال کے لئے رجسٹری کرالی ظاہر ہو کہ وہ متعنت نہیں اور جبکہ غیاث الدین بھی اسے اجارہ دینے میں شریک تھا یہ اجارہ ضرور تام و نافذ ہوگیا اب غیاث الدین کو اس سے پھرنے کا کوئی استحقاق نہیں، رحیم خاں سابق کی بے دخلی واجب ہے غیاث الدین کہ اب اس کا طرفدار ہو کر وقف کا نقصان اور اس کا فائدہ چاہتا اور خود اپنی تمام شدہ کارروائی کو باطل کرنے کا خواستگار ہے تو اپنے ذاتی نفع کے لئے جو کچھ اضرار کرے تھوڑا ہے ایسا شخص امین نہ ہوگا بلکہ خائن، اور خائن کا معزول کرنا واجب اگرچہ خود واقف ہو۔ درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا بزازیة ولو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون[1]

خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائیگا (بزازیہ) اگرچہ وہ خود وقف کرنے والا ہو (درر) تو غیر واقف کو بصورت خیانت بدرجہ اولیٰ نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ہاں اگر کوئی وجہ معقول قابل قبول بیان کرے کہ ثانی کو کرایہ پر دینے میں وقف کا یہ ضرر ہے اگر مطابق ہے روپے کا نفع ہے مگر وہ ضرر شدید اس سے زیادہ ہے لہذا اب میں اس اجارہ کو فسخ کرنا چاہتا ہوں اور یہ امر ثابت ہو جائے تو اس پر الزام نہ رہے گا بلکہ اس کا خیال قابل پیروی ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۲ از علی گڑھ بازار موتی مسجد مرسلہ علی الدین سوداگر پارچہ ۲۹ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا پردہ نشین عورت کسی ایسے ولی کی درگاہ کی کہ جس کا سالانہ عرس اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے متولی ہو سکتی ہے؟ کیا پردہ نشین عورت کسی ایسے قبرستان کی کہ جس میں چند مساجد ہوں اور اس میں نماز پنجگانہ ادا ہوتی ہو تو متولی ہو سکتی ہے؟

الجواب

عورت بھی متولی اوقاف ہو سکتی ہے ذکورت شرط تولیت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۳ تا ۲۱۶ از جدوالی نینی تال مرسلہ عزیز الرحمن صاحب ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

(۱) نامزد شخص سود کے روپے سے روزگار کرنے والا اور ذاتی رنجش کی بنا پر موقوفہ آمدنی کو بے جا بلا قاعدہ صرف کرنے والا اور اوقاف کی آمدنی کے روپے کو اپنی تجارت میں خلاف قاعدہ انجمن شامل کرکے ذاتی فائدہ حاصل کرنے والا شخص اسلامیہ کا کوئی عہدہ دار یا منتظم یا امین ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) شخص مقروض معقول تعداد کا ہضم کرنے والا جو دیوالیہ ہو چکا ہے اور پابند صوم وصلٰوۃ بھی نہ ہو اور ضدی بھی امین یا اعلٰی عہدہ دار ہو سکتا ہے؟

(۳) انجمن اسلامیہ مذہبی خدمات کے واسطے کم از کم احتیاط کا شخص عہدہ دار یا منتظم یا امین یا اہل ہو سکتا ہے۔

(۴) اکثر علمائے ہند کے فتووں کے خلاف اور مقامی مسلمانان کے خلاف اپنے ذاتی نفع وخواہش واغراض کے لحاظ سے معبد گاہ یعنی مسجد کو زیب وزینت دے کر دیگر مذاہب کے اشخاص کو مدعو کرکے فرش مسجد پر مستقل جوتوں سے گزرتے ہوئے لے جاکر احاطہ مسجد میں جلسہ قرار دے کر اپنے محاسن کی حمد وثنا کرنا اور تالیاں بجا کر خوش وخرم ذکر کرنا اس قسم کے اعمال کے اشخاص انجمن اسلامیہ کے عہدہ دار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

(۱) نہیں، درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا ولو الواقف	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائیگا
فغیرہ اولٰی لو	اگرچہ وہ خود وقف کرنے والا ہو تو غیرہ وقف کو

غیر مامون[1] بصورتِ خیانت بدرجۂ اولیٰ نکال دینا واجب ہوگا۔

(۲) نذر قم ہضم کرنے والا امین ہوسکے نہ غیر پابند صوم و صلوۃ کو افسری مل سکے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا[2]

فاسق کو مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ مسلمانوں پر شرعًا اس کی توہین واجب ہے (ت)

(۳) سُنّی، ذی علم، پرہیزگار، دیندار، ہوشیار، کارگزار۔

(۴) ایسے اشخاص ادنیٰ عہدیدار بھی نہیں ہوسکتے کہ فاسق مجاہر و بیباک و جالبِ غضب رب الارباب ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتز لذلک العرش[3]

جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرشِ الٰہی ہل جاتا ہے۔

مدحِ فاسق پر یہ حال ہے مخالفانِ اسلام مشرکین ہنود (جن کے مناقب آج لیڈر پکارتے اور ان کی جے بولتے ہیں اور وہی مساجد میں زینتِ مجلس بلکہ منبر پر واعظِ مسلمین بنائے جارہے ہیں) ان کی جے پکارنے اور حمد گانے اور مسجد میں اس پر خوشی کی تالیاں بجانے پر اسلام بھی قائم رہنا دشوار ہے، انجمن اسلامیہ کی عہدہ داری تو درکنار [illegible] تنویر الابصار و درمختار وغیرہا میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا کفر ولو قال لمجوسی یااستاذ تبجیلا کفر[4]

اگر ذمی کافر کو مسلمان بطورِ تعظیم سلام کہے تو کافر ہوجائے گا اور مجوسی کو تعظیمًا کہا اے میرے استاذ تو کافر ہوگیا۔ (ت)

ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی قرآنِ عظیم نے ناجائز فرمایا:

واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آئے پر ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر ۱/۱۳۴

[3] شعب الایمان باب فی حفظ اللسان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۲۳۰

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۱

[5] القرآن الکریم ۶/۶۸

مسئلہ ۲۱۱: از بدایوں ۷ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک وقف عرصہ دراز سے چلا آتا ہے شرائط وحالات وقف کچھ معلوم نہیں ہیں بجز اس قدر کہ تولیت ہمیشہ سے ایک خاندان خاص میں بلالحاظ وراثت چلی آتی ہے متولی حال نے اپنے ایک اہل خاندان کو اپنا خلیفہ اور سجادہ نشین بنایا، اور بعد اپنے اپنا جانشین اور متولی قرار دیا، اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا باستحقاق وراثت دعویدار تولیت ہے درانحالیکہ اس کا باپ بحیثیت موقوف سے برطرف کیا جاچکا ہے اور اقرارنامہ لکھ چکا ہے کہ کبھی معاملات وقف میں دست اندازی نہ کرے گا نیز بھتیجہ مذکور متولی کو ضرر شدید پہنچانے میں سزایاب ہوچکا ہے اور باہم متولی اور اس کے بھتیجے کے وقت وفات متولی ایک سخت دشمنی اور عداوت تھی کیا شرعاً ایسا بھتیجا بحیثیت موقوف کا بمقابلہ جانشین نامزد شدہ کے متولی مقرر ہوگا یا متولی متوفی کا نامزد شدہ شخص مرجح ہوگا؟

الجواب

تولیت میں توریث جاری نہیں محض بربنائے وراثت ادعائے تولیت باطل ومردود ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

واعتقادھم ان خبز الاب لابنہ لا لغیرہ لما فیہ من تغییر حکم الشرع[1]۔ اور ان کا یہ اعتقاد مفید نہیں کہ باپ کی روٹی بیٹے کی ہے کیونکہ اس میں حکم شرع کی تبدیلی ہے۔ (ت)

متولی حال نے جسے اپنے بعد متولی کیا متولی ہوگیا اگر یہ وصیت مرض موت میں کی جب تو ظاہر ہے کہ وہ جانشین بعد موت متولی ہوگیا اور بلاوجہ شرعی کسی کو اس سے منازعت اصلاً جائز نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ھو او افوض فی مرض موتہ وان لم یکن المفوض لہ عاما لما فی الخانیۃ انہ بمنزلۃ الوصی وللوصی ان یوصی الی غیرہ[2] اھ۔ متولی نے اپنی مرض موت میں کسی دوسرے کو ولایت سونپ دی تو صحیح ہے اگرچہ اس کے لئے تفویض عام نہ ہو اس دلیل کی بنیاد پر جو خانیہ میں ہے کہ متولی بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کو وصیت کرے۔ (ت)

اور اگر اپنی حالت صحت میں کی اور قدیم سے اس وقف کے متولیوں میں اس کا دستور چلا آیا ہے کہ متولی

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[2] ردالمحتار " " " ۳/ ۴۱۱

اپنی حیات وصحت میں اپنے جانشین کو اپنے بعد متولی بنا لیتے ہیں اور وہ متولی ہوتا ہے جب بھی ظاہر ہے کہ یہی جانشین بشرط اہلیت شرعیہ متولی ہوگیا۔ دوسرا اس کی منازعت نہیں کرسکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الخیریۃ سئل شیخ الاسلام عن وقف مشہور اشتبہت مصارفہ، قال ینظر الی المعہود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف یعملون فیہ فیبنی علی ذلک[1]

ذخیرہ میں ہے شیخ الاسلام سے اس وقف مشہور کے بارے میں پوچھا گیا جس کے مصارف مشتبہ ہوگئے ہیں تو شیخ الاسلام نے فرمایا کہ قدیم زمانہ سے اس وقف کے بارے میں جو معمول چلا آرہا ہے اس پر نظر کی جائیگی کہ متولیان سابق اس میں کیا عملدرآمد کرتے تھے پس اسی پر بناء کی جائے گی۔ (ت)

اور اگر یہ معمول قدیم نہیں تو متولی کا اپنی صحت میں خود وقف سے جدا ہونا اور دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرنا ممنوع ہوتا کہ اس کے لئے اس کی اجازت جانب واقف سے بوجہ اشتباہ شرائط ثابت نہیں۔ درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان التفویض لہ عاما صح والا لا۔[2]

متولی نے ارادہ کیا کہ کسی اور شخص کو اپنی حیات وصحت میں اپنا قائم مقام کرے اگر اس کے لئے تفویض عام ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

مگر یہاں ایسا نہیں بلکہ اپنے بعد اس کے لئے وصیت تولیت کی ہے تو یہ مطلقاً ہر صورت میں جائز وصحیح ہونا چاہئے جب تک مخالف شرط نہ ہو کہ بوجہ عدم علم شرائط مخالفت شرائط واقف سے محفوظ ہے۔ وہی عبارت قاضیخاں للوصی ان یوصی الی غیرہ[3] (وصی کو اختیار ہے کہ کسی اور شخص کو وصیت کرے۔ ت) اس کے لئے کافی ہے،

وترک السابقین لا یدل علی شرط العدم بل علی عدم الشرط والمتبع العمل دون الترک الذی لیس من افعال المکلفین ولا مقصودا لہم[4]، کما فی

اور سابقین کا کسی چیز کو ترک کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کا نہ ہونا شرط ہے بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ہونا شرط نہیں اور اتباع عمل کی کی جاتی ہے نہ کہ ترک کی جو افعال مکلفین میں سے نہیں

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ٣/٤٠٢

[2] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ١/٣٨٩

[3] فتاوی قاضیخاں " فصل فی اجارۃ الاوقاف نولکشور لکھنؤ ٤/٧٣٣

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ١/٤٠

غض العیون وشتان ما الترک والکف ولم یثبت۔

اور نہ ہی ان کی قدرت میں ہے جیسا کہ غمز العیون میں ہے کہ کف یعنی رکنا ترک سے مختلف ہے، اور کف ثابت نہیں ہوا (بلکہ ترک ثابت ہوا ہے)۔ (ت)

بالجملہ پہلی دو صورتوں میں جانشین مذکور کی صحت تولیت اصلاً محل شبہ نہیں جبکہ شرعاً اس کا اہل ہو، اور تیسری صورت میں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس کی تولیت صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۴ از شہر محلہ چرخی ٹولہ مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب ۱۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک بزرگ نے اپنی حیات میں جائداد موقوفہ کا زید کو بذریعہ تملیک نامہ کے متولی کیا اور یہ لکھا کہ تاحیات یہ متولی رہے اور بعد اس کے جو متولی یا سجادہ نشین ہوئے اس کو بھی اسی تحریر کا کاربند رہنا چاہئے، در صورت خلاف ورزی کے یہ سے مریدین معززین اور جس کو مناسب سمجھیں مقرر کریں، ان بزرگ نے پردہ فرمایا اور بعد ایک زمانہ کے زید کا بھی انتقال ہو گیا اب زید کا لڑکا یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے باپ کا قائم مقام بنوں اور ان بزرگ کے وارثان شرعی یہ چاہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص ہونا چاہئے، تو ایسی صورت میں از روئے شرع شریف کے وارثان متولی کا حق ہے یا وارثان بزرگ کا، اور فقیر کی گدی پر وراثت کسی کی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ جائداد پہلے زبانی وقف ہو چکی تھی اس کی توثیق کے لئے یہ وقف نامہ لکھا گیا جسے غلطی یا ناواقفی سے تملیک نامہ لکھ دیا اس میں متولی مذکور کے بعد دوبارہ تولیت کسی شرط کی تصریح نہیں ہے، ایسی صورت میں وارثان متولی مذکور کا تولیت پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا، تولیت ترکہ نہیں کہ وارثوں میں تقسیم ہو بلکہ حتی الامکان وارثان وقف میں سے جو لائق ہو متولی کیا جائے گا اگر ان میں کوئی نہ ہو تو اہل رائے اہل علم مسلمانوں کے مشورہ سے کوئی دیندار ہوشیار کارگزار متولی کیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

(وما دام احد یصلح للتولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب) لانہ اشفق ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیھم[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

جب تک واقف کے اقارب میں سے کوئی ایک بھی تولیت کی صلاحیت والا موجود رہے گا اجنبی لوگوں میں سے کسی کو متولی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ واقف کا قریبی متولی وقف پر زیادہ شفقت کرنیوالا ہوگا کیونکہ اس کا مقصود یہ ہوگا کہ وقف کی نسبت اس کے خاندان کی طرف بنی رہے۔ واللہ تعالٰی علم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹

مسئلہ ۲۱۹: از ریاست رامپور شتر خانہ کہنہ احاطہ صابری مسئولہ واحد حسن صاحب ۶ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مزار کا زید متولی تھا مزار کی جائداد اراضی بھی خدمت مزار موصوف معاف ہے، زید کا صاحب مزار سے کوئی سلسلہ نسبی و سلسلہ طریقت کوئی تعلق نہیں تھا اب زید کا انتقال ہوگیا زید کا بیٹا عمرو جو بالکل خدمت مزار کا اہل نہیں ہے اور تمام جائداد کی آمدنی تغلب و تصرف کرلی ہے ایک حبہ صرف نہیں کیا تولیت کا خواستگار ہے۔ بکر یہ کہتا ہے کہ میں ان خدمات کا اہل ہوں اور صاحب مزار سے میرا سلسلہ طریقت اور میرے خاندان کا مزار ہے، عمرو نے اکثر سامان تلف کردیا، عمرو خبیث ہے اور خدمات انجام دینے کا اہل ہی نہیں ہے اور نہ مسلک درویشی عمرو کا ہے عند الشرع صورت مسئولہ میں ہر دو فریق میں سے کون لائق تولیت نہیں اور کس کے نام جائداد کا اندراج ہونا چاہئے؟ عند الشرع بکر کی اہلیت ثابت ہوچکی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیان مذکور اگر واقعی ہے تو عمرو تو کسی طرح متولی ہو ہی نہیں سکتا اگرچہ خود واقف نے اسے متولی کیا ہوتا بلکہ اگرچہ وہ خود ہی واقف ہوتا کہ وہ متغلب ہے۔ درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولٰی غیر مامون[1]

غیر امین متولی کو تولیت وقف سے وجوباً نکال دیا جائیگا اگرچہ وہ خود واقف ہو تو غیر واقف بدرجہ اولٰی نکال دیا جائے گا۔ (ت)

اور بکر اگرچہ اہل ہو خواستگار تولیت ہے اور خواستگار تولیت کو متولی نہیں کرسکتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ[2] رواہ احمد والشیخان وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ہم اپنے کام پر اس کے خواستگار کو ہرگز مقرر نہ کریں گے (اس کو امام احمد، شیخین، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

طالب التولیۃ لایولی الا المشروط لہ

طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا سوائے اس کے

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۰۱

النظر لانہ صولی خیرین بہ التحقیق[1] کہ واقف نے اس کو متولی بننے کی شرط کر دی ہو کیونکہ وہ واقف کی شرط کی وجہ سے متولی بن چکا ہے اور اب اس کے نفاذ کا طلبگار ہے (ت)

لہذا کوئی اور کہ ہر طرح اہل ہو تلاش کرکے متولی کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۳ از حیدر آباد دکن محلہ سلطان پور مسئولہ سید فصیح اللہ صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کیا متولی اور منتظم مساجد مساجد کے داخل و مخارج میں حسب خواہش بلا امتیاز طریق جائز و ناجائز بذات خود بلا مشاورت اہل اسلام دست تصرف دراز رکھ سکتے ہیں اور یقینی تغلب اور غبن فاحش کے باوجود مسلمانوں کی درخواست پر آمد و خرچ کے حساب کے عدم معائنہ کی بابت ان کا انکار و اعراض جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

متولی اور منتظم پر اتباع شرع و شرائط واقف ضروری ہے ان کے خلاف کسی فعل کا ان کو اختیار نہیں، اور اگر کریں تو مسلمانوں کو ان کی مزاحمت چاہیے، اور اگر خیانت یا ان کے باعث وقف پر ضرر ثابت ہو تو فوراً نکال دینے کا حکم۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون[2] خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائے گا اگرچہ خود واقف ہو اور غیر واقف ہو تو بدرجہ اولٰی نکال دیا جائے گا۔ (ت)

غبن و تغلب یقینی درکنار اگر مظنون بھی ہو تو مسلمانوں کو ان سے حساب سمجھنے کا حق پہنچتا ہے اور ان کا اعراض سخت قابل اعتراض۔ درمختار میں ہے:

لاتلزم المحاسبۃ فی کل عام ویکتفی القاضی منہ بالاجمال لو معروفا بالامانۃ ولو متھما یجبرہ علی التعیین شیئا فشیئا[3] متولی اگر امانت میں معروف ہو تو ہر سال تفصیلی محاسبہ اس پر لازم نہیں بلکہ قاضی اس سے اجمالی حساب طلب کرنے پر اکتفاء کرے گا اور اگر وہ متہم بالخیانت ہے تو قاضی اس کو ایک ایک شیئ کا تفصیلی حساب بتانے پر مجبور کرے گا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹
[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳
[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ " " " ۱/۳۹۲

صورت مذکورہ میں وہ مجبور کئے جائیں گے کہ تفصیل حساب دکھائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۲ تا ۲۲۸ از لشکرگاہ بنگلور ملک میسور مسئولہ چودھری محمد حسین برقصاب صاحبان مسجد اعظم ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند آدمی مل کر ایک زمین خرید کر بالاتفاق بہ نیت وقف اس پر مسجد آباد کریں، امام مؤذن بھی مقرر کرلیں۔ بارہ سال سب واقفین باہم متفق رہے، نماز جماعت وجمعہ وغیرہ میں شریک رہے، مسجد کے لئے اوقاف واسطے آمدنی کے بھی خرید کر مسجد کے نام واسطے محاصل کے دے چکے ان واقفوں میں سے ایک گروہ نے بارہ سال بعد مسجد دور ہونے کے باعث ایک علٰحدہ مسجد بھی فاصلہ بعید سے بنوالی اور دونوں مسجدوں میں شریک رہے خدمات اور خرچ بھی محاصل اور ذات سے خرچ کرتے رہے، وہ گروہ عرصہ ۲۵ سال سے ذاتی چندہ اس دوسری مسجد میں دیتے ہیں اور پہلی مسجد کے اوقاف بحال خود جاری ہیں اب یہ لوگ جو جدا ہوئے ہیں ان کو پہلی مسجد والے حقوق وقف سے علٰحدہ تصور کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم متولی اپنی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں، اور دوسری مسجد والے کہتے ہیں ہمارا حق ہے کہ ہم سب واقف ہیں اور تولیت کا اختیار سب واقفین کو ہے، اور دوسرے گروہ والے کہتے ہیں کہ تمہارا حق بسبب جدا ہونے اور الگ بنوانے مسجد کے نہیں رہا، سوال یہ ہے کہ پہلے واقفین کا حق ساقط ہے یا باقی؟

(۲) متولی کا مقرر کرنا مسجد کے لئے ضروریات سے ہے یا نہیں؟

(۳) ایک سے زیادہ متولی مقرر کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) جب واقفین میں اختلاف ہو بعض زید کو متولی کریں بعض عمرو کو، تو اکثر کو ترجیح ہے یا اقل کو اور بہ تقدیر مساوات کس کو اختیار نصب متولی کا ہے؟

(۵) واقف سے مراد زمین مسجد کا واقف مراد ہے یا آبادی کرنے والا اور عمارت بنوانے والا؟

(۶) قوم کو نصب امام ومؤذن وآبادی مسجد وغیرہ کا اختیار ہے یا واقفین کو؟

(۷) واقفین کے لئے ضرور ہے کہ ہمیشہ علٰحدہ آمد اور قابض اپنے موقوف پر رہیں یا قبضہ چھوڑنے سے حق وقفیت ساقط ہوجاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) جب ان سب نے مل کر وہ مسجد بنائی سب اس کے واقف ہوئے جو حقوق کہ واقف کے ہیں سب کے لئے ہیں ایک فریق کے مسجد بنالینے سے پہلے کا حق زائل نہ ہوا یہ محض ظلم ہے۔

(۲) مسجد کے لئے متولی کا مقرر کرنا کچھ ضرور نہیں البتہ اوقاف کے لئے ضروری ہے۔

(۳) متولی متعدد بھی ہوسکتے ہیں وہ سب مل کر کام کریں گے ہر ایک مستقل نہ ہوگا۔

(۴) فقیر اس وقت کتابوں سے دُور حالتِ سفر میں ہے جزئیہ پیشِ نظر نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں زید و عمرو دونوں متولی ہوجائیں گے اور مل کر کام کریں گے کہ نصبِ متولی کی ولایت واقف کو ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

ولایة نصب القیم الی الواقف[1]

متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو ہے (ت)

اور وہ سب واقف ہیں اور نصبِ متولی متجزی نہیں تو ہر ایک کو اختیار کامل ہے تو دونوں متولی ہوجائیں گے
اشباہ والنظائر میں ہے:

ماثبت لجماعة فهو بینهم علی سبیل الاشتراك الا فی مسائل الاولی ولایة الانکاح للصغیر والصغیرة ثابتة للاولیاء علی سبیل الکمال لکل (الی ان قال) والضابط ان الحق اذا کان مما لایتجزی فانه یثبت لکل علی الکمال فالاستخدام فی المملوك مما لایتجزی[2]

جو چیز جماعت کے لئے ثابت ہو وہ ان سب میں مشترک طور پر ہوتی ہے سوائے چند مسائل کے جن میں سے پہلا مسئلہ نابالغ و نابالغہ کے نکاح کی ولایت کا ہے کہ وُہ اولیاء میں سے ہر ایک کے لئے کامل طور پر ثابت ہوتی ہے (صاحبِ اشباہ کے اس قول تک کہ فرمایا) ضابطہ یہ ہے جیسا کہ جو حق ناقابلِ تجزی ہو وہ ہر ایک کے لئے بطورِ کمال ثابت ہوتا ہے اور مملوک سے خدمت لینے کا حق ناقابلِ تجزی ہے (ت)

(۵) اصل مسجد زمین ہے تو زمین کا واقف اصل مسجد کا واقف ہے اور جس نے اس میں عمارت بنا کر وقف کی وہ بنا کا واقف ہے اور بنا اگرچہ وصف ہے اس کے لئے حکمِ جز ہے تو وہ بھی وقفِ مسجد میں شریک ہے۔

(۶) عمارت و مرمتِ مسجد کا اختیار واقفین کو ہے اور انہیں کے امام و مؤذن مقرر کئے ہوئے اولیٰ ہیں مگر یہ کہ جن کو قوم مقرر کرے وُہ شرعاً مرجح ہوں تو انہیں کو ترجیح ہوگی۔ درمختار میں ہے:

البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الا اذا عین القوم اصلح ممن عینه البانی[3]

قولِ مختار کے مطابق مسجد کا بانی امام و مؤذن کے تقرر میں بنسبت قوم کے اولیٰ ہے سوائے اس کے کہ قوم کا مقرر کردہ امام و مؤذن بانی کے مقرر کردہ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹
[2] الاشباہ والنظائر کتاب النکاح الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۲۴ تا ۲۲۶
[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰

(۷) واقف کے لئے وقف پر ہمیشہ قابض رہنا ضرور نہیں بارہا واقف دوسرے کو متولی کرتا ہے قبضہ متولی کا رہتا ہے مگر حقِ واقف ساقط نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۲: از بڑودہ ناگرواڑہ گجرات مرسلہ یوسف علی خاں صاحب بہادر صدر انجمن اہلسنت وجماعت ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہلسنت وجماعت کو یہ جائز ہے کہ روافض کو جامع مسجد یا غیر مساجد کا متولی اور متصرف بنائیں اور ان کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کریں اور جو مسلمان ایسا کریں ان کے لئے ازروئے شرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اہلسنت کی کسی مسجد خصوصاً مسجد جامع کا متولی رافضی کو کرنا شریعت مطہرہ و قرآن عظیم و احادیث و فقہ حنفی کی رُو سے اصلاً کسی طرح جائز نہیں حرام قطعی ہے۔

(۱) یہ روافض نہ اہل قبلہ ہیں نہ مسلمان بلکہ بالیقین کفار مرتدین ہیں، ردالرفضہ میں بکثرت کتب معتمدہ حنفی وعقائد اہلسنت سے ان کے کافر مرتد ہونے کے روشن ثبوت دئے ہیں۔ بدائع امام ملک العلماء و فتاوٰی امام طاہر عبدالرشید و شرح الکنز امام فخرالدین زیلعی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

وهذا نصه قال المرغيناني تجوز الصلوة خلف صاحب هوى وبدعة ولا تجوز خلف الرافضي والجهمي والقدري والمشبهة ومن يقول بخلق القرآن وحاصله ان كان هوى لا يكفر به صاحبه تجوز الصلوة خلفه مع الكراهة والا فلا هكذا في التبيين والخلاصة وهو الصحيح هكذا في البدائع[۱]۔

یعنی امام مرغینانی صاحب ہدایہ نے فرمایا بدمذہب بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے اور رافضی و جہمی و قدری اور مشبہہ اور وہ جو قرآن عظیم کو مخلوق مانتے ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور حاصل یہ ہے کہ جس میں ایسی بدمذہبی ہو جس کے سبب اسے کافر کہا جائے اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہے جیسے رافضی وغیرہ مذکورین کہ سب کافر ہیں اس کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں، ایسا ہی تبیین الحقائق اور فتاوٰی خلاصہ میں ہے اور یہی صحیح ہے ایسا ہی بدائع میں ہے۔ (ت)

نیز فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

---

[۱] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۴

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما العیاذ باللہ فهو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ تعالٰی وجهه علی ابی بکر رضی اللہ عنه لایکون کافرا الا انه مبتدع[1]

رافضی اگر صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کو معاذاللہ برا کہتا اور تبرا بکتا ہو تو وہ کافر ہے اور اگر صدیق اکبر سے مولٰی علی کو فقط افضل کہتا ہو تو کافر نہ ہوگا مگر گمراہ ہے۔ (ت)

فتاوٰی بزازیہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفارهم باکفار عثمٰن وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی اللہ عنهم[2]

یعنی جو لوگ حضرت عثمان و علی و طلحہ و زبیر و عائشہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں واجب ہے کہ ہم ان کافر کہنے والوں کو کافر کہیں۔

فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبقولهم فی خروج امام باطن (الی قوله) وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین[3]

یعنی رافضیوں کو کافر کہنا واجب ہے ان کے اس قول میں کہ اموات دنیا کی طرف لوٹیں گے اور اس قول میں کہ ایک چھپا ہوا امام نکلے گا اور یہ لوگ ملت اسلام سے خارج ہیں اور ان کے وہی حکم ہیں جو مرتدوں کے ہوتے ہیں۔

شرح مقاصد و شرح تحریر الاصول و ردالمحتار علی الدرالمختار وغیرہا میں ہے:

اهل القبلة معناه الذین اتفقوا علی ما هو من ضروریات الاسلام واختلفوا فی اصول سواه ولا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد شیء من موجبات الکفر[4] اھ مختصرا

یعنی اہل قبلہ کے یہ معنی ہیں کہ جو تمام ضروریات دین کو مانتا ہو اور ان کے سوا بعض عقائد میں خلاف رکھتا ہو ورنہ اس میں کچھ خلاف نہیں کہ جس اہل قبلہ سے کوئی موجب کفر صادر ہو وہ کافر ہے اگرچہ تمام عبادتوں پر مداومت کرے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴

[2] " " " " " " " " " "

[3] " " " " " " " " " "

[4] شرح المقاصد المبحث السابع فی حکم مخالف الحق من اہل القبلہ دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/۲۶۹

شرح فقہ اکبر علی قاری میں ہے:

لا یخفی ان المراد بقول علمائنا لا تجوز تکفیر اھل القبلۃ بذنب لیس مجرد التوجہ الی القبلۃ فان الغلاۃ من الروافض و ان صلوا الی القبلۃ لیسوا بمومنین[1]

یعنی پوشیدہ نہیں کہ ہمارے علماء کے اس قول میں کہ اہل قبلہ کو کسی گناہ کے سبب کافر کہنا جائز نہیں فقط نماز میں قبلہ کو منہ کرلینا مراد نہیں کہ غالی رافضی اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں بلاشبہ کافر ہیں۔

اور مساجد اہلسنت خصوصاً مسجد جامع کا اسے متولی کرنا اور مسلمانوں کے ایسے عظیم دینی تصرفات اس کے ہاتھ میں رکھنا اس کی عظیم تعظیم ہے اور اس کی تعظیم سخت حرام ہے بلکہ بحکم فقہائے کرام کفر ہے تبیین الحقائق و طحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اھانتہ شرعا[2]

اس لئے کہ اسے آگے بنانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شریعت میں اس کی توہین واجب ہے۔

فتاوٰی ظہیریہ و الاشباہ والنظائر و درمختار میں ہے: تبجیل الکافر کفر[3] کافر کی تعظیم کفر ہے۔

(۴) اس میں اسے مسلمانوں پر ایک افسر دینا ہے اور یہ حرام ہے فتح القدیر و درمختار وغیرہما میں ہے:

یمنع من استکتاب ومباشرۃ یکون بہا معظما عند المسلمین[4]

یعنی ذمی کافر کو بھی منشی بنانا یا اور کوئی ایسا عمل سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو جائز نہیں۔

حاوی قدسی و بحرالرائق و درمختار میں ہے:

والحاصل انہ ینبغی ان یلازم الصغار فیما یکون بینہ وبین المسلمین فی کل شیئ وعلیہ فیمنع من القعود حال قیام المسلم عندہ بحر ویحرم تعظیمہ[5]

یعنی کافر اور مسلمان کے ہر معاملہ میں کافر کو دبا ہوا ذلیل رکھنا چاہئے، مسلمان کھڑا ہو تو اسے بیٹھنے نہ دیں، ایسا ہی بحر میں ہے اور اس کی تعظیم حرام ہے۔

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر مطلب یجب معرفۃ المکفرات الاجتناب عنہا مصطفی البابی مصر ص ٩٢
[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ١/٣٤
[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ٢/٢٥١
[4] " کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ " " " ١/٣٥٢
[5] " " " " " " "

(۴) مساجد و اوقاف کا متولی بنانا کیسے عظیم دینی کاموں میں ان سے استعانت ہے اور یہ ان تصریحات جلیلہ پارۂ المحجۃ المؤتمنہ میں مذکور ہوئیں حرام ہے، قرآن عظیم فرماتا ہے:

لا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا[1]

غیروں میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ نہ مددگار۔

تفسیر ارشاد العقل السلیم علامہ ابو سعود عمادی و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں ہے:

نھوا عن موالاتھم لقرابۃ اوصداقۃ جاھلیۃ ونحوھما من اسباب المصادقۃ والمعاشرۃ وعن الاستعانۃ بھم فی الغزو وسائر الامور الدینیۃ[2]

یعنی مسلمان منع کیے گئے کافروں کی دوستی سے خواہ وہ رشتہ داری کے سبب ہو یا اسلام سے پہلے کے یارانے خواہ یاری اور میل جول کے اور کسی سبب سے اور منع کیے گئے اس سے کہ جہاد یا کسی دینی کام میں کافروں سے استعانت کریں۔

(۴) عقیلی و ابن حبان وغیرہما کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

سیاتی قوم لھم نبز یقال لھم الرافضۃ لا یشھدون جمعۃ ولا جماعۃ ویطعنون علی السلف فلا تجالسوا[3]

عنقریب کچھ لوگ آئیں گے ان کا ایک بدلقب ہوگا انھیں رافضی کہا جائے گا نہ جمعہ میں حاضر ہوں گے نہ جماعت میں، اور سلف صالح کو برا کہیں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ کھانا پینا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

لان مجالسۃ الاغیار تجر الی غایۃ البوار ونھایۃ الخسار[4]

اس لیے کہ غیروں کے پاس بیٹھنا حد درجہ کی بربادی اور انتہا درجہ کے نقصان کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

جب ان کے پاس بیٹھنا ہی بربادی ہے تو انھیں مساجد و اوقاف کا متولی کرنا کس درجہ کس قدر عظیم تباہی ہے۔

(۵) مسلمانوں کا ایسا عظیم کام اس کے سپرد کرنے میں اسے رازدار و دخیل کار بنانا ہے اور یہ حرام ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۹

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ ۴/ ۸۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳
الفتوحات الالٰہیۃ الشہیر بالجمل " " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵۷

[3] العلل المتناہیۃ حدیث ۲۵۷ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۶۲ و الضعفاء الکبیر حدیث ۱۵۳ ۱/ ۱۲۶

[4] مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان تحت حدیث ۱۰۷ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۳۰۹

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ام حسبتم ان تترکوا ولما یعلم اللّٰہ الذین جاھدوا منکم ولم یتخذوا من دون اللّٰہ ولا رسولہ ولا المؤمنین ولیجۃ ط واللّٰہ خبیر بما تعملون [1]

کیا اس گمان میں ہو کہ یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے اور ابھی وہ لوگ علانیہ ظاہر نہ ہوئے جو تم میں سے راہ خدا میں پوری کوشش کریں اور اللہ و رسول و مسلمین کے سوا کسی کو اپنا رازدار و دخیل کار نہ بنائیں اور اللہ تمھارے کاموں سے خبردار ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

نھی اللّٰہ تعالٰی المؤمنین ان یتخذوا بطانۃ من غیر المؤمنین فیکون ذلک نھیا عن جمیع الکفار، ومما یؤکد ذلک انہ قیل لعمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ھھنا رجل من اھل الحیرۃ نصرانی لا یعرف اقوی حفظا ولا احسن خطا منہ، فلو رأیت ان تتخذہ کاتبا فامتنع عمر من ذلک وقال اذا اتخذت بطانۃ من غیر المؤمنین [2]

یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ غیر مسلم کو اپنا رازدار نہ بناؤ تو یہ تمام کفار سے ممانعت ہے اور تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ شہر حیرہ میں ایک نصرانی ہے اس کا سا حافظ اور عمدہ خط کسی کا معلوم نہیں حضور کی رائے ہو تو ہم اسے محرر بنالیں، امیر المومنین نے اسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ایسا ہو تو میں غیر مسلم کو رازدار بنانے والا ٹھہروں گا۔

تفسیر لباب التاویل وغیرہ پارہ ۶ میں ہے:

روی ان ابا موسی الاشعری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال قلت لعمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان لی کاتبا نصرانیا فقال مالک ولہ قاتلک اللّٰہ الا اتخذت حنیفا یعنی مسلما اما سمعت قول اللّٰہ

یعنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ میں نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے عرض کی میرا ایک محرر نصرانی ہے، فرمایا تمھیں اس سے کیا علاقہ خدا تم سے سمجھے کیوں نہ کسی مسلمان کو محرر بنایا کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا کہ اے ایمان والو

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۶

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۳/ ۱۱۸ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۸/ ۲۱۰

عزوجل یایھا الذین امنوا لاتتخذوا الیھود والنصٰرٰی اولیاء، قلت له دینه ولی کتابته قال لا اکرمھم اذ اھانھم الله ولا اعزھم اذ اذلھم الله ولا ادنیھم اذ ابعدھم الله قلت لایتم امر البصرۃ الا به فقال مات النصرانی والسلام یعنی ھب انه مات فما تصنع بعد موته فاصنعه الاٰن واستغن عنه بغیره من المسلمین[1]۔

یہود و نصارٰی کو یار نہ بناؤ۔ میں نے عرض کی اس کا دین اس کے لئے ہے مجھے اس کی محرری سے کام ہے۔ فرمایا میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا جبکہ انھیں اللہ نے خوار کیا، نہ انھیں عزت دوں گا جبکہ اللہ نے انھیں ذلیل کیا، نہ ان کو قرب دوں گا جبکہ اللہ نے انھیں دور کیا۔ میں نے عرض کی بصرہ کا کام بے اس کے پورا نہ ہوگا۔ فرمایا مرگیا نصرانی، یعنی فرض کرلو کہ وہ مرگیا اس کے بعد کیا کروگے جو جب کروگے اب کرو اور کسی مسلمان کو مقرر کرکے اس سے بے پروا ہوجاؤ۔

شرح سیر کبیر پھر ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

به ناخذ فان الوالی ممنوع من ان یتخذ کاتبا من غیر المسلمین لقوله تعالٰی لاتتخذوا بطانة من دونکم[2]۔

ہم امیر المومنین کے اسی ارشاد پر فتوٰی دیتے ہیں بیشک والی کو جائز نہیں کہ کسی کافر کو محرر بنائے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اپنے سوا اوروں کو رازدار نہ بناؤ۔

سبحٰن اللہ! جب ان کو محرر تک بنانا ناجائز و خلاف قرآن عظیم ہے تو مساجد مسلمین ان کے ہاتھ میں سپرد کرنا اور ان کا عظیم منصب دینا کس درجہ سخت حرام ہونا لازم۔

(۶) متولی کرنا حرام ہے اگرچہ کیسا ہی امین و خیرخواہ ہو، یہاں تک کہ خود واقف پر اگر اطمینان نہ ہو وقف سے اسے باہر نکال دینا واجب ہے۔ اسعاف فی احکام الاوقاف میں ہے:

لایولی الا امین لان الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود[3]۔

متولی نہ کیا جائے مگر جس پر پورا اطمینان ہو کہ ولایت میں وقف کا فائدہ دیکھنے کی شرط ہے اور جس پر اطمینان نہ ہو اس کا متولی کرنا رعایت فائدہ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا کہ وہ اصل مقصود ہی میں خلل ڈالتا ہے۔

---

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳-۶۲

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۰

[3] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف فی احکام الاوقاف کتاب الوقف " " " ۳/ ۳۸۵

فتاوٰی بزازیہ و درر وغرر و تنویر الابصار و درمختار وغیرہا میں ہے :

ینزع وجوبا لو الواقف فغیرہ اولٰی غیر مامون۔[۱]

یعنی اگر خود واقف قابلِ اطمینان نہ ہو تو اسے نکال دینا واجب، پھر دوسرے کا کیا ذکر۔

اور قرآن عظیم شاہد ہے کہ غیر مسلم ہرگز کسی معاملہ کا خیر خواہ نہ ہوگا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے :

یایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا بطانۃ من دونکم لایألونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر قد بیّنا لکم الاٰیٰت ان کنتم تعقلون۔[۲]

اے ایمان والو اپنے غیروں سے کسی کو رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے تمہارا مشقت میں پڑنا، دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہوچکی ہے اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہے وہ بڑی ہے، ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں صاف بیان فرمادیں اگر تمہیں عقل ہو۔

(۷) تنویر الابصار وغیرہ متون میں ہے : العاشر حر مسلم[۳] یعنی عشر تحصیل کرنے والے کی تعریف میں آزاد اور مسلمان ہونا داخل ہے۔ غایۃ البیان امام اتقانی شرح ہدایہ و بحر الرائق شرح کنز الدقائق و ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے :

لایصح ان یکون کافرا لانہ لایلی علی المسلم بالاٰیۃ۔[۴]

یعنی تحصیلِ عشر پر کسی کافر کا مقرر کرنا باطل محض ہے کہ بنصِ قرآن اسے کسی مسلم پر کوئی اختیار نہیں مل سکتا۔

عشر لینے والا راستوں پر مقرر کیا جاتا ہے کہ تاجروں سے عشر تحصیلے، راہ کی حفاظت کرے، جیسے بلاتشبیہ یہاں چونگی کا محرر اور راستوں کی چوکی کا پولیس مین، جب اتنی خفیف دنیوی خدمت پر انھیں مقرر کرنا اصلاً درست نہیں تو ایسے عظیم دینی کام پر تقرر کیونکر ممکن۔

(۸) اب جزم صریح تصریحیں لیجئے۔ درمختار میں ہے :

بھذا یعلم حرمۃ تولیۃ الیھود علی الاعمال۔[۵]

یہاں سے معلوم ہوا کہ اسلامی کاموں پر یہودی (یعنی کسی کافر) کا متولی کرنا حرام ہے۔

---

[۱] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

[۲] القرآن الکریم ۳/۱۱۸

[۳] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹

[۴] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۸

[۵] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۶

بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

لاشک فی حرمۃ ذٰلک[1]

اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔

شامی میں ہے:

ای لان فی ذٰلک تعظیمہ وقد نصوا علی حرمۃ تعظیمہ[2]

یعنی اس لئے کہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور بیشک ائمہ دین نے تصریحیں فرمائیں کہ کافر کی تعظیم حرام ہے۔

شرنبلالیہ علی الدرر پھر ردالمحتار میں ہے:

علم مما ذکرنا حرمۃ تولیۃ الفسقۃ فضلا عن الیہود والکفرۃ[3]

یعنی جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ فاسق کو متولی کرنا حرام ہے چہ جائیکہ یہودی و دیگر کفار۔

(۹) تمام عبارات وہ تھیں کہ یہاں تک مذکور ہوئے مطلقاً ہر کافر میں ہیں اگرچہ کافر ذمی ہو جو سلطنت اسلامیہ میں فرمانبردار و جزیہ گزار ہو کر رہتا ہے اور اکثر معاملات میں اس کا حکم مسلمانوں کا سا رکھا گیا ہے نہ کہ حربی جس سے انقطاع کلی کا حکم ہے اور امان سے کبھی دارالاسلام میں سال بھر تک رہ ہی نہیں سکتا کہ مرتد جسے سلطان اسلام فوراً قتل کرے گا اور اگر غور کے لئے مہلت مانگے تو تین دن کی مہلت دے گا اور ان میں بھی قید ہی رکھے گا قتل کس وقت کرے گا۔ تنویر الابصار میں ہے:

لایمکن حربی مستامن فینا سنۃ[4]

حربی مستامن ہمارے درمیان ایک سال نہیں ٹھہر سکتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

من ارتد عرض الحاکم علیہ الاسلام وتکشف شبہتہ ویحبس وجوبا ثلثۃ ایام ان طلب المہلۃ والاقتلہ من ساعتہ الا اذا رجی

جو مرتد ہو جائے حاکم اس پر اسلام پیش کرے گا اور اس کے شبہہ کا ازالہ کرے گا اگر وہ مہلت طلب کرے تو لازمی طور پر تین دن قید رکھا جائے گا ورنہ حاکم اسلام اسی وقت اس کو قتل کر دے گا سوائے

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۸

[2] " " " " " ۲/۳۸

[3] " " " " " ۲/۳۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الجہاد فصل فی استیمان الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۶

اسلامہ بل الحر[1] اس کے کہ اس کے اسلام کی امید ہو، بدائع۔ (ت)

عبارتِ ردالمحتار یشترط لصحۃ بلوغہ وعقلہ لاحریتہ واسلامہ صراحۃ[2] (صحتِ تولیت کے لئے بلوغ اور عقل شرط ہے حریت اور صراحۃً مسلمان ہونا شرط نہیں۔ ت) خاص دربارۂ ذمی ہے یعنی متولی ہو سکنے کے لئے اسلام شرط نہیں کہ کافر ذمی بھی اگر متولی کیا جائے گا ہو جائے گا نہ یہ کہ کوئی کافر کیسا ہی متولی ہو سکتا ہے، اس عبارت کے متصل ہی خود اس میں اس کی سند یہ لکھی،

لما فی الاسعاف لو اوصی الی صبی تبطل فی القیاس مطلقا وفی الاستحسان ھی باطلۃ مادام صغیرا ولو کان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا، ثم الذمی فی الحکم کالعبد فلو اخرجھما القاضی ثم عتق العبد واسلم الذمی لاتعود الیھما اھ بحر ونحوہ فی النھر[3]

یعنی اسلام شرط نہ ہونے کی سند وہ ہے جو اسعاف میں فرمایا کہ اگر کسی نابالغ کو وصی کیا تو قیاس میں مطلقاً باطل ہے، اور استحسان یہ ہے کہ جب تک نابالغ رہے تب تک باطل ہے اور اگر غلام ہو تو قیاس واستحسان دونوں میں صحیح ہے اور حکم میں ذمی مثل غلام ہے پھر اگر حاکم نے انہیں وصایت سے نکال دیا اور اس کے بعد غلام آزاد ہوا اور ذمی اسلام لے آیا تو وصی نہ ہوجائیں گے یہ بحر میں ہے اور اسی کے مثل نہر میں

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے،

لاتشترط الحریۃ والاسلام للصحۃ لما فی الاسعاف ولو کان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا والذمی فی الحکم کالعبد فلو اخرجھما القاضی ثم عتق العبد واسلم الذمی لایعود الولایۃ الیھما کذا فی البحر الرائق[4]

یعنی متولی ہو سکنے کے لئے آزادی واسلام اس سند سے شرط نہیں کہ اسعاف میں فرمایا کہ اگر غلام ہو تو قیاس واستحسان دونوں میں اس کی وصایت ممکن ہے اور حکم میں ذمی بھی غلام کے مثل ہے اور اگر قاضی نے انہیں نکال دیا پھر غلام آزاد اور ذمی مسلمان ہوا تو اس سے وصایت ان کی طرف عود نہ کرے گی، ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔

دیکھو صراحۃً کلام کافر ذمی میں ہے اور مرتد ہرگز اس کی مثل نہیں وہ سب کافروں سے بدتر ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۵-۵۶

[2] و [3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۸

اشباہ و نظائر میں ہے:

المرتد اقبح کفرا من الکافر الاصلی[1] یعنی مرتد کفر میں کافر اصلی سے بدتر ہے۔

شرطِ اسلام نہ ہونے سے ایک قسم کے کافر کا کسی ایک صورت میں متولی بن سکنا کافی ہے نہ کہ شرطیت اسلام جبھی نہ ہوگی کہ ہر قسم کا کافر متولی بن سکے کما لا یخفی و نافی عجب چیز ہے پھر صحت کے لئے شرط نہ ہونے سے اتنا ہی تو ہوا کہ بن سکنا محتمل ہے نہ یہ کہ اسے متولی بنانا جائز و حلال ہے۔ ابھی ابھی اسی ردالمحتار و دیگر معتمدات سے صاف تصریحیں گزریں کہ کسی کافر کو متولی بنانا مطلقاً حرام ہے اور اسی میں کلام ہے۔ جو امر ہمارے دین میں حرام ہے اسے روا رکھنا صریح مذہبی دست اندازی و بدخواہی اسلام ہے۔

(١٠) پھر یہ بھی اس حالت میں ہے کہ اس کے ذمہ صرف نگہداشت یا ضروری اشیاء کی خرید و فروخت حساب کی نگہداشت ہو کسی مسلمان پر اسے کوئی اختیار نہ دیا گیا ہو اس صورت میں متولی اگرچہ ہو سکے گا مگر کرنا حرام ہے۔ ردالمحتار کی عبارت مذکورہ اسی صورت سے متعلق ہے اور اگر اسے کوئی اختیار دیا جائے مثلاً امام یا مؤذن یا فراش یا اور کسی ملازم کی برطرفی یا بحالی یا اضافہ یا کمی یا رخصت یا معطلی میں کچھ دخل رہے تو اس کی تولیت نہ صرف حرام بلکہ باطل محض ہے ہو سکتی ہی نہیں جیسا کہ ابھی ابھی ردالمحتار و بحرالرائق و غایۃ البیان سے گزرا اور انہیں کتابوں میں اس پر اس آیہ کریمہ سے دلیل لائے:

لن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا[2] یعنی شریعت الہیہ ہرگز کسی کافر کو کسی مسلمان پر کوئی اختیار نہ دے گی

بالجملہ رافضی کو مسجد خواہ کسی وقف کا ذی اختیار متولی کرنا جس سے کسی مسلمان ملازم وغیرہ پر اسے کوئی اختیار ملے یہ تو ممکن ہی نہیں اگر کیا جائے نہ ہو سکے گا اور اس کی تولیت باطل محض ہوگی اور محض بے اختیار متولی کیا جائے یہ بھی کم از کم قطعاً حرام اور مذہبی دست اندازی و بدخواہی اسلام ہے۔ بالفرض عند اگر رافضی کافر نہ بھی ہوتا تو بحرِ فاسق عمل سے تو یقیناً بدتر ہے کما نص علیہ فی الغنیۃ شرح المنیۃ، اور ابھی شرنبلالیہ و ردالمحتار سے گزرا کہ فاسق کا متولی کرنا بھی حرام ہے۔ یہ ہے مسئلہ کی تحقیق و باللہ التوفیق۔

(١١) روافض کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کرنا ہرگز جائز نہیں کہ جب وہ شرعاً مسلمان ہی نہیں تو وہ نہ اہلِ عبادت ہیں نہ ان کی نماز نماز کہ عبادت کی پہلی شرط اسلام ہے اور جب ان کی نماز باطل محض ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ١/٢٩١

[2] القرآن الکریم ٤/١٤١

تو انھیں شریک کرنا صف کا قطع کرنا ہوگا کہ غیر نمازی صف میں گڑھا ہے اور صف کا قطع کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قطع صفا قطعه الله[1]۔ رواہ النسائی والحاکم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند صحیح۔

جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کر دے۔ اس کو امام نسائی اور امام حاکم نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

رافضیوں کے بارے میں حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بتخریج عقیلی و ابن حبان گزری اس کی روایت ابن حبان میں ہے:

ولا تصلوا علیہم ولا تصلوا معہم[2]

نہ رافضیوں کے جنازے کی نماز پڑھو نہ رافضی کے ساتھ نماز پڑھو۔

(۱۲) جو لوگ ان احکام شرعیہ کی مخالفت کریں، رافضی کو متولی بنائیں یا اسے نماز میں داخل کریں صراحۃً شریعت کے بدلنے والے اور احکام الٰہی کے خلاف چلنے والے اور مستحق تعزیر شدید و عذاب مدید ہیں یہ بھی جب کہ ان روافض کے عقائد پر مطلع ہو کر انھیں کافر جانیں اور براہ خباثت نفس اپنے کسی دنیوی علاقے کے سبب ان امور کے مرتکب ہوں ورنہ ایسی حالت میں اگر یہ مسلمان بھی ہیں تو خود ہرگز مسلمان نہ رہیں گے۔ بزازیہ و ذخیرۃ العقبٰی و مجمع الانہر و درمختار وغیرہ میں ہے:

من شك فی عذابه وكفره فقد كفر[3] والعیاذ باللہ تعالٰی۔

جو ان کے عذاب اور کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

تنبیہہ: یہ احکام کہ ہم نے لکھے یعنی مسجد خواہ کسی وقف کا اُن ذی اختیار متولی اصلاً نہ ہو سکنا اور غیر ذی اختیار متولی کرنا بھی حرام ہونا اور اسلامی کسی کام میں انھیں دخل دینا باطل و مردود ہونا اور نماز میں انھیں داخل کرنے کی تحریم اور یہ کہ ان کی نماز نماز نہیں، یونہی جملہ احکام ارتداد کہ ان کے تمام اعمال حبط اور ان کے نکاح باطل و فسخ، اور یہ کہ جہان بھر میں کسی سے ایسے عقیدہ کے مرد یا عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ مرتد سے، جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا، اور یہ کہ وہ اپنے کسی مورث کے اصلاً وارث نہیں ہو سکتے اگرچہ ان کا باپ یا بیٹا ہو اور یہ کہ انھیں کسی بالغ یا نابالغ

[1] سنن النسائی کتاب الامامۃ والجماعۃ باب من وصل صفا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۱
[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن انس ؓ حدیث ۲۹-۳۲۵۲۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۴۰
[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

پر اگرچہ ان کی اولاد ہو کوئی ولایت نکاح وغیرہ کی نہیں ہو سکتی اور یہ کہ ان سے میل جول حرام اور یہ کہ ان کی حیات یا موت میں کوئی اسلامی برتاؤ ان سے حرام۔ یہ تمام احکام نہ صرف ان رافضیوں بلکہ ان جمیع فرق و اشخاص کے لئے ہیں جو باوصف کلمہ گوئی اپنے کسی عقیدہ یا عمل میں کفر رکھتے ہیں جیسے ہر قسم کے وہابی اور نیچری اور قادیانی اور چکڑالوی اور حلول یا اتحاد رکھنے والے جھوٹے صوفی اور اب سب سے نئے اکثر گاندھوی کہ یہ سب مرتدین ہیں اور ان سب پر یہی احکام جیسا کہ علمائے حرمین طیبین کے دونوں مشہور فتاوٰی الحرمین و حسام الحرمین وغیرہما اور المحجۃ المؤتمنہ سے ظاہر ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی حق ارشاد فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے اور ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۹: از پیلی بھیت مرسلہ جناب مولٰنا محدث سورتی دام فیضہم ۱۹ صفر ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع وقفی پانچ برس کو ممبران انجمن اسلامیہ سے ایک توفیر معین پر ٹھیکہ لیا، علاوہ وثیقہ ٹھیکہ کے ایک درخواست ٹھیکہ دار نے بعد ایک سال کے اس مضمون کی دی کہ چونکہ انجمن کے ممبر وغیرہ زائد از پانچ سال کو ٹھیکہ شرعاً نہیں دے سکتے لہذا بغرض کارگزاری آئندہ مجھ سے معاہدہ تحریری کرالیا جائے کہ آئندہ پانچ برس کو بھی ٹھیکہ مجھی کو دیا جائے، چنانچہ معاہدہ تحریری و تکمیل کر لیا گیا کہ اگر اسامیان موضع کو ٹھیکہ دار رضا مند رکھے گا اور باغ کی توفیر زیادہ کرے گا اور محافظت کرے گا تو آئندہ کو بھی اسی توفیر پر دیا جاسکتا ہے مگر توفیر باغ کی بدستور رہی اور اسامیان راضی نہیں، پس ایسی صورت میں اراکین انجمن کو پابندی لازم ہے یا نہیں؟ بایں ہمہ کہ اور اشخاص کی درخواستیں ٹھیکہ جدید کی زائد از سابق موجود ہیں جن میں مسجد و مدرسہ کا نفع ظاہر ہے، علاوہ ازیں اگر ٹھیکہ والے سابق نے پابندی معاہدہ کی موافق کی ہو یعنی اسامیان دیہہ کو راضی رکھنے کا اہتمام کیا ہو اور باغ کی توفیر کی زیادتی میں سعی کی ہو مگر اتفاق سے ان کی رضا مندی نہ ہو سکی اور توفیر میں ترقی نہ ہو سکی تو کیا ایسی صورت میں معاہدہ کی پابندی اراکین انجمن اسلامیہ کو لازم ہوگی اور اس کو اسی توفیر پر ٹھیکہ دینا جائز ہے گو مسجد و مدرسہ کا نقصان ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اراکین پر اس معاہدہ کی پابندی نہ صرف غیر ضروری بلکہ محض ناجائز و ممنوع و گناہ ہے وہ معاہدہ

اوقاف کے اجارہ

محض باطل و شرعاً مردود و نارروا تھا اور باطل کا حق یہی ہے کہ مٹایا جائے نہ کہ پابندی ہو۔ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے باجماعِ مذاہبِ اربعہ باطل و ناجائز ہے، اس ٹھیکہ میں زمین تو اجارۂ مزارعین میں ہوتی ہے اور توفیرِ آئندہ کا ٹھیکہ دیا جاتا ہے اور یہ حرام ہے عقدِ اجارہ شرع نے منافع کے لئے رکھا ہے نہ عین کے لئے، منفعت جیسے مکان میں رہنا گھوڑے پر چڑھنا اور عین جیسے روپیہ غلہ پھل وغیرہا، تو جو اجارہ استہلاکِ عین پر واقع ہو مردود و باطل ہے،

الا ما خصه الشرع کاجارة الظئر للارضاع فانه عقد علی اللبن واللبن عین ملکت ورد الشرع بما حنه علی خلاف الاصل فیقتصر علی مورده۔

مگر جس کو شرع نے مخصوص کردیا ہو جیسے دودھ پلانے کے لئے کوئی دودھ والا جانور اجرت پر لیں کیونکہ یہ اجارہ دودھ پر واقع ہو اور دودھ عین ہے لیکن شرع خلافِ قیاس اس کی اباحت پر وارد ہے لہٰذا یہ حکم اپنے مورد پر بند رہے گا (ت)

فتاوٰی خیریہ و عقود الدریہ و درمختار و ردالمحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے اور فتاوٰی فقیر میں اس کی کامل تفصیل و تنقیح۔ اور اگر اس سے قطع نظر ہی کریں تو اوّلاً اراکین کی وہ تحریر صرف ایک وعدہ تھی اور وفائے وعدہ پر جبر نہیں کما فی الاشباہ والہندیۃ وغیرہما (جیسا کہ اشباہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت)

ثانیاً وہ وعدہ بھی لفظ ان شاء اللہ کے ساتھ تھا جو حلف کے اثر کو بھی باطل کردیتا ہے۔

ثالثاً اراکین کو کوئی اختیار نہ تھا نہ ہے کہ وقف کے نقصان کا وعدہ کرلیں اور اپنے وعدہ کے نباہ کے لئے وقف کا نقصان کریں۔

بالجملہ وہ تحریر تو محض مہمل اور یہ رائج ٹھیکہ باطل و حرام ہے، اراکین کو چاہئے کہ دیہات میں جس وقت سال تمام ہوتا ہے اس وقت نظر کریں کہ بعض مزارعین سے پٹہ کی میعاد باقی ہے یا سب کی ختم ہوگئی یا کل یا بعض ایسے ہیں جن سے کسی میعادِ معین کا معاہدہ نہ ہوا سال بسال زراعت کرتے اور اجرت دیتے ہیں، یہ تین صورتیں ہیں۔ صورت دوم میں تو ظاہر ہے کہ زمین دیہہ اجارہ سے پاک و خالص ہوگئی، اور صورت سوم میں تمام مزارعوں کو اطلاع دے دیں کہ سال آئندہ زمین ہماری طرف سے تم کو اجارہ میں نہ دی جائے گی بلکہ ہم کل زمین دیہہ فلاں مستاجر کو اجارہ دیں گے اس کی طرف سے تم کو بدستور اجارہ ملے گی جس سے تمہارے معمول میں فرق نہ آئے گا یوں زمین دیہہ خالص ہوجائے گی۔ صورت اوّل میں البتہ دقت ہے اس کا علاج یہ ہے کہ جن جن کی میعاد باقی ہے انہیں بلاکر سمجھایا جائے

کہ ہم صحت شرعی کے لئے یہ کارروائی کرتے ہیں جس کا کوئی اثر تمہارے خلاف نہ پڑے گا تم زبانی کہہ دو کہ ہم نے بقیہ میعاد کے اجارہ زمین سے دست برداری کی اس سے تمہیں ضرر نہ ہوگا زمین بدستور تمہیں کو ملے گی کاغذی عملدرآمد میں تبدیل نہ ہوگی شرعی طور پر سال آئندہ سے ہمارے بدلے فلاں مستاجر سے تم کو زمین اجارہ میں ملے گی جب وہ اس پر راضی ہو کر فسخ اجارہ کر دیں یوں تمام زمین خالص ہو جائے گی بعد مستاجر سے کہا جائے کہ ہم نے اس تمام دیہہ کی زمین پانچ برس کے لئے فی سال اتنے روپے کے عوض تمہارے اجارہ میں دی وہ قبول کرے یہ عقد صحیح و جائز شرعی ہوگا اور زرِ ٹھیکہ وقف کے لئے حلال ہوگا جو بچے مستاجر کے لئے حلال ہوگا ورنہ طرفین گنہگار اور نشست کم ہوئی تو اصل منافع موجودہ سے جتنا زائد آئے گا وقف کے لئے حرام ہوگا وہ ملک مستاجر ہے اور نشست زیادہ ہو تو جتنا بچا وہ مستاجر کے لئے حرام ہوگا وہ مال وقف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۳: مسئولہ ظہور الدین صاحب وکیل بریلی محلہ خواجہ قطب ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر زیر تجویز ہے جس کی زیریں منزل پر تعمیر ہونا قرار پایا ہے لیکن مسجد کو وسیع بنانے اور اس کا ٹھیک رخ قائم کرنے میں ایک جزو مکان دوسرے شخص کا بھی آتا ہے یہ جزو ایک چھوٹے سے مثلث کی شکل میں ہے یہ شخص مالک مکان اس مثلث کو وقف کرنے کو تیار ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ تعمیر مسجد جو اوپر بنے گی نیچے کے قطعہ مثلث کو اس کو دوامی طور پر کرایہ یا چانٹی پر دے دیا جائے تاکہ وہ شخص اس پر تعمیر نیچے نیچے کرے اس کا یہ خیال ہے کہ میرا مکان جو مثلث قطعہ دینے سے کہ نشانوٹ کر ناقص ہو جائے گا پھر نیچے نیچے کوٹھے کی تعمیر کرنے سے درست ہے زمین موقوفہ رہے گی اور اس کا کرایہ وہ ادا کیا کرے گا۔ ذیل میں ایک نقشہ بغرض سہولت فہم بنا دیا گیا ہے جس میں ا ب ج سے اراضی استفتا طلب دکھائی ہے آیا بعد وقف کے اس کو اراضی اس طور سے کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں کرایہ ضرور مسجد میں صرف ہوگا۔ نقشہ یہ ہے:

الجواب

وہ شخص اپنا خاص جزو مکان اس مسجد کے نام وقف کر دے اور وقف نامہ رجسٹری کرا دے پھر مصارف مسجد کے لئے یہ خاص ٹکڑا اسی شخص کو اجرت مثل پر اجارہ میں دیا جائے اور ہر تین سال کے بعد کرایہ نامہ کی تجدید کی جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ وقف کرتے وقت وقفنامہ میں متولی مسجد کو یہ اجازت لکھ دے کہ یہ خاص ٹکڑا زیادہ مدت کے لئے بھی مجھ کو اجارہ میں دیا جا سکے اس صورت میں تین سال کی قید نہ رہے گی مگر وقف کیلئے زیادہ احتیاط اسی پہلی صورت میں ہے، در مختار میں ہے:

یراعی شرط الواقف فی اجارتہ فلو اھمل الواقف مدتھا قیل تطلق الزیادۃ للقیم و قیل تقید بسنۃ مطلقا، وبھا ای بالسنۃ یفتی فی الدار وبثلاث سنین فی الارض الا اذا کانت المصلحۃ بخلاف ذلک[1]

واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف کے اجارہ میں شرطِ واقف کو ملحوظ رکھا جائیگا اگر واقف نے مدتِ اجارہ کا تعین نہیں کیا تو ایک قول یہ ہے کہ متولی کے لئے زیادتی کی اجازت مطلق رکھی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سال کے ساتھ مقید ہوگی اور ایک سال کی مدت پر ہی فتوٰی دیا جائے گا مکان کے بارے میں اور تین سال کی مدت پر فتوٰی دیا جائے گا زمین کے بارے میں سوائے اس کے کہ مصلحت اس کے خلاف میں ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲: از پیلی بھیت محلہ کھکرا مرسلہ حمید الدین خاں صاحب کارندہ اکبری بیگم ۶ رمضان مبارک ۱۳۲۹ھ

قبلہ دوجہاں وکعبہ دین وایمان دامت برکاتہم بعد تمنائے قدمبوسی عارض، بی بی صاحبہ نے جائداد وقف کی ہے وارث سے اندیشہ ہے کہ بعد وفات فسوخ کرا کر قبضہ یا انکار کریں حضور سے دریافت کیا کہ یہ تحریر شرعا درست ہے اگر اس میں کوئی شک ہے تو دوسرا کاغذ رجسٹری کرا دیا جائے، وقفنامہ رجسٹری اسٹامپ پر تحریر ہے اس کی نقل واسطے ملاحظۂ اقدس ارسال خدمت ہے جس وقت حضور کا جواب آئے گا تب داخل خارج کی درخواست دی جائے گی بی بی صاحبہ نے اپنی دوسری جائداد سے حصہ وارثان کو دے دیا ہے یہ جائداد وقف کی ہے۔

خلاصہ وقف نامہ: میں اکبری بیگم فارسی خواندہ بنت عبدالرشید خاں مرحوم ساکنہ پیلی بھیت محلہ کھکرا بحالت صحت نفس وثبات عقل اپنی خوشی سے اس وقت اپنی جائداد حسبۃً للہ واسطے مصارف

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۶

خیر اطعام مساکین و پارچہ جاے سرما و گرما ئے مساکین و تجہیز و تکفین غربا ئے اسلام و جہیز دختران مساکین و
صرف خیر مساجد و مدارس دینی و حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً وقف لوجہ اللہ کرتی ہوں تا حیات
خود متولی رہوں گی بعد میرے فیاض الدین احمد خاں بعد ان کے ان کی اولاد ذکور حسب شرع شریف بہ حیثیت
حکیم خلیل الرحمن خاں و مولوی وصی احمد صاحب رہیں گے متولیان سو روپے سالانہ اصغری بیگم کو جو میری
چھوٹی بہن ہے دیتے رہیں بعد ان کے ان کی اولاد ذکور کو حسب شرع شریف جو دیتے رہیں نیز یہ بھی
شرط ہے کہ میری رائے میں بحالت تولیت میری اس حیثیت کا بیع یا رہن کرنا یا ٹھیکہ دینا اور اس سے
دوسری جائداد یا اور کوئی شے مفید واسطے منافع اغراض وقف کے خرید کرنا مفید معلوم ہو تو ایسا کرنے
کا حسب شرائط دستاویز ہذا مجھے اختیار ہوگا اس لئے کہ موت کا وقت مقرر نہیں ہے لہذا استعفا او
اختیار طریق وقف نامہ لکھا گیا افضل خیرات شرعاً یہ ہے کہ جائداد مذکورہ کسی قیمت مناسب پر فروخت
کرکے وقتاً فوقتاً خود اپنے ہاتھ سے خیرات کرتی، لہذا تا حیات اپنی مجھ کو اختیار ہوگا کہ جس وقت چاہوں
فروخت کرکے حسب دلخواہ خود خرچ کروں اور جو کچھ بعد میں باقی رہے گا اس سے شرائط وقفنامہ ہذا
متعلق ہوں گے اگر میری حیات میں متولیان سے کوئی فوت ہو جائے تو مجھ کو متولی مقرر کرنے کا خود اختیار ہوگا،
متولیان کو چاہیے سو روپیہ سالانہ بطور خیرات تا حیات ان کے ۱۰۰ جو اس وقت میرے پاس ہے بعد
میرے دیا کریں گے بعد وفات ان کے یہ روپیہ دیگر خیرات میں شامل کیا جائے اگر خدا نخواستہ ملک
حجاز اپنی بد قسمتی سے نہ پہنچ سکوں تو میری قبر کسی بزرگ کے قریب بنوائی جائے اور مقبرہ تعمیر کر دی جائے
اور ایصال ثواب قرآن شریف و کلمہ و درود میں [illegible] سال تک خرچ کیا جائے چونکہ آمدنی جائداد کی
تعیین نہیں ہو سکتی میری رائے میں منہائے اخراجات متعلق جائداد کے ایک ثلث حرمین شریفین میں
واسطے خیرات کے دیا جائے اور ایک ثلث طلبائے علم دین و مصارف مساجد بیلی بھیت و مدرسہ عربی
واقع بیلی بھیت ایک ثلث فقراء و مساکین و اطعام وغیرہ اور واسطے ایصال ثواب شاہ محمد شیر صاحب کے
[illegible] روپے سالانہ یا جس قدر زائد گنجائش ہو کیا جائے مجھے حکام سے امید ہے کہ بوقت دورہ
اس جائداد موقوفہ کی نگرانی فرماویں و متولیان کے پاس رجسٹر حساب جمع خرچ باقاعدہ درست رہنا
ضرور ہے میرے وارث یا قائم مقام کو اس کے تبدیل و تغیر کا اختیار نہ ہوگا۔ لہذا یہ وقف نامہ بتعیین
مالیت معہ [illegible] روپیہ لکھ دیا کہ سند ہو۔ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۶ء رجسٹری شدہ ہے۔

الجواب

یہ کاغذ باطل محض ہے اس میں انشائے وقف کے دو جملے ہیں:

اوّل وقف لوجہ اللہ کرتی ہوں، اور اس میں یہ شرط لگاتی کہ اسے بیع کر جائداد یا اور کوئی شئے مفید اغراض وقف خرید کرنے کا مجھے اختیار رہیگا شرط استبدال اگرچہ جائز ہے مگر یہیں کہ اس کے عوض دوسری جائداد ہی مل جائے جو انہیں مقاصد پر وقف ٹھہرے نہ کہ علاوہ وہ جائداد مطلقاً جو شئے چاہے جیسا کہ اس کاغذ میں تحریر ہے ایسی شرط سے وقف باطل ہو جاتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

اذا شرط فی اصل الوقف ان یستبدل به ارضا اخری اذا شاء فتکون وقفا مکانها، فالوقف والشرط جائزان عند ابی یوسف وکذا لو شرط ان یبیعها ویستبدل بثمنها مکانها، وفی واقعات القاضی الامام فخر الدین قول هلال مع ابی یوسف رحمهما الله تعالی وعلیه الفتوی کذا فی الخلاصة، وان قال علی ان ابیعها بما بدا لی من الثمن من قلیل او کثیر او علی ان ابیعها واشتری بثمنها عبدا او قال ابیعها ولم یزد علی ذلك، قال هلال هذا الشرط فاسد یفسد به الوقف کذا فی فتاوی قاضی خان، ولو شرط الاستبدال ولم یذکر ارضا ولا دارا، له ان یستبدل بجنس العقار ما شاء،

اگر واقف نے اصل وقف میں یہ شرط عائد کی کہ جب چاہے گا اس زمین کے بدلے دوسری زمین لے گا اور وہ اس پہلی زمین موقوفہ کی جگہ وقف ہو گی تو امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک وقف و شرط دونوں جائز ہیں، اور اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ اس کو فروخت کر کے اس کے ثمن کے بدلے دوسری زمین خریدے گا جو اس کی جگہ وقف ہو گی تو بھی جائز ہے اور واقعات قاضی امام فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ابو یوسف کے قول کے ساتھ شیخ ہلال علیہ الرحمۃ کا قول بھی مذکور ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خلاصہ میں ہے اور اگر واقف نے اصل وقف میں یوں کہا کہ اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ میں اس وقف کو اپنی رائے کے مطابق کثیر یا قلیل ثمن کے بدلے فروخت کروں گا یا یوں کہا کہ اس شرط پر میں اس کو فروخت کروں گا اور اس کے ثمن کے بدلے غلام خریدوں گا یا یوں کہا کہ اس شرط پر کہ میں اس کو فروخت کروں گا، اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو شیخ ہلال نے فرمایا کہ یہ شرط فاسد ہے اور اس سے وقف فاسد ہو گا، یہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے، اور اگر اس نے فقط استبدال کی شرط کی اور یہ بیان نہ کیا اس کے بدلے زمین یا دار لے گا تو اس کو اختیار

من دار او من كذا في الخلاصة، واذا قال على ان استبدل ارضا اخرى ليس له ان يجعل البدل دارا وكذا على العكس كذا في فتح القدير[1] وذكر الخصاف في وقفه لو شرط ان يبيعها ويصرف ثمنها الى ما رأى من ابواب الخير فالوقف باطل كذا في الذخيرة[2].

ہوگا کہ جنسِ عقار سے جو چاہے اس کے بدلے میں لے لے چاہے زمین یا مکان، یونہی خلاصہ میں ہے۔ اور اگر اس نے کہا اس شرط پر کہ میں اس کے بدلے دوسری زمین لوں گا تو اب اس کے بدلے مکان نہیں لے سکتا اور یونہی اس کا عکس کرسکتا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ امام خصاف نے اپنی وقف میں ذکر فرمایا کہ اگر واقف نے یہ شرط کی کہ میں وقف کو فروخت کرکے ثمن کارہائے خیر میں جہاں چاہوں گا خرچ کروں گا تو وقف باطل ہوگا، ذخیرہ میں یونہی ہے۔ (ت)

دوم جو کچھ بعد میرے باقی رہے گا اس سے شرائط وقفنامہ متعلق ہوں گے اس کا حاصل یہ ہے کہ فی الحال اس جائداد کا کوئی حصہ وقف نہیں میں جب چاہوں بیچوں اور جہاں چاہوں خرچ کروں میرے بعد اس بیع و خرچ سے کچھ باقی بچے تو وہ وقف ہوگا ظاہر ہے کہ یہاں کچھ معلوم نہیں کہ بعد زندگی اس کے بیع و خرچ سے کوئی حصہ جائداد باقی رہے یا کچھ نہ رہے اور رہے تو کیا اور کس قدر، تو یہ ایک مجہول چیز کا وقف کرنا ہوا اور مجہول کا وقف باطل ہے پھر وہ ہی ایک احتمالی بات پر معلق رہا اور ایسی تعلیق کا وقف باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

شرطه ان یکون قربة فی ذاته معلوما لا معلقا الا بکائن[3]

شرطِ وقف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت ہو اور معلوم ہو معلق نہ ہو ہاں شرطِ موجود کے ساتھ معلق ہوسکتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حتی لو وقف شیئا من ارضه ولم یسمه لایصح ولو بین بعد ذلک[4]

یہاں تک کہ اگر کسی نے اپنی زمین کا کچھ حصہ وقف کیا اور اس کو متعین نہ کیا تو وقف صحیح نہ ہوگا اگرچہ بعد میں بیان کردے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۳۹۹-۴۰۰
[2] " " " " ۲/۴۰۲
[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۷
[4] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۶۰

اسی میں اسعاف سے ہے:

الوقف لایحتمل التعلیق بالخطر[1]

وقف ایسی شیئ کے ساتھ معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا جو محتمل الہلاک ہو (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو قال اذا مت من مرضی ھذا فقد وقفت ارضی الی اخرہ فبرأ ثم لم تصر وقفا[2]

جب کہا کہ اگر میں اپنی اس مرض میں مرگیا تو میں نے اپنی یہ زمین وقف کردی، پھر مرگیا تو زمین وقف نہ ہوئی (ت)

اس کے بعد جو لکھا کہ حکام سے امید ہے کہ اس جائداد موقوفہ کی نگرانی کریں اور آخیر میں کہا کہ یہ وقف نامہ لکھ دیا اور متولیوں کو مصارف بتائے ان میں کسی سے انشائے وقف نہ مقصود ہے نہ مفہوم بلکہ یہ سب اپنے اسی خیال کی بنا پر ہے کہ اسے وقف کیا حالانکہ وہ شرعاً ہنوز وقف نہ ہوئی اور غلط خیالی کی بنا پر جو الفاظ کہے جائیں کچھ اثر نہیں رکھتے۔ اشباہ قاعدہ لاعبرۃ بالظن البین خطؤہ میں ہے:

لو اقر بطلاق زوجتہ ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمہ لم یقع کما فی القنیۃ[3]

اگر کسی نے کسی مفتی کے فتوٰی دینے کی وجہ سے وقوعِ طلاق کا گمان کرتے ہوئے اپنی بیوی کی طلاق کا اقرار کیا پھر اس کا عدم ظاہر ہوگیا تو طلاق واقع نہیں ہوئی جیسا کہ قنیہ میں ہے (ت)

پس اس طالبہ ثواب کو چاہئے کہ اسے از سر نو وقف کرے اور بعد موت پر معلق نہ کرے کہ وہ اس میں اگر ثلث متروکہ سے زائد ہو تو پھر وارثوں کی اجازت کا محتاج ہوگا، اور واقفہ استبدال کی شرط لگانا چاہے تو اختیار ہے مگر صرف اس طرح کہ اسے دوسری جائداد سے بدل لیں خواہ بیچ کر اس کے عوض دوسری جائداد خرید لیں اور اب وہ دوسری فوراً انہیں شرائط پر وقف ہوجائے گی، اور روپیہ یا جائداد کسی اور چیز سے تبدیل کا ذکر ہرگز نہ ہو ورنہ وقف جاتا رہے گا، اور یہ خیال نہ کریں کہ اپنی حیات میں بیچ کر خرچ کردوں تو ثواب زیادہ ہے، نہیں بلکہ اپنی حیات میں وقف کامل کریں اور شرط کرلیں کہ زندگی بھر

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/٣٦٠

[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٥/٤٢٣

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السابعۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ١/١٩٣

اس کے تمام مصارف میرے ہاتھ سے ہوں گے اور میری رائے واختیار پر رہیں گے میرے بعد فلاں فلاں متولی ہوں اور اتنا اتنا فلاں مصرف میں صرف کیا کریں یوں اپنی رائے سے زندگی بھر جیسا چاہے صرف کا اختیار رہا اور بعد کو بھی تا بقائے جائداد ثواب پہنچا کیا۔ عالمگیری میں ہے:

رجل اراد ان یجعل مالہ بوجہ القربۃ فبناء الرباط للمسلمین افضل من عتق الرقاب لانہ ادوم، وقیل التصدق علی المساکین وقلت قد کنا قلنا لمن اراد ذلك ان یشتری الکتب ویضع فی دار الکتب لیکتب العلم لانہ ادوم، فکان افضل من غیرہ ولو اراد ان یتخذ دارہ وقفا علی الفقراء، فالتصدق بثمنہا افضل ولو کان مکان الدار ضیعۃ فالوقف افضل کذا فی المضمرات[1] (ملخصا)

ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنا مال قرب الٰہی میں کردے تو اس کا مسلمانوں کے لئے رباط بنانا غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے کیونکہ رباط کو دوام زیادہ ہے، اور بعض نے کہا کہ اس کو مساکین پر صدقہ کرنا افضل ہے اور تحقیق ہم نے ایسا ارادہ کرنے والے کو کہا تھا کہ وہ کتابیں خرید کر لائبریری میں رکھے کیونکہ اس میں زیادہ دوام ہے لہٰذا یہ اپنے غیر سے افضل ہے اور اگر کسی نے ارادہ کیا کہ اپنا گھر فقیروں پر وقف کردے تو اس کے ثمن کو صدقہ کرنا افضل ہے اور اگر بجائے گھر کے زمین موقوف ہو تو وقف افضل ہے، ایسے ہی مضمرات میں ہے (ملخصا)۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

رجل جاء الی المفتی واراد ان یتقرب الی اللہ تعالٰی بدارہ فسأل ابیعہا واتصدق بثمنہا اواشتری بثمنہا عبیدا فاعتقہم اواجعلہا دار المسلمین ای ذلك یکون افضل، قالوا یقال لہ ان بنیت رباطا وتجعل لہا وقفا ومستغلا لعمارتہا فالرباط افضل فانہ ادوم واعم نفعا، وان لم تجعل للرباط مستغلا

ایک مفتی کے پاس ایسا شخص آیا جو اپنے گھر کے ذریعے اللہ تعالٰی کا تقرب حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس نے کہا کہ میں اس کو فروخت کرکے اس کے ثمن صدقہ کروں یا اس کے ثمنوں سے غلام خرید کر آزاد کروں یا اس کو مسلمانوں کے لئے گھر کردوں ان میں سے کیا افضل ہے تو مشائخ نے کہا کہ اس کو یہ جواب دیا جائے کہ اگر تو رباط بناکر اس کی آمدنی کے لئے کوئی شے وقف کرے تو رباط افضل

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۲۔ ۴۸۱

لعمارة فالافضل ان تبیع وتتصدق بثمنه علی المساکین[1]	ہے کیونکہ اس میں دوام زیادہ اور اس کا نفع عام ہے اور اگر تو رباط کی آمدنی کے لئے کوئی چیز

وقف نہ کرسکے تو پھر اس کو فروخت کرکے ثمن مسکینوں پر صدقہ کرنا افضل ہے (ت)

عالمگیریہ میں اسے نقل کرکے فرمایا:

ودون ذٰلك فی الفضل ان یشتری بثمنها عبیدًا فیعتقهم کذا فی الظهیریة[2]	اور اس سے کم فضیلت اس میں ہے کہ اس کے ثمنوں سے غلام خرید کر آزاد کرے۔ ظہیریہ میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

وجیز کردری پھر بحرالرائق پھر ہندیہ میں ہے:

وقف الضیعة اولی من بیعها والتصدق بثمنها[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	قطعۂ اراضی کو وقف کرنا اس کو بیچ کر ثمنوں کو صدقہ کرنے سے اولٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۲: از شہر محلہ چرخانی ٹیب مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب ۲۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ دستاویز "د" جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو یہ تملیک نامہ میں شمار ہوگی یا وقف نامہ میں یا تولیت نامہ میں؟ دوسرے یہ کہ زید نے دستاویز "ب" اپنے پسر عمرو کو اسی مضمون کو پلٹ کر لکھ دی تو متولی یا مہتمم کو اختیار رہتا یا نہیں؟ اب چونکہ زید کا انتقال ہوگیا جس کی نسبت لکھا تھا کہ زید تاحیات متولی رہے گا بعد اس کے جو متولی یا سجادہ یا مہتمم ہوگا یکے بعد دیگرے اس کو بھی پابند اس تحریر کا رہنا ہوگا اب چونکہ دو دعویدار پیدا ہوئے ایک بکر خاندانی بزرگ جس کی عمر تخمیناً ۷۵ سال کی ہے اور مرید بھی کرتے ہیں دوسرا زید کا لڑکا عمرو جو مرید نہیں کرتا ہے جس کی عمر ۱۹ سال کی ہے جس کے حق میں دستاویز "ب" متولی نے تحریر کی ہے اب ان ہر دو میں ترجیح کس کو ہے اور کون مستحق جانشینی کا ہے اور متولی اور سجادہ نشیں جدا جدا ہونا چاہئے یا ایک ہی شخص مستحق ہے بموجب تحریر متذکرہ کے؟

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف باب الرجل یجعل دارہ مسجدًا الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۰

[3] " " " " " " " " " " " "

الجواب

دونوں دستاویزیں میں، دستاویز اول وقف نامہ ہے اگرچہ غلطی سے اسے تملیک نامہ لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے "میں نے بحالت صحت نفس و ثبات عقل اراضی و مکان وغیرہ مذکورہ بالا کو اپنی ملکیت سے جدا کرکے واسطے امور و اغراض مذہبی متذکرۂ آئندہ کے تملیک کرکے اقرار کرتا ہوں کہ مجھ کو اور میرے کسی وارث شرعی کو نسبت جائداد مذکور کے دعوٰی نہ ہوگا نخفے خاں اپنی حیات تک متولی جائداد مذکور کے رہیں گے اور ان کے بعد جو شخص سجادہ نشین یکے بعد دیگرے میرا ہوگا سجادہ نشین و متولی جائداد مذکور رہے گا کسی متولی کو کسی وقت رہن و بیع کسی قسم کے انتقال کا اختیار نہ ہوگا یہ جائداد تملیک شدہ بطور وقف خاص مذہبی کام کے متصور ہوگی اس میں کبھی وراثت جاری نہ ہوگی" تو شک نہیں کہ وہ وقف نامہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) دستاویز "ب" کے ملاحظہ سے ظاہر کہ زید نے جو اصل واقف کا مقرر شدہ متولی تھا اپنی حالتِ حیات و صحت میں تولیت سے دستکشی کرکے اپنے بیٹے کو جانشین و متولی کیا شرعًا اسے کچھ اختیار نہ تھا،

اوّلاً متولی کو جائز نہیں کہ اپنی حیات و صحت میں دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرے جب تک کہ واقف نے صراحۃً اسے اس کا اختیار نہ دیا ہو اور یہاں اسے اس کا اختیار نہ دیا تھا بلکہ عبارت وقف نامہ سے صاف ظاہر کہ واقف نے تاحیاتِ زید اسی کا متولی رہنا لکھا اس کے بعد اوروں کی جانشینی تحریر کی، درمختار میں ہے،

ارادالمتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عامًا صح، والا فان فوض فی صحتہ لایصح۔[1]

متولی نے اپنی حیات و صحت میں دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانے کا ارادہ کیا تو اگر اس کو شرط واقف کے ذریعے تفویض عام حاصل ہے تب صحیح ہے ورنہ حالتِ صحت میں تفویض صحیح نہ ہوگی (ت)

ثانیاً پسرِ زید کی جانشینی بھی خلافِ شرطِ وقف نامہ عمل میں آئی جیسا کہ عبارت مذکورہ سے ظاہر ہے لہذا دستاویز "ب" محض مہمل و ناقابلِ عمل ہے تحریر وقف نامہ سے روشن ہے کہ متولی و سجادہ نشین ایک ہی شخص ہو اور اس کی نسبت واقف نے کوئی تعیین نہ کی تو مصالح شرعیہ دینیہ کے اعتبار سے اقربائے واقف میں سے جو شخص سنّی پرہیزگار، دیندار، دیانتدار، علماء و صلحائے اہلسنت کے اتفاق رائے سے اس کام کے لئے

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی الشرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹

زیادہ مناسب ہو وہی سجادہ نشین و متولی کیا جائے علم، تقوٰی و دیانت و اہلیت کا لحاظ سب سے مقدم ہوگا اور جب تک اقارب واقف میں سے اس قابل کوئی ہو اجنبیوں میں سے نہ کیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

ومادام احد یصلح للتولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب ، ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیہم [1]

جب تک وقف کرنے والے کے اقارب میں کوئی متولی بننے کی صلاحیت رکھنے والا موجود ہے کسی اجنبی کو متولی وقف نہیں بنایا جائے گا۔ واقف کے قریبی رشتہ دار متولی کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کے خاندان کی طرف منسوب رہے۔ (ت)

عرفاً اس سلسلے کا مجاز و ماذون ہونا بھی ضرور ہے اگر ان سب باتوں میں مساوات ہو تو باعتبار سن ترجیح ہوگی،

کما نصوا ان الاحق بالامامۃ اعلمہم بالکتاب والسنۃ ثم و ثم و ثم اسنہم [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ مشائخ نے نص فرمائی کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم امامت کا زیادہ حقدار ہے پھر فلاں، پھر فلاں پھر ان میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نوٹ

سولھویں جلد کتاب الشرکۃ و کتاب الوقف پر ختم ہوئی،
سترھویں جلد کا آغاز کتاب البیوع سے ہوگا۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی الشرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۹
[2] الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۰۱
درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲